تاریخ
ادبِ حدیث

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

پورب اکادمی
اسلام آباد

Marfat.com

تاریخ

ادبِ حدیث

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

پورب اکادمی
اسلام آباد

Marfat.com

297-24
ت 910 ع
145595

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

طبع اوّل: جنوری 2017ء
ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد
فون نمبر: 051 - 231 7092
ای میل: poorab_academy@yahoo.com

Tarikh Adab e Hadith
by: prof. Dr. Ali Asghar Chishti
Published by: Poorab Academy, Islamabad, Pakistan

۲۹۷،۱۲۴۰۰۷۳
اص غ چشتی، علی اصغر، ڈاکٹر
تاریخ ادبِ حدیث/ ڈاکٹر علی اصغر چشتی
اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۷ء
۳۷۶ص

۱۔ حدیث۔۔ تعلیم ومطالعہ

Marfat.com

انتساب

تاریخ ادبِ حدیث کے موضوع پر
اس تالیف کو میں اپنے جدِ امجد
خواجہ زمان شاہ چشتی نوّر اللہ مرقدہٗ،
خواجہ نصیر الدین چشتی نوّر اللہ مرقدہٗ
اور خواجۂ خواجگان شیخ محمد فاضل چشتی کوہانوی نوّر اللہ مرقدہٗ
کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ جن کی دعائیں
اور توّجہات ہمیشہ اس
بندۂ ناچیز کے شاملِ حال رہتی ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

عنوانات	صفحہ
تقدیم	۱۷
پہلا باب: حدیث کا پہلا دور ۲۳	
قبل از اسلام کتابت کا رواج	۲۳
مدینہ میں کتابت کا حال	۲۴
کتابت حدیث کی ممانعت	۲۵
کتابت حدیث کی ممانعت کی حکمت	۲۵
کتابت حدیث کی اجازت	۲۶
صحیفۂ صادقہ کا تعارف	۲۸
خطبۂ فتح مکہ کی کتابت	۲۸
عہدِ نبوی ﷺ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ	۲۹
یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ	۲۹
کفار مکہ سے معاہدہ کی شرائط	۲۹
سنت .... خلافت راشدہ کے عہد میں	۳۱
سنت نبوی ﷺ .... عہد صدیق اکبرؓ میں	۳۱
سنت نبوی ﷺ .... عہد فاروقؓ میں	۳۵
سنت .... عہد عثمانیؓ میں	۴۱
عہد خلافت علی رضی اللہ عنہ	۴۲
حواشی وحوالہ جات	۴۴

عنوانات	صفحہ
دوسرا باب: حدیث کا دوسرا دور ۴۵	
اسلامی فتوحات کی وسعت	۴۶
حضرت ابوالدرداء کی درس گاہ	۴۷
مدینہ منورہ	۴۸
صفہ اور اصحاب صفہ	۴۸
مکہ مکرمہ	۴۹
کوفہ	۴۹
بصرہ	۵۰
شام	۵۰
مصر	۵۱
اخذ حدیث کے لئے سفر	۵۱
عہد صحابہؓ میں کتابت حدیث	۵۲
کتابت حدیث کی ترغیب	۵۲
دورِ صحابہؓ کے مخطوطات	۵۴
تابعین اور صحابہؓ کی ہم آہنگی	۵۶
کتابت حدیث سے اجتناب	۵۷
تابعین کتابت کے قائل تھے	۵۷
صحیفۂ صحیحہ (صحیفۂ ہمام بن منبہ)	۵۹
تدوین حدیث کی ضرورت	۶۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
عمر بن عبدالعزیزؒ اور تدوین حدیث	۶۱
ابو بکر بن حزمؒ	۶۲
عمرۃ بنت عبدالرحمٰنؒ	۶۳
قاسمؒ بن محمدؒ بن ابو بکر صدیقؓ	۶۳
ابن شہاب زہریؒ	۶۳
حواشی وحوالہ جات	۶۵
تیسرا باب: حدیث کا تیسرا دور (۱)	۶۷
مسانید کی ابتدا	۶۸
مسند کی پہلی کتاب	۶۸
دوسری صدی ہجری کی تالیفات	۶۹
دوسری صدی ہجری کے کبار محدثین	۷۱
امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)	۷۲
(۱) مسند حماد ابن ابی حنیفہؒ	۷۳
(۲) کتاب الآثار للامام ابی یوسف	۷۴
(۳) مسند حسن بن زیاد لؤلوی	۷۴
(۴) کتاب الآثار للامام محمد	۷۴
(۵) مسند ابی حنیفہؒ	۷۴
(۶) مسند ابی حنیفہؒ	۷۴
(۷) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۸) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۹) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۱۰) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۱۱) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۱۲) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
(۱۳) مسند ابی حنیفہؒ	۷۵
امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)	۷۶
امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)	۷۷
امام ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ (م ۱۶۰ھ)	۷۹
امام لیث بن سعدؒ (م ۱۷۵ھ)	۷۹
اساتذہ وشیوخ	۸۰
تلامذہ	۸۱
امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ)	۸۱
امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ (م ۲۱۲ھ)	۸۳
سیاسی احوال وظروف کے اثرات	۸۵
وضع حدیث کے ثبوت کے قرائن	۸۷
طبقات رُواۃ حدیث	۸۸
اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر اثر	۸۹
معتزلہ اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل	۸۹
تیسری صدی ہجری اور کتب ستہ	۹۱
کتب ستہ کی تدوین	۹۱
امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ)	۹۱
امام مسلم بن حجاج قشیری: (م ۲۶۱ھ)	۹۳
امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)	۹۵
امام ابو داؤدؒ (م ۲۷۵ھ)	۹۸
امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ (۲۷۹ھ)	۱۰۱
امام ابن ماجہ قزوینیؒ (۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ)	۱۰۳
حواشی وحوالہ جات	۱۰۶

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
چوتھا باب: حدیث کا تیسرا دور (۲) ۱۰۹	
علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ)	۱۰۹
یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)	۱۱۰
ابو بکر بن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ)	۱۱۱
ابوزرعہ رازیؒ (م ۲۶۴ھ)	۱۱۲
امام ابوحاتم رازیؒ (م ۲۷۷ھ)	۱۱۲
محمد بن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ)	۱۱۳
امام ابن خزیمہ نیشاپوریؒ	۱۱۳
محمد بن سعد کاتب واقدیؒ (م ۲۳۰ھ)	۱۱۵
اسحاق بن راہویہؒ (م ۲۳۸ھ)	۱۱۶
امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)	۱۱۷
امام دارمیؒ	۱۱۹
امام ابن قتیبہ دینوریؒ (م ۲۷۶ھ)	۱۲۲
تیسری صدی ہجری کی تالیفات	۱۲۴
حواشی وحوالہ جات	۱۲۶
پانچواں باب: حدیث کا چوتھا دور ۱۲۷	
چوتھی صدی کے مشہور محدثین	۱۲۷
امام حاکم نیشاپوریؒ	۱۲۹
امام ابو الحسن دار قطنیؒ	۱۲۹
۱۔ کتاب المؤتلف والمختلف	۱۳۱
۲۔ کتاب العلل	۱۳۱
۳۔ کتاب الالزامات	۱۳۱
۴۔ التتبع علی الصحیحین	۱۳۱
۵۔ کتاب السنن	۱۳۲
امام ابن حبانؒ	۱۳۲
صحیح ابن حبانؒ	۱۳۴
امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)	۱۳۴
قاسم بن اصبغؒ	۱۳۶
ابن السکنؒ	۱۳۶
امام طحاویؒ	۱۳۶
۱۔ معانی الآثار	۱۳۸
۲۔ مشکل الآثار	۱۳۸
ابو عوانہؒ (م ۳۱۶ھ)	۱۳۹
حافظ ابن مندہؒ (م ۳۹۵ھ)	۱۳۹
ابن السنیؒ (م ۳۶۴ھ)	۱۴۱
رامہرمزیؒ (م: ۳۶۰ھ)	۱۴۱
حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ)	۱۴۱
قاضی المحالیؒ (م ۳۳۰ھ)	۱۴۲
پانچویں صدی کے بعض مشہور محدثین	۱۴۲
امام بیہقیؒ	۱۴۲
۱۔ السنن الکبریٰ	۱۴۴
۲۔ السنن الصغیر	۱۴۴
۳۔ شعب الایمان	۱۴۴
۴۔ معرفۃ السنن والآثار	۱۴۴
۵۔ کتاب الاسماء والصفات	۱۴۴

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
٦۔ دلائل النبوۃ	۱۴۴
۷۔ مناقب الشافعی	۱۴۴
خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ)	۱۴۵
ابن عبد البر قرطبی اندلسیؒ	۱۴۷
ابن ماکولاؒ (م ۴۸۲ھ)	۱۴۸
حمیدی اندلسی بغدادیؒ (م ۴۸۸ھ)	۱۴۹
السمعانیؒ (م ۵۱۰ھ)	۱۵۱
امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ)	۱۵۱
رزینؒ (م ۵۲۰ھ)	۱۵۳
سمعانیؒ (۵۰۶-۵۶۲ھ)	۱۵۳
حافظ ابن عساکرؒ (م ۵۷۱ھ)	۱۵۴
ابن بشکوالؒ	۱۵۵
ابن الجوزیؒ	۱۵۵
سہیلیؒ (م ۵۸۱ھ)	۱۵۶
حواشی وحوالہ جات	۱۵۷
چھٹا باب: حدیث کا پانچواں دور ۱۵۹	
مجد الدین ابن اثیر الجزریؒ (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ)	۱۵۹
عز الدین ابن اثیرؒ	۱۶۱
حافظ ابن الصلاحؒ	۱۶۲
امام نوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)	۱۶۴
حافظ ابن دقیق العیدؒ (۶۳۳-۷۰۲ھ)	۱۶۶
حافظ جمال الدین مزیؒ (۶۵۴-۷۴۲ھ)	۱۶۶
حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ)	۱۶۷
ولی الدین خطیب تبریزیؒ (م ۷۳۷ھ)	۱۶۸
حافظ ذہبیؒ (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ)	۱۶۹
حواشی وحوالہ جات	۱۷۰

عنوانات	صفحہ
ساتواں باب: طبقاتِ رُواۃِ حدیث ۱۷۱	
ابنِ سعد	۱۷۱
ابن سعد کے مآخذ	۱۷۲
طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات	۱۷۲
طبقات ابن سعد کا اسلوب وانداز	۱۷۲
رواۃِ حدیث کے طبقات اوران کی اصطلاحی تقسیم	۱۷۳
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تقسیم	۱۷۴
طبقۂ صحابہؓ	۱۷۵
صحابی کی تعریف	۱۷۵
عدالتِ صحابہ کرامؓ	۱۷۶
صحابہ کرامؓ کی تعداد	۱۷۶
طبقۂ تابعین	۱۷۸
تابعی کی تعریف	۱۷۸
تبع تابعین	۱۷۹
مشاہیر صحابہ کرامؓ کا تعارف	۱۷۹
کثیر الروایۃ صحابہؓ	۱۷۹
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۸۰
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	۱۸۰
حضرت انس رضی اللہ عنہ	۱۸۰
اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	۱۸۱
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۱۸۲
حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۸۳
حضرت ابو سعید خدریؓ	۱۸۳

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۱۸۴
عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۱۸۴
حضرت ابوذر غفاریؓ	۱۸۵
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۱۸۵
حضرت معاذ بن جبلؓ	۱۸۵
حضرت ابو الدرداءؓ	۱۸۶
طبقۂ تابعین	۱۸۶
سعید بن المسیب	۱۸۶
نافع مولیٰ ابن عمرؓ	۱۸۷
محمد بن سرینؒ	۱۸۷
ابن شہاب زہریؒ	۱۸۸
سعید بن جبیرؒ	۱۸۸
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ	۱۸۹
اتباعِ تابعین	۱۸۹
امام مالک بن انس رحمہ اللہ	۱۸۹
امام شافعی رحمہ اللہ	۱۸۹
امام سفیان ثوری رحمہ اللہ	۱۹۰
سفیان بن عینیہؒ	۱۹۱
لیث بن سعدؒ	۱۹۱
حواشی وحوالہ جات	۱۹۲
آٹھواں باب: تاریخ اور تاریخ حدیث	**۱۹۳**
اخبار مع اسناد	۱۹۳
حدیث اور تاریخ کا باہمی تعلق	۱۹۴
طبقات اور مسلمان علماء	۱۹۴
خبر کی معروضیت	۱۹۶
تاریخ کے بنیادی اصول اور علماء	۱۹۶
تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۱۹۷
تاریخ کے فوائد	۱۹۷
علم تاریخ اور علم طبقات	۲۰۲
رواۃِ حدیث پر جرح کرنے کا جواز	۲۰۳
نواں باب: علمائے رجال	**۲۰۵**
طبقہ نمبر۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۲۰۵
طبقہ نمبر ۲: تابعین	۲۰۶
طبقہ نمبر ۳	۲۰۶
طبقہ نمبر ۴	۲۰۷
طبقہ نمبر ۵	۲۰۷
طبقہ نمبر ۶	۲۰۷
طبقہ نمبر ۷	۲۰۸
طبقہ نمبر ۸	۲۰۸
طبقہ نمبر ۹	۲۰۹
طبقہ نمبر ۱۰	۲۱۰
طبقہ نمبر ۱۱	۲۱۰
طبقہ نمبر ۱۲	۲۱۱
طبقہ نمبر ۱۳	۲۱۲
طبقہ نمبر ۱۴	۲۱۲
طبقہ نمبر ۱۵	۲۱۳

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
طبقہ نمبر ۱۶	۲۱۴
طبقہ نمبر ۱۷	۲۱۴
طبقہ نمبر ۱۸	۲۱۵
طبقہ نمبر ۱۹	۲۱۵
طبقہ نمبر ۲۰	۲۱۷
طبقہ نمبر ۲۱	۲۱۸
طبقہ نمبر ۲۲	۲۱۹
طبقہ نمبر ۲۳	۲۲۰
طبقہ نمبر ۲۴	۲۲۱
دسواں باب: برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت	**۲۲۵**
ہندوستان میں پہلا محدّث	۲۲۵
درہ خیبر کے راستہ سے پہلا محدّث	۲۲۷
سید مرتضیٰ کوفی (م ۵۸۹ھ)	۲۲۷
محدّث صاغانی (م ۶۵۰ھ)	۲۲۸
ابوالحسن علی بن عمر لاہوری (م ۵۲۹ھ)	۲۲۸
ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن لاہوری (م ۵۵۰ھ)	۲۲۸
ابوالقاسم محمد بن خلف لاہوری (م ۵۴۰ھ)	۲۲۹
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ)	۲۳۰
قاضی منہاج السراج جرجانی (م ۶۶۸ھ)	۲۳۰
برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بخاری (م ۶۸۷ھ)	۲۳۱
کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ)	۲۳۱
رضی الدین بدایونی (م ۷۰۰ھ)	۲۳۱
ابوتوامہ بخاری حنبلی (م ۷۰۰ھ)	۲۳۱
۷۰۰ھ تا ۹۰۰ھ	۲۳۲
نظام الدین اولیاء اور ان کا مکتب محدثین	۲۳۳
شیخ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ)	۲۳۳
شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی (م ۷۴۷ھ)	۲۳۴
مولانا فخر الدین زرّاد سانوی دہلوی (م ۷۴۸ھ)	۲۳۴
ضیاء الدین بن معید الملک برنی (م ۷۵۸ھ)	۲۳۵
محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی (م ۷۱۹ھ)	۲۳۵
نظام الدین علامی الہاشمی ظفر آبادی (م ۷۳۵ھ)	۲۳۵
شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلی (م ۷۵۷ھ)	۲۳۶
سید محمد گیسو دراز (م ۸۲۵ھ)	۲۳۶
شیخ وجیہہ الدین	۲۳۶
قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ)	۲۳۷
شمس الدین خواجگی کڑاوی (م ۸۷۸ھ)	۲۳۷
شرف الدین منیری اور ان کا مکتب محدثین	۲۳۷
مخدوم الملک شرف الدین منیری بہاری (م ۷۸۲ھ)	۲۳۷
شرف الدین اور علم حدیث	۲۳۸
شیخ مظفر بلخی (م ۷۸۶ھ)	۲۳۸
شیخ مظفر اور علم حدیث	۲۳۹
حسین معز بہاری (م ۸۴۴ھ)	۲۳۹
احمد لنگرِ دریا (م ۸۹۱ھ)	۲۳۹
حواشی وحوالہ جات	۲۴۰
گیارہواں باب: برِصغیر میں علم حدیث (۲)	**۲۴۱**
امیر کبیر سید علی بن شہاب ہمدانی (۷۱۴ھ تا ۷۸۶ھ)	۲۴۱
سید جمال الدین	۲۴۱

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
قاضی حسین شیرازیؒ	۲۴۲
خانقاہ ہمدانی اور علم حدیث	۲۴۲
شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور ان کا مکتبِ محدثین	۲۴۲
جمال الدین محدثؒ	۲۴۲
مخدوم جہانیاںؒ (۷۰۷ھ تا ۷۸۵ھ)	۲۴۲
بدرالدین الدمامینیؒ	۲۴۵
ابوالفتوح نورالدین احمد بن عبداللہ شیرازی طاوسیؒ	۲۴۶
حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد برِصغیر میں	۲۴۶
یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابو الخیر الشافعیؒ (۷۸۹ھ تا ۸۴۳ھ)	۲۴۶
محمود گاوانؒ (م ۸۸۶ھ)	۲۴۶
حافظ سخاویؒ کے مرکزِ حدیث کے اثرات	۲۴۷
ابوالفتح بن رضی مکیؒ (م۔ ۸۸۶ھ)	۲۴۷
شیخ احمد بن صالحؒ	۲۴۷
عمر بن محمد دمشقیؒ (۸۲۹ھ تا ۹۰۰ھ)	۲۴۸
عبدالعزیز بن محمود طوسیؒ (۸۳۶ھ تا ۹۱۰ھ)	۲۴۸
وجیہہ الدین محمد المالکیؒ (۸۵۶ھ تا ۹۱۹ھ)	۲۴۸
حسین بن عبداللہ بن اولیاء کرمانیؒ (م ۹۲۲ھ)	۲۴۹
جمال الدین محمد بن عمر شافعیؒ (۸۶۹ھ تا ۹۳۰ھ)	۲۴۹
رفیع الدین صفویؒ (م ۹۵۴ھ)	۲۴۹
شیخ زکریا الانصاریؒ اور علم حدیث	۲۵۰
عبدالمعطی الحضرمیؒ (م ۹۸۹ھ)	۲۵۰
شہاب الدین عباسیؒ (م ۹۹۲ھ)	۲۵۰
ابن حجر ہیثمیؒ (م ۹۷۴ھ) کا مرکز حدیث	۲۵۱

عنوانات	صفحہ
شیخ عبداللہ العیدروسیؒ (م ۹۹۰ھ)	۲۵۱
ابو السعادات محمد الفاکہی الحنبلیؒ (م ۹۹۲ھ)	۲۵۱
میر مرتضیٰ شریف شیرازیؒ (م ۹۷۴ھ)	۲۵۱
میر کلاں محدث اکبر آبادیؒ (م ۹۸۳ھ)	۲۵۱
برصغیر میں مراکز حدیث کا ارتقاء	۲۵۲
دکن	۲۵۲
گجرات	۲۵۳
مالوہ	۲۵۴
خاندیش	۲۵۴
سندھ	۲۵۴
لاہور	۲۵۵
جھانسی اور کالپی	۲۵۵
آگرہ	۲۵۵
لکھنؤ	۲۵۶
جون پور	۲۵۶
بہار	۲۵۶
بنگال	۲۵۷
سنار گاؤں	۲۵۷
حواشی و حوالہ جات	۲۵۸
بارھواں باب: برصغیر میں علم حدیث (۳) ۲۵۹	
شیخ علی المتقی الہندیؒ (۸۸۵ھ تا ۹۷۵ھ)	۲۵۹
عبدالوہاب متقیؒ (م ۱۰۰۱ھ)	۲۶۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
شیخ محمد طاہر پٹنیؒ (۹۱۴ھ تا ۹۸۶ھ)	۲۶۰
شیخ بہلول دہلویؒ	۲۶۱
شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ (م ۹۹۰ھ)	۲۶۱
ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۱ھ)	۲۶۲
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۹۵۸ھ تا ۱۰۵۲ھ)	۲۶۲
شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ)	۲۶۴
شیخ سعید بن شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۷۰ھ)	۲۶۵
فرخ شاہ بن شیخ سعیدؒ (م ۱۱۱۲ھ)	۲۶۵
سراج احمد مجددیؒ (۱۱۷۶ھ)	۲۶۵
شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۸۰ھ)	۲۶۶
خواجہ سیف الدین سرہندیؒ (م ۱۰۹۸ھ)	۲۶۶
خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندیؒ (م ۱۱۱۴ھ)	۲۶۶
شاہ ابوسعید بن صفی القدر مجددیؒ (م ۱۲۵۰ھ)	۲۶۷
شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددیؒ (۱۲۹۶ھ)	۲۶۷
محمد صدیق بن شریفؒ (م ۱۰۴۰ھ)	۲۶۸
شیخ حسین الحسینی ہرویؒ (م ۱۰۴۵ھ)	۲۶۸
سید جعفر بدر عالمؒ (م ۱۰۸۵ھ)	۲۶۸
محبوب عالم بن جعفر بدر عالمؒ (م ۱۱۱۱ھ)	۲۶۸
شیخ یعقوب بنانی لاہوریؒ (م ۱۰۹۸ھ)	۲۶۹
مولانا نعیم بن محمد فیض اودھی جونپوریؒ (م ۱۱۲۰ھ)	۲۶۹
شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمن حنفیؒ (م ۱۱۳۰ھ)	۲۶۹
شیخ یحییٰ بن امین اللہ آبادیؒ (م ۱۱۴۴ھ)	۲۶۹
شاہ محمد فاخر الٰہ آبادیؒ (م ۱۱۶۴ھ)	۲۷۰
مولانا امین الدین بن محمود عمری حنفی جونپوریؒ (م ۱۱۴۵ھ)	۲۷۰
مولانا نور الدین بن صالح احمد آبادیؒ (م ۱۱۵۵ھ)	۲۷۰

عنوانات	صفحہ
مرزا محمد بن رستم بدخشیؒ (م ۱۱۹۵ھ)	۲۷۱
مرزا جان برکیؒ (م ۱۱۰۰ھ)	۲۷۲
محمد صادق لاہوریؒ (م ۱۱۹۳ھ)	۲۷۲
حواشی وحوالہ جات	۲۷۳
تیرہواں باب: برصغیر میں علم حدیث (۴)	۲۷۵
شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ	۲۷۵
تالیفی خدمات	۲۷۸
حجۃ اللہ البالغۃ	۲۷۸
اربعین	۲۷۹
وثیقۃ الآخرۃ	۲۷۹
الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	۲۷۹
الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین	۲۷۹
الإرشاد الی مہمات الاسناد	۲۷۹
تراجم البخاری	۲۷۹
شرح تراجم ابواب البخاری	۲۷۹
مصفی شرح موطا	۲۸۰
مسوی شرح موطا	۲۸۰
آثار المحدثین	۲۸۰
مکتوبات مع مناقب امام البخاریؒ وابن تیمیہ	۲۸۰
شاہ ولی اللہ کے مشہور تلامذہ	۲۸۰
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	۲۸۰
تالیفی خدمات	۲۸۱
اللباب	۲۸۱
شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ)	۲۸۱

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
علمی اور تالیفی خدمات	۲۸۲
بستان المحدثین	۲۸۳
عجالۂ نافعہ	۲۸۳
تحفہ اثنا عشریہ	۲۸۳
شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دہلویؒ (م ۱۲۶۲ ھ)	۲۸۳
مولانا مظہر نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ ھ)	۲۸۳
احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوریؒ (م ۱۲۰۷ ھ)	۲۸۳
شاہ عبدالغنی مجددیؒ (م ۱۲۹۶ ھ)	۲۸۴
مولانا قاسم بن اسد بن غلام شاہ نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ ھ)	۲۸۴
میاں سید نذیر حسین بہاری دہلویؒ (م ۱۳۲۰ ھ)	۲۸۵
مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ	۲۸۵
فرنگی محل اور علم حدیث	۲۸۶
ملا مبین اور ملا حیدرؒ	۲۸۷
مولانا عبدالرزاقؒ	۲۸۸
مولانا عبدالحلیمؒ	۲۸۸
مولانا محمد نعیم صاحبؒ	۲۸۹
مولانا عبدالحئیؒ	۲۸۹
مولانا عبدالباریؒ	۲۹۰
حواشی وحوالہ جات	۲۹۲
چودھواں باب: مستشرقین، اہداف اور طریقہ کار ۲۹۳	
مستشرقین سے متعلق عربی مصادر	۲۹۳
مستشرقین سے متعلق اردو مصادر	۲۹۵

عنوانات	صفحہ
استشراق	۲۹۷
لفظی اور اصطلاحی مفہوم	۲۹۷
مستشرقین اور اسلام	۲۹۸
تحریکِ استشراق کا آغاز	۲۹۹
گیام پوسٹل کا کردار	۳۰۱
استشراق کا دورِ عروج	۳۰۱
ایڈورڈ پوکاک (Edward Pococke)	۳۰۲
ولیم بیڈول (Bedwell. W)	۳۰۲
واٹیئر (Vattier. P)	۳۰۲
ہاٹنجر (Hottinger D.H)	۳۰۲
ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe)	۳۰۳
جین بررڈ (Genebrard)	۳۰۳
لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison)	۳۰۳
ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux)	۳۰۳
تحریک استشراق اور اٹھارہویں صدی عیسوی	۳۰۳
سائمن اوکلے (Oklay S)	۳۰۵
ایڈورڈ پوکاک (Pococke, E)	۳۰۵
جارج سیل (Sale G)	۳۰۵
جین گیجنیئر (Gagnier, J)	۳۰۵
رسک (Reiske, J. J)	۳۰۵
ایڈورڈ گبن (Gibbern, E)	۳۰۵
والٹیئر (Voltaire Fr)	۳۰۵
حواشی وحوالہ جات	۳۰۶

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
پندرہواں باب: تاریخ مستشرقین ۳۰۷	
مسلم ممالک کا سقوط وانحطاط	۳۰۷
انحطاط کے اثرات	۳۰۷
معتدل مزاج مستشرقین	۳۰۸
گاڈ فرے ہگنز	۳۰۸
کاسن دی پرسورال	۳۰۹
ویل	۳۰۹
نیان	۳۰۹
گوئٹے	۳۰۹
انیسویں صدی عیسوی اور مستشرقین	۳۱۱
جان جاک سید سیلو (Sedillo, J.J)	۳۱۱
دیورجے (Desvergers)	۳۱۱
ڈاکٹر پیرون (Dr. Perron A.)	۳۱۱
گارسن دی تاسی (Tassy, Garsin, De)	۳۱۱
جوزف وہائٹ (White, J.)	۳۱۱
ولیم رائیٹ (Wright, w.)	۳۱۲
ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E. h.)	۳۱۲
ڈی جونگ (Jong, P. De)	۳۱۲
ڈی جوجے (Goeje, M.d. D.)	۳۱۲
فلایشر (Fleischer H. C.)	۳۱۲
وستنفیلڈ (Wustenfild, F.)	۳۱۲
بیریزین (Beresin, N.)	۳۱۲
بلانکو (White Joseph Blanco)	۳۱۲
ایڈورڈ سخاؤ (Sachau Edward)	۳۱۳
سلیم نوفل (Salim Nofel)	۳۱۳
فان کریمر (Van Kremer)	۳۱۳
سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)	۳۱۳
مینارڈ (Meynard, Barbieide)	۳۱۳
رینی باسے (Basset Rene)	۳۱۳
ڈاکٹر لیبان (Labon Dr. G.)	۳۱۴
گولڈ زیہر (Goldziher, Y.)	۳۱۴
ولہازن (Wellhausen, J.)	۳۱۴
واشنگٹن ارونگ (Irving Washington)	۳۱۴
یوجین یونج (Eugene Young)	۳۱۴
مستشرقین بیسوی صدی عیسوی میں	۳۱۵
مونٹے (Monfit,ed)	۳۱۸
گاڈ فرے ڈی مبائن (Demombyne Goudefroy)	۳۱۸
کارلو الفانسو نل لینو (Nallino, Carlo Alfanso)	۳۱۹
سر تھامس آرنلڈ (Ameld, Sir Thomas)	۳۱۹
رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Staphen)	۳۱۹
مارماڈیوک پکتھال (Pickthall, M.W.)	۳۱۹
اسٹینلے لین پول (Stanlay Lane Poole)	۳۱۹
نکلسن (Nicholson, R.A.)	۳۱۹
تولدکیے (Noldeke, Th.)	۳۱۹
ہر گرونج (Snouck Hergrenje)	۳۱۹
ونسنک (Wensink, A.J.)	۳۲۰
پروفیسر زخاؤ (Sahau, E)	۳۲۰
جوزف ہوروز (Horovitz, J)	۳۲۰
جوزف ہیل (Hell, Joseph)	۳۲۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
کارل بروکلمان (Brockelman, C.)	۳۲۰
بارتھولڈ (Barthold, V.V.)	۳۲۰
سموئیل زویمر	۳۲۰
ایچ جی ویلز (Wells, Herbert Grogs)	۳۲۰
گب (Gibb. Sir Hamilton A.R.)	۳۲۰
ولفریڈ کینٹول اسمتھ (Smith, W.C.)	۳۲۱
جوزف شاخت (Schacht, J)	۳۲۱
برنارڈ لویس (Levis, Bernord)	۳۲۱
حواشی وحوالہ جات	۳۲۲
سولہواں باب: فتنۂ انکارِ حدیث ۳۲۳	
مولانا اسلم جیراج پوری	۳۲۴
مرکز ملت کے تصور کا پس منظر	۳۲۵
نظریۂ مرکز ملت	۳۲۶
مرکز ملت کی وضاحت	۳۲۶
کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے؟	۳۲۷
عبد اللہ چکڑالوی	۳۲۸
حافظ عنایت اللہ اثری (م ۱۹۸۰ء)	۳۳۰
غلام احمد پرویزؒ (م ۱۹۸۵ھ)	۳۳۰
اطاعتِ رسول ﷺ	۳۳۱
مقام رسالت ﷺ	۳۳۲
رسالت بدستور جاری ہے	۳۳۲
اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد	۳۳۳

عنوانات	صفحہ
الگ الگ اطاعت کا تصور	۳۳۳
نظام ربوبیت	۳۳۴
دورِ نبوی ﷺ اور نظام ربوبیت	۳۳۴
روایتِ حدیث	۳۳۵
روایات سے جی بہلانا	۳۳۵
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امتناع روایت	۳۳۶
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امتناعِ روایت	۳۳۶
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حدیثِ رسول ﷺ	۳۳۷
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی مرویات	۳۳۸
قرآن اور فقہ	۳۳۹
امام داؤد طائیؒ اور روایتِ حدیث	۳۳۹
امام ابن قتیبہؒ اور تاویل مختلف الحدیث	۳۴۰
حواشی وحوالہ جات	۳۴۱
سترہواں باب: منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کا تجزیہ ۳۴۳	
موضوع احادیث	۳۴۴
رُواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال	۳۴۵
متن حدیث	۳۴۶
خلافِ عقل ودرایۃ روایات	۳۴۸
سورج کی سجدہ ریزی	۳۴۸
موسم سرما اور موسم گرما کی تبدیلی	۳۵۱
گرگٹ کی پھونکیں	۳۵۲

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
احادیث نبوی ﷺ اور نامناسب مضامین	۳۵۳
ازواجِ مطہراتؓ کی مرویات	۳۵۴
بوسہ ناقض وضو نہیں	۳۵۵
غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہے؟	۳۵۵
عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم	۳۵۶
جنابت اور حیض کے بارے میں قدیم توہمات کا ازالہ	۳۵۶
خلافِ علم وتجربہ روایات	۳۵۷
سو سال بعد دنیا کا خاتمہ	۳۵۷
عجوہ کھجور کی تاثیر	۳۵۸
کھمب کی خاصیت	۳۵۹
باہم متعارض روایات	۳۶۰
حواشی وحوالہ جات	۳۶۲
اٹھارہواں باب: پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ ۳۶۳	
استعمار کی منصوبہ بندی کا ردعمل	۳۶۳
تقسیم ہند کے اثرات	۳۶۴
جامعۃ العلوم الاسلامیہ	۳۶۵
دارالعلوم کراچی	۳۶۶
جامعہ فاروقیہ	۳۶۷
جامعہ حنفیہ	۳۶۷
دار العلوم امجدیہ	۳۶۷

عنوانات	صفحہ
جامعہ ابو بکر	۳۶۷
مظہر العلوم	۳۶۸
دارالہدیٰ	۳۶۸
انوارالعلوم	۳۶۸
خیر المدارس	۳۶۹
قاسم العلوم	۳۶۹
جامعہ اشرفیہ	۳۷۰
نصرۃ العلوم	۳۷۲
جامعہ امدادیہ	۳۷۲
دارالعلوم حقانیہ	۳۷۲
دارالعلوم تعلیم القرآن	۳۷۳
جامعہ رضویہ ضیاء العلوم	۳۷۳
جامعہ سلفیہ	۳۷۳
جامعہ فریدیہ	۳۷۴
جامعہ محمدیہ	۳۷۴
جامعہ اسلامیہ	۳۷۴
جامعۃ العلوم الشرعیہ	۳۷۵
جامعہ اسلامیہ عالیہ (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی)	۳۷۵
ادارۂ تحقیقات اسلامی	۳۷۵
شعبۂ حدیث و سیرت	۳۷۶

Marfat.com

تقدیم

الحمد للہ وکفیٰ، والصلاۃ والسلام علیٰ من لا نبیّ بعدہ

امّا بعد:...... یہ ۱۹۸۶ء کے اوائل کی بات ہے اور اُس دَور کی بات ہے جب کاتبِ حروف کا تعلق دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے تھا۔ دعوۃ اکیڈمی کی طرف سے اُن دنوں تربیت آئمہ مساجد کے پروگراموں کا باقاعدگی سے انعقاد ہوتا تھا۔ ان پروگراموں میں ملک بھر سے ایسے جیّد اور مستند علماء شریک ہوتے تھے۔ جو دینی مدارس، مساجد اور تعلیمی اداروں میں بطور خطیب اور مدرس فرائض انجام دیتے تھے۔

تربیت ائمہ مساجد پروگرام کے شرکاء کے لیے جو نصاب تیار کیا گیا اس نصاب میں علوم القرآن، علوم الحدیث، اصول فقہ اور تاریخ وسیرت کے مضامین کو بہ طور خاص اہمیت دی گئی۔ حسنِ اتفاق سے جب ان مضامین کی تقسیم کا مرحلہ آیا تو علوم الحدیث کی تدریس کے لیے کاتبِ حروف کا انتخاب کیا گیا۔

یہ ایک اچھا خاصا کٹھن فریضہ تھا۔ اس لیے کہ شرکاء کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہوتی تھے اور ہر ایک شریکِ کورس درس نظامی کا فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ علومِ عصریہ اور تدریس کے تجربہ کا حامل بھی ہوتا تھا۔ اس نوعیت کے شرکاء کورس کو علوم الحدیث کے بنیادی اور اساسی جہات وجوانب پر لیکچرز دینے کے لئے جہاں بنیادی ماٰخذ و مصادر کے ساتھ پوری گہرائی کے ساتھ مناسبت ضروری تھی۔ وہاں ان ماٰخذ و مصادر کا وسیع مطالعہ بھی ناگزیر تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے ان دنوں اپنا دفتر "دعوۃ اکیڈمی" کی لائبریری کے مشرقی گوشہ میں منتقل کر دیا تھا اور میرا زیادہ وقت علومِ الحدیث کے مصادر و ماٰخذ اور مراجع کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں کلاس میں جا کر حدیث سے متعلق مختلف علوم وفنون مثلاً علم الرجال، علم الجرح والتعدیل، غریب الحدیث اور مصطلح الحدیث کا تعارف پیش کرتا اور ہر فن کے اہم مصادر پر تفصیل کے ساتھ بحث کرتا تو شرکاء کورس برملا اعتراف کرتے اور کہتے تھے کہ انہوں نے دورۂ حدیث تو کر لیا ہے لیکن یہ معلومات انہیں پہلی مرتبہ مل رہی ہیں۔ اس دوران میں میں جس جس کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔ اس کتاب کے مؤلف کے احوال و آثار اور کتاب کی خصوصیات کے بارے میں بنیادی معلومات میں اپنے پاس جمع کرتا

Marfat.com

تھا۔ اس طریقہ سے علوم الحدیث سے متعلق مصادر و مآخذ کے ضمن میں ہزارہا صفحات پر مشتمل مواد میرے پاس جمع ہو گیا۔ اس مواد کی بناء پر میں نے بیسیوں تحقیقی مقالات مرتب کیے جو تحقیقی مجلات میں چھپے۔

۱۹۹۹ء میں جب مجھے شعبۂ حدیث و سیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ساتھ انسلاک کا موقع ملا تو ایم۔ اے علوم اسلامیہ (تخصص فی الحدیث) کے طلبہ کے لیے نصاب کی تیاری کا موقع اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمایا اس نصاب میں دیگر کورسز کے علاوہ تاریخ حدیث کا ایک مستقل کورس تجویز کیا گیا جسے متعلقہ کمیٹی کے ارکان نے بہت سراہا اور اس کے لیے جو تفصیلی خاکہ تیار کیا گیا تھا اس کی توثیق کی۔ تاریخ حدیث کے ضمن میں میرے پاس جو معلومات منتشر صورت میں جمع تھیں۔ انہیں احوال و اوضاع کے مطابق جمع کر کے کتابی شکل دے دی۔ الحمد للہ! اس کتاب سے اب تک ہزاروں طلبہ اور اساتذہ مستفید ہو چکے ہیں اور مستفید ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے بعد کئی مواقع پر مختلف جامعات کے اساتذۂ حدیث نے یہ تجویز پیش کی کہ ادبِ حدیث کی تاریخ کے موضوع پر اب بھی ایک ایسی تالیف کی ضرورت ہے جو تحقیق کے اصول و ضوابط کے مطابق مرتب کی گئی ہو۔ جو محتویات کے لحاظ سے جامع ہو اور مصادر و معلومات کے اعتبار سے مستند ہو۔

مجھے ذاتی طور پر بھی ایک عرصہ سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ادبِ حدیث کی تاریخ پر ہمارے ہاں اُردو زبان میں کوئی معقول اور قابلِ ذکر تالیف سامنے نہیں آئی اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر اساسی معلومات جمع کر کے کتابی شکل میں پیش کی جائیں تاکہ حدیث کے طلبہ اس کی بنیاد پر بنیادی مصادر و مآخذ تک رسائی حاصل کر سکیں اور خاص کر وہ طلبہ جو حدیث کے مجال میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیق کرنا چاہیں۔ وہ اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ علماءِ حدیث نے پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک پورے تسلسل کے ساتھ ادب حدیث کی خدمت کی ہے اور گوناگوں جہات پر سینکڑوں کی تعداد میں تالیفات مرتب کی ہیں۔ اس پورے ادب کی تاریخ کا احاطہ کرنا ظاہر ہے فردِ واحد کے بس کی بات نہیں اس کے لیے ایک مستقل اکیڈمی کی ضرورت ہے اور محققین کی ایک بہت بڑی جماعت کی ضرورت ہے۔ البتہ فردِ واحد کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق حدیث کے لٹریچر کا بنیادی خاکہ مرتب کرے اور ان تالیفات کی نشان دہی کرے جن سے واقفیت حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے ضروری ہے۔ تاریخ ادب حدیث کی ترتیب و تدوین میں بنیادی طور پر اس پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر وہ حضرات جو حدیث کی تشریعی حیثیت کے قائل نہیں ادبِ حدیث کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو حقیقت میں بے بنیاد ہوتی ہیں جو لوگ حدیث کے بارے میں نہیں جانتے ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس طرح معاشرہ میں حدیث کے حوالہ سے شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ جس نکتہ پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ حدیث کا سارا ادب تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کی تشریعی حیثیت نہیں۔ اگر اس کی تشریعی حیثیت ہوتی تو دورِ رسالت ہی سے اس کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام ہوتا۔ اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے کتاب کے ابتدائی تین ابواب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر

Marfat.com

بحث کی گئی ہے اور اس پہلو کو واضح کیا گیا ہے کہ حدیث کے ذخائر اور حدیث کی روایات دورِ رسالت ہی سے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین سے سینوں میں محفوظ چلی آ رہی ہیں اُسی طرح سفینوں میں بھی مکتوبہ شکل میں محفوظ چلی آ رہی ہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً سیّدنا انس بن مالک، سیّدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سیّدنا جابر رضی اللہ عنہم وغیر ہم آپ علیہ السلام کے ارشادات اپنے پاس لکھتے تھے اور روایت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ خلفاء راشدین کے دَور میں پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مکتوبہ راویات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ اسلامی ریاست کے اطراف و کناف میں جو علمی حلقے اور مراکز قائم ہو چکے تھے ان مراکز میں سے ہر ایک مرکز میں حدیث کے ذخائر صحائف و اجزاء کی شکل میں دستیاب تھے۔ سیّدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے جب ۹۹ھ میں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اپنے دَورِ خلافت میں تدوین حدیث کے لیے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا انتخاب کیا۔ امام زہری رحمہ اللہ نے بڑی محنت اور جدوجہد کے ساتھ حدیث کے ذخائر اور روایات کو ریاست کے آفاق و اطراف سے جمع کر دیا۔

دوسری صدی ہجری میں محدّثین نے پہلی صدی ہجری کے محدّثین کے مجموعہائے حدیث کو اسناد کے ساتھ مرتب کرنا شروع کیا۔ اس لیے دوسری صدی ہجری کو مسانید کی صدی کہا جاتا ہے۔ حدیث کے ادب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس ادب کے سارے بنیادی مصادر مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابو داوٗد، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے۔ اگر یہ ادب واقعی اہم ہوتا تو اس کے بنیادی مصادر شروع ہی سے مرتّب اور مدوّن ہوتے تیسری صدی ہجری میں ان مصادر کی تدوین سے تو یہ لگتا ہے کہ یہ بعد میں آنے والے علماء حدیث کی ایجاد ہے۔ اس ضمن میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ حدیث کے ادب میں جن چھ کتب کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ یہ چھ کتب پہلی اور دوسری صدی ہجری کے علماءِ حدیث کے مجموعوں کا انتخاب ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی طرف سے کوئی حدیث وضع نہیں کی ہے۔ ان دونوں شیوخ نے جو جو حدیث اخذ کی ہے اس کی سند پوری تفصیل کے ساتھ بتائی ہے۔ ان کتب کو حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے ہاں اس لیے زیادہ مقبولیت حاصل رہی کہ ان کے مؤلفین نے ترتیب و تدوین اور تبویب و تخطیط کے لحاظ سے بہت زیادہ محنت کی اور کتابوں کی تقدیم اس انداز سے کی کہ طلبہ کے لیے مسانید و مصنفات کے مقابلہ میں ان کتابوں سے استفادہ کرنا آسان ہو گیا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے فرض کریں آج اُردو ادب کا کوئی سکالر میر تقی میر، میر درد، مصحفی، آتش اور غالب کے کلام سے انتخاب کر کے ایک کتاب مرتب کر لے اور تفصیلی حواشی کے ساتھ اس کو اس انداز سے پیش کرے، کہ پڑھنے والے کو اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ تو کیا اس منتخب کلام پر یہ اعتراض کرنا جائز ہو گا کہ ان شعراء کا تعلق تو انیسویں صدی سے ہے اور کلام اکیسویں صدی میں مرتب کیا گیا ہے اس لئے اس کی استنادی حیثیت مشکوک ہے۔ حدیث کے ادب پر اعتراض کرنے والوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ تیسری صدی کے مرتب اور مدوّن کو تو دیکھتے ہیں لیکن جو روایت اور عبارت وہ درج کرتا ہے، اس کے بارے میں یہ نہیں بتاتے کہ وہ روایت کہاں سے چلی ہے اور کیسے چلی ہے اور اس کے راوی تک کیسے پہنچی ہے۔ نیز اس راوی نے اس کو کس طرح اخذ کیا ہے اور کس طرح ضبط کیا ہے۔

Marfat.com

ہمارے ہاں عام طور پر اُن ائمہ حدیث کے بارے میں حدیث کے طلبہ اور اساتذہ جانتے ہیں، جن کی تالیفات درس نظامی میں شامل ہیں اور جن کے بارے میں جامعات اور دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ حالانکہ ان معروف و مشہور محدثین کے علاوہ بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے جن کے بارے میں ہمارے ہاں کے طلبہ نہیں جانتے۔ تاریخ ادبِ حدیث میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ابتدائی دس صدیوں تک کے محدثین کا اجمالی تعارف قارئین کے سامنے آئے۔ اور ساتھ ساتھ ان کی تالیفی خدمات کا تذکرہ بھی ہو جائے۔ اس ضمن میں تاریخ اور تاریخ حدیث کے عنوان سے جو باب مرتب کیا گیا ہے، یہ دراصل امام سخاویؒ کی تالیف ــــ " الاعلان بالتوبیخ لمن ذمّ التوریخ " کے ابتدائی حصہ سے ماخوذ ہے۔ امام سخاویؒ نے اس کتاب میں تاریخ کی اہمیت کو بہت خوبصورت انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ اور مثالوں کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے تاریخ سے واقفیت ناگزیر ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر برصغیر کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اس خطہ کے علماء نے حدیث کے میدان میں کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی، حالانکہ یہ تاثر بہت سطحی اور خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے علماء نے جہاں علوم اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ہر فن کی خدمت کی ہے وہاں بطور خاص حدیث کی ترویج واشاعت کے لئے ہر نوع کی خدمات انجام دی ہیں۔ تاریخ ادبِ حدیث میں اس موضوع کے لئے چار ابواب مختص کئے گئے ہیں۔ برصغیر سے تعلق رکھنے والے علماء کے احوال و آثار کے ضمن میں زیادہ تر معلومات برصغیر کے تاریخی ادب کی تالیفات میں ضبط کی گئی ہیں۔ لیکن یہ معلومات منتشر حالت میں ملتی ہیں۔ ہاں بعض مصادر ایسے بھی ہیں جہاں علماء کا تذکرہ ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً اخبار الاخیار از مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ، نزھۃ الخواطر، خزینۃ الاصفیاء، تذکرہ علماء ہند اور تاریخ دعوت و عزیمت وغیرہ۔ علاوہ ازیں برصغیر کے بہت سارے علماء ایسے بھی ہیں جن کی سوانح مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں۔ اس سوانحی ادب میں بہت مفید اور قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد اسحاق مرحوم کی کاوش اس موضوع پر بہت جامع اور مستند حیثیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کی اشاعت میں علماء پاک وہند کی خدمات پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ جسے حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے ہاں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب چونکہ براہ راست حدیث کے سکالر نہیں تھے بلکہ آپ کا تعلق عربی ادب سے تھا اس لئے آپ نے اپنے مقالے کی تخطیط اور تبویب اپنے موضوع کے مطابق رکھی۔ ادبِ حدیث کی فنی ترتیب آپ کے پیش نظر نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جو طلبہ ڈاکٹر صاحب کا مطبوعہ مقالہ پڑھتے ہیں تو انہیں اس سے استفادہ کرنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔ تاریخ ادبِ حدیث میں ڈاکٹر صاحب کے مطبوعہ مقالہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ برصغیر میں ادبِ حدیث سے متعلق معلومات کو اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ قاری بڑی سہولت اور روانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکے اور اس کی بنیاد پر دیگر مصادر و مآخذ تک رسائی حاصل کر سکے۔

Marfat.com

ہمارے ہاں علمی حلقوں میں مستشرقین کے بارے میں مختلف نوعیت کی آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض حضرات مستشرقین کے بارے میں بہت سخت رویہ رکھتے ہیں اور بعض بہت نرم رویہ سے پیش آتے ہیں۔ ہاں بعض ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ بہر حال مستشرقین کا وجود ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مستشرقین کے اہداف، طریقہ کار اور تخلیقات کے بارے میں ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے پاس مستند معلومات ہونی چاہئیں اور ہر ہر فن میں انہوں نے جو تالیفات کی ہیں ان میں سے اہم تالیفات کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ ان کا مؤقف پوری صراحت کے ساتھ ہمارے ذہن میں رہے۔ تاریخ ادبِ حدیث میں مستشرقین کے موضوع پر دو ابواب مختص کئے گئے ہیں۔ ان دونوں ابواب میں مستشرقین کا تعارف کرایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ تحریک استشراق کے اہداف اور مراحل پر بھی بحث کی گئی ہے۔

ہمارے ہاں علماء کا ایک ایسا گروہ میں پایا جاتا ہے جو حدیث کے مختلف فنون اور نصوص پر اعتراض کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حدیث کا ادب قابل اعتبار اور قابل اعتماد نہیں۔ اس جماعت کے پیروکاروں کی تعداد اگرچہ انتہائی قلیل ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے تئیں بھرپور کوشش میں ہیں کہ اپنے مؤقف کو عامۃ الناس میں پھیلا کر حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کریں۔ تاریخ ادبِ حدیث میں اس موضوع پر بنیادی اور اساسی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس جماعت کی طرف سے جو اعتراضات اُٹھائے جاتے ہیں ان کو ترتیب کے ساتھ لے کر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معترضین کے اعتراضات دراصل ان کی علم حدیث سے لاعلمی اور اس فن سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات حق ہیں اور سو فیصد حق ہیں۔ جو لوگ ان ارشادات عالیہ میں مین میکھ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ باطل پر ہیں اور سو فیصد باطل ہیں۔ کتاب کے آخر میں پاکستان میں علم حدیث کے موضوع پر ایک باب رکھا گیا ہے۔ اس باب میں بہت اختصار کے ساتھ ان مدارس اور جامعات کا تذکرہ کیا گیا ہے جہاں حدیث کی ترویج واشاعت، تدریس اور تصنیف وتالیف کی شکل میں ایک عرصہ سے ہو رہی ہے اور جہاں چشمہائے صافیہ سے ہر سال ہزاروں تشنگانِ علم حدیث سیراب ہو رہے ہیں۔

تاریخ ادب حدیث کے موضوع پر اس کتاب میں جو معلومات جمع ہوئی ہیں یہ دراصل اللہ جل شانہٗ کے فضل وکرم اور ثانیہ وتوفیق کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں اپنے آپ کو بالکل اس قابل نہیں سمجھتا۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں اور برملا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس موضوع پر نہ قلم اُٹھانے کے قابل ہوں اور نہ ان کے بارے میں لکھنے کا اہل ہوں۔ جب میں اس پورے مسودے پر شروع سے آخر تک نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اس کی تخطیط سے لے کر کمپوزنگ کے مراحل میری نابکاری کے باوجود کس طرح تکمیل تک پہنچا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سفر کے ہر مرحلہ پر جہاں اللہ جل شانہ کا فضل وکرم شامل حال رہا وہاں میرے والدین، اساتذہ، آباؤاجداد اور مشائخ چشتیہؒ کی دعائیں اور توجہات بھی میرے ساتھ رہیں۔

Marfat.com

اس کتاب کے اخراج کے ضمن میں پورب اکیڈمی کے مسئول محترم ڈاکٹر صفدر رشید صاحب کی دلچسپی نے مہمیز کا کام کیا۔ آپ نے "مطالعہ حدیث" کی طرح تاریخ ادبِ حدیث کی طباعت واشاعت کے لئے دست تعاون بڑھایا۔ جناب ڈاکٹر صفدر رشید صاحب اصلاح اور علم وآگہی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے آپ ایسے لٹریچر کا انتخاب اور پھر اس کی طباعت واشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صفدر رشید صاحب کو اس کاوش اور حسن تعاون کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

کمپوزنگ کا کام عزیزم اشتیاق حسین شاہ نے بڑی محنت، توجہ اور لگن کے ساتھ انجام دیا، میں اس کے لئے تہہ دل سے دعاگو ہوں۔ سرورق کی خطاطی کے لئے ملک کے مایہ ناز خطاط جناب خالد جاوید یوسفی صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے نہایت خوبصورت انداز میں اس کتاب کے سرورق کو اپنی خطاطی سے مزین کیا۔ جبکہ تزئین اور فنی تدوین کا کام عزیزم امجد محمود نے بڑی محنت، باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ کیا۔ اللہ جل شانہٗ عزیزم امجد کو اجر جزیل عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب کے لئے وسیلۂ شفاعت بنائے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ علیہ الصلاۃ کی ہدایات کی ترویج واشاعت کے لئے استعداد، توفیق اور مواقع عنایت فرمائے۔ آمین

آمین ثم آمین

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
۲۳ر فروری ۲۰۱۶ء

١٥٥٩٥

Marfat.com

پہلا باب

حدیث کا پہلا دور

جب ہم ادب حدیث کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارا واسطہ حدیث کے پہلے دور سے پڑتا ہے۔ حدیث کے پہلے دور میں دورِ رسالت اور خلافت راشدہ کے دور کو رکھا گیا ہے۔ عربوں کے ہاں چونکہ کتابت کا رواج بہت کم تھا۔ زیادہ تر دارومدار حافظہ پر تھا۔ اس لئے ان حضرات کی قوت حافظہ بہت زبر دست تھی۔ انسان اپنی جس صلاحیت کو استعمال کرتا ہے اور خوب استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی وہ صلاحیت بڑھتی ہے اور تقویت حاصل کرتی ہے۔ مثلاً جو لوگ پیدل چلتے ہیں اور خوب چلتے ہیں تو ان کی پیدل چلنے کی صلاحیت ان لوگوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جو گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اور پیدل نہیں چلتے۔ عرب اپنے شعراء کی شاعری زبانی یاد کرتے تھے اور ہزاروں اشعار انہیں ازبر ہوتے تھے۔ انساب کا علم ان کے ہاں بہت معروف تھا۔ وہ اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور نسب کے بارے میں باریک سے باریک گوشے ان کے ذہن میں محفوظ ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو جہاں اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا۔ وہاں ان ارشادات کو کتابت کے ذریعے بھی محفوظ کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب آیات قرآنیہ کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی۔ تو صحابہ کرامؓ نے کتابت حدیث کی طرف توجہ دی۔ حدیث کی روایات جو صحابہ کرامؓ کے سینوں میں تھیں اب رفتہ رفتہ سفینوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی وجہ سے کوفہ میں حدیث کا مرکز قائم ہوا۔ ابوالدرداءؓ کی وجہ سے دمشق میں اور عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے مصر میں مراکز قائم ہوئے۔ اس طرح حدیث کی روایات حجاز سے نکل کر مختلف اطراف واکناف میں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اس باب میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بنیادی مواد جمع کیا گیا ہے۔ آپ پوری توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔ اُمید ہے آپ اسے مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

قبل از اسلام کتابت کا رواج

کتابت تہذیب وتمدن اور ثقافت وحضارت کی علامت اور نشان ہے اس لیے دنیا کی تمام متمدن قومیں اس کی طرف خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ اور بادیہ نشین قومیں اس سے دور رہتی ہیں۔ عرب زیادہ تر خانہ بدوشانہ زندگی گزارتے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اس لیے اسلام سے پہلے اس دور کے لوگوں کو امیّین کہا گیا ہے۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کے وہ علاقے جہاں تمدن کی روشنی آگئی تھی جیسے یمن کا خطہ، وہاں کے باشندے لکھنے پڑھنے سے کچھ واقف تھے۔ تاہم یمن میں کتابت عام طور سے مروج نہیں تھی۔ یمن میں خواص کا طبقہ خط کی طرف مائل تھا۔ یہیں سے خط حیرہ اور انبار کے علاقوں میں منتقل ہوا اور خط جزم کے نام سے موسوم ہوا۔ ان علاقوں میں باہمی ارتباط کی وجہ سے یہ خط منتقل ہوا تھا۔ حیرہ سے خط مکہ مکرمہ میں منتقل ہوا اور یہ

Marfat.com

کام حرب بن امیہ نے انجام دیا جو اکثر وبیشتر سفر میں رہا کرتا تھا۔ اسی کے دور میں مکہ میں خط کی ابتداء ہوئی اور قریش کے کچھ لوگوں نے لکھنا سیکھا۔ لیکن عرب کے وہ قبائل جو خانہ بدوش تھے کتابت سے بالکل نابلد رہے۔ بلکہ وہ لکھنے پڑھنے کو عار اور ذلت سمجھتے تھے اور ان کا تمام تر اعتماد قوتِ حافظہ پر تھا۔ وہ قوت حافظہ کے مالک تھے اور اسی میں بہت زیادہ ملکہ رکھتے تھے، اسی قوت حافظہ کی بدولت وہ اپنے شعراء کے ہزاروں اشعار، انساب، مفاخر، ایام اور واقعات کو محفوظ رکھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے تاریخ میں عرب "احفظ الامم" کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ اسلام سے پہلے عرب میں کتابت کا سلسلہ جاری ہو جائے تاکہ نزولِ قرآن کے بعد اس کی اور سنت نبوی ﷺ کی کتابت ہو سکے۔

اسلام جب آیا اس وقت مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند لوگ لکھنا جانتے تھے جن کی تعداد سترہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابو عبیدۃ بن الجراحؓ، طلحہ، یزید بن ابی سفیانؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابو سفیان بن حربؓ، ابوحذیفہ ابن عتبہ بن ربیعہؓ، حاطب بن عمروؓ، ابو سلمہ عبدالاسد مخزومیؓ اور بعض خواتین بھی لکھنا جانتی تھیں۔

مدینہ میں کتابت کا حال

مدینہ منورہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو یہاں اوس وخزرج میں کتابت کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا۔ ہاں بعض یہود نے عربی کتابت سیکھ لی تھی جو پہلے زمانہ میں اہلِ مدینہ کے بچوں کو کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے اس وقت اوس وخزرج کے مندرجہ ذیل افراد کتابت جانتے تھے: سعد بن عبادۃ، منذر بن عمروؓ، ابیؓ بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیرؓ...... مورخ بلاذری نے مدینہ میں کتابت جاننے والوں کی تعداد گیارہ بتائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد کتابت کی طرف خاص توجہ فرمائی کیونکہ وحی کی حفاظت، شاہانِ عالم اور اہلِ آفاق میں رسالت کی دعوت وتبلیغ کے لیے تحریر کی بہت ضرورت تھی۔ اہل مدینہ میں کتابت کی ترویج کے لئے بھی آپ ﷺ نے توجہ مبذول فرمائی۔ بدر کی جنگ میں جتنے مشرکین گرفتار کئے گئے تھے ان میں جتنے افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ کے بدلہ میں آپ ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ ایک ایک قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔ اور مکمل تعلیم کے بعد ان کی رہائی عمل میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا اور کافی تعداد میں مدینہ کے مسلمان بچوں نے کتابت سیکھ لی۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کو کاتب مقرر فرمایا اور ان کی غیر موجودگی میں زیدبن ثابت رضی اللہ عنہ آیات بھی لکھتے تھے اور مراسلات بھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ بھی وحی لکھنے کی خدمت انجام دینے لگے۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی آپ ﷺ کے لیے کتابت کی خدمت انجام دیتے تھے جیسے خلفائے راشدین، ابان بن سعیدؓ، زید بن ارقمؓ اور حنظلہ بن ربیعؓ۔

شیخ محمد عجاج الخطیب لکھتے ہیں کہ کاتبانِ وحی کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی اور صدقات، دیون، معاملات اور مراسلات کے کاتبین اور مختلف زبانوں کے کاتب بھی تھے۔ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ مدینہ کی نو مساجد میں طلبہ قرآن مجید اور تعلیمات اسلام کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے تھے اور معلمین جو ابتدائے اسلام میں تعلیم دیتے تھے ان میں سعد بن ربیع

Marfat.com

خزرجیؓ جو بارہ نقباء میں ایک تھے کے علاوہ بشیر بن سعد بن ثعلبہؓ اور ابان بن سعید بن العاصؓ تھے۔ یہ سب بغیر اُجرت کے تعلیم دیتے تھے۔ ان مساجد کے علاوہ بھی مدارس اور مکاتب تھے جہاں قرآن کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی کتابت کھال کے ٹکڑوں، باریک چکنے پتھروں، درخت اور کھجور کی چوڑی شاخوں اور اونٹ کی چوڑی پسلیوں پر ہوتی تھی۔

کتابتِ حدیث کی ممانعت

قرآن کریم کی آیات کی کتابت ابتدائے نزول سے برابر تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن حدیث کی کتابت ہجرت سے پہلے اور پھر مدینہ میں ہجرت کے بعد ایک عرصہ تک ممنوع کر دی گئی تھی۔ سوائے ان احکام، عہد ناموں اور مراسلات کے جو آپ ﷺ کے حکم سے لکھوائے جاتے تھے جیسے یہودِ مدینہ کے درمیان عہد نامہ، حدیبیہ میں کفارِ مکہ سے صلح کا عہد نامہ، قبائلی سرداروں کے نام فرامین، سلاطین عالم کے نام خطوط وغیرہ۔ اس دور میں آپ ﷺ نے حدیث کی کتابت کی عام اجازت صحابہؓ کو نہیں دی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تکتبوا عنّی غیر القرآن، ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه))

"قرآنی آیات کے علاوہ آپ لوگ مجھ سے جو کچھ سنیں وہ قلم بند نہ کریں۔ اگر کسی نے آیات کے علاوہ کوئی چیز لکھ دی ہو تو اسے چاہیے کہ اسے مٹا دے۔" (۱)

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ ﷺ ہمیں حدیث لکھنے کی اجازت دیں لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے کہ ہم روایات لکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا لکھ رہے ہو؟... ہم نے عرض کیا: وہ روایات جو آپ سے سنتے ہیں... آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب۔ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی لکھیں۔ (۲)

کتابتِ حدیث کی ممانعت کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے اوائل میں کتابتِ حدیث سے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی حکمت پر علمائے حدیث نے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ یہاں چند نکات پیش کئے جاتے ہیں:

۱) قرآن مجید بلحاظ بلاغت اعجاز کے جس اعلیٰ مرتبہ میں ہے اس کا مقابلہ کوئی دوسرا کلام نہیں کر سکتا ہے۔ صحابہؓ کرام چونکہ فہم وادراک میں متفاوت درجہ رکھتے تھے اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ اگر حدیث کی کتابت ہوئی تو اکثر لوگ قرآن اور حدیث کے درمیان فرق نہ کر سکیں گے اور حدیث کو بھی قرآن لکھیں گے۔ جب کہ قرآن کی اشاعت ابھی عام طور سے نہیں ہوئی تھی اور نہ حفاظ قرآن کی تعداد زیادہ ہوئی تھی۔ اس لیے قرآن اور حدیث میں التباس واشتباہ ہو جائے

Marfat.com

گا۔اس التباس کے خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اور قرآن کی آیات میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ آنے کے لیے حدیث کی کتابت ممنوع قرار دی گئی تھی جیسا کہ اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اس التباس واشتباہ کے خطرہ میں پڑ گئے تھے۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث کی ممانعت اس وقت تک قائم رکھی جب تک قرآن مجید کی اشاعت عام نہ ہو گئی اور اس کے حفاظ بہت کافی تعداد میں پیدا نہ ہو گئے۔اس دور میں آپ ﷺ نے صرف حدیث کی روایت اور زبانی نقل اور زبانی حفظِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی۔ساتھ ہی روایتِ حدیث میں کذب سے منع فرمایا۔

۲) ابتداء میں لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابت عام طور سے اس وقت رائج نہیں ہوئی تھی... جو اچھے کاتب تھے وہ قرآن مجید کی کتابت میں مشغول تھے۔اگر حدیث کی کتابت بھی اس وقت جاری ہو جاتی تو کاتبوں کی توجہ بٹ جاتی اور یکسوئی سے قرآن مجید کی کتابت نہیں ہو سکتی تھی۔اس لیے کچھ عرصہ تک کتابتِ حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

۳) صحابہ کرامؓ کی اکثریت ایسی تھی کہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ حافظہ رکھتے تھے۔ان کے اس قدرتی قوتِ حافظہ کے ملکہ کو برقرار رکھنے کی خاطر کتابتِ حدیث کی ممانعت کی گئی تھی۔

۴) اس دور میں چونکہ کتابت کا عام رواج نہ تھا اس لیے عام طور پر کتابت ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔لوگ طول طویل نظمیں زبانی یاد کرتے تھے۔انساب اور تاریخی روایات لوگوں کو ازبر ہوتی تھیں۔معلومات کے حصول اور انتقال کا دارومدار حافظہ پر تھا۔آپ ﷺ نے روایات بیان کرنے کی عام اجازت عطا فرمائی تھی البتہ کتابت کی عام اجازت نہیں تھی۔خواص کو اجازت تھی۔

کتابتِ حدیث کی اجازت

جب حفاظِ قرآن کی تعداد بڑھ گئی، لکھنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی اور قرآنِ مجید کا نزول اور اس کی اشاعت بھی بڑی حد تک ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو جنہوں نے کتابتِ حدیث کی اجازت طلب کی تھی اجازت دے دی۔ کیوں کہ قرآن اور حدیث میں اب التباس واشتباہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ انصار کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔وہ آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے لیکن یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔وہ مجھ سے پوچھتے تھے تو میں بتا دیتا تھا۔بعد میں انہوں نے اپنی اس کمزوری کے بارے میں آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی:

((استعن علی حفظك بیمینك)) (۳)

"اپنے حافظہ کی مدد اپنے دائیں ہاتھ سے کر لیا کرو۔(یعنی لکھ لیا کرو)"

اس صحابیؓ کو اجازت مل جانے کے بعد دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اجازت طلب کرنے کی جسارت کی۔حضرت رافع بن خدیجؓ نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے بہت ساری باتیں سنتے ہیں کیا ان کو لکھ لینے کی اجازت ہے؟... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھ لیا کرو۔کوئی حرج نہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیدوا العلم بالکتاب... "علم کو لکھ لیا کرو" (۴)

سعید بن بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھنا شروع کر دیتے تو آپ اپنے پاس سے چونکہ

Marfat.com

نکالتے اور فرماتے: یہ ہیں وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ (۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دس سال کی عمر میں ان کی والدہ ام سلیم نے رسول ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا تھا کہ: ھذاابنی وھو غلام کاتب... "یہ میرا بیٹا ہے جو کتابت جانتا ہے۔" حضرت انس آخر وقت تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ خود فرماتے تھے کہ نو سال تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا۔ بارگاہ نبوت میں اس رسوخ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات آپ ﷺ ان کو یا بنیّ! کے لفظ سے پکارتے تھے۔ انہی وجوہ سے ان کو کتابتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

محمد بن سعید کی روایت ہے کہ محمد بن مسلمہ انصاری (م ۴۲ھ) کی جب وفات ہوئی تو ہمیں ان کی تلوار کی نیام میں ایک تحریر ملی۔ محمد بن مسلمہ خواص صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ان تین اصحابؓ میں ایک تھے جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو جو سخت دشمنِ رسول تھا، قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بعض غزوات میں اہم ذمہ داری بھی سونپی تھی۔ آپ "جمل" اور "صفین" کے مواقع پر موجود تھے لیکن ان ہنگاموں سے دور رہے۔ آپ کے پاس جو روایات تحریر کی شکل میں موجود تھیں غالباً اس دور کی ہوں گی جب کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی تھی۔

صحابہ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہ صحابیؓ ہیں جنہوں نے کتابتِ حدیث میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تقریباً سات سال پہلے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں ایک ارھ میں مدینہ آئے۔ یہاں آکر آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جب آپ کی عمر چودہ سال تھی تو آپ اچھی طرح پڑھ لکھ سکتے تھے۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ صحابہ کرام میں آپ کا زہدو تقویٰ اور عبادت بہت مشہور تھی۔ آپ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ آپ نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی درخواست قبول فرمائی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابتِ حدیث کی اجازت کے لیے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اس ضمن میں اجازت دی۔ اجازت مل جانے کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا۔ آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام "صادقہ" رکھا تھا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی کتابتِ حدیث کی مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: "میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا اسے اپنے پاس لکھ لیا کرتا تھا اور نیت تھی کہ اسے زبانی یاد کرلوں۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کے ارشادات لکھتا رہتا ہوں تو انہوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اس لیے ہر قسم کی روایات نہ لکھ لیا کرو۔ میں ان کی باتوں میں آگیا اور لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قریش کی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اپنی انگشتِ مبارک سے زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

((اکتب! فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ إلّا حق)) (۶)

"تم مجھ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔"

Marfat.com

صحیفہ صادقہ کا تعارف

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات اور باقاعدہ اجازت کے بعد عبداللہ بن عمروؓ نے کتابتِ حدیث کا کام جاری رکھا اور جو روایات جمع کیں ان کے مجموعہ کا نام "الصحیفۃ الصادقۃ" رکھا۔ اس کوشش کو عہدِ نبوی ﷺ میں تدوینِ حدیث کی ابتدا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس صحیفہ کو مجاہد بن جبر نے ابن عمروؓ کے پاس دیکھا تھا۔ مجاہد نے اس کو لے کر دیکھنا چاہا تو ابن عمروؓ نے فرمایا: مہ یا غلام بنی مخزوم ("اے بنی مخزوم کے لڑکے! رک جا")۔ مجاہد کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یہ کس قسم کی تحریر ہے؟... آپؓ نے فرمایا: یہ "صادقہ" ہے۔ اس میں وہ احادیث لکھی ہوئی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سنی ہیں۔ یہ مجموعہ حضرت ابن عمروؓ کو اتنا عزیز تھا کہ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

((ما یرغبنی فی الحیاۃ إلاّ خصلتان الصادقۃ والوھطۃ فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا عن رسول اللہ ......)) (۷)

میری زندگی میں "صادقہ" اور "وہط" سے زیادہ کوئی چیز مجھے پسندیدہ نہیں۔ حفاظت کی خاطر آپ اس مجموعہ کو صندوق میں رکھتے تھے۔ آپ کا یہ مجموعہ آپ کے خاندان میں محفوظ رہا۔ آپ کے پرپوتے عمرو بن شعیب اسی سے روایت کرتے تھے۔ مصادرِ حدیث میں جتنی روایات "عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ" کی سند سے وارد ہیں وہ صحیفہ صادقہ سے منقول ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اس کی بیشتر روایات اخذ کی ہیں۔ حافظ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس صحیفہ میں تقریباً ایک ہزار روایات تھیں۔ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ روایات سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر بنتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ میں زیادہ روایات کے حامل تھے اس لیے کہ وہ لکھتے تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نہیں لکھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ساری روایات مصادرِ حدیث میں منتقل نہیں ہو سکیں۔ ورنہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کی روایات زیادہ ہوتیں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چونکہ عبادت و ریاضت اور خلوت میں زیادہ رہنے لگے تھے اس لیے جو روایات ان کے حافظہ میں تھیں وہ حافظہ میں رہ گئیں۔ البتہ جو مخطوطہ کی شکل میں تھیں وہ منتقل ہو گئیں۔ ۲۱ھ میں جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کر لیا تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہؓ بھی ان کے ساتھ مصر تشریف لے گئے۔ مصر اگرچہ بہت متمدن اور مہذب علاقہ تھا لیکن حجاز میں صحابہؓ کی جتنی تعداد تھی وہ یہاں نہ تھی۔ اس لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مرکز میں رہنے سے جو فائدہ ہوا وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مرکز سے دور رہنے کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

خطبہ فتح مکہ کی کتابت

۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ حدیث وسیرت کے مصادر میں موجود ہے۔ اس کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس موقع پر سامعین میں ابوشاہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اکتبوا لأبی شاہ۔ اس حدیث کے مجملہ رواۃ میں ولید بن مسلم اور ان کے شیخ امام اوزاعی بھی ہیں۔ ولید نے امام اوزاعی سے دریافت کیا کہ

Marfat.com

آپ ﷺ کے اس قول: "اکتبوا لأبی شاہ" کا کیا مطلب ہے؟... امام اوزاعی نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا منشا یہ تھا کہ ابوشاہ نے جو خطبہ سنا ہے اسے لکھ کر دیا جائے کیونکہ ابو شاہ کا حافظہ اچھا نہ تھا اور خطبہ زبانی یاد رکھنا ان کے لیے مشکل تھا۔ اس حدیث سے واضح طور پر کتابتِ حدیث کا نہ صرف ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کے حکم کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ (۸)

عہدِ نبوی ﷺ میں مکتوبہ روایات کا ذخیرہ

رسول اللہ ﷺ نے بہ نفسِ نفیس معاہدے، فرامین، خطوط اور ضروری ہدایات واحکام لکھوائے۔ یہاں اس ضمن میں اجمال کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک مشہور دستور نامہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد لکھوایا۔ اس دستور میں مہاجر، انصار اور اہل یثرب کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور کی ابتداء ان کلمات سے کی گئی ہے:

((هذا كتاب محمد النبيّ رسول الله من المؤمنين والمسلمين من قريش وأهل يثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم أنهم أمة واحدة من دون الناس)) (۹)

"یہ محمد، اللہ کے نبی اور رسول کا نامہ ہے تمام مؤمنین اور مسلمین کی طرف سے جن کا تعلق قریش اور اہل یثرب سے ہے اور جو ان کے متعلقین ہیں اور ان کے ساتھ رہ کر جہاد میں شریک رہے ہیں کہ وہ سب امت واحدہ میں داخل ہیں۔ مخالفین کے مقابلہ میں یہ سب کے سب ایک ساتھ رہیں گے۔"

یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے انصار اور یہود کو بلا کر درج ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریقوں نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ سیرت ابن ہشام میں پوری طرح منقول ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے رائج ہے اب بھی اسی طرح رائج رہے گا۔
۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
۴) یہود یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔
۵) کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔
۶) مدینہ پر حملہ ہو گا تو دونوں فریق مل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔
۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ البتہ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

کفارِ مکہ سے معاہدہ کی شرائط

۶ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر کفارِ مکہ سے آپ ﷺ نے جو صلح کی تھی اس کی شرائط حسبِ ذیل تھیں:

۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔
۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

Marfat.com

۳) مسلح ہو کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا) میں۔
۴) مکہ میں جو مسلمان مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔
۶) قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

ان معاہدات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہؓ کو ہدایات اور فرامین واحکام تحریری شکل میں دیئے مثلاً:

۱) رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم مقرر فرمایا اور انہیں ایک تحریر دی جس میں فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کا ذکر تھا۔
۲) رسول اللہ ﷺ نے وائل بن حجر کو جو علاقہ حضر موت میں اپنی قوم کے سردار تھے مکتوب بھیجا جس میں اسلام کے ارکان، نماز وروزہ اور زکوٰۃ کا نصاب، حدِ زنا اور تحریم خمر کا ذکر تھا اور یہ بھی مذکور تھا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔
۳) ابن ابی لیلیٰ نے عبداللہ بن حکم سے روایت کی ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک مکتوب پڑھا گیا اس میں مردار جانور کی کھال اور پٹھوں سے متعلق احکام تھے۔
۴) ابن حنفیہ محمد بن علی بن ابی طالب کی روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ یہ مکتوب لو اور عثمانؓ کے پاس لے جاؤ اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو صدقہ سے متعلق ہے۔
۵) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس وہ مکتوب ارسال کیا جس میں ان صدقات کا بیان تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ اور ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مکتوب پر رسول اللہ ﷺ کی مہر لگی تھی۔
۶) ضحاک بن سفیان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت تھی جس میں شوہر کی دیت (خون بہا) کا حکم تھا۔
۷) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئی وہ تحریر تھی جس میں سبزیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔
۸) مدینہ منورہ کے حرم ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تحریر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔
۹) رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور حکام کو جو خطوط بھجوائے۔ ان کے مضامین سیرت اور حدیث کے مصادر میں منقول ہیں۔

Marfat.com

سنّت... خلافتِ راشدہ کے عہد میں

سنت نبوی ﷺ... عہدِ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ میں

دورِ رسالت میں اللہ جل شانہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تشریع اسلامی کا کام ہوتا رہا۔ وحئ الٰہی کا نزول جاری تھا جس کی مسلسل تبلیغ پورے انہماک سے رسول اللہ ﷺ لوگوں میں فرماتے اور اس کے مقاصد کو بیان فرماتے اور سارے عالم کے اہل ادیان کو دعوت حق دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امت کے تمام امور، قضایا، فتاویٰ، مالی، سیاسی اور عسکری تنظیم میں مرجع اعلیٰ تھے اور تمام صحابہؓ کے روبرو دینی اور دنیاوی تمام امور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور وحی منقطع ہو گئی اور امت کے پاس دو ہی چیزیں رہ گئیں: ایک کتاب اللہ اور دوسری سنتِ رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا:

((ترکت فیکم أمرین، لن تضلوا ما تمسکتم بھما، کتاب اللہ وسنّتی)) (۱۰)

"میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تمہارا تعلق ان کے ساتھ رہے گا تم سیدھی راہ پر رہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔"

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسۂ عام میں تمام مسلمانوں کے اتفاقِ رائے سے خلیفہ منتخب کئے گئے تو آپ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اطراف مملکت کے حالات پر گہری نظر ڈالی۔ آپؓ نے دیکھا کہ مخالفین اسلام کی وہ طاقتیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں روپوش ہو گئی تھیں آپ ﷺ کے وصال کی خبر سنتے ہی دفعتاً نمودار ہو گئیں۔ ایک طرف مسیلمہ کذاب تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکرِ جرار تیار کر رہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کے مالی نظام کا ڈھانچہ درہم برہم ہونے والا تھا اور اقتصادی نظام کی برہمی سے تمام دینی اور دنیاوی کام رک جاتے۔ تیسری طرف روم کی سلطنت کی طرف سے مسلمانوں کو دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ان متعدد خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیقؓ اللہ جل شانہٗ کا نام لے کر آمادہ ہو گئے۔ پہلے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو طلب کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک اسلامی لشکر کا سردار بنا کر عَلم دیا تھا۔ اور وہ اہلِ روم کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہونے والے تھے کہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور چند روز کی علالت کے بعد اپنے پروردگار سے جا ملے۔ جس کی وجہ سے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی ہو گئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت اسامہؓ کو دوبارہ سالارِ لشکر بنایا اور عَلم عطا کیا اور فرمایا: "جس جھنڈے کو رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے اس کے کھولنے کا مجھے اختیار نہیں ہے۔" دوسری طرف خالدؓ بن ولید کو جھنڈا دیا تاکہ وہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے باغیوں اور مسیلمہ کذاب اور اس کی قوم سے جہاد کریں۔ مانعین زکاۃ کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا: خلیفۂ رسول اللہ! مانعینِ زکوٰۃ کی بات مان لیجئے اور ان سے جنگ نہ کیجئے کیونکہ وہ سب دائرہ اسلام میں نووارد ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فاذا قالوها عصموا منى دمائهم وأموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله)) (۱۱)

مقصد یہ کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق لڑنا اور ان کو جان سے مارنا جائز نہیں۔سیدنا عمر فاروقؓ بھی اسی رائے کے قائل تھے۔صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ حق المال ہے جس کے انکار پر جنگ ضروری ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو بھی تسلیم نہیں کیا۔جو جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ابو بکر صدیقؓ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نماز اور زکوٰۃ میں تفریق نہیں کرتا ہوں۔اگر مانعین زکوٰۃ ایک عقال (اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی) سے بھی انکار کریں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بطورِ زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں تنہا ان سے جہاد کروں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ خیر الحاکمین ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے سینوں کو کھول دیا اور سب ابو بکر صدیقؓ کے قول سے متفق ہو گئے۔حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم سب نے جنگ کی اور ہم لوگوں کی یہی رائے ہو گئی کہ یہی راستی اور سچائی تھی۔صدیق اکبرؓ نے خالد بن ولید اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں دو اسلامی لشکر روانہ کئے تھے۔یہ دونوں مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔حضرت خالد بن ولیدؓ کے لشکر والوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا اور اس کی فوج پراگندہ ہو کر ملیامیٹ ہو گئی۔مانعینِ زکوٰۃ بھی زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اپنی مہم میں کامیابی ہوئی۔

مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں جو جنگ لڑی گئی۔وہ چونکہ مدعیٔ نبوت کے خلاف تھی اس لیے صحابہ کرامؓ نے بہت جوش وجذبہ کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔اور ایسے صحابہ کرامؓ جو کبار اور حفاظ تھے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اور ناموس کی خاطر شریک ہوئے۔جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔لیکن اس میں حفاظ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا۔یہ جنگ چونکہ یمامہ کے مقام پر لڑی گئی اس لیے اس کو "جنگِ یمامہ" کہتے ہیں۔ان حفاظ کی شہادت کی خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو مسلمانوں کو بے حد قلق اور رنج ہوا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور فوراً صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ جہاد کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا لیکن اگر اسی طرح حفاظِ قرآن شہید ہوتے رہے تو قرآنِ کریم کی حفاظت مشکل ہو جائے گی کیونکہ ابھی تک قرآن کی آیات مختلف قطعات پر لکھی ہوئی ہیں۔اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد قرآنِ کریم کی آیات کو لکھوا کر مدوّن کیا جائے۔صدیق اکبرؓ نے نہایت غور وفکر اور سوال وجواب کے بعد حضرت عمرؓ کی تجویز کو پسند کیا اور زید بن ثابتؓ کو طلب کیا جو پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کاتب وحی رہ چکے تھے اور ان کی نگرانی میں قرآنی آیات کو لکھوا کر مدوّن کر دیا۔یہ نسخہ ابو بکر صدیقؓ کی امانت میں رکھا گیا۔

قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ سنتِ رسول ﷺ کا تھا اس کی تدوین کی طرف بھی صدیق اکبرؓ توجہ دینا چاہتے تھے لیکن آپؓ کی عمر نے وفا نہیں کی۔دو سال تین ماہ تک آپؓ نے خلافت کے امور کو انجام دیا۔صدیق اکبرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی یہ دیکھا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت اور فہم میں متفاوت ہیں۔اس لیے کہ سارے صحابہؓ فقیہ نہ تھے۔ان صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا تھا اور آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا لیکن روایات کی تطبیق اور استنباط کے ضمن میں اس وقت کوئی ایسا سلسلہ نہیں تھا۔صحابہؓ زیادہ تر حدیث کے راوی تھے وہ احادیث کو انہی الفاظ میں بیان کرتے تھے جن الفاظ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ان کو اس سے مطلب نہ تھا کہ کون سی حدیث ناسخ ہے اور

Marfat.com

کون سی منسوخ ہے۔ عزیمت والی حدیث کون سی ہے اور رخصت والی حدیث کون سی ہے اس بنا پر ایک صحابی کسی مسئلہ کی رخصت والی حدیث بیان کرتے اس پر عمل کرنے کے لیے زور دیتے تھے تو دوسرے صحابیؓ اس کے خلاف اس مسئلہ میں عزیمت پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی ایک شخص کو سفر کی حالت میں سر میں چوٹ لگی تھی جس سے سر زخمی ہو گیا تھا اسی حالت میں اسے غسل کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اس نے اپنے ساتھی صحابہؓ سے پوچھا تو انہوں نے تیمم کے بجائے اسے غسل کرنے کی ہدایت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غسل کرنے کے بعد اس کی تکلیف بڑھ گئی اور وہ انتقال کر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے رخصت پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ تیمم کر لیتا تو کافی تھا۔

رسول اللہ ﷺ جو احکام دیتے تھے ان میں بعض احکام وقتی ہوتے تھے پھر وہ وقت گزر جانے اور حالات کے مناسب ہونے پر ان کو منسوخ فرما دیتے یا کراہت کو اجازت میں بدل دیتے تھے جیسا کہ ایک سال آپ ﷺ نے قربانی کے اضافی گوشت کو تین دنوں سے زیادہ بطور ذخیرہ رکھنے سے منع فرمایا۔ دوسرے سال لوگوں نے جب اس ہدایت پر عمل کرنے کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے قربانی کے دن مساکین کی کثرت کو دیکھ کر تمہیں گوشت بچانے سے روکا تھا۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ تم قربانی کا گوشت کھاؤ، خیرات کرو اور بچاؤ۔

روایات میں اختلاف کو دیکھ کر ابو بکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ کو حدیث کی روایت کرنے میں احتیاط کا مشورہ دیا۔ آپؓ نے خیال کیا کہ روایت کے نتیجہ میں اگر صحابہ کرامؓ ان راجح و مرجوح کی اختلافی مسائل میں پڑ گئے تو وہ فتنے جو چاروں طرف منہ کھولے کھڑے تھے تقویت حاصل کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ نے صحابہ کرامؓ کو روایتِ حدیث میں انتہائی احتیاط اور سوچ وبچار کی ہدایت کی۔ ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے:

((ان الصدیق جمع الناس بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انکم تحدثون عن رسول اللہ الأحادیث تختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ)) (۱۲)

"صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں روایت کرتے وقت آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ آپ کے بعد لوگوں میں اختلاف اور شدید ہو جائے گا اس لیے آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہ بیان کریں آپ سے کوئی پوچھے تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھو۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ، ابن ابی ملیکہ کی مذکورہ بالا مرسل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فھذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لاسد باب الروایۃ، ألا تراہ أنہ لمّا نزل بہ امر أبجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سئل عنہ فی السنن ....))

Marfat.com

"اس روایت سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کا مقصود یہ ہے کہ احادیث کی روایت میں تثبت اور احتیاط لازم ہے روایت کا دروازہ بند کرنا مقصود نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جب صدیق اکبرؓ سے دادی (کی میراث) کے متعلق دریافت کیا گیا اور اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ پایا تو کس طرح اس کے متعلق احادیث نبویہ کو دریافت کیا اور جب ایک ثقہ اور معتبر آدمی نے اس بارے میں حدیثِ نبوی کی خبر دی تو اس پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ دوسرے ثقہ آدمی کی توثیق طلب کی اور خوارج کی طرح یہ نہیں کہا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ (۱۳)

ایسی صورت حال میں جب کہ قرآن مجید کی آیات کی تدوین کا کام شروع بھی نہ ہوا تھا اور طاقت ور دشمنوں کے حملے سروں پر منڈلا رہے تھے روایتِ حدیث کو وقتی طور پر روکنا صدیق اکبرؓ کے لیے ضروری ہو چکا تھا کیونکہ احادیث کی روایت سے باہم اختلافات ہونے لگے تھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صدیق اکبر نفس حدیث یا اس کی کتابت کے مخالف تھے جس کی اجازت عہدِ نبوی ﷺ کے آخری ایام میں ہو چکی تھی۔ اگر صدیق اکبرؓ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل نہ ہوتے تو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو حدیثیں نہ لکھتے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حاکم کی روایت نقل کی ہے۔

امام حاکمؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کتابتِ حدیث کے جواز کے قائل تھے جب ہی تو انہوں نے پانچ سو حدیثیں دوسرے صحابہؓ سے نقل کر کے یا لکھوا کر کے اپنے پاس رکھی تھیں۔ اور ایک عرصہ تک یہ روایات ان کے پاس محفوظ رہیں۔ بعد میں انہوں نے اس مجموعہ کو نذرِ آتش کر دیا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ ان روایات کے رُواۃ تو معتمد اور ثقہ وعادل تھے لیکن روایات کو نقل کرنے میں وہ اہتمام نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس واقعہ کو پیشِ نظر رکھ کر ہرگز یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ ابو بکر صدیقؓ حدیث اور کتابتِ حدیث کے مخالف تھے۔ پانچ سو روایات کا جمع کرنا سنت کی حجت کی بنا پر تھا اور پھر ان کی نقل میں شک ہو جانے کے باعث نذرِ آتش کرنا دوسری علت کی بنا پر تھا۔ حدیث یا کتابتِ حدیث کی مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور سنتِ نبوی ﷺ پر جس قدر جان نثار اور شیفتہ ابو بکر صدیقؓ تھے اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ آپؓ کو قضایا، فتاوی اور مقدمات کے متعلق قرآن مجید میں اگر حکم نہ ملتا تو صحابہ کرامؓ سے حدیث دریافت کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ سابقین اولین میں سے تھے بلکہ ایمان لانے والے مردوں میں پہلے شخص تھے اور سفر وحضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں رہے تھے۔ ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بہ نظر احتیاط حدیث کی روایت بہت کم کرتے تھے اور ایک لفظ وحرف کے فرق کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی ان سے مروی احادیث کی تعداد ایک سو بیالیس (۱۴۲) کے لگ بھگ ہے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے فرمایا: حد ثنی ابو بکر، وصدق ابو بکر۔ امام ابن الجوزیؒ نے امام بقی بن مخلد کی مسند کے حوالہ سے ابو بکر صدیقؓ کی مرویات کی تعداد ایک سو بیالیس بتائی ہے ...... حال ہی میں یہ ساری روایات مسند ابی بکر کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔ استاذ شعیب اَرنووط نے مسند ابی بکر پر تحقیق و تعلیق اور تخریج کا کام کیا ہے۔ اس مسند کے مدوّن امام احمد بن علی بن سعید الاموی (م ۲۹۲ھ) ہیں۔

ایک موقع پر ابو بکر صدیقؓ نے حضرت براءؓ کے والد عازب کو ہجرت کے پورے واقعات سنائے۔ انبیاء کی میراث سے متعلق روایت آپ نے بطورِ استدلال پیش کی۔ اس روایت کی تصدیق ان ممتاز صحابہؓ نے کی جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ مقصد یہ کہ صدیق اکبرؓ نے انتظاماً صحابہ کرامؓ کو حدیث کی روایت میں احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ اگر آپؓ کی خلافت کی مدت طویل ہو

Marfat.com

جاتی تو جس طرح آپ نے قرآن مجید کی آیات لکھوا کر ان کی باقاعدہ تدوین کی اسی طرح قرآنِ کریم کے بعد احادیثِ نبوی ﷺ کو صحابہ کرامؓ کے سینوں سے اور مکتوبہ اجزاء سے جمع کرا کر تدوین حدیث کی خدمت بھی انجام دے دیتے۔ اور روایات کے اختلافات کو تطبیق دے کر مٹا دیتے لیکن اللہ جل شانہ کی یہی مشیت تھی کہ تدوین حدیث کی خدمت دیگر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کا طبقہ اپنی مسلسل کوشش اور جدوجہد سے انجام دے تاکہ حدیث کی طلب میں نشاطی حرکت تیز تر ہو اور اسی حرکت وطلب اور جستجو سے حدیث کے بہت سے دوسرے علومِ متعلقہ بھی پیدا ہوں جس سے امتِ مسلمہ کی آنے والی نسلیں زیادہ سہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں۔

سنتِ نبوی ﷺ... عہدِ فاروقؓ میں

ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد عمر فاروقؓ کا عہدِ خلافت آیا۔ آپ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں قرآنِ مجید کی تعلیم، ترویج اور اشاعت میں انتہائی کوشش کی۔ ساتھ ہی روایات کے جمع کرنے اور کتابت کرکے تدوینِ حدیث کا خیال آیا۔ اس بارے میں جب صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو اکثریت کی طرف سے مثبت جواب ملا۔ لیکن آپ نے صورتِ حالات کا جائزہ لینے کے بعد تدوینِ حدیث کے ارادہ کو بدل دیا۔ حضرت عروۃ بن الزبیرؓ اس بارے میں بیان کرتے ہیں:

> "حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنن لکھوانے کا ارادہ کیا۔ اس بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ سبھوں نے مشورہ دیا کہ سنن لکھے جائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ پھر ایک دن جب انہیں شرح صدر ہوا تو فرمایا: میں سنن کی کتابت کرانا چاہتا تھا کہ ایک قوم یاد آگئی جو تم سے پہلے تھی۔ جس نے بہت کتابیں لکھیں اور ان کتابوں پر جھک گئی اور اللہ جل شانہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ بخدا! میں کتاب اللہ میں کبھی کوئی چیز ملانا نہیں چاہتا ہوں۔" (۱۴)

حضرت عمرؓ نے سنن کی عدمِ کتابت کا فیصلہ عجلت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ کامل غور وفکر اور ایک ماہ تک استخارہ کرنے کے بعد فرمایا۔ آپ کا مقصد بھی وہی تھا جو خلیفۂ اول کا تھا کہ پہلے کتاب اللہ کی پوری اشاعت ہو جائے اور حفاظِ قرآن بکثرت پیدا ہو جائیں۔ اس کے بعد سنت کی تدوین عمل میں آئے۔ بہ یک وقت دو اہم کام جاری نہیں رہ سکتے ہیں۔ سنت کے محافظین حفاظ حدیث کی کافی تعداد موجود ہے۔ انہوں نے اپنے سینوں میں محفوظ طریقہ سے سنن کو رکھا ہے اور مسلسل مذاکرہ کی وجہ سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ مناسب وقت میں اس کی تدوین بھی عمل میں آ جائے گی۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ حدیث کی روایت میں اعتدال آ جائے۔ اگر کثرتِ حدیث کی روایت اس زمانے میں کی جائے جبکہ تدوینِ حدیث عمل میں نہیں آئی ہے تو مخالفین اسلام اور منافقین کو موضوع حدیث بیان کرنے کا موقع مل جائے گا اس خیال سے حضرت عمرؓ نے روایتِ حدیث کی کثرت کو روکا اور اس پر سختی سے عمل کیا۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

> "عمر فاروقؓ زیادہ روایت کرنے والوں کو سختی سے روکتے تھے اور ایسے لوگوں کے ساتھ بھی سختی برتتے تھے جو کسی حکم میں کوئی خبر بغیر شاہد (گواہ) کے لاتے تھے۔" (۱۵)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کثرتِ روایت پر سختی کا عمل عمر فاروقؓ کی تنہا ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا بھی اس زمانے میں یہی خیال تھا۔ ابن قتیبہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"اکثر جلیل القدر صحابہ کرام ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے خاص الخاص حضرات جیسے ابو بکر صدیقؓ، زبیرؓ، ابو عبیدہؓ، عباسؓ بن عبد المطلبؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت کم روایت کرتے تھے، بلکہ بعض تو تقریباً روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ جیسے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔" (۱۶)

حضرت عمرؓ نے قرظہ بن کعبؓ کو وفد کی صورت میں کوفہ روانہ کرتے وقت وصیت کی تھی کہ روایت کم کرنا۔ قرظہ بن کعبؓ کا بیان ہے:

"ہمیں عمر بن الخطابؓ نے کوفہ روانہ کیا اور مقام جرار تک جو مدینہ کے قریب ہے ہمارے ہمراہ رہے۔ یہاں آکر آپؓ نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ میں کیوں تمہارے ساتھ یہاں تک آیا؟... ہم نے جواب دیا: چونکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے اور ہمارا تعلق انصار سے ہے۔ تو آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں آپ کے ساتھ یہاں تک اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے ایک اہم بات کرنی ہے۔ آپ میری اس بات کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ پھر فرمایا: آپ لوگ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جس کے دل میں قرآن کے ساتھ اتنا تعلق اور عقیدت ہے کہ تلاوت کرتے وقت ان کے دل اس طریقہ سے حرکت کرتے ہیں جس طرح حرارت کی وجہ سے دیگچی متحرک ہوتی ہے۔ وہ لوگ جب آپ کو دیکھیں گے تو آپ کی طرف آگے بڑھیں گے اور کہیں گے کہ یہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ وہ آپ سے سننا چاہیں گے۔ میری وصیت ہے کہ ان کے سامنے احادیث کم سے کم بیان کریں۔ اس معاملہ میں آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔" (۱۷)

حضرت عمرؓ نے جب ابو موسیٰ اشعری سے یہ حدیث سنی:

((إذا سلم احدكم ثلاثاً فلم يجب فليرجع))

"جب تم میں سے کوئی کسی کو تین بار سلام کرے اور گھر کے اندر سے جواب نہ ملے تو اسے واپس چلا جانا چاہیے۔"

تو فرمایا: ابو موسیٰ! اس حدیث پر تم گواہ پیش کرو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ اور جب دوسرے صحابہؓ نے ابو موسیٰؓ کی روایت کردہ حدیث کی تصدیق کی۔ تو عمر فاروقؓ نے اسے قبول کیا۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابیؓ بن کعبؓ نے عمر فاروقؓ کی موجودگی میں حدیث بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے ابیؓ بن کعبؓ سے اس کی تصدیق کے لیے گواہ طلب کیا۔ جب انصار میں سے بعض حضرات نے اس کی تصدیق کی تو عمر فاروقؓ نے ابیؓ بن کعب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

((اما إني لم اتهمك ولكن أحببت أن أتثبت))

"میں آپ کو ناقابل اعتماد نہیں سمجھتا لیکن میری خواہش تھی کہ اس حدیث کی مزید تائید ہو۔" (۱۸)

ابو سلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا: کیا آپ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسی طرح روایات بیان کرتے تھے؟... ابوہریرہؓ نے جواب دیا: اگر میں حضرت عمرؓ کے دور میں اسی طرح کثرت سے روایات بیان کرتا تو وہ مجھے سختی سے منع فرماتے۔ (۱۹)

Marfat.com

جو لوگ حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت کے قائل نہیں وہ حضرت عمرؓ کی کثرت روایت کے ضمن میں سختی کو بنیاد بنا کر استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صرف قرآن مجید کو اسلامی تشریع کا مصدر قرار دیتے تھے اور حدیث سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو کثرت روایت کی بناء پر قید میں ڈالا تھا۔ ثبوت کے لیے یہ حضرات حافظ ذہبی کی نقل کردہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

((إن عمر حبس ثلاثة، ابن مسعود وأبا الدرداء وأبا مسعود الأنصاری فقال: قد أكثرتم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)) (۲۰)

حدیث کے مخالفین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حدیث قرظہ کو بھی پیش کرتے ہیں جو شعبی نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے۔ ان حضرات کے اس فرضی الزام کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ کی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں تین صحابہ کرامؓ کے متعلق "حبس" کا لفظ آیا ہے۔ یہاں حبس کے معنی قید کرنے کے نہیں ہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے امام رامہرمزی نے اپنے شیخ ابو عبداللہ ابن البری کی یہ روایت نقل کی ہے:

((أن عمر بن الخطاب حبس بعض أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم، فيهم إبن مسعود وأبو الدرداء، فقال: قد اكثرتم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم- قال أبو عبدالله ابن البری، يعني منعهم من الحديث ولم يكن لعمر حبس)) (۲۱)

"عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ کو "حبس" میں کر دیا تھا جن میں ابن مسعود اور ابوالدرداءؓ بھی تھے۔ اور فرمایا کہ تم نے روایت حدیث میں بہت کثرت کر دی ہے۔" ابوعبداللہ ابن البری کہتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نے ان اصحاب کو حدیث کی روایت کرنے سے صرف منع کیا تھا۔ کیوں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ روایتِ مذکورہ میں "حبس" کا جو لفظ آیا ہے وہ "قید" کے معنی میں نہیں بلکہ منع کے معنی میں ہے۔"

حافظ ابن البری کی یہ تعبیر بہت عمدہ ہے۔ حضرت عمرؓ کی ممانعت کثرتِ حدیث میں اس لیے ہوتی تھی کہ سامعین حدیث حدیث میں زیادہ غور وفکر نہ کر سکیں گے، اور راویانِ حدیث کثرت روایت کے باعث ضبط، تثبت اور اتقان کے اصول کو ملحوظ نہ رکھیں گے جس کی وجہ سے حدیث میں کمی بیشی کا اندیشہ رہے گا۔

حافظ ذہبیؒ نے مذکورہ بالا روایت امام سعید ابن ابراہیم کی سند سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے والد امام ابراہیم بن عبد الرحمنؒ یہ روایت بیان کرتے تھے......... امام ابن حزمؒ نے اپنی کتاب الإحکام فی اصول الاحکام میں اس روایت کی سند پر کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ ابراہیم بن عبد الرحمن کا انتقال ۹۵ھ یا ۹۹ھ میں اُس وقت ہوا جب اُن کی عمر پچھتر سال تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امام ابراہیم کی پیدائش دورِ فاروقی کے اواخر میں ہوئی اور دورِ فاروقی کا مشاہدہ انہیں میسر نہیں آ سکا۔ اس لیے سند کے لحاظ سے یہ روایت منقطع ہونے کی بناء پر محل نظر ہے۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک حدیث کی روایت مذموم نہ تھی کیونکہ خود ان سے بکثرت حدیث کی روایت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ اور چند صحابہ کرام کو چھوڑ کر تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی ہیں۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں وہ قید نہ ہوں اور تین جلیل

Marfat.com

القدر صحابہ کرامؓ قید کر دیئے جائیں۔ ابوہریرہؓ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴)، ابن مسعودؓ نے آٹھ سو اڑتالیس (۸۴۸)، ابوالدرداءؓ نے ایک سو اناسی (۱۷۹) اور ابومسعودؓ نے ایک سو دو (۱۰۲) احادیث روایت کی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عمر فاروق مکثرین صحابہ کرامؓ کی جانچ لیا کرتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا تھا کہ زیادہ روایت کرنے والے صحابی کا حافظہ قوی ہے اور وہ حدیث پورے ضبط کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے حدیث کی روایت کی عام اجازت دیتے تھے جو اجازت نامہ اور سند کی حیثیت ہوتی تھی۔ حافظ ذہبی، ابوہریرہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں:

"ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس میری کثرتِ روایت کی خبر پہنچی۔ انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: کیا تم ہمارے ساتھ اس دن تھے جس دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں شخص کے گھر میں تھے۔ میں نے کہا: جی ہاں! میں موجود تھا۔ میں حضرت عمرؓ کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ آپؓ نے مجھے مخاطب کیا اور پوچھا: میں نے تم سے یہ سوال کیوں کیا؟... میں نے کہا: جس دن ہم ساتھ تھے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہ کی ہو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حضرت عمرؓ نے میری زبان سے یہ حدیث سنی اور فرمایا: جاؤ اور حدیث کی روایت کرو۔" (۲۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو جو حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں محض ان کے حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان کے لیے طلب کیا تھا جب وہ حضرت عمرؓ کے امتحان میں پورے اترے تو انہیں حدیث کی روایت کی عام اجازت دے دی گئی۔ اسی طرح تین جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو حفظ، تثبت اور اتقان کے امتحان اور جانچ کے لیے کچھ دنوں تک حدیث کی روایت سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس مفہوم کی تائید خطیب بغدادی کی اس روایت سے ہوتی ہے:

((بعث عمر بن الخطاب إلى عبدالله بن مسعود وإلى أبي الدرداء، وإلى أبي مسعود الأنصاري، فقال: ما هذا الحديث الذين تكثرون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فحبسهم بالمدينة حتى استشهد لفظهم سواء)) (۲۳)

"عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداءؓ اور ابو مسعود انصاریؓ کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: یہ کیا حدیث ہے جس کی روایت آپ لوگ کثرت سے کر رہے ہیں؟... حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو مدینہ میں روایت کرنے سے منع کر دیا تھا تاآنکہ حضرت عمرؓ کو شہادت مل گئی کہ ان سب کی روایت میں الفاظ وکلمات برابر اور یکساں ہیں۔"

خطیب بغدادی کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ "حبس" کے معنی صرف قید کرنے ہی کے نہیں بلکہ منع کرنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب ان تینوں کی روایت میں الفاظ متفق اور یکساں نظر آئے اور روایت میں اختلاف نہیں پایا تو ان تینوں کے لیے روایت کی ممانعت باقی نہ رہی۔ حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ کے متعلق بھی حبس کا لفظ استعمال کیا تھا جو ابن سعد کی روایت میں ہے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب معاذ بن جبل ملک شام جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے چلے جانے سے مدینہ میں فقہ اور فتویٰ دینے میں خلل ہو گا اس لیے حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول سے ان کو روکنے کے لیے کہا۔ اس روایت کی عبارت یوں ہے:

Marfat.com

((لقد كنت كلّمت ابا بكر رحمه الله أن يحبسه لحاجة الناس إليه، فأبى علیّ فقال: رجل أراد الجهاد يريد الشهادة فلا أحبسه))

”حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے ابو بکرؓ سے لوگوں کی ضرورت کو مد نظر رکھ کر معاذ بن جبل کو روکنے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ جہاد اور شہادت چاہتے ہیں اس لیے میں انہیں نہیں روکنا چاہتا۔“

اس عبارت میں دو جگہ ”حبس“ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی قید میں ڈالنے کے نہیں ہیں بلکہ روکنے کے ہیں۔ اسی طرح تینوں صحابہ کرامؓ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کے متعلق بھی راوی نے حبس کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں بھی معنی روکنے ہی کے ہیں نہ کہ جیل میں ڈالے جانے کے۔

حضرت عمرؓ ان تینوں صحابہ کرامؓ کی قدر و منزلت کو جانتے تھے، ان کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے۔ ان کے علمی رتبے سے آگاہ تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تو کوفہ والوں کے نام خط میں ابن مسعودؓ کا اس طرح تعارف کرایا۔

((كتب إلى أهل الكوفة: إني والله الذي لا إله إلّا هو، أثرتكم به على نفسي فخذوا منه)) (۲۴)

”اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ابن مسعودؓ کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے تمہارے پاس بھیجنے کے لیے ترجیح دی ہے۔ تم ان سے بھرپور استفادہ کرو۔“

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((كنيف ملئ علماً، أثرت به أهل القادسية)) (۲۵)

”ابن مسعود وہ ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے انہیں اہل قادسیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا ہے۔“

ابو الدرداءؓ بھی اپنی اعلیٰ شخصیت اور علمی خصوصیت کی بنا پر بلادِ شام میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ کیا ایسی بلند ترین ہستیوں کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں کثرت روایت کی بنا پر جیل میں ڈال دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں ایسا خیال کرنا انتہائی نامناسب ہے جب کہ عمر فاروقؓ خود حدیث کی اشاعت میں بھی اسی طرح کوشاں تھے جس طرح وہ قرآن مجید کی تعلیم اور اشاعت میں تھے۔ وہ اپنے تمام فیصلوں میں خلیفہ اول کے طریق کار اور منہج پر عمل کرتے تھے۔ پہلے وہ قرآن کریم کی طرف رجوع کر کے اس سے ہدایت حاصل کرتے تھے اگر کسی مسئلہ میں قرآن میں حکم نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ سے بھی سنت کے احکام حاصل کرتے تھے۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ جل شانہ کا نام لے کر میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے متعلق سنا ہے؟... جمل بن مالک نے سنا تو کھڑے ہو کر کہا: میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو خیمہ کی لکڑی سے مارا جس سے اس کا مردہ جنین ساقط ہو گیا۔ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غرّۃ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ سن کر

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں یہ حدیث نہ سنتا تو دوسرا فیصلہ کر دیتا۔

شام میں جب طاعون کی وبا پھیلی تھی حضرت عمرؓ نے مقام سرغ پر مڑ کر تمام صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ آخر میں عبدالرحمن بن عوفؓ نے جب حدیث پیش کی تو اس کے مطابق فوج کو وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے موزوں پر مسح کی حدیث سن کر قبول فرمایا اور اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کو ہدایت کی:

((إذا حدثك سعد بشيء فلا ترد عليه، فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمسح على الخفين))

"جب تم سے سعد کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کریں تو اسے رد نہ کرو۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا ہے۔"

اس طرح کی بہت ساری مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ان سینکڑوں مثالوں سے جو مصادر میں موجود ہیں واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سنت نبوی ﷺ کے کس قدر دلدادہ تھے اور ان کا عمل سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق ہوتا تھا اور آپ سنتِ نبوی ﷺ کو صحیح طور سے رائج کرنے میں کوشاں رہتے تھے اور جب ان کے عہد خلافت میں قرآن مجید کی مفتوحہ ممالک میں بھی اشاعت کافی ہوگئی جس کی تصدیق امام ابن حزمؒ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: جس وقت حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو مصر سے عراق تک اور عراق سے شام تک اور شام سے یمن تک قرآن مجید کے جو نسخے پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ قرآن کا وہ نسخہ جو عہدِ صدیقی میں مرتب کرا کے محفوظ کر لیا گیا تھا اور اس کی نقلیں اسلامی مراکز میں نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ حفاظِ قرآن سے سن کر عہدِ فاروقی میں کتاب اللہ کی اشاعت ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب قرآن کی اشاعت پر اطمینان ہو گیا اور حدیث اور قرآن میں التباس کا خوف بھی نہ رہا تو حدیث کی روایت اور کتابت میں حضرت عمرؓ کا جو تشدد تھا اس میں اعتدال پیدا ہو گیا اور سنتِ نبوی ﷺ کی روایت اور ترویج میں کوشش فرمانے لگے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: خیر الہدی ہدی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

((سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله))

"تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں شبہات ڈال کر تم سے جھگڑیں گے۔ انہیں سنن کے ذریعہ رام کیا کرو۔ اصحاب سنن کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

((تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلموا القرآن))

"فرائض اور سنت کو اسی طرح سیکھو جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو۔"

حضرت عمرؓ نے جب حدیث کی روایت اور کتابت کے ضمن میں تشدد میں کمی کر دی تو خود بھی انہوں نے حدیث لکھ کر دوسروں کے پاس ارسال کی۔

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے: ہم عتبہ بن فرقد کے پاس تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اکرم ﷺ کی کچھ حدیثیں لکھ

Marfat.com

کر بھیجیں ان احادیث میں ایک حدیث یہ تھی:

((لا یلبس الحریر فی الدنیا إلا من لیس له فی الآخرة من شیء إلا هکذا وقال بأصبعیه للسبابة والوسطی))(۴۶)

اس سے حضرت عمرؓ کا منشا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روایت اور کتابت حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ ان کی نیت قرآن مجید کی عام اشاعت اور سنت کی روایت اور کتابت میں کامل احتیاط پر بنی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی طرزِ عمل کو اختیار کیا تھا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تھا۔

سنت... عہدِ خلافتِ عثمانی میں

حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ جب آپ کو اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں سے یہ اطلاع دی گئی کہ قرآن کریم کی قرأت میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور نزاع نے سخت صورت اختیار کر لی ہے تو اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ صحیفۂ قرآن منگوایا جو ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں مدون و مرتب کیا گیا تھا اور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی نگرانی میں اس کی سات کاپیاں کرا لی گئیں اور نقول کا ایک ایک نسخہ مملکت اسلامی کے مرکزی مقام کو روانہ کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ اس صحیفہ کے مطابق عمل کیا جائے جس سے لوگوں کے اختلافات ختم ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی کثرت روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے طریقے پر چلنے کی کوشش کی۔ محمود بن لبید کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: "کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث روایت کرے جسے میں نے عہد ابو بکرؓ اور عہدِ عمرؓ میں نہ سنی ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے میں مجھے یہ امر مانع نہیں ہے کہ میں آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں زیادہ حافظِ حدیث نہیں ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا۔"

لیکن اس خیال سے کہ حدیث کا ذخیرہ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات کے بعد یہ ذخیرہ فنا ہو جائے گا آپؓ نے حدیث کی روایت اور کتابت میں نرمی اختیار کی۔ آپ کے نرم طریقہ اختیار کرنے سے صحابہ کرامؓ حدیث کی روایت زیادہ کرنے لگے۔ دوسری طرف منافقین کو بھی من گھڑت روایات پھیلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ حمیر کا یہودی عبداللہ ابن سبا مسلمانوں کے بھیس میں کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ کی اسلامی فوجی چھاؤنیوں میں کثرت سے آنے جانے لگا۔ جہاں قبائل عرب کے بدوی فوج میں داخل تھے اور رسول اللہ ﷺ کے شرف دیدار سے محروم تھے اس لیے وہ حدیثِ نبوی ﷺ سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی سے حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ میں واقع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے منبر پر جو خطبہ دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علم میں دوسرے صحابہؓ سے واقفیت میں کم نہ تھے۔ مگر بہ نظر احتیاط وہ بہت کم روایت کرتے تھے تاہم دوسرے صحابہؓ ان کے پاس آتے اور حدیث نبوی ﷺ سناتے اور حضرت عثمانؓ سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ذر غفاریؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اجازت لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے قریب بیٹھے ہوئے حضرت کعبؓ سے پوچھا: کعب! عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مال چھوڑا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟... کعبؓ نے کہا: اگر وہ اس مال میں اللہ جلّ شانہ کا حق (زکوٰۃ) ادا کرتے تھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سن کر ابو ذر غفاریؓ نے اپنی لاٹھی حضرت کعبؓ کی طرف بڑھائی اور کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: "میں اس بات کو پسند نہیں رکھتا کہ اس پہاڑ کے برابر سونا میرے پاس ہو جائے اور میں اسے خرچ کر دوں اور وہ مقبول بھی ہو جائے اور میں اس سونے میں سے چھ اوقیہ اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں۔" حضرت ابوذرؓ نے کہا: میں آپ کو اے عثمان! اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟... حضرت ابو ذرؓ نے تین دفعہ پوچھا تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: ہاں! میں نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے۔

عہدِ خلافت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علیؓ کو جو خصوصیت اور قربت رسول اللہ ﷺ سے تھی وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت حق کے اعلان پر کم سن افراد میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے لبیک کہا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد بھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ابتدائے نبوت سے آپ کے وصال تک برابر ساتھ رہے اور ہر معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے تھے۔

حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے محبوب ترین فرد تھے۔ اس لیے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع بہت زیادہ ملا اور آپ ﷺ سے حضرت علیؓ نے احادیث کی سماعت بہت زیادہ فرمائی جن کو آپ نے محفوظ رکھا۔ جب آپ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے تو حضرت معاویہؓ سے سیاسی اختلاف کی وجہ سے اسلامی مملکت کا ایک بڑا علاقہ مصر اور شام کا آپ کی حدودِ خلافت سے کٹ گیا تھا، تاہم اسلامی مملکت کے بڑے حصہ پر آپ کی خلافت قائم ہو گئی جہاں آپؓ نے نہایت عدل و انصاف سے نظم قائم رکھا اور خانہ جنگیوں کے باوجود عادلانہ احکام میں فرق نہ آنے دیا۔ قرآن کریم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حدیثِ نبوی ﷺ کی ترویج کی طرف بھی توجہ فرمائی کیوں کہ آپ کو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ حدیث کی تدوین ہنوز نہیں ہوئی ہے اور یہ ذخیرۂ حدیث زیادہ تر صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان کی وفات پا جانے کے بعد یہ خزانہ مٹ جائے گا اس لیے آپ نے بجائے سختی کے حدیث کی روایت اور کتابت کی حوصلہ افزائی فرمائی تاکہ صحابہ کرامؓ کے ذریعہ حدیث کی تعلیم کی رفتار تیز ہو اور خود بھی علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی۔ ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے:

> "ایک دن (کوفہ) میں حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران آپؓ نے فرمایا: ایک درہم میں کون علم خریدنا چاہتا ہے؟... حارث اعور ایک درہم دے کر کچھ کاغذ خرید لائے اور ان کاغذوں کو لیے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم (احادیث) لکھایا۔" (۲۷)

حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ کے پاس حضرت علیؓ کی حدیثوں کا مجموعہ تھا۔ عبدالاعلیٰ بن عامر کے ترجمہ میں علماء رجال نے لکھا ہے:

((کل شيء روى عبد الأعلى عن ابن الحنفية، إنما هو كتاب أخذه ولم يسمعه)) (۲۸)

"عبدالاعلیٰ جو کچھ روایت محمد بن حنفیہؒ سے کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی اور عبدالاعلیٰ نے براہِ راست محمد بن الحنفیہؒ سے ان روایات کو نہیں سنا تھا۔"

Marfat.com

بہ ظاہر اس روایت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابن الحنفیہ کے پاس احادیث کا جو مجموعہ تھا اسے خود حضرت علیؓ نے لکھا تھا اور یا اپنے صاحب زادے محمد بن حنفیہؒ کو لکھوا دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے رویہ کی وجہ سے جہاں صحابہ کرامؓ کو روایت اور کتابتِ حدیث کا پورا پورا موقع ملا وہاں ان لوگوں نے جو بہ ظاہر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور حقیقتاً مسلمانوں کے دشمن تھے اس موقع سے غلط فائدہ اٹھایا اور من گھڑت روایات خوب زور وشور سے پھیلانے لگے۔ ان لوگوں نے روایات کو کبار اور محترم صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے ان حالات کے پیشِ نظر اپنے ایک خطبہ میں لوگوں مخاطب کیا اور فرمایا:

"میں ہر اس شخص سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں جس کے پاس کوئی مخطوطہ ہو کہ وہ واپس جا کر اسے مٹا دے۔ لوگ اسی لیے تباہ وبرباد ہوتے تھے کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کے اقوال کی پیروی کی اور اپنے رب کی کتاب کو چھوڑ دیا۔" (۲۹)

بعد میں احتیاط کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی سے حدیث نبوی ﷺ سنتے تو اس سے قسم لینے کے بعد اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے۔ آپؓ کا اپنا بیان ہے:

((وكان (ابی علی كرم الله وجهه) إما ماً متحرياً فی الأخذ بحيث أنّه' يستحلف من يُحدّثه بالحديث)) (۳۰)

"میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو مجھے اللہ تعالیٰ جتنا نفع اس سے دینا چاہتا تھا، دیتا تھا۔ اور جب کوئی دوسرا شخص حدیث نبوی ﷺ مجھ سے بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا تھا جب وہ قسم کھاتا تو میں اس حدیث کی تصدیق کرتا تھا۔"

منافقین اور دشمنانِ اسلام نے موضوع احادیث کا جو طوفان اٹھایا تھا اس کے مٹانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو کوششیں شروع کی تھیں وہ یقیناً بار آور ہوتیں۔ مگر انہی لوگوں نے ۴۰ھ میں آپؓ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام کا بڑا سخت المیہ ہے۔ جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ لیکن آپ کے بعد دوسرے صحابہ کرامؓ اور ان کے تربیت یافتہ تلامذہ جوق در جوق ہر اسلامی شہر میں تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر علم و فضل کے جلیل القدر مناصب پر فائز تھے وہ سب کے سب آگے بڑھے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی ترویج و اشاعت میں منہمک ہو گئے اور وضاعین کا مقابلہ کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور ایک ایک موضوع روایت کو جرح و تعدیل کے اصول کی چھلنی سے چھان کر پھینک دیا۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات

(۱) صحیح مسلم۔ کتاب الزهد۔ باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابته
(۲) تقیید العلم۔ خطیب بغدادی۔ باب کتابة العلم
(۳) السنن للامام الترمذی۔ باب ماجاء فی الرخصة فی کتابة العلم
(۴) جامع بیان العلم للامام ابن عبد البر
(۵) المستدرک علی الصحیحین للامام حاکم النیسابوری باب العلم
(۶) السنن للامام الدارمی۔ کتاب العلم۔
(۷) السنن للامام الدارمی۔ کتاب العلم۔
(۸) عمدة القاری للامام العینی ج:۱۔ ص:۵۷۲
(۹) سیرت ابن ہشام بحوالہ نقوش رسول نمبر ج:۱۱۔ ص ۶۲۲
(۱۰) رواہ الامام مالک فی الموطأ والامام البیہقی ایضاً
(۱۱) صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ
(۱۲) تذکرة الحفاظ للامام الذہبی۔ ج:۱۔ ص ۳
(۱۳) تذکرة الحفاظ للامام الذہبی۔ ج:۱۔ ص ۳
(۱۴) جامع بیان العلم۔ ج :۱، ص ۲۴
(۱۵) تاویل مختلف الحدیث للامام ابن قتیبہ الدینوری ص:۴۸،۴۹
(۱۶) تاویل مختلف الحدیث للامام ابن قتیبہ الدینوری ص:۴۸،۴۹
(۱۷) السنن للامام ابن ماجہ باب فی الحدیث عن رسول اللہ، حدیث نمبر ۲۹
(۱۸) تذکرہ الحفاظ۔ ج:۱۔ ص:۷
(۱۹) جامع بیان العلم۔ ج:۲۔ ص:۱۲۱
(۲۰) تذکرة الحفاظ۔ تذکرة سیدنا عمرؓ
(۲۱) المحدث الفاصل للامام الرامہرمزی۔ ص:۱۳۳
(۲۲) سیر اعلام النبلاء۔ ج:۲۔ ص:۴۳۴
(۲۳) شرف اصحاب الحدیث للامام البغدادی۔ ص:۹۷
(۲۴) سیر اعلام النبلاء۔ ج:۱، ص:۳۵۱
(۲۵) طبقات ابن سعد۔ ج:۳۔ ص:۱۱۰
(۲۶) مسند امام احمد بن حنبل۔ مسند سیدنا عمرؓ
(۲۷) طبقات ابن سعد۔ ج:۶۔ ترجمہ سیدنا علیؓ
(۲۸) طبقات ابن سعد۔ ج:۶۔ ترجمہ سیدنا علیؓ
(۲۹) السنة قبل التدوین۔ ص:۳۱۳
(۳۰) تذکرة الحفاظ۔ تذکرہ سیدنا علیؓ

Marfat.com

دوسراباب

حدیث کادوسرادور

خلفائے راشدین روایت حدیث میں نہایت سختی سے "تثبت" پر عمل کرتے تھے۔تثبت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس طرح حدیث سنی ہے بعینہ انہی الفاظ اور حرکات وسکنات کی پابندی کے ساتھ اس کی روایت کی جائے۔تثبت کے لیے حفظ، ضبط اور اتقان لازمی اجزا ہیں۔امام زہری کی روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے ایک شخص کے سامنے حدیث بیان کی اس شخص نے اس حدیث کو سمجھنے کے لیے کوئی سوال کیا۔ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

((هو كما حدثتك، أيّ أرض تقلني اذا أنا قلت ما لم أعلم)) (۱)

"حدیث جس طرح میں نے بیان کی ہے اسی طرح ہے۔اگر میں ایسی بات کروں جو میرے علم میں نہیں تو کونسی زمین میرا بوجھ برداشت کرے گی۔"

حضرت عمرؓ بھی تثبت پر سختی سے عمل کرتے تھے۔انہوں نے ایک رہنما اصول وضع کیا تھا اسی اصول پر دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔وہ اصول یہ ہے:

((من سمع حديثا فحدّث به كما سمع فقد سلم)) (۲)

"جس نے کوئی حدیث سنی اور جیسی سنی ویسی ادا کی تو وہ محفوظ رہا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شیخین کے اصول پر عمل کرتے تھے اور تثبّت کی ہدایت فرماتے تھے۔اگرچہ آپؓ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روایت کرنے سے نہیں روکتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیثِ نبوی ﷺ کی اشاعت میں کافی حصہ لیا اور آپؓ نے لوگوں کو حدیث حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ساتھ ہی تثبّت کی بھی ہدایت فرماتے تھے تاکہ حدیث کی اشاعت صحیح طریقے سے ہو۔حضرت علیؓ کا قول ہے:

((اذا حدّثتكم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثا فلأن أخر من السماء أحب الي من أن أكذب عليه)) (۳)

"میں آسمان سے گر کر چُور چُور ہونے کو ترجیح دیتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کروں۔"

Marfat.com

خلفائے راشدین کے بعد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین اور تبع تابعین نے بھی تثبت کے التزام کو قائم اور حدیث وسنت کی صیانت اور حفاظت اسی طرح کی جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کی۔ذیل میں اس پہلو سے متعلق بنیادی معلومات پیش کی جا رہی ہیں۔

اسلامی فتوحات کی وسعت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا سلسلہ روز بروز بڑھنے لگا اور اللہ جل شانہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا:

{ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ }[۴]

"اللہ جل شانہ کا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو ایمان پر قائم رہیں گے اور عمل صالح کرتے رہیں گے کہ وہ انہیں اس زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح کہ اس نے ان اہل ایمان کو (خلافت) عطا کی تھی جو ان سے پہلے گزرے ہیں،وہ انہیں اپنے پسندیدہ دین پر چلنے کی توفیق اور صلاحیت عطا کرے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔"

چنانچہ پورا ملک شام (اردن، فلسطین، لبنان اور سوریا) اور پورے کا پورا عراق ۱۷ھ میں فتح ہوا۔۲۱ھ میں فارس اسلامی ریاست میں شامل ہوا، ۵۶ھ میں مسلمان سمرقند پہنچ گئے۔اور ۹۳ھ میں اندلس مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ان فتوحات کے نتیجہ میں مفتوح ممالک کے باشندے بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی تعلیم وتربیت کی ضرورت پیش آئی۔خلفائے وقت نے ان کی تعلیم وتربیت اور کتاب وسنت کی اشاعت کے پیشِ نظر علماء اور فقہاء کو ان مفتوح ممالک میں بھیجا۔ان حضرات نے مختلف علاقوں میں جا کر اپنے اپنے حلقے قائم کیے اور تعلیم وتدریس کے ذریعہ اصلاح وارشاد کا کام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں جاتے وہاں کے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ان سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور صفات کے بارے میں دریافت کرتے۔عقیدت وارادت اور فرطِ جذبات کی وجہ سے ان کی مجلس میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے اس طرح متعدد علاقوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے جو حلقے اور مرکز قائم ہوئے بعد میں کتاب و سنت کی ترویج واشاعت میں ان مراکز نے نمایاں خدمات انجام دیں۔عام طور سے ان حضرات کی درس گاہیں مسجدوں میں قائم ہوتی تھیں۔عموماً دس دس طلبہ کا ایک حلقہ بنایا جاتا تھا اور ہر حلقہ میں ایک عریف (Class Senior) مقرر کیا جاتا تھا۔تمام حلقوں کی نگرانی ہر حلقہ کا عریف کرتا تھا اور تمام عریفوں کی نگرانی "صحابی" خود کرتے تھے جو محراب میں کھڑے رہتے تھے۔ذیل میں اس نظامِ تعلیم کے حوالہ سے حضرت ابو درداءؓ کی درس گاہ کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوالدرداءؓ کی درس گاہ

((ان ابا الدرداء رضی الله عنه الذی توفی سنة ۳۲ھ، کان إذا صلی الغداة فی جامع دمشق اجتمع الناس للقراءة علیه۔ فکان یجعلهم عشرة عشرة، وعلی کل عشرة عریفا، ویقف هو فی المحراب یرمقهم بصره، فاذا غلط أحدهم رجع إلی عریفهم، وإذا غلط عریفهم رجع إلی أبی الدرداء فسأله عن ذلك)) (۵)

"ابوالدرداءؓ (م ۳۲ھ) جب جامع دمشق میں فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو لوگ ان سے پڑھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو الدرداءؓ نے دس دس طلبہ کی جماعت بندی کی تھی اور ہر ایک جماعت میں ایک عریف انہی طلبہ میں سے مقرر کرتے تھے۔اور خود مسجد کے محراب میں کھڑے ہو کر سب کی نگرانی کرتے تھے۔"

جب کوئی طالب علم غلطی کرتا تو اپنے عریف سے پوچھتا اور جب عریف کو اشکال ہوتا تو وہ ابو الدرداءؓ کی طرف رجوع کرتا۔

ایک دفعہ حضرت ابوالدرداءؓ نے طلبہ کا شمار کیا تو سولہ سو سے زیادہ طلبہ کی تعداد ظاہر ہوئی جس کی شہادت ذیل کی روایت سے ملتی ہے:

((روی مسلم بن مشکم: قال لی أبو الدرداء: أعدد من یقرأ عندی القرآن فعددتهم بأمره الفاً وستمائة نیفا، وکان لکل عشرة مقرئ، وابوالدرداء علیهم قائما، اذا احکم الرجل منهم تحول إلی أبی الدرداء)) (۶)

"مسلم بن مشکم کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالدرداء نے کہا: جتنے طلبہ میرے ہاں قرآن پڑھ رہے ہیں ان کی گنتی کر لو۔ میں نے طلبہ کا شمار کیا تو سولہ سو سے کچھ زیادہ تھے اور ہر دس طلبہ پر ایک قاری (معلم) ہوتا تھا اور ابوالدرداء ان سب کے نگران تھے جب ان طلبہ میں سے کوئی پختہ کار ہو جاتا تو آخری تعلیم کے لیے ابوالدرداءؓ کے قریب جاتا۔"

حضرت ابوالدرداءؓ کی طرح دوسرے صحابہؓ کی بھی مختلف شہروں میں درسگاہیں تھیں جن میں قرآن اور سنت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان صحابہؓ سے تعلیم حاصل کر کے ہر مفتوحہ ملک اور شہر میں ان کے شاگردوں کا ایک مستند طبقہ پیدا ہوا جو حدیث وسنت کے بڑے حامی اور محافظ بنے اس طبقہ کو اصطلاح میں "تابعین" کہتے ہیں۔ صحابہؓ کی درسگاہوں کے لیے آج کل کی طرح بڑی بڑی عمارتیں نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ مساجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اپنے اوقات میں کی جاتی تھی اور یہیں قرآن وحدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی جس کی وجہ سے تعمیر پر اضافی اخراجات نہیں ہوتے تھی۔ صحابہ کرامؓ اپنے دل ودماغ کو قرآن وسنت کے علوم سے معمور رکھتے تھے۔ اور انہی سرچشموں سے طلبہ کو سیراب کرتے تھے۔ یہ علمی مراکز جو مختلف شہروں میں قائم ہو گئے ان کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ اور بیشتر صحابہؓ کا مقامِ ہجرت تھا۔ آپ ﷺ کی زیادہ تر احادیث کو اسی شہر میں پھیلنے کا موقع ملا۔ استخراج اور استنباط کا کام بھی زیادہ تر یہیں ہوا۔ مہاجر صحابہؓ مدینہ منورہ میں رہنے کو پسند کرتے تھے اور کوئی یہاں سے دوسرے علاقوں میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی ریاست کا مرکز اور خلفائے راشدین کے عہد میں "دارالخلافہ" بنا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور آپ کے وصال کے بعد بھی صحابہؓ کرام یہاں کے قیام کو ترجیح دیتے تھے تاکہ یہاں کی برکات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں۔ مگر جب ریاست کو انہیں مدینہ سے باہر بھیجنے کی ضرورت پیش آتی یا تعلیمی و معاشی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ مدینہ سے باہر جاتے۔ مدینہ منورہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی عقیدت و ارادت کے بارے میں ابن سعد طبقات میں محمد بن عمر سے روایت کرتے ہیں:

((لا نعلم احدا من المهاجرين من أهل بدر رجع إلى مكة))

"ہم اہل بدر کے مہاجرین میں سے کسی کو نہیں جانتے ہیں جو مکہ واپس گئے ہوں۔"

مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بدری مہاجر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ واپس نہیں گیا۔ مدینہ میں جن صحابہؓ کو قرآن، حدیث اور استنباط کے مجال میں عبور تھا ان کی تعداد کافی تھی جن میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرۃؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت نمایاں تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کتاب اور سنت کے احکام کے فہم اور اصابت رائے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ زیدؓ بن ثابت کی رائے سے برابر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے عہد میں زیدؓ بن ثابت قضا، فتوی، قرأت اور فرائض کے منصب پر صدر کی حیثیت سے تھے یہاں تک کہ ۴۵ھ میں آپؓ کا انتقال ہو گیا۔

ان جلیل القدر صحابہؓ کی تعلیم و تربیت سے ان کے شاگردوں کا مدینہ منورہ میں تابعین کا ایک ممتاز گروہ تیار ہوا جن میں چند مشہور تابعین کے نام یہ ہیں:

سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عبداللہ ابن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، نافع مولی ابن عمر۔ یہ حضرات کتاب و سنت کے ماہر اور عالم تھے، حدیث نبویؐ اور فتوی کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ عہد نبوی میں سب سے بڑی درسگاہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تھی۔ جہاں شب و روز کے اکثر اوقات میں قرآن کریم اور حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

صفہ اور اصحاب صفہ

تعلیم و تربیت کے لحاظ سے صفہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ چند حضرات نے اپنی زندگی صرف عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرنے کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور آیات و روایات کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رات کو اسی چبوترے (صفہ) میں قیام کرتے تھے اور باہم مل کر یہاں آیات و روایات کا مذاکرہ کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ

Marfat.com

بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو ۷ھ میں یمن میں اسلام لائے اور وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے۔راتوں کو یہ حضرات عبادت کرتے ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا اسی کے پاس بیٹھ کر پڑھتے تھے اس بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔دعوت وتبلیغ کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے غزوۂ بیر معونہ میں انہی میں سے ستر (۷۰) افراد اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا۔ان اصحاب صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور مجموعی تعداد میں چار سو تک پہنچی تھی۔ شیخ احمد بن محمد البصری (م ۳۰۴ھ) نے اصحاب صفہ کے موضوع پر ایک مستقل تالیف فرمائی ہے۔

مکہ مکرمہ

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ ہی میں قیام کرنے کی ہدایت کی تاکہ وہ یہاں کے لوگوں کو حلال وحرام اور کتاب وسنت کی تعلیم دیں۔حضرت معاذ بن جبل علم وفضل اور حسن سلوک کے لحاظ سے مشہور تھے۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے تھے اور صحابہ کرامؓ میں فقہ واجتہاد کے پہلو سے شہرت رکھتے تھے۔آپ سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے۔آپ نے جو حلقہ قائم کیا بعد میں عبداللہ بن عباسؓ نے اسے برقرار رکھا اور اس کے فروغ اور ترویج کے لیے کام کیا۔ابن عباسؓ کے علاوہ مکہ میں صحابہ کرامؓ کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔مثلاً عبداللہ بن السائب مخزومی، جو صحابہ کے قاری تھے۔عتاب بن اسید، خالد بن اسید، حکم بن ابی العاص اور عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہم) وغیرہ۔ابن عباس کے حلقہ سے جن تابعین نے استفادہ کیا اور جنہیں علم وفضل کے لحاظ سے شہرت حاصل ہوئی ان میں مجاہد، عکرمہ اور عطاء بن ابی رباح کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

کوفہ

اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں جب کوفہ کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا تو یہ جیشِ اسلامی کا ہیڈکوارٹر بن گیا۔ اس شہر کی اہمیت کی بناء پر کافی تعداد میں صحابہ کرامؓ یہاں پہنچے اور مستقل سکونت یہاں اختیار کی۔جن صحابہ کرامؓ نے آکر کوفہ میں مستقل قیام کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

علی ابن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، خباب بن الارتؓ، سلمانؓ فارسی، حذیفہ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرۃ بن شعبۃؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو الطفیلؓ، اور ابو جحیفہؓ۔

کوفہ میں کتاب وسنت کی تعلیم اور اشاعت کی سیادت عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل تھی۔آپ علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔کوفہ میں آپ کو طویل عرصہ تک قیام کرنے کا موقع ملا۔یہاں آپ نے تعلیم وتربیت کے لیے ایک مستقل حلقہ قائم کیا۔آپ سے جن حضرات نے استفادہ کیا اور علم وعمل کی دنیا میں شہرت پائی ان میں سے مسروق بن الاجدع ہمدانی، عبیدہ بن عمرو سلمانی، سعد بن یزید نخعی، اور شریح بن الحارث کندی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ نے شریح کو کوفہ کا قاضی بنایا۔حجاج کے زمانہ تک آپ اسی منصب پر فائز رہے۔اس حلقہ کے دیگر مشاہیر میں ابراہیم بن یزید نخعی فقیہ العراق، سعید بن جبیر اور عامر بن شراحیل حدیث اور فقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہوئے۔علماء رجال نے انہیں حفاظ میں شمار کیا ہے۔

Marfat.com

بصرہ

بصرہ میں کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس کے لیے جو مرکز قائم ہوا اس کی بنیاد حضرت انس بن مالک کی وجہ سے قائم ہوئی۔ اس شہر میں جو صحابہؓ تشریف لائے اور جن کی وجہ سے کتاب وسنت کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا ان میں عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کے دور خلافت میں یہاں بطور والی رہے۔ ان کے علاوہ عقبہ بن غزوان، عمران بن حصینؓ، ابوزہرہ اسلمیؓ، معقل بن یسارؓ، ابوبکرہؓ، عبدالرحمن بن میسرہؓ، عبداللہ بن الشخیر، اور جاریہ بن قدامہؓ نے بھی یہاں قیام کیا اور اہل بصرہ کو اپنی معلومات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا۔

بصرہ کے جن تابعین کو علم وفضل کے مجال میں شہرت اور مقام ومرتبہ حاصل ہوا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابو الشعثاء جابر بن زید، قتادۃ بن دعامۃ سدوسی، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اور ابوزہرہ بن ابی موسیٰ۔

شام

مسلمانوں نے جب ملک شام کو فتح کیا تو یہاں کے باشندے بہت بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ خلفائے اسلام نے ان علاقوں کی طرف خاص توجہ کی اور یہاں کے عوام کی تعلیم وتربیت کے لیے فضلاء اور فقہاء صحابہؓ کو روانہ کیا۔ جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ حضرت معاذؓ صحابہ کرامؓ کی صف میں اعلیٰ درجہ کے فقیہ شمار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی آپ کو منتخب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو کتاب وسنت کی تعلیم اور اشاعت کے لیے ملک شام بھیجا تھا۔ ابن سعد طبقات میں ابو مسلم خولانی سے روایت کرتے ہیں:

((دخلت مسجد حمص، فأذا فيه نحو من ثلاثين كهلا من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، واذا فيهم شاب كحل العينين، بريق الثنايا، ساكت لا يتكلم، فأذا امترى القوم فى شىء اقبلوا عليه، فسألوه، فقلت لجليس لى: من هذا؟ ... قال: معاذ بن جبل)) (۷)

"ابو مسلم خولانی کہتے ہیں: میں شہر حمص (شام) کی مسجد میں داخل ہوا، وہاں تقریباً تیس ادھیڑ عمر کے صحابہؓ تشریف رکھتے تھے جن میں سے ایک صحابی جوان نظر آ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں سرگیں اور دانت خوبصورتی کی وجہ سے چمک رہے تھے۔ یہ جوان اور حسین صحابی بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کسی کے ساتھ بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا: یہ کون ہے؟... اس نے بتایا: یہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔"

ملک شام کے لوگوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری جن صحابہؓ نے سنبھالی ان میں ایک مشہور اور نمایاں نام حضرت عبادۃؓ بن صامتؓ کا ہے۔ آپؓ قرآن کے بہت اچھے قاری اور فقہ واستنباط کے ماہر تھے۔ آپ کے علاوہ ابوالدرداء انصاریؓ نے کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت عمرؓ نے ابوالدرداءؓ کو معاذ بن جبلؓ کے ساتھ شام کی طرف

Marfat.com

روانہ کیا تھا۔ان حضرات کے لیے یزید بن ابو سفیانؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو خط لکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ اہلِ شام کی تعلیم کے لیے معاذؓ بن جبل، عبادۃؓ اور ابوالدرداءؓ کو بھیج دیا جائے۔امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ملک شام میں علمی، فکری اور فقہی سرگرمیوں کو بعد میں جو عروج حاصل ہوا اس کی بنیاد میں ان تینوں حضرات کی کوشش وکاوش کا بہت بڑی حد تک عمل دخل نظر آتا ہے۔

شام کی طرف حضرت عمرؓ نے تعلیم وتدریس کے لیے حضرت عبدالرحمن بن غنم کو بھی بھیج دیا تھا۔عبدالرحمن حضرت معاذؓ کے تلمیذ خاص تھے اور ان سے بہت زیادہ متاثر تھے۔شرحبیل بن حسنہ اور فضل بن عباسؓ نے بھی کتاب وسنت کی تعلیم اور اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔شام کے مختلف مراکز سے جو تابعین مستفید ہوئے اور بعد میں جنہوں نے علم کی ترویج میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ان میں چند کے نام یہ ہیں:

ابو ادریس خولانی، قبیصہ بن ذویب، مکحول بن ابو مسلم دمشقی، اور رجاء بن حیوہ۔

مصر

مصر کا علاقہ جب فتح ہوا تو یہاں کے باشندے بھی بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت کے لیے یہاں آ پہنچی۔عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے والد فاتح مصر عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے۔عبداللہ بن عمروؓ کو چونکہ کتابتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی اس لیے آپ کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ چونکہ لکھتے تھے اس لیے ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔ عبداللہ بن عمروؓ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کی اپنے والد کے انتقال کے بعد بھی یہیں کے ہو رہے۔عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ مصر میں جن صحابہؓ نے قیام فرمایا ان کے نام یہ ہیں:

عقبہ بن عامر الجہنی، خارجہ بن حذافہؓ، عبیداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ، حمیہ بن جزءؓ، عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ، ابو نضرہ غفاریؓ، ابو سعید الخیرؓ اور معاذ بن انس الجہنیؓ۔

مصر میں صحابہؓ کرام کی تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں تابعین کی جو جماعت تیار ہوئی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ابوالخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی، انہوں نے ابو ایوب انصاری، ابونضرہ غفاری اور عقبہ بن عامر الجہنی سے روایات اخذ کیں۔

یزید بن ابی حبیب، انہوں نے مصر کے بیشتر صحابہؓ سے روایت کی ہے لیکن ان کی وہ روایات جو مؤلفات میں پھیل گئی ہیں زیادہ تر تابعین سے ہیں۔آپ بنیادی طور پر "بربر" قبیلے سے تھے لیکن نشوونما مصر میں پائی تھی۔

اخذِ حدیث کے لیے سفر

بشر بن عبداللہ حضرمی کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کے لیے شہروں شہروں سواری پر سوار ہو کر سفر کیا کرتا تھا تاکہ وہ حدیث جن جن رُواۃ کے پاس ہے ان سے براہِ راست سن سکوں۔(۸)

Marfat.com

ابو العالیہ کہتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے حدیث براہِ راست سننے کے لیے سفر کرتے تھے ان کی خدمت میں پہنچ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ (۹)

سعید بن المسیب کہتے ہیں: میں صرف ایک ایک حدیث کی خاطر کئی کئی دن اور رات سفر کرتا رہا ہوں۔ (۱۰)

امام شعبی نے ایک مرتبہ یہ حدیث ((ایما رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلّمھا فأحسن تعلیمھا، وأدبھا فأحسن تادیبھا، واعتقھا فتزوجھا فلہ اجران...)) اپنے شاگردوں کو سنائی اور پھر کہا: "اس حدیث کو بغیر کسی عوض کے حاصل کر لو۔ یہ ایسی حدیث ہے کہ اس کے حصول کے لیے طلبہ مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے۔" امام شعبی کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں حدیث کے رواۃ مسافتیں طے کرکے حدیث کے حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ جاتے تھے۔

امام یحیٰی بن معینؒ کا مشہور قول ہے۔ آپ نے فرمایا: "چار لوگوں سے بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک محلہ کا چوکیدار، دوسرا قاضی کا منادی (آواز دینے والا)، تیسرا محدّث کا بیٹا، اور چوتھا وہ شخص جو اپنے شہر میں بیٹھ کر حدیث لکھتا ہے اور اس کی طلب و جستجو میں سفر نہیں کرتا۔" (۱۱)

سنت کی حفاظت کے لیے مختلف ممالک اور شہروں کا کٹھن سفر ہمارے اسلاف کا بہت بڑا علمی جہاد تھا۔ انہوں نے اپنی بلند ہمتی، ایثار نفسی اور جفاکشی سے حدیث کے سننے اور جمع کرنے کی خدمات انجام دے کر وہ اعلیٰ مثال قائم کی ہے جس کی شمع کی روشنی میں متاخرین علماء گامزن ہوئے اور تدوین حدیث کے لیے منتشر قیمتی سرمایہ کو جمع کر دیا۔ ہمارے اسلاف نے روایات کے سننے اور جمع کرنے کے لیے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کیا۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چونکہ بعض شہروں میں صحابہؓ کی کثرت کی وجہ سے حدیث کا ذخیرہ زیادہ تھا۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ اور شام، اس لیے دوسرے علاقوں کے علماء اور رُواۃ حدیث ان شہروں کا رخ کرتے تھے۔ اور یہاں کے معاملات، عبادات، قضایا اور احکام میں ان شہروں کے علماء سے استفادہ کرتے تھے۔

عہد صحابہؓ میں کتابتِ حدیث

کتابت حدیث کی ترغیب

۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ نے انہیں فرائض صدقات لکھ کر دیئے تھے اور یہ فرائض صدقہ رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: ان ابا بکر کتب لھم ان ھذہ فرائض الصدقۃ التی فرض رسول اللہ... "ابو بکر صدیقؓ نے ان کو لکھ کر دیا کہ یہ وہ فرائض صدقہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے۔"

Marfat.com

۲) عمرو بن سفیان کہتے ہیں کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: قیدوا العلم بالکتاب "علم (حدیث) کو قلم بند کر لیا کرو۔" یہ روایت بھی منقول ہے کہ: وجد ابن عمر فی قائم سیف أبیہ صحیفۃ "ابن عمر نے اپنے والد کی تلوار کے نیام میں ایک صحیفہ پایا تھا۔" (۱۲)

۳) حضرت علیؓ طلب علم اور کتابت علم کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: من یشتری منی علما بدرھم ... "کون ہے جو مجھ سے ایک درہم کی عوض علم خرید لے"... مطلب یہ کہ ایک درہم کا کاغذ خرید کر اس میں روایات ضبط کر لے۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: تزاوروا واکثروا مذاکرۃ الحدیث، فان لم تفعلوا یندرس الحدیث... "باہم ملتے رہو اور روایات کا مذاکرہ کرتے رہو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ روایات ذہنوں سے اتر جائیں گی۔"

مسند امام احمد میں طارق ابن شہاب کی روایت ہے:

((رأیت علیا علی منبر یخطب... سیفہ من حدید سمعتہ یقول: واللہ ما عندنا کتاب نقرأہ علیکم الا کتاب اللہ تعالی وھذہ صحیفۃ أعطانیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا فرائض الصدقۃ))

"میں نے منبر پر حضرت علیؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا ان کی کمر میں تلوار تھی جس کا قبضہ لوہے کا بنا ہوا تھا اس وقت وہ فرما رہے تھے: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا ایسی کتاب نہیں ہے جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں۔ یہ وہ صحیفہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اس میں صدقہ کے احکام درج ہیں۔"

۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے:

ما کنا نکتب فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلا الاستخارۃ والتشھد۔ (۱۳) "ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں استخارہ اور تشہد کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھتے تھے۔

۵) حضرت حسن بن علیؓ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے:

((تعلموا تعلموا، فانکم صغار قوم الیوم، تکونون کبارھم غدا، فمن لم یحفظ منکم فلیکتب)) (۱۴)

"تم پڑھو اور خوب دل لگا کر پڑھو آج تم قوم کے چھوٹے لوگوں میں سے ہو کل قوم کے بڑوں میں شمار ہوگے۔ تم میں جو زبانی یاد نہیں کر سکتا اسے چاہئے کہ اپنے پاس لکھ لیا کرے۔"

۶) حضرت عائشہؓ نے اپنے بھتیجے عروۃ بن الزبیر سے کہا:

((یا بنی! بلغنی انک تکتب عنی الحدیث، ثم تعود فتکتبہ، فقال لھا اسمعہ منک علی شیء ثم

Marfat.com

أعود فاسمعه على غيره، فقالت: هل تسمع في المعنى خلافا؟ ... قال: لا۔ قالت: لا بأس بذلك)) (۱۵)

"بیٹے! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مجھ سے حدیث لکھتے ہو۔ پھر دوبارہ اسی حدیث کو لکھتے ہو۔ عروۃ نے جواب دیا: آپؓ سے حدیث سنتا ہوں۔ پھر دوبارہ اسی حدیث کو دوسری سند سے سنتا ہوں تو لکھ لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کیا تم کو دونوں روایتوں کے مفہوم میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ عروۃ نے جواب دیا: نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: پھر کوئی مضائقہ نہیں۔"

۷) حضرت ابوہریرۃؓ نے بشیر بن نہیک کو ان سے حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کی اجازت دی اور ایک روایت میں بشیر کہتے ہیں:

((أتيت أبا هريرة بكتابي الذي كتبته، قرأته عليه، فقلت: هذه سمعته منك؟ قال: نعم)) (۱۶)

"میں حضرت ابوہریرۃؓ کے پاس روایات کا وہ مجموعہ لے کر آیا جو میں نے آپ سے سن کر لکھ لیا تھا۔ میں نے اس کی روایات پڑھ کر آپؓ کو سنائیں اور ان سے پوچھا: یہی وہ روایات ہیں جو میں نے آپ سے سنی تھیں! آپؓ نے فرمایا: ہاں۔"

۸) حضرت ابوہریرۃؓ کے پاس کئی مخطوطے تھے۔ فضیل بن حسن بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد حسن بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوہریرۃؓ کے پاس ایک حدیث بیان کی۔ ابوہریرہ کے ذہن سے وہ حدیث اتر گئی تھی۔ میں نے کہا: یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ ابوہریرہ نے کہا: اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہو گی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھے بہت سے مخطوطے دکھائے جن میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات درج تھے۔ ایک مخطوطہ میں وہ حدیث مل گئی جو ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا: میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ حدیث اگر آپ نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس درج ہو گی۔

دورِ صحابہؓ کے مخطوطات

حضرت ابن عباسؓ نے کتاب وسنت کی تعلیم کے لیے باقاعدہ حلقہ قائم کیا تھا۔ آپ اپنے شاگردوں کو پڑھاتے اور لکھواتے بھی تھے ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس تختیاں ہوتی تھیں جن پر وہ لکھواتے بھی تھے۔ آپ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے: قيدوا العلم بالكتاب۔ "علم (روایات) کو لکھ لیا کرو۔"

ابن عباسؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کریب بن ابی مسلم کا بیان طبقات ابن سعد میں موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے:

((وضع عندنا كريب بن ابي مسلم مولى عبدالله بن عباس حمل بعير من كتب ابن عباس)) (۱۷)

"ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے آزاد کرہ غلام کریب بن ابی مسلم نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک بارِ شتر تھیں۔ یعنی ایک اونٹ جس قدر بوجھ اٹھا سکتا ہے۔"

حضرت انسؓ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے:

Marfat.com

((یا بنیّ قیدوا العلم بالکتاب)) "علم (حدیث) کو قلم بند کر لیا کرو۔"

حضرت انسؓ اپنے شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے جب شاگردوں کی تعداد بڑھ جاتی تو آپؓ کتابوں کا مجموعہ لا کر سامنے ڈال دیتے اور کہتے تھے:

((ھذہ احادیث سمعتھا وکتبتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعرضتھا علیہ)) (۱۸)

"یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھی تھیں اور آپ کے سامنے پیش کی تھیں۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفۂ صغیر کے علاوہ ہے جس کا ذکر امام مسلم نے کتاب الحج میں کیا ہے۔ (۱۹)

صحیفۂ جابر کا ذکر ابن سعد نے صحابہ کے ترجمے میں کیا ہے۔ مجاہد اسی صحیفہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ قتادۃ بن دعامہ سدوسی (م ۱۱۸ھ) اس صحیفہ کے متعلق کہتے ہیں کہ جابر بن عبداللہ کا صحیفہ مجھے سورۃ البقرۃ سے زیادہ زبانی یاد ہے۔ (۲۰)

ایک روایت میں ہے کہ قتادۃ سلیمان الیشکری سے حدیث کی روایت کرتے تھے اور سلیمان الیشکری کے پاس جابر بن عبداللہ کی کتاب تھی اس لیے احتمال ہے کہ سلیمان نے صحیفہ جابر کو نقل کر لیا ہو کیونکہ وہ جابر بن عبداللہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ سلیمان الیشکری جابر بن عبداللہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبداللہ کا حلقہ درس تھا۔ جس میں آپ شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے۔ ان سے کافی تعداد میں لوگوں نے حدیث لکھی ہے۔ مثلاً وھب بن منبہ، ابو الزبیر، ابو سفیان، اور شعبی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے ان کی زیادہ تر روایات صحیفہ سے منقول ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ: میں نے جابر بن عبداللہ کا پورا صحیفہ ان ہی سے سن لیا ہے۔ (۲۱)

حضرت سمرۃ بن جندب (م ۶۰ھ) نے ایک مخطوطہ تیار کیا تھا جس میں بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں ان احادیث کی روایت ان کے بیٹے سلیمان نے کی ہے۔ (۲۲)

ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ وہی رسالہ ہو جسے سمرہ نے اپنے بیٹے کے پاس بھیجا تھا جس کے متعلق محمد بن سیرینؒ لکھتے ہیں کہ سمرہ نے اپنے بیٹے کو جو رسالہ بھیجا تھا اس میں بہت ساری روایات تھیں۔

یہ تمام آثار جو ایک دوسرے کی مؤید ہیں ثابت کرتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ کتابتِ حدیث کو جائز سمجھتے تھے خود انہوں نے اپنے لیے احادیث لکھیں اور ان کے شاگردوں نے بھی ان کے سامنے احادیث لکھیں اور دوسروں کو کتابتِ حدیث اور حفظِ حدیث کی ہدایت کرتے رہے جیسا کہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، حسن بن علی اور انس بن مالکؓ سے ثابت ہے۔

Marfat.com

تدوین حدیث اور تابعین

تابعین اور صحابہؓ کی ہم آہنگی

تمام تابعین نے صحابۂ کرامؓ سے استفادہ کیا ان سے برابر ملتے جلتے رہے۔ان کی صحبت کو نعمت سمجھا۔ان سے ہر چیز معلوم کی۔اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کا ذخیرہ انہی سے اور انہی کے طریقے سے حاصل کیا۔اور یہ بھی انہی سے معلوم کیا کہ حدیث کی کتابت کی ممانعت کب تھی۔اور اس کی اجازت کب دے دی گئی۔انہوں نے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری اقتدا کی جس طرح تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں۔

تابعین نے کتاب وسنت کی تعلیم صحابہ کرامؓ سے حاصل کی اور اس کے مطالب ومعانی بھی انہی سے اخذ کئے اس لیے یہ فطری بات تھی کہ تدوین حدیث کے متعلق تابعین کا رویہ بھی وہی ہو جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔اس لیے جن اسباب و عوامل کی بناء پر خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کو کتابتِ حدیث میں تردد اور ہچکچاہٹ تھی بعینہ وہی عوامل کتابتِ حدیث میں تابعین کے پیشِ نظر تھے۔اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ اور تابعین کا موقف ایک تھا۔جب تک کتابتِ حدیث کی کراہت کے اسباب موجود تھے تابعین کتابتِ حدیث سے اجتناب کرتے رہے اور جب وہ اسباب زائل ہو گئے تو کتابتِ حدیث کے جواز بلکہ استحباب اور پھر وجوب پر اجماع ہو گیا اور تدوین حدیث پر اصرار کرنے لگے۔یہی وجہ ہے کہ کسی ایک تابعی سے کتابتِ حدیث کے متعلق دو مختلف خبریں ملتی ہیں۔ ایک خبر میں ممانعت پائی جاتی ہے اور دوسری میں جواز کی خبر ہوتی ہے۔اور تابعین کے مختلف طبقے کبار، اوساط اور صغار سے کتابتِ حدیث کی مخالفت میں بھی اور اس کی اجازت میں بھی روایات ملتی ہیں۔کبار تابعین میں عبیدۃ بن عمرو السلمان المرادی (م-۷۲ھ))، ابراہیم بن یزید التیمی (م-۹۲ھ) جابر بن یزید (م-۹۳ھ) اور ابراہیم نخعی (م۹۴ھ) کتابتِ حدیث کے قائل نہ تھے۔یہ سب کے سب حدیث کو حفظ کے ذریعہ محفوظ اور ضبط کرتے تھے اور اپنی قوت حافظہ سے روایت کرتے تھے۔عبیدۃ بن عمرو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان سے حدیث لکھے یا ان کے سامنے لکھی ہوئی حدیث پڑھے۔ابراہیم نخعی بھی اس کو نامناسب سمجھتے تھے کہ حدیثیں کاپیوں میں لکھی جائیں۔اور وہ آیات کے مشابہ بن جائیں۔آپ کہا کرتے تھے: ماکتبت شیئا ... "میں نے کچھ نہیں لکھا۔"(۲۳)

یہاں تک کہ انہوں نے اپنے شاگرد حماد بن ابی سلیمان کو اطراف حدیث کی کتابت سے بھی روک دیا۔بعد میں ابراہیم نخعی نے اطرافِ حدیث کی کتابت کی مخالفت ترک کر دی۔ابن عون کہتے ہیں: میں نے حماد کو ابراہیم نخعی کی مجلس میں حدیث لکھتے ہوئے دیکھا۔ابراہیم نے حماد سے کہا: کیا میں نے تمہیں کتابتِ حدیث سے منع نہیں کیا ہے؟ حماد نے جواب دیا: یہ اطراف ہیں۔

عامر شعبی (م۱۰۳ھ) کا مشہور قول ہے۔آپ کہتے تھے:

((ماکتبت سوداء فی بیضاء ولا سمعت من رجل حدیثا فاردت أن یعیده علی))

Marfat.com

"میں نے روشنائی سفید کاغذ پر کبھی استعمال نہیں کی اور نہ میں نے کسی شخص سے حدیث سن کر یہ خواہش کی ہے کہ وہ دوبارہ مجھے سنا دے۔ مطلب یہ کہ ایک بار حدیث سن کر یاد ہو جاتی ہے۔"

کتابت حدیث سے اجتناب

تابعین نے کتابتِ حدیث سے اجتناب اس وقت شروع کیا جب انہوں نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق جو شخصی آراء ظاہر کی جاتی ہیں اور تشریح وتعبیر کے ضمن میں اقوال پیش کئے جاتے ہیں طلبہ ان آراء واقوال کو بھی حدیث کے ساتھ لکھتے جاتے تھے اور ان سے دوسرے طلبہ اپنے ہاں نقل کرتے تھے۔ اس طرح کے طرزِ عمل سے حدیث اور رائے میں التباس اور تشابہ کے پیدا ہو جانے کا اسی قسم کا اندیشہ تھا جس طرح صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآنی آیات اور روایات کو ایک جگہ لکھنے میں التباس کا خوف پیدا ہو گیا تھا کیونکہ تابعین میں سب کے سب صرف محدّث ہی نہ تھے بلکہ ان میں اکثر حضرات محدّث ہونے کے علاوہ تفقہ کا درجہ بھی رکھتے تھے اس لیے وہ حدیث کے الفاظ وکلمات اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی رائے اور اجتہاد بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے اجتہاد کو لکھتے اور لکھواتے بھی تھے۔ سعید بن المسیبؒ جو اپنے دور کے کبار فقہاء میں شمار ہوتے تھے ان کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ ابن المسیبؒ نے جواب میں حدیث لکھوا دی۔ پھر اسی شخص نے ابن المسیبؒ سے اس مسئلہ میں ذاتی رائے معلوم کی۔ جب انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد پیش کی تو اس شخص نے وہ بھی اپنے پاس نوٹ کر لی۔ اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے ابن المسیبؒ سے پوچھا: کیا آپ نے اس شخص کو حدیث کے ساتھ اپنی رائے لکھنے کی اجازت دی ہے؟... ابن المسیبؒ نے جواب دیا: نہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص سے وہ کاغذ لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔(۲۴)

جابر بن زیدؒ سے کہا گیا کہ آپ کے شاگرد آپ کی رائے بھی لکھتے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کیا اور کہا: آپ لوگ احادیث کے ساتھ میری رائے بھی لکھتے ہیں۔ حالاں کہ میری رائے میری رائے ہے۔ ممکن ہے کل میں اس سے رجوع کر لوں۔(۲۵)

تابعین کتابت کے قائل تھے

اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین عمومی لحاظ سے کتابتِ حدیث کے مخالف نہیں تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حدیث کے ساتھ آراء واقوال کو شامل کرنے سے گریز کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تابعین کتابتِ حدیث کے قائل تھے اور اپنے شاگردوں کو حدیث کی کتابت کی ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے حلقوں میں جا کر ان کی روایات بڑے اہتمام اور انہماک کے ساتھ لکھتے رہتے تھے۔ سعید بن جبیر (م-۹۵ھ) ابن عباسؓ سے حدیث لکھتے تھے۔ جب سارا کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھ لیتے تھے اور پھر کاغذ پر نقل کر لیتے تھے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں: میں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس آتا جاتا تھا اور ان دونوں سے حدیث لکھتا تھا اور کبھی اونٹ کے پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا اور جب اونٹ پر سے اترتا تو کاغذ پر نقل کر لیتا تھا۔(۲۶)

Marfat.com

سعید بن المسیب کی خدمت میں عبدالرحمن بن حرملہ نے جب اپنی قوتِ حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو انہوں نے کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی۔ (۲۷)

رفتہ رفتہ کتابت حدیث کا سلسلہ اتنا وسیع ہو گیا کہ لکھی ہوئی قلمی کتابیں بکثرت ممالک اسلامیہ میں پھیل گئیں۔ حسن بصری (م۱۱۰ھ) نے ایک موقعہ پر کہا: "ہمارے پاس اتنی کتابیں جمع ہو گئی ہیں کہ اب ہمیں ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔" (۲۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (م۱۰۱ھ) بھی حدیث لکھا کرتے تھے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں: ایک دن عمر بن عبدالعزیز ظہر کی نماز کے لیے باہر آئے۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ پھر عصر کی نماز کے لیے باہر آئے تو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں کاغذ تھا۔ میں نے پوچھا: امیر المؤمنین! یہ کیا کاغذ ہے؟... آپ نے جواب دیا: عون بن عبداللہ نے مجھ سے حدیث بیان کی مجھے پسند آئی میں نے اسے لکھ لیا ہے۔"

ان تمام روایات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز میں کتابتِ حدیث کا رواج عام ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے مخطوطات بلادِ اسلامیہ میں بکثرت پھیل گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجاہد بن جبر (م۱۰۳ھ) نے اپنے شاگردوں کو اجازت دی کہ وہ ان کے مکان کے بالاخانہ پر جا کر وہاں سے ان کی کتابیں اتار لائیں اور ان سے نقل کر لیں۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے عامل کو لکھا کہ وہ رجاء بن حیوۃ (م۱۱۲ھ) سے حدیث دریافت کریں۔ اس موقع پر رجاء نے کہا:

((کنت قد نسیتہ لولا أنہ کان عندی مکتوبا)) (۲۹)

"میں یہ حدیث بھول گیا ہوتا اگر یہ میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی۔"

عطاء بن ابی رباح (م۱۱۵ھ) حدیث خود لکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی ان کی مجلس میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ آپ اپنے طلبہ کو پڑھنے اور لکھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے۔ ابو حکیم احمرانی کہتے ہیں: میں عطاء بن ابی رباح کے پاس ہوتا اور دوسرے طلبہ بھی ہوتے تھے۔ آپ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے: بچو! آؤ اور لکھو۔ تم میں جو اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہم اس کے لیے لکھ کر دیں گے۔ اور جس کے پاس کاغذ نہ ہو ہم اسے کاغذ بھی دیں گے۔" (۳۰)

اسی طرح علمی ذوق لوگوں میں بڑھتا گیا۔ حدیث کی کتابیں بھی زیادہ ہونے لگیں۔ علماء کے پاس لکھی ہوئی روایات علمی حلقوں میں پڑھی جانے لگیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ولید بن السائب کہتے ہیں: میں نے مکحول، نافع اور عطاء سے طلبہ کو لکھی ہوئی احادیث پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" (۳۱)

عبیداللہ بن ابو رافع کہتے ہیں:

"میں نے ایک شخص کو دیکھا، وہ ابوداؤد عبدالرحمن بن ہرمز اعرج (م۱۱۷ھ) سے لکھی ہوئی احادیث جو ابوہریرہؓ کی مرویات تھیں پڑھ رہے تھے۔ شاگرد نے پوچھا: اے ابوداؤد! کیا یہ آپ کی بیان کردہ روایات ہیں؟... اعرج نے کہا: ہاں۔" (۳۲)

Marfat.com

نافع (م ۱۱۲ھ) اپنے طلبہ کو حدیث لکھواتے تھے اور ان کے شاگرد ان کے سامنے لکھتے تھے۔ قتادۃ بن دعامۃ سدوسی (م ۱۱۸ھ) سے کسی نے حدیث کی کتابت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا:

((ما يمنعك أن تكتب وأخبرك اللطيف الخبير أنه يكتب قال: علمها عند ربي في كتاب، لا يضل ولا ينسى))

"تمہیں لکھنے سے کون روکتا ہے؟ خدائے لطیف وخبیر نے تمہیں خبر دی ہے کہ وہ لکھتا ہے اس کا ارشاد ہے: علمها عند ربي في كتاب..."

خالد بن معدان الکلاعی الحمصی (م ۱۰۴ھ) نے اپنی روایات کو کتابی صورت میں محفوظ رکھا تھا۔ ابو کلابہ عبیداللہ بن زید (م ۱۰۴ھ) نے وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابیں ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) کو دے دی جائیں جو ان کے شاگرد تھے۔ جب یہ کتابیں ایوب سختیانی کے پاس پہنچیں تو ایک اونٹ کا بار (بوجھ) تھیں۔ اس کا کرایہ ایوب نے دس درہم ادا کیا۔ (۳۳)

عروۃ بن الزبیرؓ نے فرمایا: میں نے حدیث لکھی پھر اسے مٹا دیا۔ پھر مجھے یہ بات محسوس ہوئی کہ میں مال اور اولاد کو فدا کر دیتا مگر حدیث کو نہ مٹاتا۔ یوم حرہ کے موقع پر آپ کی جو کتابیں جلا دی گئیں ان کے بارے میں آپ بہت پریشان رہتے تھے اور فرماتے تھے: "کاش میرے اہل وعیال کے بدلے میری کتابیں میرے پاس ہوتیں۔" (۳۴)

امام محمد باقرؒ بن علیؒ بن حسینؓ (م-۱۱۴ھ) کے پاس کتابیں تھیں۔ ان سے ان کے صاحبزادے امام جعفر صادقؒ نے بعض کتابوں کی سماعت کی تھی اور بعض کتابوں کو ان سے بالالتزام پڑھا تھا۔ (۳۵)

مکحول دمشقی کے پاس کئی مخطوطات تھے۔ (۳۶)

حکم بن عتبہ کے پاس بھی روایات کے مکتوبہ مجموعے تھے۔ (۳۷)

بکیر بن عبداللہ الاشج (م- ۱۱۲ھ) جو مدینہ کے عالم کہلاتے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی روایات کے ذخائر تھے جو ان کے بیٹے مخرمہ بن بکیر کو ملے۔ (۳۸)

قیس بن سعد مکی (م-۱۱۲ھ) کے پاس کتابیں تھیں جو حماد بن سلمہ (م-۱۶۷ھ) کے پاس منتقل ہو گئیں۔ (۳۹)

امام زہری کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جن کی نقل ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان کو کرا دی تھی جب ولید قتل ہوا تو یہ سب کتابیں ولید کی الماریوں سے ایک چھکڑے پر لاد کر دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں۔ (۴۰)

صحیفہ صحیحہ (صحیفہ ہمام بن منبہ)

ہمام بن منبہ (م ۱۳۱ھ) کبار تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ حضرت ابو ہریرہؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ان سے بکثرت احادیث سن کر لکھ لی تھیں۔ ان احادیث کا املاء حضرت ابوہریرہؓ نے کرایا۔ اور ایک یا چند صحیفوں میں جمع

Marfat.com

کرایا تھا۔اس مجموعہ کا نام آپ نے "الصحیفۃ الصحیحۃ" رکھا تھا۔ڈاکٹر حمید اللہؒ مرحوم نے صحیفہ ہمام کے دو مخطوطے حاصل کر کے اسے شائع کیا۔ڈاکٹر صاحبؒ کو اس صحیفہ کا ایک مخطوطہ دمشق سے اور دوسرا برلن (جرمنی) سے ملا۔ان دونوں مخطوطوں میں بالکل مطابقت تھی۔اس طرح ہمام بن منبہ کی کتاب صحیفہ صحیحہ کا کامل نسخہ من وعن ہم تک پہنچ گیا۔ہمام بن منبہ نے اپنا یہ صحیفہ حضرت ابوہریرۃؓ کی وفات سے پہلے ان سے سن کر لکھا تھا۔حضرت ابوہریرۃؓ کی وفات ۵۹ھ میں واقع ہوئی۔لا محالہ یہ صحیفہ جو علمی ودینی وثیقہ ہے پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں لکھا گیا۔پھر ہمام سے معمر بن راشد یمنی اور معمر بن راشد سے امام عبدالرزاق الصنعانی نے اخذ کیا۔اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ صحیفہ نقل ہوتا رہا۔اس صحیفہ میں ایک سو اڑتیس روایات ہیں۔یہ ساری روایات امام احمد بن حنبل کی مسند میں "مسند ابوہریرۃؓ" کے تحت اسی ترتیب کے ساتھ منقول ہیں جس ترتیب کے ساتھ اس صحیفہ میں آئی ہیں۔

تدوین حدیث اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

تدوین حدیث کی ضرورت

پہلی صدی ہجری کے اواخر تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی کوشش وکاوش سے حدیث کے مکتوبہ اجزاء کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔مگر یہ ذخیرہ منتشر اور مختلف اہلِ علم کے حلقوں تک محدود تھا۔ان سب منتشر مکتوبہ اجزاء کو اکٹھا کرنے اور ان کو باقاعدہ طور پر سرکاری اخراجات سے شائع کرنے کا خیال سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز (م-۱۰۱ھ) کو ہوا۔۹۹ھ میں آپ کو خلافت کی ذمہ داری دے دی گئی۔آپ خود حدیث وفقہ کے ماہر تھے۔علمی فضا میں تعلیم وتربیت پائی تھی۔علماءِ حدیث کے حلقوں میں شریک ہوتے تھے اور نہایت متدین اور معتدل مزاج تھے۔آپ نے حدیث نبوی ﷺ کی صورت حال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ تقریباً تمام صحابہؓ اور کبار تابعین وفات پا چکے ہیں اور اہل ہوا وبدعت نیز سیاسی جماعتوں اور فرقوں نے اپنے منشاء اور مقصد کو پورا کرنے کے لیے احادیث کثرت سے وضع کر لی ہیں اور کر رہے ہیں۔اور عرب وعجم کے اختلاط اور باہمی ازدواج سے جو نئی نسل نمودار ہوئی ہے وہ حفظ وضبط حدیث میں خالص عربوں کے حفظ وضبط کے مقابلہ میں کمزور واقع ہوئی ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر آپؒ نے حدیثِ نبوی ﷺ کی تدوین کا مصمم ارادہ کیا۔آپؒ کے دور میں جو اکابر تابعین تھے وہ حدیث کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے۔جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو علماء نے آپ کی تائید کی اور آپ کو ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔اس دور میں وضع حدیث کے فتنے کا تدارک کرنے کے لیے علماء انفرادی طور پر مساعی میں مصروف تھے۔جب حکومت کی طرف سے اس ضمن میں آواز بلند ہوئی تو علماء کے حوصلے بڑھ گئے۔ابن شہاب زہری کے بھائی کا بیان ہے کہ میں نے ابن شہاب زہری کو یوں کہتے ہوئے سنا: اگر مشرق (عراق) کی طرف سے ایسی حدیثیں نہ آتیں جن کے ہم سب منکر ہیں تو میں حدیث نہ لکھتا اور نہ اس کی کتابت کی اجازت دیتا۔ (۴۱)

Marfat.com

عمر بن عبدالعزیزؒ اور تدوینِ حدیث

امام زہری کی یہ رائے اس دور کے بیشتر علماء کی رائے کے موافق تھی کیوں کہ ان علماء کو جس قدر حدیث کے ضائع ہونے کا خیال تھا اسی قدر حدیث کو "کذب" اور "وضع" سے بچانے کا بھی خیال تھا۔ ان دو بڑے عوامل نے علماء امت کو خدمت حدیث اور کتابتِ حدیث پر آمادہ کر دیا اور ان ہی عوامل نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو سرکاری طور پر حدیث کے جمع کرنے، لکھوانے اور اس کی اشاعت پر مستعد اور تیار کر دیا۔ آپ نے اپنی مملکت کے تمام علاقوں کے عاملوں کے نام حکمنامہ بھیجا۔ ابو نعیم تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں:

((ان عمر بن عبدالعزیز کتب إلی أھل الآفاق: انظروا إلی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ)) (۴۲)

"عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام ولاۃ کے نام خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب روایات کو تلاش کرو اور انہیں جمع کرو۔"

آپؒ نے اہل مدینہ کو لکھا:

((انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاکتبوہ، فانی خفت دروس العلم وذھاب أھلہ)) (۴۳)

"رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو دیکھو اور اس کو لکھو۔ مجھے علم (حدیث) کے جاننے والوں کے چلے جانے اور اس علم کے مٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔"

حاکم مدینہ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ (م ۱۲۰ھ) کے نام پر حکم نامہ بھیجا:

((أکتب إلی بما ثبت عندك من الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وبحدیث عمرۃ، فانی خشیت دروس العلم وذھابہ)) (۴۴)

"آپ کے پاس جو صحیح اور ثابت روایات ہیں انہیں لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ عمرۃ بنت عبدالرحمنؒ کے پاس جو ذخائر تھے وہ بھی میرے پاس بھیج دو۔ مجھے اس علم (حدیث) کے ضائع ہونے اور اس کے حاملین کے دنیا سے اٹھ جانے کے باعث ایک خوف سا محسوس ہو رہا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپؒ نے حاکم مدینہ کو یہ بھی لکھا تھا:

((أن یکتب لی العلم من عند عمرۃ بنت عبدالرحمن، والقاسم بن محمد فکتب إلیہ)) (۴۵)

"عمر بن عبدالعزیزؒ کے لیے عمرۃ بنت عبدالرحمن (م ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۷ھ) کی روایات لکھ کر بھیج دو۔ حاکم مدینہ نے ان دونوں کی احادیث خلیفہ کے لیے لکھوا کر بھیج دیں۔"

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؒ نے اپنے خط میں یوں لکھا:

((انی خفت دروس العلم، وذهاب العلماء، ولا تقبل إلا حديث النبی صلی الله عليه وسلم، وليفشوا العلم، وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم، فان العلم لا يهلك حتى يكون سراً)) (۴۶)

"مجھے علم (حدیث) کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ تم وہی روایت قبول کرنا جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو لوگوں کو چاہئے کہ علم (حدیث) کی اشاعت کریں اور اس کے لیے حلقے قائم کریں تاکہ حدیث کو نہ جاننے والا اس کو جان لے۔ علم اس وقت مٹتا ہے جب وہ پوشیدہ اور مخفی رہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابن شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) اور دوسرے علماء کو سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے پورے ممالک محروسہ میں ذمہ دار افراد کو سنت کی تعلیم اور اس کے احیاء اور اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لیے حکم نامے بھیجے۔ عکرمہ بن عمارؒ کہتے ہیں:

((أما بعد: فأمروا أهل العلم أن ينشروا فی مساجدهم فإن السنة كانت قد أميتت)) (۴۷)

"اہل علم کو بتاؤ کہ وہ اپنی اپنی مسجدوں میں علم (حدیث) کی اشاعت کریں کیونکہ سنت پر عمل روز بروز گھٹتا جا رہا ہے۔"

عمر بن عبدالعزیزؒ حدیث کی اشاعت کے لیے علماء کی مجالس میں شریک ہوتے اور احادیث کے مناقشے میں حصہ لیتے تھے۔ ابو الزناد عبداللہ بن زکوان القرشی کہتے ہیں:

((رأيت عمر بن عبد العزيز جمع الفقهاء، فجمعوا له أشياء من السنن، فإذا جاء الشیء الذی ليس العمل عليه قال: هذه زيادة، ليس العمل عليها)) (۴۸)

"میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھا انہوں نے فقہاء کو جمع کیا جنہوں نے سنن سے متعلق کچھ روایات فراہم کی تھیں۔ اس میں اگر کوئی روایت ایسی ہوتی جس پر عمل نہیں ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے۔ یہ روایت اضافی ہے اس پر عمل نہیں ہے۔"

حضرت عمر بن العزیزؒ نے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں تمام اکابر تابعین، علماء اور فقہاء سے تعاون حاصل کیا۔ اس بارے میں آپ نے جن اہم شخصیات کی معلومات، تجربات اور صلاحیتوں سے استفادہ کیا ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

ابو بکر بن حزمؒ

آپؒ مدینہ منورہ کے حاکم، قاضی اور موسم حج کے سربراہ تھے۔ اپنے دور کے علماء میں علم وفضل کے لحاظ سے بہت مقبول اور معروف تھے۔ امام مالک بن انس کہتے ہیں: "میں نے ابو بکر بن حزم جیسا شخص نہیں دیکھا ہے۔ آپ مروّت اور کردار کے پیکر ہیں۔ مدینہ منورہ میں "قضا" کا علم رکھنے والا ابو بکر بن حزمؒ جیسا کوئی نہیں ہے۔" (۴۹)

Marfat.com

ابو بکر بن حزمؒ کے دادا عمرو بن حزمؓ جلیل القدر صحابی اور بحرین کے حاکم تھے۔انہیں رسول اکرم ﷺ نے "کتاب الصدقة" لکھوا کر دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابو بکر بن حزمؒ کو حدیث جمع کرنے کے لیے لکھا اور یہ ہدایت کی کہ عمرة بنت عبدالرحمنؒ کے پاس حدیث کی جو روایات تھیں وہ بھی لکھ کر ارسال کر دیں۔

عمرة بنت عبدالرحمنؒ

عمرة بنت عبدالرحمنؒ ابو بکر بن حزمؒ کی خالہ تھیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی سرپرستی میں تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔طبقۂ تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ کے پاس روایات کا معقول ذخیرہ تھا۔اس لیے عمر بن عبدالعزیزؒ نے بطور خاص حاکم مدینہ کو آپ کی روایات ارسال کرنے کی ہدایت کی تھی۔

قاسم بن محمدؒ بن ابو بکر صدیقؓ

آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پوتے تھے۔بچپن میں یتیم ہوئے۔حضرت عائشہؓ نے اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے آغوش میں لیا اور خوب تربیت کی۔آپؒ اپنے دور کے مشہور ومعروف فقیہ تھے۔مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں: "حضرت عائشہؓ کا علم تین لوگوں کے پاس رہا۔قاسم بن محمدؒ، عروة بن الزبیرؒ اور عمرة بنت عبدالرحمنؒ کے پاس۔"

ابن شہاب زہریؒ

آپ کا پورا نام ابو بکر محمد بن مسلمؒ ہے۔اپنے دور کے "اعلام" میں سے تھے۔طالب علم ہوتے ہوئے "سنن" اور "قضایا" لکھ لیا کرتے تھے۔ابوالزناد کہتے ہیں: "ہم صرف حلال اور حرام کے مسائل لکھا کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔جب امام زہریؒ کی ضرورت پیش آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ أعلم الناس (سب سے بڑے عالم) ہیں۔

امام زہریؒ کے متعلق امام مالک فرماتے ہیں:

((کان الزهری إذا دخل المدینة، لم یحدث بها احد من العلماء حتی یخرج منها، وأدرکت بالمدینة مشائخ ابناء سبعین وثمانین لا یؤخذ عنهم، ویقدم ابن شهاب وهو دونهم فی السن فیزدحم علیه، وکان یقول: بقی ابن شهاب وماله فی الدنیا نظیر)) (۵۰)

"زہریؒ جب مدینہ میں آتے تھے تو کوئی شیخ وہاں اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرتا جب تک زہریؒ وہاں سے چلے نہ جاتے۔میں نے مدینہ منورہ میں ستر اور اسی برس کی عمر والے مشائخ کو اس حال میں دیکھا کہ طلبہ ان کی طرف دھیان نہیں دیتے بلکہ ابن شہاب زہریؒ کی مجلس میں جاتے تھے۔حالانکہ زہریؒ عمر کے لحاظ سے کم تھے۔زہریؒ کے پاس طلبہ کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔امام مالکؒ کہتے ہیں: اب ابن شہابؒ ہی رہ گئے ہیں دنیا میں اب ان جیسی شخصیت کوئی نہیں ہے۔"

Marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تدوینِ حدیث کی اہم خدمت کے لیے امام ابن شہاب زہریؒ کو مامور کیا۔ امام زہریؒ اس ضمن میں کہتے ہیں:

((أمرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناها دفترا دفترا فبعث إلی أرض له علیها سلطان دفترا)) (۵۱)

"عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنن کو جمع کرنے کے لیے ہمیں ذمہ داری دی۔ ہم نے سنن کو کاپیوں میں لکھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی ریاست میں جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک کاپی بھیج دی۔"

اسی بناء پر کہا جاتا ہے:

((اول من دوّن العلم ابن شهاب)) (۵۲)

ابن شہاب زہری خود کہتے تھے:

((لم یدوّن هذا العلم أحد قبل تدوینی)) (۵۳)

"اس علم (حدیث) کو میری تدوین سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا۔"

ابن شہاب زہریؒ کی تدوین دراصل سرکاری طور پر تدوینِ حدیث کی ابتدائی خدمت تھی ورنہ اس سے پہلے انفرادی طور پر دورِ رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں حدیث کے حفظ کرنے، پڑھنے پڑھانے اور حدیث کو قلم بند کرنے اور روایت کے ذریعہ نشرواشاعت کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) حافظ شمس الدین ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۱۔ ص:۱۵۳

(۲) حافظ شمس الدین ذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۱۔ ص:۱۵۳

(۳) امام احمد بن حنبلؒ۔ مسند۔ ج:۲۔ ص:۴۵

(۴) سورۃ النور۔ آیۃ۔ ۵۵

(۵) امام ابن عساکر دمشقی۔ تہذیب التاریخ الکبیر۔ ج:۱۔ ص:۶۹

(۶) امام ابن عساکر دمشقی۔ تہذیب التاریخ الکبیر۔ ج:۱۔ ص:۶۹

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد۔ ترجمہ معاذ بن جبلؓ

(۸) تفصیل کیلئے دیکھیے: معرفۃ علوم الحدیث للامام حاکم

(۹) تفصیلی اقوال کیلئے دیکھیے: جامع بیان العلم لابن عبد البر

(۱۰) معرفۃ علوم الحدیث للامام حاکم نیشاپوری

(۱۱) معرفۃ علوم الحدیث للامام حاکم نیشاپوری

(۱۲) امام خطیب البغدادی۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص: ۳۵۴

(۱۳) امام ابو بکر ابن ابی شیبہ۔ المصنف۔ ج:۱۔ ص:۱۱۵

(۱۴) الکفایہ فی علم الروایۃ۔ ص:۲۹۹

(۱۵) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۲۰۵

(۱۶) طبقات ابن سعد۔ ج:۲۔ ص:۲۱۶

(۱۷) طبقات ابن سعد۔ ج:۵۔ ص:۲۱۶

(۱۸) خطیب بغدادی۔ تقیید العلم۔ ص:۹۵، ۹۶

(۱۹) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۱۔ ص:۴۱

(۲۰) طبقات ابن سعد۔ ج:۵۔ ص:۳۳۳

(۲۱) امام رامہرمزی۔ المحدث الفاصل۔ ص:۹۱

(۲۲) امام ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب۔ ج:۴۔ ص:۱۹۸

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: سنن دارمی۔ ج:۱۔ ص:۱۲۱۔ اور تقیید العلم۔ ص:۶۰

(۲۴) جامع بیان العلم۔ ص:۱۴۴

(۲۵) جامع بیان العلم۔ ج:۲۔ ص:۳۱

(۲۶) تقیید العلم۔ ص:۱۰۳

(۲۷) جامع بیان العلم۔ ج:۱۔ ص:۲۳

(۲۸) جامع بیان العلم۔ ج:۱۔ ص:۲۳

(۲۹) سنن دارمی۔ ج:۱۔ ص:۲۹

(۳۰) ایضاً۔ ج:۱۔ ص:۱۲۹

(۳۱) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۱۶۴

(۳۲) طبقات ابن سعد۔ ج:۵۔ ص:۲۱۶

(۳۳) ایضاً۔ ج:۵۔ ص:۲۱۶

(۳۴) جامع بیان العلم۔ ج:۱۔ ص:۲۱

(۳۵) تہذیب التہذیب۔ ج:۲۔ ص:۱۰۴

(۳۶) فہرست ابن الندیم۔ ص:۳۱۸

(۳۷) مقدمۃ جرح و تعدیل۔ ص:۱۳۰

(۳۸) تذکرۃ الحفاظ۔ ص:۱۹۰

Marfat.com

(۳۹) تاریخ الاسلام للامام الذہبی۔ج:۵۔ص:۱۴۱

(۴۰) حاجی خلیفہ۔کشف الظنون۔ص:۲۰

(۴۱) تقیید العلم۔ص:۱۰۸

(۴۲) تقیید العلم۔ص:۱۰۸

(۴۳) فتح الباری۔ج:۱۔ص:۲۰۴

(۴۴) سنن دارمی۔ج:۱۔ص:۱۲۶

(۴۵) مقدمۃ الجرح و التعدیل۔ص:۱۲۶

(۴۶) فتح الباری۔ج:۱۔ص:۲۰۴

(۴۷) المحدث الفاصل۔ص:۵۳

(۴۸) قبول الأخبار۔ص:۳۰

(۴۹) تہذیب التہذیب۔ج:۲۔ص:۳۹

(۵۰) مقدمہ، کتاب الجرح و التعدیل۔ص:۲۰

(۵۱) جامع بیان العلم۔ص:۷۶

(۵۲) جامع بیان العلم۔ص:۲۶

(۵۳) تدریب الراوی۔ص:۴۰

Marfat.com

تیسرا باب

حدیث کا تیسرا دور (۱)

دوسری صدی ہجری کے پہلے سال عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو سال پانچ ماہ خلیفۃ المسلمین رہنے کے بعد وفات پائی۔ اس مختصر سی مدت میں آپ نے امام زہریؒ کے تعاون سے سرکاری طور پر تدوینِ حدیث کی ابتداء کی اور حدیث کا کافی ذخیرہ مرتب کیا۔ آپؒ نے روایات کو کاپیوں میں لکھوا کر انہیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔ امام زہریؒ کی تدوین کا منصوبہ پوری طرح مکمل نہیں ہو سکا تھا۔ اس لیے کہ حدیث کا تمام ذخیرہ امام زہریؒ کے پاس نہیں تھا۔ تابعین اور اکابر محدثین کی اچھی خاصی تعداد دُور دراز کے علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی ان تک رسائی اور روایات کے حصول کے لیے کئی برس درکار تھے۔ اگر عمر بن عبدالعزیزؒ چند سال مزید حیات رہتے تو یقیناً وہ تدوینِ حدیث کے ضمن میں اپنے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے اور یہ کام آپؒ کے دورِ خلافت میں مکمل ہو جاتا۔ لیکن آپ کے انتقال کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تدوینِ حدیث کی ابتداء کی وجہ سے کتابتِ حدیث کی تحریک علماء حدیث میں تیز ہو گئی۔ پہلے علمائے حدیث مختلف احادیث تدوین وتبویب کے بغیر صحیفوں اور بیاضوں میں جمع کرتے تھے۔ اب انہوں نے روایات کو ابواب کے تحت جمع کرنا شروع کیا ان کی کتب "سنن" اور متعلقات سنن پر مشتمل ہوتی تھیں۔ جن کا نام بعض نے "ابواب"، بعض نے "مصنف" اور بعض نے "جامع" وغیرہ رکھا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے کس نے ترتیب وتبویب کے ساتھ کتاب لکھی۔ اس ضمن میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف مقامات سے تعلق رکھنے والے علماء حدیث کے نام ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے:

۱) مکہ میں امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی (م-۱۵۰ھ)

۲) مدینہ منورہ میں امام مالک بن انسؒ (۹۳-۱۷۹ھ)

۳) مدینہ منورہ میں محمد بن اسحٰقؒ (م-۱۵۱ھ)

۴) مدینہ منورہ میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئبؒ (۸۰-۱۵۸ھ)

۵) بصرہ میں سعید بن ابی عروبہؒ (م-۱۵۶ھ)

۶) بصرہ میں ربیع بن صبیحؒ (م-۱۶۰ھ)

۷) بصرہ میں حماد بن سلمہؒ (م-۱۶۷ھ)

۸) کوفہ میں امام سفیان بن سعید ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ)

Marfat.com

۹) یمن میں امام معمر بن راشدؒ (۹۵-۱۵۳ھ)

۱۰) شام میں امام عبدالرحمن بن عمرو اوزاعیؒ (۸۸-۱۵۷ھ)

۱۱) خراسان میں امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۱۸ھ-۱۸۱ھ)

۱۲) واسط میں ہشیم بن بشیرؒ (۱۰۴-۱۸۳ھ)

۱۴) مصر میں عبداللہ بن وھبؒ (۱۲۵-۱۹۷ھ)

پھر انہی علماء کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے ہم عصر علماء نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا۔اس دور کی اکثر کتابیں "موکف" اور جامع کہلاتی ہیں۔البتہ جلیل القدر تابعی عامر بن شرحبیل شعبیؒ (م۱۰۳ھ) کی کتاب "ابواب" کے نام سے مرتب ہوئی۔ان تمام مصنفات اور مجموعوں میں حدیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے فتاویٰ اور قضایا بھی جمع کروائے جاتے تھے۔اور علماء کے اقوال بھی درج کئے جاتے تھے۔

مسانید کی ابتدا

دوسری صدی ہجری کے وسط میں بعض علمائے حدیث نے احادیث کو جداگانہ طور پر خاص "مؤلف" میں جمع کرنے کی بنیاد ڈالی اور "مسانید" کے نام سے کتابیں مرتب کرنا شروع کیں۔مسانید میں انہوں نے اس بات کا التزام کیا کہ صرف احادیث کو درج کرنا شروع کیا۔صحابہ کرامؓ اور تابعین کے فتاویٰ، قضایا اور اقوال کو نقل کرنا چھوڑ دیا۔مسانید میں علماء حدیث نے حدیث کے لکھنے کا اس طرح اہتمام کیا کہ ایک صحابیؓ سے جس قدر احادیث مختلف مضامین کی ہیں اسی کی روایت سے لکھیں۔پھر دوسرے صحابی سے اس کی تمام مرویات تحریر کیں۔ان مسانید میں کسی نے حروف تہجی کے لحاظ سے صحابیؓ کے نام کے پہلے حرف کا اعتبار کر کے ترتیب وار صحابہ کرامؓ کی مسند روایات کو جمع کیا۔اور کسی نے صحابہ کرامؓ کے اسلام لانے کے زمانے کا خیال کر کے اول اور پھر اول صحابی کی مسانید کو جمع کیا۔خواہ مختلف موضوع اور مضمون کی حدیثیں ایک صحابی کی مسند میں جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ان مسانید سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ تمام حدیثیں احاطۂ تحریر میں آ گئیں لیکن مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ ایک ہی مضمون مثلاً صلاۃ کی حدیثیں مختلف صحابہؓ کی مرویات میں جدا جدا پھیل گئیں جن سے استفادہ علماء حدیث ہی کر سکتے ہیں۔عام مطالعہ کرنے والوں کو ایک ہی مضمون کی حدیثیں تلاش کرنے میں پوری کتاب پڑھنی پڑتی ہے۔بہر حال مسانید کی تالیف بھی احادیثِ نبوی کی حفاظت وصیانت میں بہت مد اور معاون ثابت ہوئی ہے۔نیز ان مسانید میں ہر حدیث کے متعدد طرق کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعہ سے اس علم کے ماہرین صحیح حدیث کو ضعیف سے اور قوی کو معلول سے معلوم کر لیتے ہیں۔

مسند کی پہلی کتاب

سب سے پہلے جس نے "مسند" کے نام سے کتاب تالیف کی وہ ابوداؤد سلیمان بن جارود طیالسیؒ (۱۳۲-۲۰۴ھ) ہیں۔پھر ان کے بعد ان کے معاصرین نے جو تبع تابعین اور آخذین کے طبقہ سے تھے مسند لکھنے میں امام طیالسیؒ کی پیروی کی۔اس ضمن میں چند اہم کتب کے نام درج کئے جاتے ہیں:

۱) مسند اسد بن موسیٰ امویؒ المعروف بأسد السنة (م-۲۱۲ھ)

Marfat.com

۲) مسند عبیداللہ بن موسیٰ العبسیؒ (م-۲۱۳ھ)
۳) مسند مسدّد بن مسرہد بصریؒ (م-۲۲۸ھ)
۴) مسند نعیم بن حماد خزاعی بصریؒ (م-۲۲۸ھ)
۵) مسند امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ)
۶) مسند اسحٰق بن راہویہؒ (۱۶۱-۲۳۸ھ)
۷) مسند عثمان بن ابی شیبہؒ (۱۵۶-۲۳۹ھ)

دوسری صدی ہجری کی تالیفات

دوسری صدی ہجری کے وسط تک تدوین حدیث کا کام زور وشور سے جاری ہو گیا تھا۔اس دور میں تقریباً ہر شیخ کے پاس اپنی کتاب ہوتی تھی جس میں مختلف موضوعات پر روایات درج ہوتی تھیں۔جو حضرات خود تالیف کا کام نہیں کر سکتے تھے وہ دوسروں کی تالیف کردہ کتابیں اپنے پاس رکھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔اس دور کی جن کتابوں کا تذکرہ مصادر میں ملتا ہے یہاں مختصراً ان کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱) یحییٰ بن ابی کثیرؒ (م-۱۲۹ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔(المحدث الفاصل: ص۹۴)
۲) زید بن اسلمؒ (م-۱۳۶ھ): آپ کے پاس تفسیری روایات پر مشتمل ایک صحیفہ تھا۔(تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۱۲۴)
۳) موسیٰ بن عقبہؒ (م-۱۴۱ھ): آپ کے پاس نافع مولیٰ ابن عمرؓ کی روایات کتابی شکل میں موجود تھیں۔(الکفایۃ: ص۲۶۶)
۴) اشعث بن عبدالملک الحرانیؒ (م-۱۴۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو سلیمان البصری نے حاصل کیا تھا اور انہوں نے اس کی روایت کی۔(المحدث الفاصل: ص۱۳۶ھ)
۵) عقیل بن خالد بن عقیلؒ (م-۱۴۲ھ): آپ امام زہری کے شاگرد ہیں۔امام زہری سے آپ نے خوب استفادہ کیا اور روایات لکھیں۔(تذکرۃ الحفاظ: ص۲۶۶)
۶) یحییٰ بن سعید انصاریؒ (م-۱۴۳ھ):آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا جو حماد بن زید کو ملا۔اور انہی کی روایت سے متداول ہوا۔(مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص۱۷۸)
۷) عوف بن ابی جمیلۃ العبدیؒ (م-۱۴۶ھ):آپ نے اطرافِ حدیث پر کام کیا۔آپ نے امام حسن بصری کی روایات قلم بند کیں۔اطراف پر آپ نے جو کام کیا تھا وہ یحییٰ بن سعید القطان (م۱۹۸ھ) کے پاس محفوظ رہا۔(تہذیب التہذیب : ج۸، ص۱۶۷/ مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص۲۳۶)
۸) امام جعفر صادق بن محمد باقرؒ (۸۰-۱۴۸ھ): آپ کے پاس رسائل، روایات کے مجموعے اور نسخے تھے۔(تہذیب: ج۲، ص۱۰۴)
۹) یونس بن یزید بن ابی النجادؒ (م-۱۵۲ھ): آپ کے پاس روایات کا مجموعہ تھا۔اس مجموعہ کے بارے میں عبداللہ بن المبارکؒ کا کہنا ہے کہ اس کی روایات صحیح اور قابلِ استدلال تھیں۔(تہذیب التہذیب ج۱۱، ص۴۵۰)

Marfat.com

۱۰) عبدالرحمن بن عبداللہ بن عتبہ مسعودیؒ (م-۱۶۰ھ): آپ کے پاس روایات کے کئی مجموعے تھے۔یہ مجموعے امام شعبہ بن الحجاجؒ کے پاس رہے۔(مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص۱۴۵ھ)

۱۱) زائدۃ بن قدامہؒ (م-۱۶۱ھ): آپ کے پاس حدیث کی کئی کتابیں تھیں۔یہ کتابیں آپ نے تصدیق کے لیے امام سفیان ثوریؒ کی خدمت میں پیش کی تھیں۔روایات کی صحت و سقم کی پہچان میں آپ شعبہ بن الحجاجؒ کے ہمسر کہلاتے تھے۔

۱۲) سفیان بن سعید ثوریؒ (۹۷-۱۶۱ھ): آپ اپنے دور کے بڑے فقیہ اور محدّث تھے۔آپ کی "جامع" اولین مجموعہ ہائے حدیث میں شمار ہوتی ہے۔بعد کے محدثین نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان کی روایت کی۔(فہرست ابن الندیم: ص۳۱۵)

۱۳) ابراہیم بن طہمانؒ (م-۱۶۲ھ): آپ کے پاس صحیح روایات پر مشتمل کتابیں تھیں۔جن کی تصدیق عبداللہ بن المبارکؒ نے کی تھی۔(مقدمۃ الجرح والتعدیل: ص۲۶۰)

۱۴) شعبہ بن الحجاجؒ (م-۱۶۰ھ): آپ نے روایات کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام "الغرائب" رکھا تھا۔بعد کے علمائے حدیث نے اس کتاب کی روایات کو اخذ کیا اور ان کی روایت کی۔(الرسالۃ المستطرفۃ: ص ۸۵)

۱۵) عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشونؒ (م- ۱۶۴ھ): آپ کے پاس اپنی تالیف کردہ کتابیں تھیں۔جن کی روایت ابن وہبؒ نے کی ہے۔(الرسالۃ المستطرفۃ: ص۸۵)

۱۶) عبداللہ بن عبداللہ بن اویسؒ (م -۱۶۹ھ): آپ امام مالک کے چچا زاد بھائی تھے۔آپ نے روایات کو کتابی شکل دی تھی۔ ان روایات کو آپ کے بیٹے اسمٰعیل بن عبداللہؒ نے روایت کیا۔(تہذیب : ج۵، ص ۲۸۰)

۱۷) سلیمان بن بلالؒ (م-۲۳۲ھ): آپ کے پاس کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا۔آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ یہ کتابیں عبدالعزیز بن ابی حازمؒ کو دے دی جائیں۔(تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص ۲۴۲)

۱۸) علی بن لہیعہؒ (م -۱۴۴ھ): آپ دیار مصر کے مشہور محدّث ہیں۔آپ کے پاس احادیث کا مجموعہ تھا۔جو "صحیفہ" کے نام سے متداول تھا۔علماء حدیث اس سے باقاعدہ اپنے حلقوں میں استفادہ کرتے تھے۔(تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۲۲۰)

۱۹) لیث بن سعدؒ (۹۴-۱۷۵ھ): آپ دیارِ مصر کے معروف ومشہور محدّث ہیں۔روایات کے کئی مجموعے آپ نے تالیف کئے تھے۔ان مجموعوں کا درس آپ اپنے تلامذہ کو التزام کے ساتھ دیتے تھے۔(تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۳۹)

۲۰) علی بن عبداللہ المدینیؒ (۱۶۱-۲۳۴ھ): آپ دوسری صدی ہجری کے معروف ومشہور ناقد، رجال کے ماہر اور حدیث کے حافظ ہیں۔امام بخاریؒ نے آپ سے استفادہ کیا۔آپ نے حدیث کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا۔اور تالیفات کیں۔ آپ کی کتابیں، رجال، غریب الحدیث، شاذ وعلل حدیث پر مشتمل ہیں۔آپ کی تالیفات کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔جن میں پینتیس (۳۵) سے زیادہ کتب کا ذکر محمد بن صالح ہاشمیؒ نے کیا ہے اور امام ابو عبداللہ حاکم نیشا پوریؒ نے بھی اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں متعدد کتابوں کے نام لیے ہیں۔ہر کتاب کئی اجزاء اور بعض کتابیں تیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔

علی بن المدینیؒ کا قول ہے:

Marfat.com

((نظرت فإذا الأسناد يدور على ستة، فلأهل المدينة ابن شهاب، ولأهل مكة عمرو بن دينار، ولأهل البصرة قتادة بن دعامة ويحيٰ بن ابى كثير، ولأهل الكوفة ابو إسحاق عمرو بن عبدالله السبيعي، وسليمان بن مهران الأعمش، قال ابن المديني: ثم صار علي هؤلآء الستة إلى أصحاب الاصناف)) (۱)

"میں نے روایات کی اسناد کا تجزیہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام اسناد کی بنیاد چھ شیوخ پر ہے۔ علمائے مدینہ کی اسناد ابن شہاب زہریؒ تک پہنچتی ہیں۔ اہل مکہ کی سند عمرو بن دینارؒ سے چلتی ہے۔ اہل بصرہ کی بنیاد قتادۃ بن دعامہؒ اور یحیٰ بن ابی کثیرؒ ہیں اہل کوفہ کی سند ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ اور سلیمان بن مہران الأعمشؒ تک جاتی ہے۔ ابن المدینیؒ کہتے ہیں کہ انہی چھ شیوخ کا علم بعد کے علماء نے حاصل کیا اور مختلف اصناف وانواع سے تعلق رکھنے والے علماء نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس کی ترتیب و تدوین پر کام کیا۔"

دوسری صدی ہجری کے کبار محدثین

دوسری صدی ہجری میں وہ محدثین جو حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث کے علم میں بھی بہت زیادہ بصیرت اور مہارت رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

(۱) امام مالک بن انسؒ (م - ۱۶۹ھ)
(۲) امام اوزاعیؒ (م - ۱۵۶ھ)
(۳) امام سفیان ثوریؒ (م - ۱۶۱ھ)
(۴) امام سفیان بن عینیہؒ (م - ۱۹۳ھ)
(۵) امام عبدالرحمن بن مہدیؒ (م - ۱۲۸ھ)
(۶) امام یحیٰ بن سعید القطانؒ (م - ۱۸۹ھ)
(۷) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہؒ (م - ۱۵۰ھ)
(۸) امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانیؒ (م - ۲۱۲ھ)
(۹) امام شعبہ بن الحجاجؒ (م - ۱۶۰ھ)
(۱۰) امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م - ۲۰۲ھ)
(۱۱) امام وکیع بن الجراحؒ (م - ۱۹۲ھ)
(۱۲) امام معمر بن راشد یمنیؒ (م - ۱۵۳ھ)
(۱۳) امام ہشام الدستوائیؒ (م - ۱۵۴ھ)
(۱۴) امام حماد بن سلمہؒ (م - ۱۶۷ھ)
(۱۵) امام لیث بن سعدؒ (م - ۱۷۵ھ)
(۱۶) امام عبداللہ بن المبارکؒ (م - ۱۸۱ھ)
(۱۷) امام ہشیم بن بشیرؒ (م - ۱۸۸ھ)
(۱۸) امام ابو اسحاق فزاریؒ (م - ۱۸۵ھ)
(۱۹) امام معافی ابن عمران موصلیؒ (م - ۱۸۵ھ)
(۲۰) امام بشیر بن مفضلؒ (م - ۲۰۴ھ)
(۲۱) امام ابو عاصم النبیلؒ (م - ۲۱۲ھ)

ذیل میں دوسری صدی ہجری کے ان ائمہ حدیث کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن کی خدمات حدیث کو بہت زیادہ پذیرائی ملی اور بعد کے علماء نے مختلف بلاد و امصار میں حدیث کی اشاعت اور روایاتِ حدیث سے استنباط و استخراج میں ان کی پیروی کی۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہؒ (م-۱۵۰ھ)

نعمان نام، کنیت ابو حنیفہ، امامِ اعظم لقب، شجرۂ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی ___ امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں رہے۔ جو اسلام کی وسعت اور تہذیب و تمدّن کا دیباچہ تھا۔ علامہ ابن قیمؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے بعد علمِ نبوت کے تین مراکز تھے۔ مکّہ مکرمہ، مدینہ منورّہ اور کوفہ ___ مکّہ معظمہ کے صدر معلم عبد اللہ بن عباسؓ تھے۔ مدینہ منورّہ میں عبد اللہ بن عمرؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ بنایا۔" (۲)

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے دَور کے اہم شیوخ کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ نے آپؒ کے شیوخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے ___ حرمین کے شیوخ میں سے عطاء بن ابی رباحؒ سے مکّہ معظمہ میں، سالم بن عبد اللہؒ اور سلمانؒ سے مدینہ منورہ میں خصوصیت کے ساتھ احادیث اخذ کیں۔ منصور عباسی کے زمانۂ خلافت میں آپ کا مستقل قیام مکّہ مکرمہ میں ہی رہا۔ بیس مرتبہ سے زیادہ بصرہ کا سفر کیا۔ پچپن مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، غرضیکہ عراق و حجاز دونوں علاقوں کی روایات حاصل کی ہیں۔ (۳)

امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کی تعداد اَن گنت ہے ___ علامہ کردریؒ نے آٹھ سو فقہاء اور محدّثین کو آپ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر مکّیؒ کہتے ہیں کہ جس طرح فقہاء میں امام ابو یوسفؒ، امام محمّد امام زفرؒ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح محدّثین میں عبد اللہ بن مبارکؒ، لیث بن سعدؒ اور مسعر بن کدامؒ اور صوفیاء میں فُضیل بن عیاضؒ اور حضرت داؤد طائیؒ جیسے ائمہ کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ (۴)

امام ابو حنیفہؒ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے امام شافعیؒ کہتے ہیں:

((الناس عیال علی أبی حنیفة فی الفقة)) (۵)

"علماء فقہ کے میدان میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

((سبحان الله، هو من العلم والورع، وایثار الدّار الاخرة بمحلّ لا یدرکه احدٌ)) (۶)

"ہاں! امام ابو حنیفہؒ تو علم، تقویٰ، زہد اور عالمِ آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں۔"

امام سفیان بن عینیہؒ کہتے ہیں:

Marfat.com

((مَا مَقَلَتْ عَيْنِي مِثْلَ أَبِي حَنِيفَةَ)) (۷)

"میری آنکھوں نے ابو حنیفہؒ جیسی شخصیت کو نہیں دیکھا۔"

امام وکیعؒ کہتے ہیں:

((لقد وُجد الورع عن ابی حنیفة فی الاحادیث مالم یوجد عن غیرہ)) (۸)

"جس قسم کی احتیاط امام ابو حنیفہؒ سے حدیث میں پائی گئی ہے کسی دوسرے امام کے ہاں ایسی احتیاط نہیں پائی جاتی۔"

امام علی بن الجعدؒ کہتے ہیں:

((ابو حنیفة اذا جاء فی الحدیث جاء به مثل الدُّر)) (۹)

"امام ابو حنیفہؒ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔"

امام یحیٰ بن معینؒ کہتے ہیں:

"امام ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں۔ جو حدیث ان کو یاد ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے۔"

امام ابو حنیفہؒ نے جس طرح فقہ کو باقاعدہ مرتب و مدون کرایا اسی طرح حدیث کا سرمایہ جو منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا اس کو بھی باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا۔ اس ضمن میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

((من مناقب ابی حنیفة الّتی انفرد بها، انه، اوّل مَن دوّن علم الشریعة، و رتّبه، ابواباً، ثم یتبعه مالك بن انس فی ترتیب الموطّا ولم یسبق اباحنیفة احد)) (۱۰)

"امام ابو حنیفہؒ کے ان مناقبِ خصوصی میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدوّن کیا اور اس کو ابواب پر ترتیب دیا پھر امام مالکؒ نے "موطا" کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔"

امام ابو حنیفہؒ نے روایاتِ حدیث کو مسند کی صورت میں مرتب کیا ____ اس مسند کے مختلف نسخوں کو رُواۃ کے اعتبار سے مسانید کہا جاتا ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے ان مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے اور فرماتے ہیں کہ: "ان سب کی مسانید متصل ہیں۔" محدث ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمیؒ (م - ۶۶۵ھ) نے ان میں سے بیشتر مسانید کو جمع کر دیا ہے۔ ذیل میں ان مسانید کی فہرست دی جاتی ہے۔

(۱) مسند حمّاد ابن ابی حنیفہؒ

اس مسند کے راوی امام ابو حنیفہؒ کے صاحب زادہ امام حمّادؒ ہیں۔

Marfat.com

(۲) کتاب الآثار للامام ابی یوسف

اس مسند میں امام یوسفؒ اپنے والد ابویوسف کی سند سے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں اس مسند کا نسخہ مولانا ابو الوفا افغانیؒ کی تصحیح اور حواشی کے ساتھ ۱۳۵۵ھ میں مصر سے طبع ہو کر سامنے آیا۔ مولانا افغانیؒ نے اس نسخہ کی تلاش، تدوین اور تصحیح و طباعت کے ضمن میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔

(۳) مسند حسن بن زیاد لؤلؤیؒ

اس نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان میں کیا ہے۔ آپ امام محمد بن ابراہیم بن حُبیش بغویؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"محمد بن ابراہیم حبیش بغویؒ، محمد بن شجاعؒ سے وہ امام حسن بن زیادؒ سے اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے کتاب الآثار کو روایت کرتے ہیں۔"

محدّث خوارزمیؒ نے "جامع مسانید" میں اس نسخہ کو مسند ابی حنیفہ لحسن بن زیادؒ سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے دوسرے باب میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لؤلؤیؒ تک بیان کردی ہیں۔ امام خوارزمیؒ کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو "مسند ابی حنیفہ" ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) کتاب الآثار للامام محمدؒ

یہ نسخہ "کتاب الآثار" کے تمام نسخوں میں متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تعجیل المنفعة بزوائد الائمة الاربعة" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

((والموجود من حدیث ابی حنیفة انما ھو "کتاب الآثار" التی رواھا محمد بن الحسن عنه))[11]

"حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی جو مستقل کتاب موجود ہے وہ "کتاب الآثار" ہے جس کی روایات کو امام محمد بن حسنؒ نے ان سے روایت کیا ہے۔"

(۵) مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے جامع امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاریؒ المعروف بعبد اللہ الاستاذ ہیں۔ قاضی صدر الدین الحصکفیؒ (م: ۶۵۰ھ) نے اس کا اختصار لکھا ہے اور شیخ محمد عابد السندیؒ نے اسے ابوابِ فقہ کے مطابق ترتیب دیا۔ اس کی ایک شرح ملا علی القاریؒ نے لکھی ہے اور دوسری شرح محمد بن حسن اسرائیل الہندیؒ نے لکھی ہے۔

(۶) مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے جامع امام حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد العدلؒ ہیں۔

Marfat.com

(۷)مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے جامع امام حافظ ابو الخیر محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمدؒ ہیں۔

(۸)مسند ابی حنیفہؒ

اس مجموعہ کے جامع مشہور و معروف امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد الاصفہانیؒ ہیں۔

(۹)مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے جامع الشیخ الامام ابو بکر محمد بن عبد الباقی بن محمد الانصاریؒ ہیں۔جن کی ثقاہت اور عدالت پر علماء حدیث کا اتفاق ہے۔

(۱۰)مسند ابی حنیفہؒ

اس نسخہ کے راوی ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانیؒ ہیں۔حافظ ابن عدی جرح و تعدیل کے امام اور بہت اعلیٰ درجہ کے نقاد ہیں۔علماء حدیث کے نزدیک حافظ ابن عدیؒ کا تجزیہ اور تبصرہ دیگر علماء رجال کے مقابلہ میں زیادہ وقیع اور وزنی شمار ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب " الکامل " اب عام دستیاب ہے اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی مہارت اور علم حدیث میں کمال ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱)مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے راوی اور جامع امام حافظ عمر بن الحسنؒ الاُستاذ ہیں۔

(۱۲)مسند ابی حنیفہؒ

اس مسند کے جامع امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن الحسین بن محمد بن خسرو البلخیؒ ہیں۔

(۱۳)مسند ابی حنیفہؒ

اس کے جامع امام محمد بن حسن شیبانی مروزیؒ ہیں۔یہ کتاب انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے براہِ راست روایت کی ہے۔اس کا دوسرا نام "نسخہ محمدؒ" ہے۔

(۱۴) اس کتاب کے جامع امام ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن العوامؒ ہیں۔

امام خوارزمیؒ نے ان تمام مسانید کو ابوابِ فقہ کی ترتیب کے مطابق یک جا کر دیا ہے۔کتاب میں کل چالیس ابواب ہیں۔

Marfat.com

امام عبد الرحمن بن عمرو الاوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)

ہندی اسیرانِ جنگ کے اخلاف میں عبد الرحمن بن عمرو نے جو الاوزاعیؒ کے نام سے مشہور ہیں لافانی شہرت حاصل کر لی ہے۔ ان کی نسبت یعنی اوزاعی کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا جس میں ابن سعدؒ م ۲۳۰ھ بھی شامل ہیں یہ خیال ہے کہ آپ کا تعلق ہمدان یا حِمیار کے ایک ذیلی قبیلہ "اوزاع" سے تھا یا اوزاع سے جنہیں قبائل شتّٰی کہا گیا ____ دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ "اوزاع" دمشق کے محلے باب الفرادیس سے متصل ایک قریہ کا نام تھا اور وہاں کا باشندہ ہونے کی بناء پر آپ کو الاوزاعی کہا جاتا ہے۔[۱۲]

یہ خیال زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کیوں کہ امام اوزاعیؒ بعلبک میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی چناں چہ قرین قِیاس یہی ہے کہ عبد الرحمنؒ کو اوزاع کے نام کے ایک قریہ سے تعلق کی بناء پر "اوزاعی" کہا جاتا ہے نہ اس نام کے کسی قبیلہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے ____ اور اس طرح ان کے ہمدانی یا حمیاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اختلافی مسئلہ امام ابوزرعہ دمشقیؒ (م: ۲۸۱ھ) نے واضح طور پر حل کر دیا ہے آپ کہتے ہیں:

((کان اسم الأوزاعی عبد العزیز فسمّی نفسه عبد الرحمن وکان اصله، من سبأ السند، وکان ینزل الأوزاع فغلب ذلک علیه))[۱۳]

"اوزاعی کا تعلق ہندی اسیرانِ جنگ کے ایک خاندان سے تھا۔ وہ ترکِ وطن کر کے اوزاع میں سکونت پذیر ہوئے اور اوزاعی کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام ابوزرعہؒ کا یہ بیان اس اعتبار سے بہت وزنی ہے کہ وہ بھی دمشق کے باشندہ تھے اور ایک صدی قبل اوزاعی بھی اسی شہر میں رہتے تھے۔ اس لیے ابو زرعہ ان کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کے موقف میں تھے۔ غالباً اسی بناء پر محدث اور مؤرخ ابو ذہبیؒ نے بھی ابو زرعہؒ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔[۱۴]

امام اوزاعیؒ کے ہندی نژاد ہونے کا ایک ثبوت ان کے دادا کے نام سے بھی ملتا ہے ان کا نام یحمد تھا جو برہمدا یا برہمند کا مماثل معلوم ہوتا ہے عربوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہند پر جب حملہ کیا تھا تو غالباً اس وقت یحمد کو جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا۔

امام اوزاعیؒ ۸۸ھ میں بعلبک میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ بہت غریب اور یتیم تھے والدہ نے پرورش کی ابھی نوجوان تھے کہ علوم و فنون اور خطابت میں مہارت حاصل کر لی۔ آپ بعلبک سے دمشق آ گئے اور شہر کے نواحی علاقہ اوزاع میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں آپ نے بہت اچھی اور خوش گوار زندگی گزاری ____ عمر کے آخری حصہ میں بیروت منتقل ہو گئے۔ ۲۸ر صفر ۱۵۷ھ کو بیروت میں آپ کا انتقال ہوا۔[۱۵]

Marfat.com

امام اوزاعیؒ نے علم کی طلب میں طویل سفر کیے امام حسن بصریؒ (م: ۱۱۰ھ) سے ملاقات اور استفادہ کے لیے آپ نے بصرہ کا سفر کیا۔ لیکن جب آپ بصرہ پہنچے تو اس سے پہلے امام حسن بصریؒ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہاں رہ کر آپ نے امام محمد بن سیرینؒ سے ملاقات کی لیکن ان کی علالت اور ضعیف العمری کی وجہ سے ان سے استفادہ نہیں کر سکے۔(۱۶)

امام اوزاعیؒ ایک ممتاز محدّث اور باکمال فقیہ تھے اور ہم عصر علماء ان کے مداح تھے علم حدیث میں آپ امام محمد بن شہاب زہریؒ (م: ۱۲۴ھ) امام نافعؒ (م: ۱۱۷ھ) اور دوسرے ممتاز تابعین کے شاگرد تھے۔ شام میں احادیث کو جمع اور مرتب کرنے والے اوّلین محقق تھے۔ اس واقعہ سے کہ ان کے کئی شیوخ نیز امام مالکؒ (م: ۱۷۹ھ) امام سفیان ثوریؒ، امام شعبہ اور عبداللہ بن مبارکؒ جیسے ممتاز ائمہ حدیث نے امام اوزاعیؒ سے حدیث میں استفادہ کیا، یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علم میں ان کو کس قدر تبحر حاصل تھا۔

امام اوزاعیؒ زندگی بھر حدیث کے حلقوں میں شہرت کی انتہاء پر رہے شام میں آپ حدیث کے مسلمہ عالم تھے اور آپ نے آٹھ ہزار کے لگ بھگ فقہی مسائل کا اپنے اجتہاد اور استخراج کی بنیاد پر جواب دیا۔ فقہ کے مجال میں آپ نے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک "کتاب السنۃ فی الفقہ" اور دوسری "کتاب المسائل فی الفقہ" احکام شرعیہ کی تفصیلات اور جزئیات پر عبور اور زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے امام اوزاعیؒ کو امامت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:

> "امام اوزاعی کے طریقہ کی نمایاں خصوصیت علم حدیث اور حیرت انگیز فقہی ذہانت و فراست کا خوش گوار امتزاج ہے۔" (۱۷)

چوتھی صدی ہجری کے وسط تک سلسلہ اوزاعیہ دمشق میں ایک زندہ فقہی مذہب کی حیثیت سے جاری رہا اور اسی مسلک کے مطابق درس دینے اور فتویٰ شائع کرنے کا انتظام کیا جاتا رہا ____ لیکن پانچویں صدی ہجری کے بعد یہ سلسلہ باقی نہ رہ سکا۔ امام اوزاعیؒ کے حلقہ درس سے جہاں طلبہ اور علماء مستفید ہوتے تھے وہاں اُمراء اور حُکام بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے۔ خلیفہ منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) آپ کی بہت عزت کرتا تھا اور آپ کا درس بہت توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنتا تھا۔(۱۸)

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)

آپ کا نام مالکؒ اور آپ کے والد کا نام انسؒ ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب امام دار الہجرۃ ہے۔ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ امام مالکؒ نے اپنے دَور کے اساتذہ اور شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

- امام نافع مولی ابن عمرؓ
- امام محمد بن شہاب الزھریؒ
- امام سعید بن المسیبؒ
- امام جعفر صادقؒ
- امام عبد اللہ بن دینارؒ
- امام یحییٰ بن سعیدؒ

Marfat.com

- امام سلمہ بن دینارؒ
- امام ہشام بن عروہؒ
- امام ابو الزنادؒ
- امام ایوب السختیانیؒ
- امام عبد اللہ بن ابو بکر بن حزمؒ
- امام محمد بن یحییٰؒ (۱۹)

امام مالکؒ چوں کہ زندگی بھر مدینہ منورہ میں رہے اس لیے اطراف و اکنافِ عالم سے آنے والے بے شمار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ___ آپ کے مشہور تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

- امام سفیان بن سعید ثوریؒ
- امام عبد اللہ بن المبارکؒ
- امام عبد الرحمن الاوزاعیؒ
- امام قاضی ابو یوسفؒ
- امام محمد بن ادریس الشافعیؒ
- امام محمد بن الحسنؒ
- امام سفیان بن عیینہؒ
- امام ابن وھبؒ
- امام عبدالملک ابن جریج الامویؒ

امام مالکؒ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف و ترتیب اور تدوین کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ نے "موطا" کے عنوان سے حدیث کے ادب میں جو کتاب مرتب کی اُسے حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ موطأ امام مالک ایک ہزار سات سو اڑتیس (۱۷۳۸) روایات پر مشتمل ہے۔ جن میں سے چھ سو (۶۰۰) مسانید اور دو سو پینتیس (۲۳۵) مراسیل ہیں ___ چھ سو تیرہ (۶۱۳) روایات موقوف اور دو سو پچاس (۲۵۰) کا تعلق تابعین کے آثار و فتاویٰ سے ہے۔

دوسری صدی ہجری میں حدیث کے جو مجموعے مرتب کیے گئے ان میں عام طور پر آثار و اخبار کو ایک ساتھ رکھا گیا ___ لیکن موطأ میں امام مالکؒ نے احادیث و سنن کو الگ الگ کر کے انہیں اوّلین حیثیت دی اور صحابہ کرامؓ کے آثار و فتاویٰ کو تائید کے طور پر پیش کیا ___ موطأ میں امام مالکؒ نے صرف اسی حدیث یا آثار و اخبار کو درج کیا جس کی صحت شک و شبہ سے بالا تھی۔ احادیث کی تصحیح اور توثیق کے بارے میں امام مالکؒ کی حزم و احتیاط کا اعتراف اس دور اور بعد کے علماء جرح و تعدیل نے کیا ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک امام مالکؒ کی روایات کی حیثیت نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ امام بخاریؒ کو جب کوئی حدیثِ متصل امام مالکؒ کی سند سے مل جاتی ہے تو وہ دوسری روایتوں سے قطع نظر کر لیتے ہیں اور صرف اسی روایت کو اختیار کرتے ہیں اور بہت سے مواقع پر موطأ کی روایات کو ترجمۃ الباب بھی بناتے ہیں ___ موطأ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ سات راویوں کے علاوہ اس کے تمام راوی مدنی ہیں اور علمائے حدیث کا اس اصول پر اتفاق ہے کہ حجاز بالخصوص مدینہ منورہ کی احادیث صحت سند اور صحت متن کے اعتبار سے دوسری احادیث پر فوقیت رکھتی ہیں۔

موطأ کی ایک بہت اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے بلکہ چالیس (۴۰) روایات ایسی بھی اس میں آئی ہیں جو ثنائیات کے زُمرہ میں آتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ثلاثیات کو اسنادِ عالیہ ہونے کی بناء پر علمائے حدیث بہت اہمیت دیتے ہیں ___ امام مالکؒ نے موطأ میں جو احادیث جمع کی ہیں ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان احادیث سے کوئی فقہی حکم اخذ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر ابواب میں احادیث ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق صحابہ کرامؓ کی آراء اور ان کے

Marfat.com

فیصلے بھی نقل کرتے ہیں۔ اجتہاد اور دلائل و قرائن کی رُو سے جس رائے کو زیادہ مضبوط، مفید اور مصالح عامہ سے قریب تر سمجھتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس مسئلہ میں فقہائے مدینہ کا اجماع ہو۔ امام مالکؒ موطأ میں اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک فقہائے مدینہ کا اجماع حجّت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موطأ صرف احادیث و آثار اور اخبار کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ حدیث و فقہ کی مشترک کتاب ہے۔ (۲۰)

امام ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ (م ۱۶۰ھ)

ربیع بن صبیح ایک محدّث اور احادیث کے قدیم مرتّبین میں سے تھے ـــــ امام ابن ربیع کی کنیت ابو بکر اور ابن سعدؒ کے بیان کے مطابق ابو حفص تھی۔ (۲۱) وہ ۱۶۰ھ میں ایک بحری فوج کے ساتھ ہند آئے تھے جس نے المہدی کے عہدِ خلافت میں عبد الملک بن شہاب کی قیادت میں بَربد پر حملہ کیا تھا۔ عربوں نے بَربد فتح کرلیا جو اُس دَور میں ایک خوش حال بندر گاہ تھا۔ (بَربد بعد میں بھار بھٹ کہلانے لگا)۔ اس کامیابی کے بعد عربوں کو ایک بھاری نقصان اُٹھانا پڑا۔ وطن واپس جانے کے لیے موافق ہواؤں کے انتظار میں ان کو بَربد رُکنا پڑا اور اسی دوران میں ساحلی علاقوں میں طاعون پھیل گیا۔ جس سے بہت جانی نقصان ہوا اور امام ربیع بن صبیحؒ بھی اس وبا کا شکار ہو گئے۔ لیکن ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ: "الرّبیعؒ کا انتقال بحری سفر کے دوران میں ہوا اور ان کو ایک جزیرہ میں دفن کیا گیا۔" (۲۲)

ابن عمادؒ کا بھی یہی بیان ہے اور اس نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ واپسی کے سفر میں الرّبیعؒ نے وفات پائی۔ امام ربیعؒ بصرہ کے باشندہ اور امام حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) کے شاگرد تھے۔ جن سے انہوں نے حدیث کا درس لیا تھا اس کے علاوہ امام ربیعؒ نے اس دَور کے چند ممتاز محدّثین مثلاً:

امام حمید الطویلؒ (م ۱۴۲ھ)، امام ثابت البنانیؒ (م ۱۲۷ھ) اورامام مجاہد بن جبیرؒ (م ۱۰۳ھ) سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ اپنے ہم عصر راویانِ حدیث میں امام ربیعؒ کو ایک بلند مقام حاصل تھا۔

امام عبد اللہ بن المبارکؒ (م ۱۸۱ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م ۱۹۷ھ)، امام ابوداؤد الطیالسیؒ (م ۲۰۳ھ) اورامام عبد الرحمن بن الہدیؒ (م ۱۹۸ھ) جیسے مشہور ائمہ حدیث امام ربیعؒ کے شاگردوں میں شامل تھے اور ان سے احادیث اخذ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں امام ربیعؒ علم حدیث کے ان اوّلین علم برداروں میں سے تھے جنہوں نے دوسری صدی ہجری میں جمع و تدوینِ حدیث کا اہم کام کیا۔ (۲۳)

امام لیث بن سعدؒ (م ۱۷۵ھ)

آپ کا نام لیث، والد کا نام سعدؒ اور دادا کا نام عبد الرحمنؒ ہے ـــــ ابو الحارث آپ کی کنیت ہے۔ آپ کی پیدائش ۹۴ھ میں "قرقشندہ" میں ہوئی۔ قرقشندہ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ کے مضافات میں واقع ہے۔ قرقشندہ میں آپ کے پاس زرعی زمین کا بہت بڑا ٹکڑا تھا جس کی فصل سے آپ کو سالانہ ہزاروں دینار کی آمدن ہوتی تھی۔ مصر میں ایک محلہ "زقاق لیث بن سعد" آپ کے نام سے موسوم ہے۔ امام ابن الجوزیؒ کے بیان کے مطابق اس محلہ میں آپ کا گھر اور بہت بڑی مسجد واقع ہے۔ جو آپ نے خود تعمیر کرائی تھی۔ (۲۴)

Marfat.com

اساتذہ و شیوخ

امام لیث بن سعدؒ نے اپنے دور سے تعلق رکھنے والے ائمہ حدیث کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا۔ آپ کی ملاقات تابعین کی بہت بڑی تعداد سے ہوئی۔ جن شیوخ سے آپ نے استفادہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

- امام عطاءؒ
- امام محمد بن شہاب زہریؒ
- امام سعید بن ابو سعید المقبریؒ
- امام ابو قبیل المعافریؒ
- امام جعفر بن ربیعہؒ
- امام حارث بن یعقوبؒ
- امام یونس بن یزیدؒ
- امام عامر بن یحییٰ المعافریؒ
- امام عمران بن ابو انسؒ
- امام کثیر بن فرقدؒ
- امام عبد اللہ بن عبد الرحمنؒ
- امام بکر بن سوادؒ
- امام حارث بن یزید الحضرمیؒ
- امام صفوان بن سلیمؒ
- امام ابو الزنادؒ
- امام محمد بن یحییٰ بن حبانؒ
- امام یحییٰ بن سعید انصاریؒ
- امام نافع مولی ابن عمرؒ
- امام ابن ابی ملیکہؒ
- امام مشرح بن ہاعانؒ
- امام یزید بن ابو حبیبؒ
- امام عبد الرحمن بن القاسمؒ
- امام عقیل بن خالدؒ
- امام حکیم بن عبد اللہ بن قیسؒ
- امام عمر مولیٰ غفرۃؒ
- امام عباس بن عباسؒ
- امام ہشام بن عروۃؒ
- امام ایوب بن موسیٰؒ
- امام ابو کثیر الجلاحؒ
- امام خالد بن یزیدؒ
- امام خیر بن نعیمؒ
- امام قتادہؒ
- امام یزید بن عبد اللہ بن الہادؒ اور

امام نوویؒ نے آپ کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

((وخلائق لا یحصون من الائمة)) (۲۵)

"آپ کے شیوخ کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔"

امام زہریؒ سے آپ کے براہِ راست استفادہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ آپ نے امام زہریؒ کی روایات اخذ کی ہیں۔ لیکن کلام اس پہلو پر ہے کہ آپ نے براہِ راست اخذ کی ہیں یا بالواسطہ اخذ کی ہیں۔ امام خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق آپ نے ۱۱۱ھ میں حج کے موقع پر امام زہریؒ سے ملاقات کی اور استفادہ کیا۔

Marfat.com

تلامذہ

امام لیث بن سعدؒ اپنے دَور کے بہت بڑے فقیہ اور امام تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد اَن گنت ہے ان میں سے جنہوں نے زیادہ شہرت پائی ان کے نام حسب ذیل ہیں:

- امام عبد اللہ بن المبارکؒ
- امام قیس بن الربیعؒ
- امام ہشام بن سعدؒ
- امام ابو الولید بن مسلمؒ
- امام عبد اللہ بن الحکمؒ
- امام آدم بن ایاسؒ
- امام عمرو بن خالدؒ
- امام عبد اللہ بن وھبؒ
- امام ہشیم بن بشیرؒ
- امام ابن لہیعہؒ
- امام ابو سلمہ الخزاعیؒ
- امام سعید بن سلیمانؒ
- امام عبد اللہ بن یزید المقریؒ
- امام عیسیٰ بن حمادؒ وغیرہ

حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے تلامذہ کی بہت طویل فہرست نقل کی ہے۔امام لیث بن سعدؒ نے اپنی پوری زندگی حدیث کی ترویج اور فروغ کے لیے وقف کر رکھی۔ آپ کو جہاں حدیث کے مجال میں امامت کا مقام حاصل ہے۔وہاں فقہ اور اصولِ فقہ میں بھی آپ کی امامت مسلّمہ ہے۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:

"امام لیث بن سعدؒ، امام مالکؒ سے بڑے فقیہ تھے۔لیکن آپ کے اصحاب آپؒ کے اجتہاد اور استنباط و استخراج کو تسلسل کے ساتھ قائم نہ رکھ سکے۔"[۲۶] بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ امام لیث بن سعدؒ کے قائم کردہ مرکز حدیث و فقہ کی خدمات سے طویل عرصہ تک محدثین اور فقہاء مستفید ہوتے رہے اور رہنمائی حاصل کرتے رہے۔

امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ)

آپ کا نام محمدؒ، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ناصر السُنّۃ، شافعی آپ کے جدّ اعلیٰ شافع کی طرف نسبت ہے۔سلسلۂ نسب یوں ہے:

"محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید القرشی الہاشمی المطلبی۔ساتویں پشت پر آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔"

امام شافعیؒ بمقام "غزہ" رجب ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق قبیلۂ ازد سے تھا جو یمن کا ایک ممتاز اور مشہور قبیلہ ہے۔جب آپ کی عمر دو سال کی ہو گئی تو آپ کی والدہ آپ کو حجاز لے گئیں اور وہاں سے اپنے قبیلہ میں یمن منتقل ہو گئیں۔یمن میں امام شافعیؒ نے اپنی عمر کے دس سال گزارے اس کے بعد آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں اور مکہ مکرمہ میں آپ کی نشوونما ہوئی۔[۲۷] امام شافعیؒ سب سے پہلے امام مسلم بن خالد زنجیؒ مفتی مکہ کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے اور ان سے مسلسل تین سال استفادہ کیا۔جب عمر تیرہ سال کی ہوئی تو مدینہ منورہ امام مالکؒ کے سامنے "موطا" کی

Marfat.com

قراءت کی اور آٹھ مہینے ان کے حلقہ میں رہنے کے بعد مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔مکہ مکرمہ میں آپ نے امام سفیان بن عیینہؒ سے استفادہ کیا____ ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں جب امام شافعیؒ پر دورِ ابتلاء آیا اور آپ کو گرفتار کر کے دربارِ خلافت میں پیش کیا گیا تو امام محمدؒ کی سفارش پر آپ کو رہا کیا گیا۔رہائی کے بعد امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے حلقہ سے وابستگی اختیار کر لی۔حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق امام شافعیؒ نے بغداد میں رہتے ہوئے فقہ عراق کو بکمال حاصل کیا اور امام محمدؒ کی خدمت میں تین سال سے زائد رہے۔(۲۸)

بغداد سے امام شافعیؒ مکہ مکرمہ واپس آئے اور حرم میں بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔امام احمد بن حنبلؒ نے آپ سے اسی دور میں استفادہ کیا۔حرم میں نو سال آپ کا قیام رہا۔۱۹۵ھ میں آپ نے دوبارہ بغداد کا سفر کیا اور دو سال تک بغداد میں رہ کر بغداد کے علماء اور فقہاء کے ساتھ اجتہاد اور استخراج کے ضمن میں بحث و تمحیص کرتے رہے۔کتاب الرسالہ آپ کے اسی دور کی تالیف ہے۔۱۹۸ھ میں آپ تیسری مرتبہ بغداد آئے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۱۹۹ھ میں آپ نے مصر کا سفر کیا اور پھر اپنے انتقال تک مصر ہی میں رہے۔

امام شافعیؒ نے اپنے دور کے کبار اساتذہ اور مشائخ سے استفادہ کیا۔مؤرخین نے آپ کے اساتذہ کی تعداد (۸۰) بتائی ہے۔آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ان میں ایک جماعت وہ ہے جس نے بغداد یا مکہ مکرمہ میں آپ سے استفادہ کیا جیسے :

امام ابو الولید موسیٰ بن جارودؒ، امام ابو علی الزعفرانیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ

دوسری جماعت وہ ہے جو آپ سے مصر میں مستفید ہوئی، جیسے :

امام مزنی ربیع المرادیؒ، امام بویطیؒ، امام حرملہؒ اور امام یونس بن عبد الاعلیٰؒ وغیرہ

یہ امام شافعیؒ کے مذہب جدید کے راوی ہیں اور ان حضرات نے امام شافعیؒ کے بعد ان کے علوم کو مرتب و مدون کیا۔

امام شافعیؒ نے تصنیف و تالیف کا اچھا خاصا کام کیا۔تفسیر، حدیث، فقہ اور اصولِ فقہ پر آپ نے وقیع تالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔آپ کی تالیفات میں جن کتابوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ "کتاب الرسالہ" اور "کتاب الاُم" ہے۔"کتاب الرسالہ" بنیادی طور پر اصول کی کتاب ہے اور رہنما کتاب ہے۔بعد میں اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے مجال میں جتنے علماء نے قلم اٹھایا ہے۔انہوں نے امام شافعیؒ کی اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی ہے۔اسی طرح کتاب الاُم "اسم با مسمیٰ ہے۔امام شافعیؒ نے جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے قواعد مرتب کیے۔آپ نے اپنی کتاب "الاُم" اور "الرسالۃ" میں بہ کثرت روایات سے استدلال کیا ہے۔جس سے حجیتِ حدیث اور شریعتِ اسلامیہ میں حدیث کے درجے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔امام زعفرانیؒ کہتے ہیں :

"اصحابِ حدیث خوابیدہ تھے۔امام شافعیؒ نے انہیں جگایا۔"

امام محمدؒ نے فرمایا:

((إن تكلم أهل الحديث يوماً فبلسان الشافعي))

Marfat.com

"اصحابِ حدیث کو آنے والے دَور میں جب بھی بات کرنی پڑے گی تو انہیں امام شافعیؒ کی زبان کا سہارا لینا ہو گا۔"(۲۹)

امام شافعیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ دوسری صدی ہجری کے مجدّد ہیں۔ آپ نے واقعی علوم و فنون کا وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اُس دَور کے رائج اور متداول اصول استنباط و استخراج کو نئے رُخ اور نئے اسالیب سے روشناس کرایا اور بعد کی صدیوں میں آنے والے علماء اور فقہاء کے لیے ایسے رہنما اصول وضع کیے جن کی بنیاد پر آیات و روایات کا تجزیہ کرنا اور ان سے احکام کی جزئیات نکالنا بہت سہل ہو گیا۔

امام عبد الرزاق بن ہمّام صنعانیؒ (م ۲۱۲ھ)

عبد الرزاقؒ نام، ابو بکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ عبد الرزاق بن ہمّام بن نافعؒ ____ یمن کے مشہور شہر صنعاء میں پیدا ہوئے قبیلہ "حمیر" سے تعلق تھا اس لیے صنعانی اور حمیری کہلاتے ہیں۔

امام عبد الرزاقؒ نے اپنے دَور کے جن معروف و مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام عبد الملک بن جریج امویؒ
- امام عبد الرحمن اوزاعیؒ
- امام عبد اللہ بن ابی سبرۃؒ
- امام مالک بن انسؒ
- امام معتمر بن سلیمانؒ
- امام معمر بن راشد یمنیؒ
- امام ہشیم بن بشیر واسطیؒ
- امام ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰؒ
- امام اسماعیل بن عیاشؒ
- امام ابو معشر نجیح سندیؒ

ان اساتذہ کے علاوہ آپ کے شیوخ کی ایک طویل فہرست مصادر میں منقول ہے۔ آپ نے دیگر اساتذہ اور شیوخ کے علاوہ اپنے والد امام ہمّام بن نافع اور چچا امام وھب بن نافعؒ سے بھی استفادہ کیا۔ امام معمر بن راشد یمنی رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کا خاص تعلق تھا۔ آپ ان کی خدمت میں آٹھ سال رہے اور ان کے پاس روایات کا جتنا ذخیرہ تھا وہ سارا آپ نے اپنے پاس ضبط کر لیا تھا۔

امام عبد الرزاق صنعانی رحمہ اللہ اپنے دَور کے کبار اساتذہ کی صف میں شامل ہونے کی وجہ سے طلبہ کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ دُور دراز کے علاقوں سے طلبہ آکر آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان میں سے جن کو بعد میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام ابو اسامہ حمّاد بن سلمہؒ
- امام وکیع بن الجرّاحؒ
- امام احمد بن محمد بن حنبلؒ
- امام اسحاق بن راہویہؒ
- امام علی بن المدینیؒ
- امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ
- امام یحییٰ بن معینؒ
- امام ابراہیم بن موسیٰؒ
- امام ابو مسعود رازیؒ
- امام احمد بن صالحؒ

Marfat.com

امام عبد الرزاق صنعانیؒ کو اللہ جلّ شانہ‘ نے جہاں قابلیت سے نوازا تھا وہاں مقبولیت کا مقام بھی عطا کیا تھا۔ آپ کے ہاں عوام و خواص کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے امراء اور حکام اس پر رشک کرتے تھے لوگ دُور دراز کے علاقوں سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

" امام عبد الرزاق صنعانیؒ علوم کا خزانہ ہیں۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ امام عبد الرزاق صنعانیؒ سے زیادہ بہتر اور برتر محدث آپ کی نظر میں کون ہے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: "ان سے بہتر اور برتر محدّث میرے علم میں کوئی بھی نہیں۔"

امام ہشام بن یوسفؒ کہتے ہیں:

" ہم لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم عبد الرزاق ہیں۔"

امام عبد الرزاق صنعانیؒ متعدد کتابوں کے جامع اور موٗلف ہیں مگر ان میں سے اکثر کتابیں اب معدوم اور نایاب ہیں۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں:

- سنن عبد الرزاق: اس کتاب کی اکثر روایات کتبِ ستہ اور دیگر مصادرِ حدیث میں تخریج کی گئی ہیں۔
- کتاب السنن فی الفقہ: یہ کتاب نایاب ہے۔
- کتاب المغازی: یہ تالیف نایاب ہے۔
- المصنف: یہ کتاب آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف ہے۔ آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ "مُصنّف" کے جو مجموعے موجود ہیں ان میں مصنف ابن ابی شیبہؒ کے بعد سب سے زیادہ مشہور یہی ہے اور قدامت کے لحاظ سے یہ اس پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کے مصادر کے تیسرے طبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات ثلاثی ہیں۔

مصنف عبدالرزاق قرونِ اُولیٰ کی دینی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، علمی اور اجتہادی کوششوں کی عکاس ہے۔ اس کتاب کے باالالتزام مطالعہ سے اس دَور کے حالات و ظروف کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ____ اس دَور کے حالات کے قانونی اور شرعی فیصلے کیسے ہوتے تھے۔ جب علماء کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں تطبیق کس طرح پیدا کی جاتی تھی۔ امام عبد الرزاق صنعانیؒ کا تعلق اس دَور سے ہے جب نصوص سے استنباط اور استخراج کی کدوکاش علماء و فقہاء کے ہاں عام تھی۔ آپ نے ان حالات کے پیش نظر احادیث، آثار، اخبار اور فتاویٰ کو جمع کیا اور فقہاء و محدثین دونوں کے لیے ایک بیش قیمت سرمائے کا انتخاب کیا ____ امام عبد الرزاقؒ کی مصنف میں جہاں آثار و اخبار جمع ہیں وہاں مشاہیر علماء اور قضاۃ کے اجتہادات بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔(۳۰)

امام عطاء بن ابی رباحؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ، امام عبد الملک بن جریجؒ، امام ابن شہاب زہریؒ، امام

Marfat.com

حسن بصریؒ، امام سعید بن المسیبؒ اور امام شعبیؒ کے اقوال و آراء سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ان کو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت بعد میں آنے والے فقہاء اور محدثین کے لیے بہت بڑھ گئی مصنف عبد الرزاقؒ پہلے غیر مطبوع تھی۔اب الحمد للہ چھپ چکی ہے، دستیاب ہے اور المکتبہ الشاملہ میں بھی شامل ہے۔

سیاسی احوال وظروف کے اثرات

۱۳۲ھ میں خلافت بنو امیہ کا زوال ہوا۔اور عباسی حکومت قائم ہوئی۔سیاسی انقلاب کا یہ دور بہت اہم تھا جس میں ایک عرب خاندان سے دوسرے عرب خاندان میں خلافت منتقل ہوئی۔یہ انتقالِ حکومت اچانک نہیں ہوا بلکہ ایک عرصہ سے انقلابی عوامل کار فرما تھے۔پہلے سے نہایت مخفی طور پر انقلابِ حکومت کی تحریک چلائی گئی تھی جو کبھی ظاہر ہو جاتی اور کبھی روپوش ہو جاتی یہ انقلابی تحریک دوسری صدی ہجری کے اوائل میں پوری منصوبہ بندی کے ساتھ شروع کی گئی۔جس کے نتیجہ میں بالآخر بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابو العباس سفاح کو جو آلِ عباس کا رہنما تھا خلیفہ بنایا گیا اور عباسی حکومت قائم ہو گئی اور دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل کر دیا گیا۔سیاسی مخالفین کے قتل کے ساتھ ساتھ اموی خاندان کے تمام اہم افراد چن چن کر مارے گئے۔اس موقع پر عبدالرحمن اول کسی طرح بچ گیا جو جان بچا کر بھاگا اور چھپ کر مہینوں کا سفر طے کر کے افریقہ کے راستہ سے اندلس (سپین) جا پہنچا۔وہاں رہ کر آپ نے وہاں کے عمال اور اہل مناصب سے رابطے کئے اور ان کے تعاون سے اندلس میں ایک مستقل اموی حکومت قائم کر دی۔اس انقلاب اور سیاسی حالات کے پیشِ نظر لوگوں نے روایات گھڑنا شروع کیا۔جو لوگ بنو عباس سے خوش نہ تھے انہوں نے ان کی مذمت میں روایات وضع کیں۔مثلاً عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر عباسؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((هذا عمي ابو الخلفاء الأربعين أجود قريش كفا أجملها من ولده السفاح والمنصور والمهدي۔
يا عمي! بي فتح الله هذا الأمر وسيختمه برجل من ولدك))

"یہ میرے چچا چالیس خلفاء کے باپ ہیں جو سب کے سب قریش ہیں کفو کے لحاظ سے بہتر اور حسین ہیں۔ ان کی اولاد میں سفاح، منصور اور مہدی ہوں گے۔اے چچا! میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس مملکت کو فتح کیا اور آپ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ اس کو ختم کر دے گا۔"

سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ جب خراسان کے قریبی علاقے مفتوح ہوگئے تو عمر بن الخطابؓ رونے لگے۔عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کامیابی آپ کو عطا کی ہے۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں کیوں نہ روؤں۔بخدا مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ ہمارے اور ان خراسانیوں کے درمیان میں آگ کا دریا حائل ہو جائے کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

((إذا أقبلت رايات ولد العباس من عقاب خراسان جاءوا بنعي الإسلام، فمن صار تحت لواءهم
لم تنله شفاعتي يوم القيامة))

Marfat.com

"جب اولاد عباسؓ کے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئیں تو خراسانی اسلام کو مٹانے آئیں گے جو ان کے جھنڈے کے نیچے ہو گا اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہو گی۔"

جب اہلِ عجم کے تعاون سے عباسی حکومت قائم ہوئی تو عرب اور عجم میں باہم منافرت پیدا ہو گئی۔ اہلِ عرب عجمی زبان سے نفرت کرنے لگے۔ اس وقت اہلِ عجم نے عجمی زبان کی تعریف میں روایات گھڑنا شروع کر دیں۔ مثلاً:

((إن كلام الذين حول العرش بالفارسية، وإن الله إذا أوحى أمراً فيه لين أوحاه بالفارسية، وإذا أوحى أمراً فيه شدة أوحاه بالعربية)) (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ج۱، ص۱۳۶)

"عرش کے ارد گرد جو فرشتے ہیں ان کی زبان فارسی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی آسان بات کی وحی کرتا ہے تو فارسی میں کرتا ہے۔ اور جب کسی سخت بات کی وحی کرتا ہے تو عربی زبان میں کرتا ہے۔"

اہلِ عرب نے اس کے جواب میں فارسی زبان کی تنقیص سے متعلق روایت وضع کی:

((أبغض الكلام إلى الله الفارسية، وكلام أهل النار البخارية، وكلام أهل الجنة العربية))

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ زبان فارسی ہے۔ دوزخیوں کی زبان بخاری ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔"

وضع حدیث کا یہ سلسلہ محض سیاسی جماعتوں اور زبان تک نہیں رہا بلکہ رفتہ رفتہ علماء کے مناقب اور مثالب میں بھی روایات وضع کی گئیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا نسبی تعلق عجم سے تھا اس لیے عجمیوں نے ان کی تعریف میں روایت وضع کی۔ امام شافعیؒ کا نسبی تعلق عرب سے تھا ان کی مذمت کے لیے روایت گھڑ لی۔ مثلاً:

((يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس أضر على أمتي من إبليس، ويكون في أمتي رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج أمتي)) (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ج۱، ص۱۳۷)

"میری امت میں ایک شخص پیدا ہو گا جو محمد بن ادریس کے نام سے موسوم ہو گا وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہو گا اور میری امت میں ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام ابو حنیفہ ہو گا وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔"

((سيأتي من بعدي رجل يقال له النعمان بن ثابت، ويكنى أبا حنيفة، ليحيين دين الله وسنتي على يديه)) (تبریہ البیریعۃ المرفوعۃ: ج۱، ص۱۳۲)

"میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہو گا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہو گی وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔"

Marfat.com

اس قسم کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں روایات وضع کی گئیں۔ جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ دوسری صدی کے اس حصہ میں وضع حدیث کا فتنہ ایسا پھیلا اور گھمبیر ہو گیا کہ علمائے حدیث کو اس کے خلاف پوری توانائی کے ساتھ اٹھنا پڑا۔ اور اپنی اجتماعی قوت سے پورے جوش وجذبہ اور زور شور کے ساتھ واضعین حدیث کا مقابلہ کرنا پڑا۔ علماء حدیث نے رواۃِ حدیث کے احوال اوران کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے اصول مرتب کئے جس کے نتیجہ میں "اسماء الرجال" نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ علم رجال کے ذریعہ علماء حدیث نے رواۃ پر بہت وقیع کام کیا اور اس طرح "صحیح" اور "سقیم" رواۃ کی نشاندہی پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئی۔

علمائے حدیث نے واضعین حدیث کے خلاف اپنی تحریک کو پورے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا اور کسی دور میں بھی اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں رہے۔ محدثین ہر موقع پر روایات گھڑنے والوں کی سرزنش کرتے اور ان کی موضوع روایات کی تشہیر کرتے رہے۔

شعبہ بن الحجاجؒ حدیثیں گھڑنے والوں کے بہت سخت خلاف تھے وہ ان کے پاس جاتے انہیں سمجھاتے اور کہتے: خبردار! روایات گھڑنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں گرفتار کروا دوں گا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں: اگر شعبہؒ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح حدیث کا رواج ہی نہ ہوتا۔ مشہور محدّث عبدالرحمن بن مہدیؒ نے عیسیٰ بن میمون (واضع حدیث) کو سخت دھمکی دی تو اس نے توبہ کی اور کہا: آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ امام سفیان ثوریؒ بھی وضاعین کے مقابلہ میں بہت تشدد سے کام لیتے تھے اور ان کے عیوب کو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ امام سفیان ثوریؒ کے دور میں کسی کو حدیث گھڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ امام قتیبہ بن سعیدؒ کہتے ہیں: اگر سفیان ثوریؒ نہ ہوتے تو تقویٰ اور خوفِ خدا ختم ہو گیا ہوتا۔

امام مسلم سند متصل کے ساتھ حمزہ الزیات سے روایت کرتے ہیں کہ مرّہ ہمدانی نے حارث اعور کذاب سے کچھ روایات سنیں۔ حمزہ نے حارث اعور سے کہا: دروازہ پر میرا انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے اور تلوار سونت لی۔ حارث سمجھ گیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

ابن حجر یزید بن ہارونؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جعفر بن زبیر اور عمران بن حدیر ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ جعفر کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور عمران کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک دن شعبہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے۔ افسوس! لوگوں کے حال پر۔ جو شخص جھوٹا ہے اس کے پاس بھیڑ ہے۔ اور جو سچا ہے وہ اکیلے بیٹھا ہے۔ شعبہؒ نے جعفر بن زبیر کی حیثیت پوری طرح طشت از بام کی۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے جعفر سے استفادہ کرنا چھوڑ دیا اور عمرانؒ کے حلقے میں شامل ہوئے۔

وضع حدیث کے ثبوت کے قرائن

۱) راوی ایسے شیخ سے روایت کرتا ہو جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس شہر میں وہ کبھی نہ گیا ہو۔ یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس کی وفات کے بعد راوی کی پیدائش ہوئی ہو۔ یا شیخ کی اس وقت وفات ہوئی جبکہ راوی بچہ ہو اور شیخ سے نہ ملا ہو۔ امام شعبہ بن الحجاجؒ سے کسی نے پوچھا: آپ عثمان بن ابو

Marfat.com

الیقظان (عثمان بن عمیر) سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ شعبہؒ نے جواب دیا: ایسے شخص سے کیسے روایت کر سکتا ہوں جس کے پاس میں بیٹھا تھا میں نے اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا اس نے اپنا سن پیدائش بتایا۔ پھر جب روایت کرنے لگا تو ایسے شیخ سے روایت کی جو اس کی پیدائش سے پہلے انتقال کر چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کا سن پیدائش، وفات، رحلات اور خاص کر ان شہروں کے نام جہاں انہوں نے قیام کیا اور استفادہ کیا ان سب باتوں کا جاننا محدثین ضروری سمجھتے تھے۔ اور یہ سب معلومات رکھتے تھے۔ حفص بن غیاثؒ کہتے ہیں: جب کسی شیخ کی حیثیت واضح نہ ہو تو تاریخ سے اس کا محاسبہ کرو۔ یعنی اس کی عمر معلوم کرو اور جن شیوخ سے اس نے استفادہ کیا ہے ان کا تاریخی دور دیکھو۔ حسان بن زیدؒ کہتے ہیں: تاریخ کے ذریعہ ہم نے جھوٹے رواۃِ حدیث کی پہچان میں بڑی مدد حاصل کی ہے۔ ہم شیخ سے پوچھتے ہیں اس کی عمر کیا ہے؟... کس سن میں اس کی پیدائش ہوئی ہے؟... اس کے بعد اس کے اساتذہ اور اسفار کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس کی عمر، سفر اور شیوخ کی کڑیوں کو ملا کر معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے یا سچا؟!!

۲) راوی جو وضع اور کذب میں مشہور ہو کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہو اس کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے اس قسم کی روایت نہ کی ہو تو ایسی روایت کو علماء حدیث صراحتاً ناقابل قبول کہتے ہیں۔ اور اس کی روایت نہیں کرتے۔

طبقاتِ رُواۃِ حدیث

علماء حدیث نے صحت کے لحاظ سے رواۃ حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم میں شیوخ سے براہِ راست استفادہ اور ان کے ساتھ تعلق کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمیؒ (م۵۸۴ھ) نے امام زہریؒ کے تلامذہ کے طبقات کی مثال دے کر سمجھایا ہے۔ اس مثال سے دوسرے شیوخ کے تلامذہ کے طبقات کے مراتب معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ امام حازمیؒ ائمہ خمسہ کی شروط کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ کے رُواۃ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو اپنے بعد والے طبقہ پر فوقیت اور خصوصیت حاصل ہے۔ وہ پانچ طبقے یہ ہیں:

۱۔ پہلا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جو ثقہ وعادل ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ اور ضابط تھے۔ امام زہریؒ کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ یہاں تک کہ سفر وحضر میں بھی ان کے ساتھ رفاقت کی۔ جیسے امام مالک بن انس، سفیان بن عینیہ، یونس ایلی، عقیل ایلی اور شعیب بن ابی حمزۃ وغیرہم۔

۲۔ دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جو حافظ، ضابط اور عادل تھے لیکن امام زہریؒ کی صحبت میں کم مدت تک رہے۔ اس لیے وہ امام زہری سے زیادہ استفادہ نہ کر سکے۔ جیسے امام اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد اور عبدالرحمن بن خالد وغیرہم۔

۳۔ تیسرا طبقہ: یہ طبقہ ان رُواۃ کا ہے جو امام زہریؒ کی صحبت میں طویل مدت تک رہے۔ لیکن حفظ وضبط کے لحاظ سے علمائے حدیث نے ان پر جرح کی ہے۔ جیسے سفیان ابن حسن اسلمی، جعفر بن برقان، عبداللہ بن عمر بن حفص العمری اور زمعہ بن صالح وغیرہم۔

Marfat.com

۴- چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ رُواۃ آتے ہیں جنہیں امام زہریؒ کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا اور حفظ وضبط کے پہلو سے علماء حدیث نے ان کی توثیق بھی نہیں کی ہے جیسے اسحاق بن یحییٰ کلبی، معاویہ بن یحییٰ صدفی، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ مدنی، ابراہیم بن یزید مکی اور مثنی بن صباح وغیرہم۔

۵- پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ راوی آتے ہیں جن کے ضعف پر علماء حدیث کا اتفاق ہو۔ اور وہ رواۃ بھی اس میں داخل ہیں جو مجہول الحال ہوں۔ جیسے بحر بن کنیز السقا، حکم بن عبداللہ ایلی، عبدالقدوس بن حبیب دمشقی، اور محمد بن سعید مصلوب وغیرہم۔

اہل کلام اور محدثین کے باہمی اختلاف کا حدیث پر اثر

اہل کلام سے مراد وہ علماء ہیں جو ہر چھوٹے اور بڑے دینی مسئلہ میں اپنی عقل کو دخل دینے کے قائل تھے۔ جو بات انہیں عقل کے خلاف نظر آتی تھی۔ اسے رد کر دیتے تھے۔ سب سے پہلے اہلِ کلام اور محدثین کے درمیان بصرہ میں اختلاف کھل کر سامنے آیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ واصل بن عطاء (م-۱۳۱ھ) جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا اور ان کے حلقہ کا مستقل رکن تھا رفتہ رفتہ اپنے شیخ امام حسن بصریؒ کے سامنے اپنی فکر اور نظریات کی بنیاد پر بحث و تمحیص کرنے لگا۔ چوں کہ واصل بن عطا کی فکر اور سوچ امام حسن بصریؒ اور سلف کے خلاف تھی اس لیے امام حسن بصریؒ ان سے ناراض ہو گئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اعتزل مِنّا "ہم سے اپنا راستہ الگ کر دیجئے۔" اعتزال کے معنی جدا ہونے اور دور ہونے کے ہیں اس وقت سے واصل اور ان کے پیروکاروں کا نام "معتزلہ" ہو گیا۔ یعنی جدا ہونے والا فرقہ۔

واصل بن عطاء کے بعد اس جماعت میں جو بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: عمرو بن عبید (م-۱۴۳ھ)، ابوالہذیل العلاف (م- ۲۳۵ھ)، نظام بشیر المریسی (م- ۲۱۸ھ)، عمرو بن بحر الجاحظ (م-۲۲۵ھ) اور ثمامہ بن اشرس۔

معتزلہ اور محدثین کے درمیان اختلافی مسائل

اہل کلام کے اختلافی مسائل میں دو اہم مسائل ایسے تھے جو نزاع کا سبب بنے۔ ان دو اہم مسائل میں ایک مسئلہ بندوں کے افعال کا تھا اور دوسرا مسئلہ اللہ جل شانہ کی صفات کا تھا۔ بندوں کے افعال کے بارے میں معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال خود بندوں کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ جل شانہ کو بندوں کے افعال کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے اسی لیے انسان ثواب اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ انسانوں کے تمام افعال اللہ جل شانہ کے پیدا کردہ ہیں۔ انسان نہ تو پوری طرح مختار ہے اور نہ مجبورِ محض ہے۔ دوسرا مسئلہ جو نزاعی اور اختلافی تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تھا۔ معتزلہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قائم رہنے والا تمام صفات کے ثبوت سے منزہ ہے جیسے سمع، بصر، حیات، قدرت اور کلام وغیرہ صفات الٰہی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اگر اس کی صفات بھی قدیم مانی جائیں تو کئی قدیم چیزیں ہو جائیں گی۔ اس سے قدیم اشیاء کا تعدّد لازم آئے گا جو محال ہے۔ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء امت کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر اور دوسری صفات الٰہی قدیم ہیں اور اللہ جل شانہ کی ذات سے بذاتہ قائم ہیں۔ یہ صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔

Marfat.com

مسئلہ صفاتِ الٰہی کے اختلاف کے سلسلہ میں دوسرا اختلاف جو رونما ہوا وہ قرآن کے کلامِ الٰہی کی قدامت اور حدوث کا مسئلہ تھا۔ جمہور علماء امت کا موقف تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام قدیم ہے۔ اس لیے قرآن بھی قدیم ہے۔ اس کے مقابلہ میں معتزلہ کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے حادث اور مخلوق ہے۔ جس طرح دوسری مخلوقات ہیں اللہ تعالیٰ قرآن کے حروف اور اصوات کو حادث جسم میں پیدا کرتا تھا جن کو نبی کریم ﷺ سماعت فرماتے تھے۔

معتزلہ عقل کو تمام دینی مباحث، عقائد اور احکام میں حکم کی حیثیت دیتے تھے یہاں تک کہ احادیث میں بھی وہ اپنی عقل کو دخل دیتے تھے۔ جب کوئی حدیث ان کی سمجھ اور عقل کے خلاف ہوتی اور ان سے اس کی تاویل نہ ہو سکتی تو وہ اسے رد کر دیتے تھے۔ لیکن امتِ مسلمہ کے خوف سے تیسری صدی ہجری کے اوائل تک اعلانیہ اپنے افکار اور خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے اور خلفائے وقت بھی جمہور مسلمانوں کے جذبات کی وجہ سے معتزلہ کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب تیسری صدی ہجری کا آغاز ہونے لگا اور عباسی خلیفہ مامون الرشید نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی جس کا دورِ خلافت ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک تھا تو اس کے دورِ حکومت میں اہلِ کلام کو عروج حاصل ہوا۔ مامون الرشید اگرچہ کتاب و سنت کا عالم تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ معتزلہ کے افکار و نظریات کو پسند کرتا تھا۔ وہ فطرۃً بحث و مناظرہ میں آزاد پسند واقع ہوا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں حکمائے فارس اور فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ بہت شوق سے کیا جاتا جس کی وجہ سے کافی لوگ عقائد اور ما بعد الطبیعات کے مسائل میں عقل کو دخل دینے لگے۔ مامون الرشید نے اس فضا کو دیکھ کر اہلِ کلام کو بحث و مناظرہ کی پوری آزادی دے دی اور ان کی پشت پناہی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون الرشید کے دورِ حکومت میں اہلِ کلام اور محدثین کے درمیان بڑے بڑے مناظرے منعقد ہوئے اور کشمکش کی فضا تیز سے تیز تر ہونے لگی۔ مامون الرشید نے مسائل میں عقائد، امامت اور بالخصوص خلقِ قرآن کے مسئلہ کو زیادہ اہمیت دی اور ۲۱۲ھ میں خلقِ قرآن کے متعلق اپنے عقیدہ کو اعلانیہ ظاہر کیا۔ اس کا خیال تھا کہ علماء اور فقہاء امت اور تمام محدثین مامون کی رائے کی پرزور تائید کریں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ظاہر ہوا۔ علماء، فقہاء، اور محدثین نے مامون الرشید پر بدعت کا الزام لگایا۔ مامون اس ردعمل کی وجہ سے طیش میں آ گیا۔ اس نے روم سے حاکم بغداد کو لکھا کہ جو علماء خلقِ قرآن سے متعلق اس کی رائے کے خلاف ہیں ان کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔ حاکم بغداد نے امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگوائے۔ احمد بن نصر خزاعی کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ قتل کر دیا۔ ایک جماعت کو تنوروں میں جھونک کر اور ایک جماعت کو قید خانہ میں ڈلوا دیا اور بقیہ تمام محدثین کو فتویٰ، درس اور حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا۔ جب مامون الرشید کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بھائی المعتصم کو وصیت کی کہ وہ بھی خلقِ قرآن کے مسئلہ میں وہی روش اختیار کریں جو مامون کی ہے۔ چنانچہ المعتصم نے بھی اپنے دور حکومت میں تمام معلمین کو ہدایت کی کہ وہ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں حکومتِ وقت کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے طلبہ کو پڑھائیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ قدیم نہیں ہے۔ لیکن المعتصم کے اس فرمان کا معلمین پر کوئی اثر نہ ہوا جس کی وجہ سے معلمین کی ایک بہت بڑی تعداد شہید کر دی گئی۔ امام احمد بن حنبلؒ پر مزید سختی کی گئی اور نو سال تک انہیں کڑی آزمائش میں مبتلا رکھا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۳۲ھ میں المعتصم کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا واثق تاج و تخت کا مالک ہو گیا۔ اس نے بھی معتزلہ کی حمایت جاری رکھی۔ واثق کا وزیر احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کا لیڈر تھا۔ ۲۳۲ھ میں واثق کے بعد اس کا بھائی المتوکل تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نیک دل اور بہت ہی مذہبی تھا۔ اس نے تمام محدثین کی

Marfat.com

عزت افزائی کی اور سنت کی اشاعت وترویج کی طرف راغب ہوا اور محدثین کو انعام واکرام سے نوازا۔ جس کے تشکر کے لیے امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ نے جامع رصافہ میں ایک اجتماع منعقد کیا۔ جس میں تیس ہزار افراد شریک ہوئے اور ابو بکر بن ابی اشیبہؒ کے بھائی امام عثمان بن ابی شیبہؒ نے جامع منصور میں اجتماع منعقد کیا اس میں بھی تقریبا تیس ہزار افراد نے شرکت کی اور خلیفۂ وقت المتوکل کے لیے خیر وبرکت کی دعائیں کیں اور اس خلیفہ کو محی السنۃ کے لقب سے یاد کیا۔

تیسری صدی ہجری اور کتبِ ستہ

تیسری صدی ہجری کے پہلے تین عشرے علمائے امت اور محدثین کے لیے رنج ومحن اور ابتلا ومصیبت کا زمانہ اور پرفتن دور تھا۔ مگر اللہ جل شانہ کی تائید علمائے حدیث کو حاصل تھی اس لیے یہ حضرات پوری توجہ، محنت اور جذبہ کے ساتھ کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں مشغول رہے۔ اس دور ابتلاء میں چار ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو حدیث، رجال اور عللِ حدیث کی پہچان اور معرفت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ناقدین رجال کی حیثیت سے بھی ان کا رتبہ نہایت بلند سمجھا جاتا ہے اور ان کا فیصلہ قول فیصل قرار دیا جاتا ہے۔ اسناد اور متنِ حدیث کی پہچان میں ان کے کمال کا اعتراف تمام علماء نے کیا ہے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں: امام یحیٰ بن معینؒ (م -۲۳۳ھ)، امام علی بن المدینیؒ (م -۲۳۴ھ)، امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م -۲۳۵ھ)، امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م -۲۴۱ھ)۔

ان چار محدثین نے ابتلاء اور فتن کے دور میں بھی حدیث کے علم کو بلند رکھا اور ایسے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے کہ آنے والے علمائے حدیث کو اس راستہ پر چلنے میں کسی پیچ وخم کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ تیسری صدی کے ابتدائی تین عشروں تک حکومتِ وقت کی پالیسی اور سخت روش کی وجہ سے علمِ حدیث کی تحصیل اور ترویج میں جو رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے دور ہوتے ہی حدیث کے طلبہ کو شوق طلب از سر نو شروع ہو گیا اور انہوں نے نہایت جوش و ولولہ اور جذبہ کے ساتھ طلب حدیث میں علمی سفر شروع کر دیا جو اس دور کی طلب علم کا اہم ذریعہ تھا۔

کتبِ ستہ کی تدوین

تیسری صدی آدھی بھی نہ گزری تھی کہ علم حدیث کے میدان میں بڑی بڑی قد آور شخصیات کا ظہور ہوا ان شخصیات میں سے ہر ایک نے علمِ حدیث کی تدوین، ترویج، فروغ اور تطویر کے لیے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور ہر ایک نے اپنے تئیں ایسی خدمات انجام دیں کہ تمام محدثین کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ اور سب نے نہایت احترام، خلوص اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے خراجِ عقیدت پیش کیا اور ان کی خدمات کو سراہا۔ ذیل میں کتبِ ستہ کے مؤلفین اور ان کی خدمات کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے:

امام بخاریؒ (م۲۵۶ھ)

آپ کا نام محمدؒ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ کے والد کا نام اسماعیلؒ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۴ھ میں ترکستان کے مشہور شہر بخارا میں ہوئی۔ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث مانا جاتا ہے۔

Marfat.com

امام بخاریؒ نے حصولِ علم کیلئے کئی ممالک کے سفر کیے اور علم و فن کے ماہرین سے استفادہ کیا آپ کے اساتذہ میں :

- امام ابو الحسن یحیی بن سعید القطانؒ
- امام علی بن المدینیؒ
- امام احمد بن حنبلؒ
- امام یحییٰ بن معینؒ
- امام ابو داؤد طیالسیؒ
- امام اسحاق بن راہویہؒ
- امام یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوریؒ
- امام مکی بن ابراہیم بلخیؒ اور
- امام قتیبہ بن سعیدؒ جیسی بلند پایہ شخصیات کے نام شامل فہرست ہیں۔(۳۱)

امام بخاریؒ کا شمار اپنے دَور کے کبارِ محدّثین میں ہوتا ہے۔ہزاروں ہزار طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور آپ سے استفادہ کیا۔آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- امام مسلم بن حجاج القشیریؒ
- امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ
- امام ابو زرعہ رازیؒ
- امام ابو عبد الرحمن النسائیؒ
- امام ابو حاتم رازیؒ (۳۲)
- امام یحییٰ بن آدمؒ نمایاں اور ممتاز ہیں۔

امام بخاریؒ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف و تدوین کا سلسلہ جاری رکھا۔آپ کی مشہور تالیفات درج ذیل ہیں :

- الجامع الصحیح
- جزء رفع الیدین
- التاریخ الکبیر
- التاریخ الأوسط
- التاریخ الصغیر
- کتاب الضعفاء
- التفسیر الکبیر
- کتاب العلل
- کتاب الأدب المفرد

مندرجہ بالا تمام تالیفات کا تعلق حدیث کے ادب سے ہے اور ہر ایک تالیف اپنی جگہ پر اہمیت کی حامل ہے۔لیکن جس تالیف کو اللہ جل شانہ' نے بہت زیادہ مقبولیت عطا فرمائی وہ "الجامع الصحیح" ہے۔جو "صحیح بخاری" کے نام سے معروف ہے۔اس کتاب کا مکمل نام " الجامع الصحیح المسند المختصر من سنن رسول الله وایامہ " ہے۔امام بخاریؒ نے اس کتاب کو سولہ سال کی طویل مدت میں پوری محنت اور کوشش سے مکمل کیا____ آپؒ نے احادیث کے انتخاب میں نہایت درجہ اہتمام فرمایا تاکہ ضعیف احادیث کو اس کتاب سے الگ رکھا جا سکے۔امام بخاریؒ سے پہلے مؤلفین کتبِ حدیث کا اسلوب یہ تھا کہ وہ عموماً ایک یا دو موضوعات پر احادیث و آثار جمع کرتے تھے۔مثلاً امام مالکؒ نے احکام ' امام ابن جریجؒ نے تفسیر ، امام عبد اللہ بن مبارکؒ نے زہد اور مواعظ ، امام کسائیؒ نے بدءُ الخلق میں کتابیں مرتب کیں____ امام بخاریؒ نے بہت سے علوم پر مبنی صحیح احادیث کو جمع فرمایا اس لیے صحیح بخاری کو " الجامع " کا نام دیا۔جس میں سِیَر، آداب ' تفسیر ، عقائد ، فتن ، احکام ، اشراط (علامات قیامت) اور مناقب جیسے موضوعات شامل ہوتے ہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں انتہائی دقیق استنباطات سے کام لیا ہے۔ایک حدیث کے کئی حصے کر کے الگ الگ مقام پر بیان فرمائے تاکہ ہر جگہ موقع کی مناسبت سے استنباط کیا جا سکے۔ صحیح بخاری سات ہزار تین سو

Marfat.com

ستانوے احادیث پر مشتمل ہے جن میں سے ایک ہزار تین سو اکتالیس روایات معلق ہیں اور تین سو بیالیس متابعات ہیں۔یہ کتاب تین ہزار چار سو پچاس ابواب پر منقسم ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں رُواۃِ حدیث میں سے صرف طبقہ اُولی کی روایات لی ہیں___ یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث کے ہاں صحیح بخاری کو صحاح مجرّدہ میں شمار کیا جاتا ہے اور صحیح بخاری کے ہر ایک راوی کی صحت اور ثقاہت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ' نے صحیح بخاری کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ جب سے یہ کتاب مدون ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر آج تک ہر دَور میں اور عالمِ اسلام کے ہر حصّہ میں پورے تسلسل کے ساتھ اس کتاب سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔حدیث کے ادب میں "صحیح بخاری" کو جو مقام حاصل ہے۔یہ مقام حدیث کے کسی اور مصدر کو حاصل نہ ہو سکا۔

امام مسلم بن حجّاج قشیریؒ (م ۲۶۱ھ)

آپ کا نام مسلم اور والد کا نام حجاج ہے۔سلسلۂ نسب یوں ہے:

"مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری۔"

آپؒ کی کنیت ابو الحسین اور لقب عساکر الدین ہے۔آپؒ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو قشیر سے تھا۔ اس لیے "قُشیری" کہلاتے ہیں___ امام مسلمؒ تیسری صدی ہجری کے اوائل ۲۰۶ھ میں خراسان کے مشہور شہر "نیشاپور" میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش اُس دَور میں ہوئی جب نیشاپور میں علم و عرفان کے مراکز عروج پر تھے۔امام مسلمؒ نے اپنے دَور کے ممتاز اور کبار اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا۔"رے" کے محدّثین میں سے محمد بن مہران حمالؒ اور ابو غسانؒ سے آپ نے سماعِ حدیث کی۔

- عراق میں امام احمد بن حنبلؒ اور ابو عبد اللہ القعنبیؒ
- حجاز میں امام سعید بن منصورؒ اور امام ابو مصعبؒ
- مصر میں عمرو بن سوادؒ اور امام شافعیؒ کے ممتاز شاگرد حرملہ بن یحییٰؒ سے استفادہ کیا۔

آپ کے اساتذہ کے تذکرہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے طلبِ علم کے لیے بہت سفر کیے اور ان سفروں کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔چناں چہ ۲۵۹ھ میں بغداد کا سفر آپ کا آخری سفر تھا اور اس کے بعد موت نے آپ کو مہلت نہیں دی۔بغداد میں یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوریؒ، امام قتیبہ بن سعیدؒ، امام ابراہیم بن منذرؒ، امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ، امام عثمان بن ابی شیبہؒ اور امام بخاریؒ جیسے ماہرینِ فنِ حدیث سے آپ نے استفادہ کیا۔(۴۳)

امام مسلمؒ اپنے دَور کے کبارِ محدّثین میں شمار ہوتے ہیں۔آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔البتہ جنہیں زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام ابو حاتم رازیؒ
- امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ
- امام ابو عمرو مستملیؒ
- امام موسیٰ بن ہارونؒ
- امام ابراہیم بن ابی طالبؒ
- امام یحییٰ بن صاعدؒ

Marfat.com

- امام ابو محمد احمد بن علی قلانسیؒ
- امام ابراہیم بن محمد بن سفیانؒ اور
- امام ابو عوانہ اسفرائینیؒ وغیرہ (۳۴)

امام مسلمؒ نے حدیث اور فنِ حدیث کی اتنی خدمت اور اس قدر خدمت کی کہ اس فن کے امام بن گئے۔ آپ کا شمار فنِ حدیث کے ماہرین اور ناقدین میں ہوتا ہے۔ امام ابو زرعہ رازیؒ اور امام ابو حاتمؒ جیسے علمائے حدیث نے آپ کی امامت کی گواہی دی ہے اور آپ کو محدثین کا پیشوا اور مقتدا تسلیم کیا ہے ـــــ بلاشبہ امام مسلمؒ فنِ حدیث کے نہایت بلند پایہ عالم تھے۔ حدیث صحیح اور سقیم کی پہچان میں آپ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے حتیٰ کہ بعض امور میں آپ کی فوقیت امام بخاریؒ پر بھی مسلّم ہے۔

امام مسلمؒ نے جہاں درس و تدریس کے ذریعہ حدیث کے ادب کی ترویج کے لیے خدمات انجام دیں۔ وہاں تالیف و تدوین کے ذریعہ بھی حدیث کی نمایاں خدمت کی۔ آپ کی تالیفات کی فہرست درج ذیل ہے:

- الجامع الصحیح
- المسند الکبیر
- کتاب الاسماء والکنیٰ
- کتاب العلل
- کتاب التمییز
- کتاب الوحدان
- کتاب الافراد
- کتاب الأقران
- کتاب سوالاتہ لاحمد بن حنبل
- کتاب حدیث عمرو بن شعیب
- کتاب الانتفاع باھب السباع
- کتاب مشائخ مالک
- کتاب مشائخ الثوری
- کتاب مشائخ شعبہ
- کتاب المخضرمین
- کتاب أولاد الصحابۃ
- کتاب أوھام المحدثین
- کتاب الطبقات
- کتاب افراد الشامیین
- رواۃ الإعتبار (۳۵)

مذکورہ بالا کتب میں سے جس کتاب کی وجہ سے امام مُسلم کو شہرت حاصل ہوئی۔ وہ آپ کی مرتب کردہ کتاب "الجامع الصحیح" ہے۔ کتبِ ستّہ میں "صحیح بخاری" کے بعد "صحیح مسلم" کا مرتبہ ہے۔ بلکہ بعض علماء حدیث کے نزدیک "صحیح مسلم" کی افادیت "صحیح بخاری" سے بھی زیادہ ہے۔

ابو علی الحسین نیشاپوریؒ کا کہنا ہے:

((ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم)) (۳۶)

"دُنیا میں امام مُسلمؒ کی کتاب سے زیادہ صحت کے لحاظ سے بلند مرتبہ کوئی دوسری کتاب نہیں۔"

امام ابن حزمؒ اور بعض دوسرے شیوخ بھی "صحیح مسلم" کو "صحیح بخاری" پر فوقیت دیتے ہیں۔ البتہ جمہور علمائے حدیث

Marfat.com

کے نزدیک "صحیح بخاری" کو "صحیح مسلم" پر کئی فنّی وجوہ کی بناء پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔

"صحیح مسلم" کی بہت ساری خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کی دیگر تالیفات سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔

- اس کی ایک اہم خصوصیت اس کے آغاز میں تفصیلی مقدمہ ہے۔
- امام مسلمؒ نے اس مقدمہ میں علوم الحدیث سے متعلق بہت اہم جوانب پر بحث کی ہے۔
- آپ نے رُواۃِ حدیث کے تین طبقات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان میں سے پہلے دو طبقات کی روایات آپ درج کریں گے اور تیسرے طبقہ کی روایات سے تعرض نہیں کریں گے۔
- امام مُسلمؒ نے اپنے اس منہج کے مطابق پہلے طبقہ کی روایات براہِ راست لی ہیں اور دوسرے طبقہ کی روایات صرف ان مواقع پر لی ہیں جہاں پہلے طبقہ کی روایات دستیاب نہ ہوں_ بعض مرتبہ آپ نے دوسرے طبقہ کی روایات محض متابعت اور شواہد کے طور پر درج کی ہیں۔
- "صحیح مسلم" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلمؒ ہر حدیث کو باب کی نہایت مناسبت کے ساتھ درج کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث کے مختلف طرق کی نشان دہی کرتے ہیں۔اسانید کی تشریح اور رُواۃ کے خاص خاص الفاظ کی طرف بھی اشارہ کرتے جاتے ہیں۔اس لیے "صحیح مسلم" میں حسن ترتیب کے ساتھ احادیث کی تحقیق اور تلاش میں نہایت سہولت رہتی ہے۔
- اکثر روایات میں رُواۃ کے الفاظ متنِ حدیث کے بعض حروف اور رُواۃ کے اوصاف اور نام و نسب میں اختلاف ہو جاتا ہے اس لیے امام صاحب نہایت احتیاط کے ساتھ ہر ایک کی تفصیل ذکر کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم حدیث کے ادب میں بہت اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔شروع سے لے کر آج تک پورے تسلسل کے ساتھ حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں متداول اور رائج ہے۔

امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)

آپؒ کا نام احمدؒ ہے۔کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔پورا نسب نامہ یوں ہے:

" احمدؒ بن علی بن شعیب بن علی بن سنانؒ" ____ خراسان کا علاقہ ہمیشہ سے علم و فن اور اہل کمال کا مرکز رہا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے ہزاروں نامور فضلاء اس کی خاک سے اُٹھے ہیں۔امام نسائیؒ بھی اس سرزمین کے ایک مایۂ ناز فرزند ہیں۔"نسا" خراسان کا ایک شہر ہے جو مرو کے قریب واقع ہے اس شہر کو امام نسائی کے مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کی طرف منسوب ہو کر آپ نسائی کہلاتے ہیں۔

امام ابن خلکانؒ لکھتے ہیں:

((نِسبتُہ إلی نساء بفتحِ النون وفتحِ السین المهملة وبعده، همزة، وهی مدینة بخراسان، خرج منها جماعة من الاعیان)) (۳۷)

Marfat.com

"آپ کی نسبت نساء کی طرف ہے جس کے نون اور سین دونوں مفتوح ہیں اور اس کے بعد ہمزہ واقع ہے۔
یہ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے جہاں سے بہت سے اربابِ فن پیدا ہوئے۔"

امام نسائیؒ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔اپنے بارے میں آپ خود کہتے ہیں:

((یشتبہ ان یکون مولدی فی سنة ۲۱۵)) "اندازہ ہے کہ میری پیدائش ۲۱۵ھ میں ہوئی" [۳۸]

امام نسائیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس وقت علم حدیث کے لیے گھر بار چھوڑنا اور دُور دراز کے ممالک کا سفر کرنا علماء کا شعار بن چکا تھا۔ آج اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ محدثین کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی تلاش میں ملکوں ملکوں پھرنا، سینکڑوں میل پاپیادہ طے کر لینا، سمندروں کا پار کرنا اُس دور کے علماء کے نزدیک معمول کی بات تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے طلبِ علم کے لیے رحلت کا یہ ضابطہ بیان کیا ہے:

((وصفة الرحلة بحيث يبتدء بحديث أهل بلده فيَسْتوعبَه، ثُمّ يرحل فيحصل فى الرحلة ما ليس عنده))

"رحلت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے شہر کے اساتذہ اور شیوخ کی حدیثوں سے ابتداء کرے اور جب وہ پورے طور سے حاصل کر چکے تو پھر اور شہروں کا سفر کرے اور اس سفر میں ان روایات کو حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہوں۔"

اسی ضابطہ کے مطابق امام نسائیؒ اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد ۲۳۰ھ میں سب سے پہلے امام قتیبہ بن سعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

((رحل إلى قتيبة وله خمس عشرة، فقال: اقمتُ عنده سنة وشهرين)) [۳۹]

"سب سے پہلے امام قتیبہ بن سعیدؒ کی خدمت میں سفر کر کے گئے جب عمر پندرہ سال کی تھی اور ان کے پاس ایک سال دو ماہ قیام کیا۔"

علمِ حدیث کی تاریخ میں تیسری صدی ہجری کا زمانہ بڑی اہمیت اور خاص امتیاز رکھتا ہے۔اس زمانہ میں ہر گھر میں علمِ حدیث کا چرچا تھا اور اسلامی ملکوں کا ہر بڑا شہر اس کا مرکز تھا۔اس دور سے زیادہ بڑے محدثین اور کسی دور میں بھی پیدا نہیں ہوئے۔امام نسائیؒ بھی اس دورِ کمال میں پیدا ہوئے تھے۔اس لیے قدرتی طور پر ان کی توجہ کا مرکز علم حدیث ہی قرار پایا اور اس میں ان کو جو مہارت اور کمال حاصل ہوا وہ ان کے دوسرے معاصرین کے حصہ میں نہیں آیا۔

امام دار قطنیؒ کا بیان ہے:

"امام نسائیؒ اپنے دور کے تمام علماء حدیث میں یکتا اور سب سے افضل و برتر تھے۔"

Marfat.com

امام نسائیؒ کے شیوخ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:
((سمع من خلائق لا یحصون)) "آپ کے معروف و مشہور اساتذہ کی فہرست میں امام اسحاق بن راہویہؒ، امام محمد بن بشارؒ اور امام ابو داؤد سجستانیؒ شامل ہیں۔(۴۰)

امام نسائیؒ کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔آپ سے استفادہ کرنے کے لیے حدیث کے طلبہ دُور دراز کے علاقوں سے آتے تھے۔امام نسائیؒ کے صاحب زادہ عبد الکریم ابو بکر بن احمدؒ۔

- امام محمد بن اسحاق ابن السنیؒ (م ۳۶۳ھ)
- امام ابو علی کنانیؒ (م ۳۵۷ھ)
- امام ابوالحسن محمد بن عبد اللہ بن زکریا بن حیویہؒ
- امام محمد بن معاویہ بن الاحمرؒ
- امام محمد بن قاسم الاندلسیؒ (م ۳۲۸ھ)
- امام علی بن جعفر طحاویؒ
- امام احمد بن محمد بن مہندسؒ (۴۱)

ان حضرات نے امام نسائیؒ کی کتاب "السنن" کی روایت بھی کی ہے۔ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں امام ابو بشیر دولابیؒ اور امام ابو جعفر طحاویؒ بھی شامل ہیں۔

امام نسائیؒ نے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا۔آپ کی جن تالیفات کے نام معلوم ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- السنن الکبریٰ
- السنن الصغریٰ (المجتبیٰ)
- خصائص علی
- مسند علی
- مسند مالک
- کتاب الکُنیٰ
- عمل الیوم واللیلۃ
- اسماء الرواۃ والتمییز بینھم
- الضعفاء والمتروکین (فی رواۃ الحدیث)

مذکورہ بالا تالیفات میں سے جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔وہ آپ کی "السنن" ہے۔سنن کے نام سے امام نسائی کی دو کتابیں ہیں۔ایک "السنن الکبریٰ" اور دوسری "السنن الصغریٰ"۔سنن صغریٰ دراصل سنن کبریٰ سے انتخاب ہے اور کتب ستہ میں شامل ہے۔امام نسائیؒ اس ضمن میں خود بتاتے ہیں:

((کتاب السنن ای الکبریٰ کلہ صحیح وبعضہ معلول الا انہ بیّنہ، والمنتخب المسمّیٰ بالمجتبیٰ صحیح))

"سنن کبریٰ کی بیشتر روایات صحیح ہیں ہاں جو روایات کم زور اور معلول ہیں ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔سنن کبریٰ کی روایات میں سے صحیح روایات کا انتخاب کر کے جو کتاب مرتب کی گئی ہے اس کا نام "المجتبیٰ" ہے اور اس کی ساری روایات صحیح ہیں۔"

Marfat.com

امام نسائیؒ زمانہ کے لحاظ سے کتبِ ستہ کے مؤلفین میں سب سے مؤخر ہیں اور امام بخاریؒ کی شخصیت سے زیادہ متاثر ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے اسلوب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور عللِ حدیث کے پہلو کا اضافہ کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ حسن ترتیب اور جودتِ تالیف میں بھی امام نسائی کی کتاب ممتاز ہے۔حافظ ابو عبداللہ ابن رُشدؒ (م ۷۱۲ھ) کہتے ہیں:

((انہ من ابدع الکتب المصنفۃ فی السنن تصنیفاً، واحسنھا ترصیفاً وھو جامع بین طریق البخاری ومسلم مع حظّ کثیر فی بیان العلل)) (۴۲)

"سنن میں جتنی کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان سب میں یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے لحاظ سے بہترین ہے اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کے اسلوب کی جامع ہے۔نیز علل حدیث کے ایک خاص حصہ کا بیان بھی اس میں آگیا ہے۔"

جس طرح امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی تدوین میں تراجم ابواب باندھنے میں بہت محنت اور کاوش سے کام لیا ہے اسی طرح امام نسائیؒ نے بھی اپنی سنن میں تراجم ابواب کا بہت اہتمام کیا ہے۔سنن کے تراجم ابواب امام نسائیؒ کے تفقہ اور دقتِ نظر کا واضح ثبوت ہیں۔اس لیے امام نسائی کے بارے میں امام ابن یونسؒ کا قول ہے:

((کان إماماً، ثقۃ، ثبتاً، حافظاً، فقیھا)) (۴۳)

امام ابو داودؒ (م ۲۷۵ھ)

آپؒ کا نام سلیمانؒ، کنیت ابو داوٗد اور نسب نامہ یہ ہے:

"سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الأزدی السجستانیؒ"

امام ابو داوٗدؒ کے جدِّ اعلیٰ عمرانؒ تھے جن کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ:

"وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور اسی میں ان کی شہادت ہوئی۔"

امام ابو داوٗدؒ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔عرب کے مشہور قبیلہ "ازد" سے آپ کا نسبی تعلق ہے اس لیے آپ ازدی کہلاتے ہیں۔آپ کی مقامی نسبت سیستان (سجستان) کی طرف ہے۔امام ابن خلکانؒ نے سیستان کو بصرہ کا ایک گاؤں بتایا ہے۔لیکن اکثر مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ سجستان ہند کے پہلو میں سندھ اور ہرات کے درمیان کا مشہور علاقہ ہے۔جو مشائخ چشتیہ کا مرکز ہے اور جسے مشائخ چشتیہ کی وجہ سے بڑی برکت اور شہرت حاصل ہے۔علامہ تاج الدین سبکیؒ کے نزدیک بھی سجستان سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار کے قریب واقع ہے۔ (۴۴)

امام ابو داوٗدؒ نے اپنے دَور کے کبار اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا۔حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

((وشیوخہ فی السنن وغیرھا نحو من ثلاثمائۃ نفس)) (۴۵)

Marfat.com

"امام ابو داؤدؒ کے شیوخ کی تعداد تین سو(۳۰۰) کے قریب ہے۔"

ان میں:

- امام احمد بن حنبلؒ
- امام اسحاق بن راہویہؒ
- امام یحییٰ بن معینؒ
- امام ہشام بن عبد الملک طیالسیؒ
- امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ
- امام عثمان بن ابی شیبہؒ

جیسے فقہاء اور محدثین شامل ہیں۔ان کے علاوہ آپ کے مشاہیر اساتذہ کے نام یہ ہیں:

- امام ربیع بن نافع حلبیؒ
- امام حیوۃ بن شریحؒ
- امام خلف بن ہشام بغدادیؒ
- امام سعید بن سلیمان بزار واسطیؒ
- امام سعید بن منصورؒ
- امام سلیمان بن حربؒ
- امام سلیمان بن عبد الرحمان دمشقیؒ
- امام شجاع بن مخلدؒ
- امام صفوان بن صالح دمشقیؒ
- امام عبد اللہ بن رجاء بصریؒ
- امام عبد اللہ بن محمد نفیلی دمشقیؒ
- امام عمرو بن عون بزار واسطیؒ
- امام ابو رجاء قتیبہ بن سعیدؒ
- امام محمد بن بشارؒ
- امام محمد بن صباح بزار دولابیؒ
- امام محمد بن منہالؒ
- امام مسددؒ بن مسرھدؒ
- امام ہشام بن خالد ازرق دمشقیؒ
- امام مسلم بن ابراہیمؒ اور
- امام ابو محمد وھب بن بقیہؒ وغیرہ

امام ابو داؤدؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے ان میں سے جنہیں زیادہ شہرت ملی ان کے نام یہ ہیں:

- امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ
- امام نسائیؒ
- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بصریؒ
- امام ابو بکر احمد بن سلیمانؒ
- امام اسماعیل بن محمد صفارؒ
- امام یعقوب بن اسحاق اسفرائینیؒ
- امام حرب بن اسماعیل کرمانیؒ
- امام زکریا ساجیؒ
- امام ابو بکر احمد بن محمد خلالؒ اور
- امام احمد بن محمد بن یاسین ہرویؒ

آپ کے خصوصی تلامذہ میں آپ کے بیٹے سمیت جو زیادہ معروف ہیں اُن کے نام درج ذیل ہیں:

- امام ابو بکر بن ابو داؤدؒ
- امام لوکویؒ، ابو علی محمد بن احمر بن عمرو لوکوی
- امام ابن الاعرابیؒ (حافظ ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد المعروف بابن الاعرابی)
- امام ابن داسہؒ (امام ابو بکر محمد بن عبد الرزاق بن داسہ) (۴۶)

Marfat.com

امام ابو داؤدؒ کے اتقان اور حفظ و ضبط پر تمام علماء حدیث کا اتفاق ہے امام محمد بن یاسین ہروی فرماتے ہیں:
امام ابو داؤدؒ کا شمار مشہور حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔
اسی طرح امام ابو حاتمؒ کا بیان ہے کہ:
"امام ابو داؤد حفظ کے اعتبار سے دنیا کے اماموں میں ایک امام تھے۔"

امام ابو داؤدؒ اس دور میں پیدا ہوئے جب عالم اسلام نامور محدثین سے معمور تھی۔ اس دور میں امام ابوداؤدؒ نے علم حدیث میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ائمہ حدیث کی صف میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہوئی۔ علماء حدیث نے ان کی اس جلالت اور عظمت کا اعتراف کیا۔ امام ابراہیم حربیؒ کہتے ہیں:

((الین لابی داؤد الحدیث کما الین لداؤد الحدید)) (۴۷)

"امام ابو داؤدؒ کے لیے فن حدیث اس قدر آسان ہو گیا تھا جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم اور موم ہو جاتا تھا۔"

امام حاکمؒ نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ اپنے دور کے امام المحدثین تھے۔"

امام ابو داؤدؒ نے حدیث کے ادب کی ہر پہلو سے خدمت کی۔ آپ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف و تدوین کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی معروف تالیفات درج ذیل ہیں:

- کتاب السنن
- کتاب المراسیل
- کتاب الرد علی أھل القدر
- کتاب المسائل
- مسند مالک

آپ کو جس تالیف کی وجہ سے حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ آپ کی کتاب "السنن" ہے۔ "سنن" حدیث کی اُس کتاب کو کہا جاتا ہے جس کے مولف نے اُسے فقہی ترتیب کے مطابق مدوّن کیا ہو ــــ امام ابو داؤدؒ نے اپنی کتاب میں ائمہ فقہاء کے مستدلات کو جمع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی سنن جہاں علماء حدیث کے ہاں بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے وہاں فقہاء کے حلقوں میں بھی اس کتاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ سنن ابو داؤد میں موجود ہے اتنا بڑا ذخیرہ صحاح کے دوسرے مصادر میں نہیں پایا جاتا۔

امام ابو داؤدؒ کی جمع کردہ اکثر و بیشتر روایات، دورِ صحابہ، دورِ تابعین، دورِ تبع تابعین اور دورِ آخذین میں معمول بہا رہی ہیں۔ امام مالک، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ نے جن روایات سے استنباط کیا ہے وہ ساری روایات تقریباً سنن ابو داؤد میں آئی ہیں۔

سنن ابوداؤد میں مسانید اور مرفوع روایات کا بطورِ خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے پہلے پانچ لاکھ روایات جمع کی تھیں۔ پھر ان میں سے کل چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث کا انتخاب کیا۔ آپ نے

Marfat.com

اپنے اصول کے مطابق مراسیل روایات ان مواقع پر اخذ کی ہیں جہاں آپ کو مسانید روایات دستیاب نہیں تھیں ـــــ سنن ابو داؤد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دیگر مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں تکرار بہت کم ہے۔ روایت میں جامعیت اور استقصاء کے علاوہ کتاب حسن ترتیب کا عمدہ نمونہ ہے۔ امام ابو داؤدؒ نے ضرورت کے مطابق اسماء و کُنی کے علاوہ رُواۃ کے القاب کی وضاحت بھی کی ہے۔ امام ابو داؤدؒ نے جرح و تعدیل کے اصولوں کے مطابق روایات کے مراتب حسن و قبح اور صحت و سقم کو بھی واضح کیا ہے۔ سنن ابو داؤد حدیث کے لٹریچر میں بہت اہم اور وقیع حیثیت کی حامل ہے اور ہمیشہ متداول رہی ہے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ)

آپؒ کا نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ اور نسب نامہ یہ ہے:

"محمد بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، ترمذی، بوغی۔"

آپ کا تعلق معروف و مشہور قبیلہ بنو سلیم سے تھا۔ آپ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے ـــــ امام ترمذیؒ کا تعلق صنعانیان کے مشہور شہر "ترمذ" سے تھا۔ یہ شہر دریائے جیحون کے مشرقی کنارے بلخ کے محاذ میں کسی زمانہ میں بہت آباد اور بارونق تھا ـــــ آپ کی مقامی نسبت بوغی ہے۔ بوغ "ترمذ" سے چھ فرسخ کی مسافت پر ایک گاؤں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ بوغ کے گاؤں میں مدفون ہیں۔(۴۸) امام ترمذیؒ نے اپنے دَور کے ممتاز اساتذہ اور محدثین سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

- امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ
- امام مسلم بن حجاج القشیریؒ
- امام علی بن حجر مروزیؒ
- امام ابراہیم بن عبد اللہ ہرویؒ
- امام اسماعیل بن موسیٰؒ
- امام سوید بن نصرؒ
- امام محمد بن عبد الملکؒ اور
- امام عبد اللہ بن معاویہ جُمحیؒ وغیرہ (۴۹)

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں جن کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

- امام ابو حامد احمد بن عبد اللہ مروزیؒ
- امام ہشیم بن کلیب الشامیؒ
- امام محمد بن محبوبؒ
- امام ابو العباس محبوبی مروزیؒ
- امام احمد بن یوسف نسفیؒ
- امام ابو الحارث اسد بن حمودویہؒ
- امام داؤد بن نصر بن سہل بزدویؒ
- امام عبد بن محمد بن محمود نسفیؒ
- امام محمد بن مکی بن نوحؒ
- امام جعفر محمد بن سفیان بن النظرؒ
- امام محمد بن المنذرؒ وغیرہ

امام ترمذیؒ کا شمار حدیث کے ممتاز ائمہ میں ہوتا ہے۔ احادیث کے ضبط کے سلسلے میں امام ترمذیؒ کو خاص مہارت تھی۔ امام بخاریؒ کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق رہا اور آپ نے امام بخاریؒ سے بہت زیادہ استفادہ کیا حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے آپ کو حدیث کے قابل اعتماد اعلام اور ائمہ فن میں شمار کیا ہے امام ترمذیؒ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تالیف و تدوین کے ذریعہ بھی حدیث کے ادب کی خدمت کی۔ آپ کی "سنن" "شمائل" اور "علل" ایسی تالیفات ہیں جن

Marfat.com

کی وجہ سے حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں آپ کو شہرت اور بے انتہاء پذیرائی ملی۔ یہ تینوں کتابیں اپنے اپنے موضوع کے حوالہ سے منفرد اور ممتاز ہیں لیکن ان میں سنن ترمذی کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقبولیت عطا فرمائی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :

" میں نے اس کتاب کو مدون کرنے کے بعد اسے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا۔
پھر علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بھی اسے تحسین کی نظر سے دیکھا۔" (۵۰)

حافظ ابن اثیر الجزریؒ لکھتے ہیں :

((هذا كتابه الصحيح أحسن الكتب واكثرها فائدة وأحسنها ترتيباً واقلها تكراراً وفيه ماليس في غيره)) (۵۱)

" یہ کتاب (سنن ترمذی) کتبِ ستہ میں سب سے زیادہ دل کش، سب سے زیادہ مفید اور ترتیب کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ اس میں تکرار بہت کم اور ایسی معلومات بہت زیادہ ہیں۔ جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔"

" سنن ترمذی " دیگر مصادرِ حدیث کی طرح محض اسناد اور متون تک محدود نہیں بلکہ اس میں حدیث سے متعلق بہت سارے علوم و فنون بھی جمع کیے گئے ہیں مثلاً :

" بیان سند، تصحیح حدیث، تعدیلِ رُواۃ، مبہم رُواۃ کی تصریح وصل اور قطع کی وضاحت، تاویل حدیث میں علماء کے اقوال کی تصریح، فقہی مسائل پر بحث، روایات میں تطبیق اور ناسخ و منسوخ احادیث کی وضاحت۔" (۵۲)

"سنن ترمذی" کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث کسی نہ کسی فقیہ کے ہاں معمول بہا ہیں اور ہر روایت کسی نہ کسی فقیہ یا امام کے نزدیک حجت اور قابلِ عمل ہے۔ امام ترمذیؒ نے تمام فقہاء کے بنیادی مستدلات کو جمع کیا ہے اور ہر ایک کے لیے الگ باب قائم کیا ہے ہر باب میں آپ نے فقہاء کے مسلک کو باالالتزام بیان کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کی بھی قابل قدر مصدر بن گئی ہے ___ امام ترمذیؒ جو بھی روایت لیتے ہیں اس کا درجہ اور حکم بھی بتاتے ہیں۔ روایت صحیح ہو تو اس کی صحت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ حسن ہو تو اس کی حیثیت واضح کرتے ہیں۔ سند کے اعتبار سے مشہور ہو، عزیز ہو یا غریب ہو___ اس کی حیثیت ذکر کرتے ہیں۔ ان وضاحتوں کی وجہ سے قاری کو حدیث کے داخلی اور خارجی ہر پہلو پر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

جو راوی کنیت یا نسبت کے ساتھ معروف ہو۔ امام ترمذیؒ ایسے راوی کی کنیت اور القاب وغیرہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ اگر رُواۃ کے ناموں اور کنیتوں میں اجمال ہو تو اُسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ وہاں حدیث کے متن میں وارد مشکل الفاظ اور کلمات کی وضاحت بھی کرتے ہیں "سنن ترمذی" سے استفادہ کرنا دیگر مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں اس لیے آسان ہے کہ اس میں فنی اعتبار سے تقریباً ہر پہلو کو امام ترمذیؒ نے واضح کر دیا ہے۔

Marfat.com

امام ابن ماجہ قزوینیؒ(۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ)

امام ابن خلکان نے امام ابن ماجہؒ کا نسب نامہ یوں بتایا ہے:

"ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی۔" (۵۳)

شاہ عبد العزیزؒ نے آپ کے دادا کا نام عبد اللہؒ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب ہے اس لیے آپ ابن ماجہ کہلاتے ہیں ــــــ امام ابن ماجہؒ کی پیدائش "قزوین" میں ہوئی۔ قزوین ایران کا مشہور شہر ہے۔اس کو امام ابن ماجہؒ کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (۵۴)

علامہ حمویؒ نے "معجم البلدان" میں قزوین پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اس کے مناقب میں روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے ــــــ امام ابن ماجہؒ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے یہ وہ دَور تھا جب قزوین میں علمی مراکز کی بہتات تھی۔جن شیوخ کے حلقہ ہائے درس کو بہت شہرت اور اہمیت حاصل تھی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام علی بن محمد ابو الحسن طنافسیؒ (م۔۲۳۳ھ)
- امام عمرو بن رافع ابو حجر بجلیؒ (م۔۲۳۷ھ)
- امام اسماعیل بن ابو سہل قزوینیؒ (م۔۲۴۷ھ)
- امام ہارون بن موسیٰ تمیمیؒ (م۔۲۴۸ھ)
- امام محمد بن ابی خالد ابو بکر قزوینیؒ(م۔۲۴۸ھ)

امام ابن ماجہؒ نے ان مشائخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ان کے علاوہ آپ نے مختلف بلادو امصار کا سفر کیا۔امام ابن خلکانؒ لکھتے ہیں:

((ارتحل إلى العراق والبصرة والكوفة وبغداد ومكة والشام ومصر، والري لكتب الحديث)) (۵۵)

"علم حدیث کی تلاش و جستجو میں امام ابن ماجہ نے عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، حجاز، شام، مصر اور رے کا سفر کیا۔"

حافظ ابو القاسم علی بن حسنؒ(م۔۵۷۱ھ) نے ائمہ ستہ کے شیوخ پر ایک مستقل کتاب مرتب کی ہے جن میں امام ابن ماجہؒ کے شیوخ کا بھی ذکر کیا ہے۔ان میں سے چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں:

- امام ابراہیم بن منذر حزامیؒ (م۔۲۳۶)
- امام ہشام بن عمارؒ (م۔۲۴۵)
- امام عبد اللہ بن معاویہؒ (م۔۲۲۳ھ)
- امام داؤد بن رشیدؒ (م۔۲۹۱ھ)
- امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م۔۲۳۵)
- امام جبارہ بن المغلسؒ (م۔۲۴۱ھ)
- امام محمد بن رمحؒ (م۔۲۴۲ھ)
- امام محمد بن عبد اللہ بن نمیرؒ (م۔۲۳۴ھ)

Marfat.com

امام ابن ماجہؒ کا شمار اپنے دَور کے معروف و مشہور محدثین میں تھا اس لیے بے شمار طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ کے جن تلامذہ کو شہرت حاصل ہوئی ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

- امام ابراہیم بن دینارؒ
- امام احمد بن ابراہیم قزوینیؒ
- امام ابو الطیّب احمد بن روح شعرانیؒ
- امام احمد بن محمد مدنیؒ
- امام اسحاق بن محمد قزوینیؒ
- امام جعفر بن ادریسؒ
- امام سلیمان بن یزید قزوینیؒ
- امام محمد بن علی صفّارؒ
- امام ابو الحسن القطانؒ اور
- امام اسحاق بن محمدؒ وغیرہ (۵۶)

امام ابن ماجہؒ کی جلالتِ شان، علمی مقام اور علم حدیث کے لیے آپ کی خدمات کا اعتراف علماء نے بہت عمدہ الفاظ کے ساتھ کیا ہے ــــــ امام ابن خلکانؒ لکھتے ہیں:

((کان إماماً فی الحدیث، عارفاً بعلومه وجمیع ما یتعلق به)) (۵۷)

"آپ ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ علم حدیث کے تمام انواع و اقسام پر آپ کو دسترس حاصل تھی۔"

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں:

((قد کان ابن ماجه حافظا صدوقا واسع العلم)) (۵۸)

"امام ابن ماجہؒ حافظ تھے۔ ثقہ تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔"

امام ابن ماجہؒ نے تفسیر، تاریخ اور حدیث تینوں موضوعات پر گراں قدر علمی کام کیا ــــــ امام ابن خلکانؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کی تفسیر اور تاریخ کی بہت تعریف کی ہے۔ لیکن تاریخ اور تفسیر پر آپ کا جمع کردہ سرمایہ احوال و ظروف کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا جب کہ "سنن" طلبہ اور علماء کے ہاں متداول اور رائج رہی۔

"سنن ابن ماجہ" کی اہمیت اور افادیت پر علماء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

((وکتابه فی السنن جامع جیّد)) (۵۹)

"امام ابن ماجہ کی کتاب سنن میں ایک عمدہ جامع ہے۔"

امام ابن ماجہؒ کہتے ہیں:

((عرضتُ هذه السنن علی أبی زرعة فنظر فیه وقال: أظنّ إن وقع هذا فی أیدی الناس تعطلت هذه الجوامع وأکثرها)) (۶۰)

Marfat.com

" میں نے اپنی کتاب امام ابو زرعہ رازیؒ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ' تو حدیث کی بہت ساری جوامع اور مصنفات کا مطالعہ لوگ چھوڑ دیں گے۔"

مقصد یہ ہے کہ لوگ دیگر کتابوں سے مستغنی ہو جائیں گے۔

سنن ابن ماجہ کی روایات پر علماء نے اعتماد کیا ہے اور انہیں قابل استدلال سمجھا ہے امام ابو القاسم رافعیؒ (م۔۶۲۳ھ) کہتے ہیں:

" حفاظ حدیث سنن ابن ماجہ کو صحیحین ' سنن ابو داؤد اور سنن نسائی کے برابر سمجھتے ہیں اور اس کی روایات سے سند لاتے ہیں۔"

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

((کلها جیاد سوی الیسیرة)) سنن ابن ماجہ کی ساری روایات عمدہ ہیں سوائے چند کے ____ سنن ابن ماجہ کو سب سے پہلے حافظ ابو طاہر مقدسیؒ (م۵۰۷ھ) نے اساسی مصادرِ حدیث میں داخل کیا ہے اور علماء رجال میں سب سے پہلے حافظ عبدالغنی مقدسیؒ (م۔۶۰۰ھ) نے الکمال میں حافظ ابو طاہر کی موافقت کرتے ہوئے کتبِ خمسہ کے بعد اس کو چھٹی کتاب قرار دیا ہے۔ متاخرین نے انہی کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کو کتبِ ستہ میں شمار کرنے کی وجہ اس کی افادیت ہے۔ اس میں بہت سی ایسی احادیث آئی ہیں جو دیگر مصادرِ حدیث میں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے شروع ہی سے اس کی وقعت اور اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے۔

مذکورہ چھ مؤلفین کی مرتب کردہ کتابوں کے مجموعہ کو "کتب ستہ"، "اصول ستہ" یا "صحاح ستہ" کہتے ہیں۔ یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں۔ کتبِ ستہ کی تالیف وتدوین سے تشریع اسلامی کے مصدرِ ثانی سنت کی تدوینی ضرورت مکمل ہوئی ورنہ اس سے پہلے سنت کا وافر ذخیرہ ہزاروں محدثین کے سینوں اور صحائف واجزء میں منتشر طور پر محفوظ تھا اور بلادِ اسلامیہ کے مختلف اطراف میں علماء حدیث پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے روایات کے حصول اور تحقیق کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑتا تھا اور سخت سے سخت سفر کے مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے لیکن ان محدثین نے خود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اور طرح طرح کے مصائب جھیل کر سنت کے وافر خزانہ کو یک جا کر دیا اور اپنے تبحر علمی، جانفشانی اور اپنے شیوخ کی کمال شفقتوں اور تائید خداوندی سے اصولِ روایت ودرایت کو ملحوظ رکھ کر تمام غیر صحیح اور سقیم روایات کو چھانٹ کر صحیح روایات کو اپنی اپنی تالیفات میں محفوظ کر لیا۔ اس طرح سنت کی حفاظت و صیانت کے لیے اللہ جل شانہ نے بہترین انتظام فرما دیا۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) (اعلام الموقعین / منہاج السنۃ للامام ابن تیمیہ، ج:۴، ص:۱۵۷)
(۲) مناقب الإمام أبي حنیفہ۔ج:۲، ص:۲۴
(۳) مقدمۃ اوجز المسالک۔ص:۶۸
(۴) تبییض الصحیفۃ لِلإمام السیوطی۔ص: ۳۵
(۵) ایضاً
(۶) ایضاً
(۷) ایضاً
(۸) ایضاً
(۹) ایضاً، ص:۳۶
(۱۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ تعجیل المنفعۃ للامام ابن حجر العسقلانی
(۱۱) معجم البلدان لِلإمام الحموی، ج:۱۔ص:۴۰۳
(۱۲) تہذیب التھذیب۔ج:۶، ص:۲۳۶
(۱۳) تذکرۃ الحفاظ۔ج:۱۔ص:۱۶۸
(۱۴) وفیات الأعیان۔ج:۱، ص:۲۷۵
(۱۵) تذکرۃ الحفاظ۔ج:۱۔ص:۱۶۹
(۱۶) تذکرۃ الحفاظ۔ج:۱۔ص: ۱۷۲
(۱۷) تذکرۃ الحفاظ۔ج:۱۔ص:۱۷۲
(۱۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ شرح زرقانی للامام محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی (م: ۱۱۲۲ھ)
(۱۹) ایضاً
(۲۰) طبقات ابن سعد، ص:۷، ص:۳۶
(۲۱) شذرات لِلإمام ابن عماد۔ج:۱، ص:۲۴۳
(۲۲) نزھۃ الخواطر۔تذکرۂ امام ربیع بن صبیح
(۲۳) صفۃ الصفوۃ۔ج: ۴، ص:۳۰۹
(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: الرحمۃ الغیثیۃ فی ترجمۃ اللیثیۃ۔للامام ابن حجر عسقلانیؒ
(۲۵) یہ ساری معلومات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مرتب کردہ رسالہ الرحمۃ الغیثیۃ سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

(۲۶) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔ ج:۱۔ ص:۱۰۰

(۲۷) حیات الشافعی از استاذ ابو زُہرہ۔ ص: ۲۴۲

(۲۸) وفیات الاعیان۔ ج: ۳۔ ص:۳۵

(۲۹) یہ ساری معلومات مقدمہ المصنف للامام عبد الرزاق سے ماخوذ ہیں۔

(۳۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمۃ فتح الباری۔ ص: ۴۸۰

(۳۱) ایضاً

(۳۲) یہ معلومات فتح الباری کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔

(۳۳) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام مسلم

(۳۴) ایضاً

(۳۵) مقدمۃ فتح الملہم۔ ص:۱۰۰

(۳۶) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۲، ص: ۱۶۵

(۳۷) وفیات الاعیان۔ ج: ۱، ص:۶۶

(۳۸) تہذیب التہذیب، ج: ۹۔ ص: ۳۸

(۳۹) تذکرۃ الحفاظ، ج: ۲، ص:۵۴

(۴۰) تہذیب التہذیب۔ ج:۱، ص:۳۷

(۴۱) ایضاً

(۴۲) مقدمہ زہر الربی للامام السیوطی

(۴۳) وفیات الاعیان۔ ج:۱، ص:۵۹

(۴۴) معجم البلدان۔ ج:۵، ص:۳۷

(۴۵) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۲۔ ص:۱۵۴

(۴۶) ایضاً

(۴۷) وفیات الاعیان۔ ج:۲، ص:۱۳۹

(۴۸) معجم البلدان۔ ج:۲۔ ص:۳۸۲

(۴۹) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۲۔ ص:۲۰۷

(۵۰) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۲۔ ص:۲۰۸

(۵۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمۃ جامع الاصول للامام ابن اثیر الجزری

(۵۲) بستان المحدثین۔ ص:۱۲۰

(۵۳) وفیات الاعیان۔ ج:۲۔ ص:۳۰۸

(۵۴) بستان المحدثین۔ ص:۱۱۴

Marfat.com

(۵۵) وفیات الاعیان، ج:۲، ص:۳۰۸

(۵۶) تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۵۳۱

(۵۷) وفیات الأعیان۔ج:۲، ص:۳۰۸

(۵۸) سیر أعلام النبلاء لِلامام الذھبی

(۵۹) تہذیب التہذیب۔ج:۹۔ص:۵۳۱

(۶۰) بستان المحدثین۔ص:۱۲۲

(۶۱) البدایۃ والنہایۃ۔ج:۱۱، ص:۵۵

Marfat.com

چوتھا باب

حدیث کا تیسرا دور (۲)

تیسری صدی ہجری میں حدیث کے معروف و مشہور اور باکمال شیوخ اور اساتذہ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حدیث کی اشاعت، رواۃ حدیث کی تاریخ اور علل کی معرفت میں نمایاں خدمات سر انجام دیں اور حدیث کی تدوین کے کام کو نیا اسلوب اور نیا رخ عطا کیا۔ یہاں اس دور کے چند مشہور علمائے حدیث کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تا کہ اس دور میں علم حدیث کی ترویج و تطویر کے حوالے سے مزید وضاحت ہو سکے۔

علی بن المدینیؒ (م۔ ۲۳۴ھ)

آپ کا نام علی ہے، والد کا نام عبداللہ بن جعفرؒ ہے۔ اکثر علی بن المدینی اور کبھی ابن المدینی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حدیث کے نہایت مشہور اور ممتاز امام ہیں۔ امام احمد بن محمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ جو اپنے دور کے بلند پایہ محدّث ہونے کے علاوہ بہت بڑے ناقدین رجال میں سے تھے۔ یہ دونوں امام علی بن المدینیؒ کے ہم عصر اور احباب میں سے تھے۔ علی بن المدینیؒ بھی محدّث ہونے کے علاوہ نقد رجال کے علم میں یکتائے روزگار شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں جو نہایت مستند اور معتبر تسلیم کی جاتی ہیں۔ بعد کے محدثین نے آپ کی کتابوں سے رہنمائی حاصل کی اور آپ کے علمی کمال کا اعتراف کیا۔ امام سفیان بن عیینہؒ جو علی بن المدینیؒ کے شیوخ میں سے ہیں کہتے ہیں: میں سچ کہتا ہوں اور برملا کہتا ہوں کہ علی بن المدینیؒ جتنا کچھ مجھ سے سیکھتے ہیں میں اس سے زیادہ ان سے سیکھتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی علی بن المدینیؒ کے اساتذہ میں داخل ہیں، ان سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔ امام بخاریؒ جو ابن المدینیؒ کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں: مجھے ابن المدینیؒ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی کم علمی کا احساس ہوتا ہے حالاں کہ یہ احساس مجھے کسی اور کی مجلس میں نہیں ہوتا"۔

امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ: علی بن المدینیؒ حدیث اور علل کی معرفت میں اونچے اور چوڑے پہاڑ کی طرح ہیں۔

امام ابن المدینیؒ نے حدیث کی ترویج کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو استعمال کیا، آپ نے حدیث کی تدریس بھی کی اور اس ضمن میں تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ امام حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ابن المدینیؒ کی درج ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ کتاب الاسامی والکنیٰ
۲۔ کتاب الضعفاء
۳۔ کتاب المدلسین
۴۔ کتاب اول من نظر فی الرجال وفحص عنھم
۵۔ کتاب الطبقات
۶۔ کتاب من روی عن رجل لم یرہ

Marfat.com

۷۔ کتاب علل المسند
۸۔ کتاب العلل لاسماعیل القاضی
۹۔ کتاب العلل لابن عیینہ
۱۰۔ کتاب من لا یحتج بحدیثہ
۱۱۔ کتاب الوہم والخطاء
۱۲۔ کتاب قبائل العرب
۱۳۔ کتاب من نزل من الصحابۃ سائر البلدان
۱۴۔ کتاب التاریخ
۱۵۔ کتاب العرض علی المحدّث
۱۶۔ کتاب من حدّث ثم رجع عنہ
۱۷۔ کتاب یحیی القطان و عبدالرحمان بن مہدی فی الرجال
۱۸۔ کتاب سوالات یحییٰ
۱۹۔ کتاب الثقات والمثبتین
۲۰۔ کتاب اختلاف الحدیث
۲۱۔ کتاب الاشربہ
۲۲۔ کتاب غریب الحدیث
۲۳۔ کتاب الاخوۃ والاخوات
۲۴۔ کتاب من یعرف باللقب
۲۵۔ کتاب مذاہب المحدّثین

امام حاکمؒ نے ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے ابن المدینیؒ کی کتابوں کی یہ مختصر فہرست پیش کی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابن المدینیؒ نے سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی ان تالیفات سے آپ کے تبحرِ علمی اور فضل و کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ (۱)

یحییٰ بن معینؒ (م۔۲۳۳ھ)

یحییٰ بن معینؒ تیسری صدی ہجری کے ان چار بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں جن پر حدیث کی امامت ختم ہو گئی۔ وہ چار ائمہ یہ ہیں:

- امام احمد بن حنبلؒ
- امام یحییٰ بن معینؒ
- امام علی بن المدینیؒ اور
- امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ

امام ابن معینؒ نے حدیث میں:

- عبداللہ بن مبارکؒ
- سفیان بن عیینہؒ
- عبدالرحمان بن مہدیؒ
- ہشیمؒ

وکیع اور ان کے علاوہ دیگر محدّثین سے استفادہ کیا۔

آپ کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:

- امام ابو زرعہ رازیؒ
- امام ابو حاتمؒ
- امام بخاریؒ
- امام مسلمؒ
- امام ابوداؤد سجستانیؒ

Marfat.com

امام ابن معینؒ کی امانت، دیانت اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہے۔ جرح و تعدیل کے فن میں اور وضّاعین حدیث کے احوال کو ظاہر کرنے کے فن میں آپ کو خصوصیت کا درجہ حاصل تھا۔ حدیث میں تثبّت آپ کا جوہر تھا۔ محدّثین کا بیان ہے کہ ایک دن ابن معینؒ قبلہ رخ ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے: اے اللہ! میں نے جس شخص کے متعلق کلام کیا ہے اگر وہ میرے نزدیک کذّاب ثابت نہ ہو تو میری مغفرت نہ فرما۔ امام احمدؒ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معینؒ سے حدیث کی سماعت کرنے سے دلوں کی کدورت اور بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن معینؒ کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے، وہ حدیث سے کذّابین کے کذب کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس حدیث کو یحییٰ بن معینؒ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معینؒ جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا ہے۔ امام حاکم نیشاپوریؒ نے معرفۃ علوم الحدیث میں یحییٰ بن معینؒ کو فقہائے محدّثین میں شمار کیا ہے۔ امام ابن معینؒ کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۲۳۳ھ میں واقع ہوئی۔ بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔(۲)

ابو بکر بن ابی شیبہؒ (م-۲۳۵ھ)

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابو بکر ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام محمد بن ابی شیبہؒ تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں:

- ابو الاحوصؒ
- عبداللہ بن المبارکؒ
- شریکؒ
- ہشیمؒ
- جریر بن عبدالحمیدؒ
- وکیع بن الجراحؒ
- ابن علیہؒ
- عبدالرحمان بن مھدیؒ
- یحییٰ بن سعید القطانؒ
- سفیان ابن عیینہؒ اور
- زید بن ہارون

آپ کے مشہور شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام بخاریؒ
- امام مسلمؒ
- امام ابو داؤدؒ
- امام ابن ماجہ قزوینیؒ
- امام احمد بن حنبلؒ
- محمد ابن سعدؒ
- امام رازیؒ
- امام ابو حاتمؒ
- عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ
- ابراہیم حربی اور ابوشیبہ ابراہیمؒ

امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ ثقہ اور حدیث کے حافظ تھے۔ آپ کے فضل و کمال اور حفظ کا اعتراف علماء کی بہت بڑی تعداد نے کیا ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ کہتے ہیں: علم چار علماء کے پاس رہا اور انہی پر ختم ہو گیا۔ ان میں ابو بکر بن ابی شیبہؒ سب سے زیادہ احادیث کے حافظ تھے۔ امام احمدؒ سب سے زیادہ فقیہہ تھے۔ یحییٰ بن معینؒ سب سے زیادہ حدیث کے جامع تھے اور علی بن

Marfat.com

المدینیؒ سب سے زیادہ حدیث اور رجال و علل کا علم رکھتے تھے۔ صالح بن محمدؒ کہتے ہیں: میری جن شیوخ سے ملاقات ہوئی ان میں علی بن المدینیؒ حدیث اور علل حدیث کا زیادہ علم رکھتے تھے اور مشائخ کی تصحیفات سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معینؒ تھے' اور بوقت مذاکرہ سب سے زیادہ حافظہ رکھنے والے ابو بکر بن ابی شیبہؒ تھے۔ امام ابو زرعہ رازی کہتے ہیں: "ابو بکر ابن ابی شیبہؒ جیسا حافظ حدیث میں نے نہیں دیکھا۔" ابن حبانؒ کا بیان ہے کہ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ حافظ حدیث، متدیّن، متقن اور صاحب تصانیف تھے۔ آپ نے احادیث جمع کیں اور کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ اپنے دور میں مسانید اور مراسیل کے بہت بڑے حافظ تھے سن ۲۳۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳)

ابوزرعہ رازیؒ (م-۲۶۴ھ)

آپ کا نام عبداللہ بن عبد الکریمؒ، کنیت ابوزرعہ ہے۔ مشہور حفّاظ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے ہم عصر محدثین نے آپ کے علم، ورع اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور اس دور کے دیگر محدثین پر آپ کو فوقیت دی ہے۔ علماء حدیث کہتے ہیں کہ امام ابوزرعہ رازیؒ کو سات لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں اور جب آپ اپنی جوانی میں امام احمد بن حنبلؒ سے ملتے تھے تو امام احمدؒ صرف فرض نمازوں کی ادائیگی پر اکتفا کرتے تھے۔ سنن اور نوافل چھوڑ کر امام ابو زرعہؒ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمدؒ جیسی شخصیت کو بھی امام ابوزرعہؒ کے فضل و کمال کا اس حد تک اعتراف تھا۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں لکھا ہے کہ جب قتیبہ بن سعیدؒ شہر رے میں واپس آئے تو لوگوں نے ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی۔ امام قتیبہؒ نے کہا: میں اس وقت حدیث بیان کروں گا جب میری مجلس میں احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینیؒ، ابو بکر بن ابی شیبہؒ اورابو خیثمہؒ بھی آ جائیں۔ اس جواب پر لوگوں نے قتیبہ بن سعیدؒ سے کہا: "ہمارے ہاں ایک ایسا جوان ہے کہ آپ نے جس جس مجلس میں حدیث سنائی ہے اس نے آپ سے سن کر وہ تمام حدیثیں زبانی یاد کر لی ہیں۔" اس کے بعد لوگوں نے ابوزرعہ رازیؒ سے کہا: "ابو زرعہؒ اٹھو اور قتیبہؒ کی سب روایات سنا دو۔" چنانچہ ابو زرعہؒ اٹھے اور وہ ساری حدیثیں لوگوں کے سامنے لفظ بہ لفظ سنا دیں جن کو امام قتیبہؒ نے مختلف مجلسوں میں سنایا تھا۔ یہ دیکھ کر امام قتیبہؒ کو ابوزرعہؒ کے حافظہ پر حیرت ہوئی۔ آپ نے ابو زرعہؒ کو داد دی اور پھر حدیث بیان کرنا شروع کر دیا۔ امام حاکمؒ نے امام ابو زرعہؒ کو حدیث کے فقہاء میں شمار کیا ہے۔ آپ کی وفات سن ۲۶۴ھ میں واقع ہوئی۔ (۴)

امام ابو حاتم رازیؒ (م-۲۷۷ھ)

آپ کا نام محمدؒ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو حاتم محمد بن ادریس بن منذر بن داؤد بن مہران۔ ابو حاتمؒ رے کے رہنے والے تھے، اسی لئے رازی کہلاتے ہیں، قبیلہ حنظل سے تعلق تھا اس لئے حنظلی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کا نام حفاظ حدیث میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ علل حدیث اور جرح و تعدیل کے علم سے پوری طرح باخبر تھے۔ امام ابوزرعہؒ کے ہم عصر تھے۔ حدیث کی طلب میں بہت سارے سفر کیے۔ شیوخ اور محدثین کے پاس حاضر ہونے کے لئے شہر بہ شہر پھرے اور اکابر ائمہ سے حدیث کی روایت کی۔ ایک دن ابو حاتمؒ نے اپنے بیٹے عبدالرحمانؒ کو مخاطب کر کے کہا:

"بیٹے میں نے حدیث کی طلب میں ایک ہزار فرسخ (تین ہزار میل) کا سفر پیدل طے کیا ہے۔"

Marfat.com

ابو حاتم رازیؒ اپنے دور کے حفاظ حدیث سے کہا کرتے تھے: "جو شخص ایسی صحیح اور ثابت حدیث مجھے سنائے جو مجھے معلوم نہ ہو، اسے میں ایک درہم صدقہ کے طور پر دوں گا۔" لیکن کوئی محدّث بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔اس دور کے محدّثین جانتے تھے کہ ابو حاتم رازیؒ حدیث کے بہت بڑے حافظ ہیں۔امام ابو زرعہ رازیؒ جیسی شخصیت کو آپ کے علم و فضل کا اعتراف تھا۔امام حاکمؒ نے ابو حاتم رازیؒ کو ان محدّثین میں شمار کیا ہے جن کا تعلق فقہ و استنباط سے تھا۔آپ کی وفات سن ۲۷۷ھ میں واقع ہوئی۔ (۵)

محمد بن جریر طبریؒ (م-۳۱۰ھ)

آپ کا نام محمدؒ، کنیت ابو جعفر ہے۔سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں: ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔ابن جریر سن ۲۲۴ھ میں بمقام امل پیدا ہوئے۔بغداد میں سکونت اختیار کی اور یہیں وفات پائی۔آپ کا شمار امام نسائیؒ اور امام ترمذیؒ کے طبقہ میں ہوتا ہے۔امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے شیوخ واساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے ان میں احمد بن کاملؒ، محمد بن عبداللہ شافعیؒ اور مخلد بن جعفرؒ کو زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

ابن جریر طبریؒ اپنے دور کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔آپ کے قول کے مطابق فیصلے ہوتے تھے اور علماء فقہی اور تفسیری مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔کتاب اللہ کے حافظ تھے اور قرأت کے بہت بڑے عالم تھے۔قرآن کے معانی و مطالب میں بصیرت حاصل تھی۔احکام فقہ اور سنن کے ماہر عالم مانے جاتے تھے۔سنن کے تمام طرق اور صحیح و سقیم اور ناسخ و منسوخ کو جانتے تھے۔صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال، قضایا اور فتاویٰ سے باخبر تھے۔گزشتہ احوال اور اخبار سے واقف تھے۔ آپ کی تالیفات میں مشہور تالیف "تاریخ الامم والملوک" ہے۔آپ کی تفسیر سے متعلق امام ابو حامد اسفر ائینی کا قول ہے کہ:

> "اگر کوئی شخص اس غرض سے چین تک سفر کرے کہ وہ ابن جریر طبریؒ کی تفسیر حاصل کرے گا تو یہ بڑی بات نہ ہو گی۔مطلب یہ کہ اس کا سفر مفید ہو گا۔"

ابن جریر طبریؒ کی ایک اور تالیف "تہذیب الآثار" ہے۔مگر اس کتاب کو آپ مکمل نہ کر سکے۔اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو اپنی مثال آپ ہوتی۔اس کتاب کی ابتدا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایات سے ہے۔ہر روایت، اس کی اسانید وطرق اور علت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔جس جس روایت سے استنباط ہو سکتا ہے اس سے متعلقہ حکم اور ضروری تفصیل بیان کی ہے۔مشکل الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔عشرہ مبشرہ، اہل بیت، موالی اور ابن عباسؓ کی مسند اس کتاب میں آئی ہے۔حافظ ابن کثیرؒ دمشقی اپنی تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن جریر طبریؒ کی ایک کتاب دیکھی ہے اس میں احادیث غدیر خم دو ضخیم جلدوں میں تھیں۔ان کی ایک اور کتاب بھی دیکھی ہے جس میں حدیث طیر کے طرق کو جمع کیا ہے۔ابن جریرؒ کی وفات سن ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (۶)

امام ابن خزیمہ نیشاپوریؒ (م-۳۱۱ھ)

آپ کا نام محمدؒ، کنیت ابو بکر، لقب شیخ الاسلام اور نسب نامہ یہ ہے:

"محمدؒ بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکرؒ"

Marfat.com

آپ ماہِ صفر ۲۲۳ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ امام ابن خزیمہؒ نے اپنے دور کے مشہور اساتذہ اور مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں :

- امام ابو قدامہ سرخسیؒ
- امام ابو کریبؒ
- امام احمد بن منیعؒ
- امام اسحاق بن موسیٰ خطیمیؒ
- امام بشر بن معاذ عقدیؒ
- امام عبد الجبار بن علاءؒ
- امام عقبہ بن عبد اللہؒ
- امام علی بن حجرؒ
- امام علی بن خشرمؒ
- امام محمد بن رباب مستملیؒ
- امام محمد بن اسلم زاھدؒ
- امام محمود ابن غیلانؒ
- امام نصر بن علی جہضمیؒ
- امام یونس بن عبد اللہؒ

امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام محمد بن حمید رازیؒ سے آپ کو ملاقات اور سماع کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ آپ کے جن تلامذہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں :

- امام ابو بکر احمد بن مہران مُقریؒ
- امام ابوحامد بن محمد بن بابویہؒ
- امام ابو علی نیشاپوریؒ
- امام ابو عمرو بن حمدانؒ
- امام اسحاق بن سعید نسویؒ
- امام محمد بن نصیرؒ
- امام محمد بن فضلؒ

آپ کے تلامذہ میں امام ابراہیم بن ابی طالبؒ اور امام ابو عمرو احمد بن مبارکؒ مستملی بھی تھے جو عمر میں آپ سے بڑے تھے۔ امام ابن خزیمہ نیشاپوریؒ نے مختلف بلادِ و امصار کے سفر کیے۔ نیشاپور کے علماء اور مشائخ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ نے "رے" کا سفر کیا اس کے بعد بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز، عراق، مصر اور واسط وغیرہ تشریف لے گئے اور ان بلاد و امصار کے مشائخ سے روایات اخذ کیں۔

امام ابن خزیمہ نیشاپوریؒ کا شمار اکابر محدثین اور نامور ائمہ فن میں ہوتا ہے۔ احادیث پر آپ کی نظر بہت وسیع اور گہری تھی۔ آپ کم عمری میں امام اور حافظ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ امام ابو علی نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ :

"جس طرح حفاظ قرآن کو قرآن کی سورتیں زبانی یاد ہوتی ہیں اسی طرح ابن خزیمہ کو فقہیات حدیث زبانی یاد ہوتی ہیں۔"

امام ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ :

"روئے زمین پر احادیث و سنن کے صحیح الفاظ اور زیادات کی یادداشت رکھنے والا ابن خزیمہ کی مانند کوئی اور شخص نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنن و احادیث کا تمام ذخیرہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔"

آپ کے استاذ ربیع بن سلیمانؒ کا بیان ہے :

"ابن خزیمہؒ نے ہم سے جتنا استفادہ کیا ہم نے اس سے زیادہ ان سے استفادہ کیا۔"

Marfat.com

امام ابن خزیمہؒ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی یکتائے روزگار تھے آپ صاحبِ کرامت تھے۔ لوگ آپ کی ذات کو نہایت بابرکت خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے امام ابن خزیمہؒ کو بڑی مقبولت اور شہرت عطا فرمائی تھی۔ امام الائمہ آپ کے نام کا جزو بن گیا تھا۔

امام ابن خزیمہؒ کا تعلق درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے ساتھ بھی رہا۔ آپ کی تالیفات کی تعداد امام حاکمؒ نے چودہ سے زیادہ بتائی ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی لگ بھگ سو اجزاء پر مشتمل تھا۔ حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں آپ کی شہرت جس تالیف کی بناء پر ہوئی وہ آپ کی کتاب "صحیح ابن خزیمہ" کہلاتی ہے۔ "صحیح ابن خزیمہ" آپ کی سب سے اہم کتاب ہے۔ اس کا شمار حدیث کی اہم اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ مستند مصنفین اور علماء اس کی روایات سے اخذ اور استفادہ کرتے ہیں۔ کتبِ ستہ کے علاوہ "طبقہ صحاح" میں جو مصادر آتے ہیں ان میں امام ابن خزیمہؒ کی صحیح کو پہلا درجہ حاصل ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:
((من انفع الکتب واجلها)) "یعنی صحیح ابن خزیمہ نہایت مفید اور اہم کتابوں میں سے ہے۔"

علامہ سیوطیؒ نے "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے بعد جن کتابوں کو زیادہ معتبر اور مستند بتایا ہے۔ ان میں کتبِ صحاح کے ساتھ "صحیح ابن خزیمہ" کا ذکر بھی کیا ہے۔[۷]

محمد بن سعد کاتب واقدیؒ (م-۲۳۰ھ)

ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیعؒ بصری تھے لیکن بغداد میں رہتے تھے۔ آپ امام، حافظ، مؤرخ اور محدّث تھے۔ آپ کے والد حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام تھے)۔ محمد بن سعدؒ سن ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ محمد بن سعدؒ نے محمد بن عمر واقدیؒ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے پاس جتنی روایات تھیں وہ سب آپ نے ان سے حاصل کیں۔ محمد بن عمر واقدیؒ کے علاوہ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن علیہ، سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون واسطی، عبیداللہ بن موسیٰ عبسی، ابونعیم فضل بن دکین کوفی رحمہم اللہ۔ ان کے علاوہ آپ نے بصرہ، کوفہ، واسط، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، یمن اور مصر کے علمی مراکز سے استفادہ کیا اور وہاں کے شیوخ کی خدمت میں رہے۔ محمد بن سعدؒ مکثرین (زیادہ روایت کرنے والوں) میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن سعدؒ چوں کہ اپنے دور کے مشہور اور معروف اساتذہ میں سے تھے اس لئے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ آپ کے مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں: مصعب زبیریؒ، حارث محمد بن اسامہؒ، احمد بن عبید بن ناصح ہاشمیؒ، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذریؒ مؤلف فتوح البلدان، ابوبکر عبد اللہ بن محمد المعروف بابن ابی الدنیاؒ، حسین بن محمد بن عبدالرحمانؒ جو ابن سعدؒ کے طبقات کے راوی ہیں، ان کا اپنے شیخ کے بارے میں کہنا ہے: "ابن سعد بہت بڑے عالم تھے، حدیث، فقہ، اور غریب کے موضوع پر بکثرت کتابیں لکھیں۔ ابن سعد تمام علمائے رجال کے نزدیک پسندیدہ اور ثقہ تھے۔ خلیفہ مامون اور اس کے بعد کے عہد میں جو مختلف فتنے رونما ہوئے ابن

Marfat.com

سعدؒ ان سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنے اور اپنے شیخ کے علم کی نشرواشاعت کا موقع ملا اور ان کی تمام کتابیں محفوظ رہ گئیں اور مقبول عام ہوئیں۔ ابن سعدؒ کی تالیفات میں سب سے اہم "طبقات الکبریٰ" ہے جس میں ممتاز علمائے سیر جیسے شعبیؒ، اوزاعی، موسیٰ بن عقبہؒ، محمد بن اسحاقؒ اور واقدیؒ کے بیان کردہ واقعات کو جمع کیا گیا ہے۔ ابن سعد نے "طبقات" میں انبیاء علیہم السلام اور رسول اکرم ﷺ کے آباء واجداد کے حالات کو بطور تمہید بیان کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور غزوات کو بیان کر کے صحابہؓ، تابعینؒ کے طبقات اور ان کے بعد اپنے دور کے اکابر علماء کا ذکر کیا ہے اور ان سب کے تذکروں کو اسلامی ممالک کے شہروں پر تقسیم کر دیا ہے۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، شام، یمن، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد اور تمام شہروں کے اکابر علماء کا ذکر ہر شہر کے تحت جدا جدا کیا گیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر پہلی قدیم کتاب ہے۔ اس کتاب سے کوئی محدّث، فقیہہ اور مؤرخ بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اس میں جتنی روایات ہیں وہ سب کی سب قوی اور صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کی اسانید میں مقطوع اور مرسل روایتیں بھی ہیں۔ ابن سعد کا مقصد یہ تھا کہ کتاب کے موضوع سے متعلق جتنی روایات مل سکیں، لے لی جائیں، کیوں کہ ان کی اسانید کی چھان بین علماء کر لیں گے۔ درحقیقت ابن سعدؒ کے بعد جن علماء نے "رجال" پر کتابیں لکھیں وہ سب ابن سعد کی کتاب "طبقات" کی بنیاد پر لکھی گئیں۔(۸)

اسحاق بن راہویہؒ (م-۲۳۸ھ)

آپ کا نام اسحاقؒ، کنیت ابو یعقوب، عرفی نام ابن راھویہ اور نسبت حنظلی ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم۔ راہویہ آپ کے والد ابراہیم کا لقب ہے۔ امام ابن راہویہؒ اپنے دور کے شیخ الشیوخ اور امت مسلمہ کے امام اور پیشوا تھے۔ فقہ اور حدیث میں آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا اور ان علوم میں ان کی مہارت مسلّمہ تھی۔ حفظ، صدق، ورع، اور زہد کے اوصاف سے متصف تھے۔ طلب علم کے لئے عراق، حجاز، یمن اور شام کا سفر کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: جریر بن عبدالحمید رازیؒ، اسماعیل بن علیہؒ، سفیان بن عیینہؒ، وکیع بن الجراحؒ، بقیہ بن الولیدؒ، عبدالرزاق بن ہمامؒ اور نضر بن شمیلؒ۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں جنہیں زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں:

- امام بخاریؒ
- امام مسلمؒ
- محمد بن نصر مروزیؒ
- امام ترمذیؒ اور
- احمد بن سلمہؒ

امام ابن راہویہؒ کہتے ہیں کہ یحیٰی بن آدمؒ نے مجھ سے دوہزار احادیث سنی ہیں اور اپنے پاس لکھی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی امام راہویہؒ سے روایات لی ہیں۔

امام ابن راہویہؒ حفظ، اتقان، امامت اور صداقت میں ضرب المثل تھے۔ اپنے متعلق کہتے ہیں: میں اپنی روایات کے مکان اور ان کی حیثیت کو اس طرح جانتا ہوں گویا کہ ان کو دیکھ رہا ہوں اور ستر ہزار روایات میرے دل میں محفوظ ہیں، اور چار ہزار "احادیث مزورہ" بھی مجھے زبانی یاد ہیں۔ لوگوں نے پوچھا احادیث مزورہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب دیا: جب یہ مزوراحادیث (جھوٹی اور من گھڑت احادیث) صحیح احادیث میں مل کر میرے سامنے سے گزرتی ہیں تو میں ان کو چن کر پھینک دیتا ہوں۔

Marfat.com

امام ابن راہویہؒ سے پوچھا گیا:
" آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا کہ ایک لاکھ کیا ہے، لیکن جو کچھ میں حدیث سنتا ہوں وہ میرے دل پر نقش ہو جاتی ہے اور یاد کی ہوئی حدیثیں کبھی دل سے فراموش نہیں ہوئی ہیں۔"

ابو داؤد خفافؒ کہتے ہیں کہ:
" ہم لوگوں کو ابن راہویہؒ نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی لکھوائیں۔ پھر ان حدیثوں کو زبانی ہم لوگوں کو سنایا۔ ہم لکھی ہوئی حدیث سے مقابلہ کرتے جاتے تھے، اس وقت ان سے نہ ایک حرف کی کمی ہوتی اور نہ ایک حرف زیادہ ہوتا"۔

امام ابو حاتم رازیؒ کہتے ہیں کہ:
" میں نے امام ابوزرعہ رازیؒ سے اسحاق بن راہویہؒ کی اسانید اور متون کے حفظ کا ذکر کیا۔ میری بات سن کر ابو زرعہؒ نے کہا: اسحاق ابن راہویہؒ سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا گیا۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ ابن راہویہؒ کو اتقان اور حفظ و ضبط کا جو وصف عطا کیا گیا تھا وہ قابل تعجب ہے۔"

ائمہ حدیث نے امام ابن راہویہؒ کی بہت تعریف کی ہے۔ ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ:
" ابن راہویہؒ کی وفات سے پانچ ماہ پہلے انہیں سر میں تکلیف ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے حافظہ میں کمی آگئی تھی اس دوران میں میں نے ان سے جس قدر روایات سنی تھیں بعد میں ان کو دوسری روایات سے الگ کر دیا۔ امام ابن راہویہ سن ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۲۳۸ھ میں ستتر سال کی عمر پاکر نیشاپور میں وفات پائی۔" (۹)

امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م-۲۴۱ھ)

نام و نسب: آپ کا نام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزیؒ ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں اس عرصہ میں ہوئی جب آپ کے والدین بغداد میں تھے۔ آپ کی عمر تین سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ نے بچپن میں قرآنِ مجید حفظ کیا اور زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ تقویٰ، طہارت، شرافت اور صلاحیت کے آثار ابتداء ہی سے نمایاں تھے۔ آپ کو دیکھ کر اس دَور کے مشہور امام اور فقیہ ہیثم بن جمیلؒ نے کہا تھا:

" اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہو گا۔"

بغداد جسے امام احمدؒ کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے خلافتِ عباسیہ میں بہت بڑا علم و فن کا مرکز تھا جس کو امام حاکم نیشاپوریؒ نے " مدينة العلماء والافاضل " کا لقب دیا ہے۔ امام احمدؒ نے جب بغداد میں علماء کی مجالس سے استفادہ کرنا شروع کیا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روایات اخذ کیں۔ پھر چار برس تک امام ہشیم بن بشیر بن ابو حازم الواسطیؒ (م ۱۸۳ھ) سے استفادہ کرتے رہے۔ اس اثناء میں بغداد کے دیگر شیوخ سے بھی استفادہ کیا۔ بغداد کے

Marfat.com

شیوخ سے اخذ کرنے کے بعد آپ نے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر شہر کے نامور محدثین سے روایات لکھیں۔۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں آپ کی ملاقات امام شافعیؒ سے ہوئی۔ پھر بغداد میں دوبارہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام احمدؒ کو دس لاکھ روایات یاد تھیں۔اس کے باوجود آپ امام شافعیؒ کی شخصیت سے متاثر تھے اور کہتے تھے:

((ما رأت عيناي مثله))

"میری آنکھوں نے ان جیسی شخصیت نہیں دیکھی۔"

امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے اجتہاد اور استنباط کے اصول سیکھے اور اس میدان میں اتنا کام کیا کہ اُمت نے انہیں بطورِ امام اجتہاد تسلیم کیا۔ جس طرح امام احمدؒ کو امام شافعیؒ کے ساتھ عقیدت تھی اسی طرح امام شافعیؒ بھی امام احمدؒ کو بہت وقعت اور اہمیت دیتے تھے۔ بغداد سے جاتے ہوئے امام شافعیؒ نے فرمایا:

((خرجت من بغداد وما خلّفتُ بها اتقى ولا افقه من احمد بن حنبل))

"میں بغداد کو اس حالت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ یہاں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے اور نہ فقیہ۔"

امام احمدؒ نے ۲۰۴ھ میں اپنا حلقۂ درس قائم کیا یہ وہ دور تھا جب آپ اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر چکے تھے اور علوم میں پختگی اور رُسوخ حاصل کر چکے تھے آپ کے حلقۂ درس میں طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ پانچ سو افراد باقاعدہ کتابت کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیم لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی مجلس درس بڑی سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی۔"

حافظ ابن الجوزی نے امام احمد رحمہ اللہ کے شیوخ کی تعداد سو سے زیادہ بتائی ہے ان میں مشہور حضرات کے نام یہ ہیں:

- قاضی ابو یوسفؒ
- وکیع بن الجراحؒ
- سفیان بن عیینہ
- ہشیم بن بشیر بن حازمؒ
- یحییٰ بن سعید القطانؒ
- امام محمد بن ادریس شافعیؒ

آپ کے تلامذہ کے بارے میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

((بخاری و مسلم، ابو داؤد، ابو زرعة، مُطين و عبد الله بن احمد و خلق عظيم))

"خلق عظیم کے لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جس میں بڑے بڑے ائمہ فن داخل ہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ کا تعلق جہاں درس و تدریس کے ساتھ رہا وہاں تصنیف و تالیف کے ساتھ بھی آپ کا رشتہ برقرار رہا۔ آپ نے تفسیر اور حدیث کے مختلف پہلوؤں پر لکھا ___ فضائل صحابہؓ پر آپ کی کتاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کتاب

Marfat.com

الزھد کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن جس تالیف کی وجہ سے آپ کو عوام و خواص میں شہرت ملی وہ آپ کی "مسند" ہے یہ آپ کا ایک علمی کارنامہ ہے جو زندۂ جاوید اور اُمتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں تقریباً سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات جمع کی ہیں۔ جن کی تعداد تیس ہزار ہے۔ آپ کے صاحب زادہ عبد اللہ بن احمدؒ نے بھی اس میں مزید روایات درج کی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے حافظ ابو بکر القطیعیؒ نے بھی اضافے کیے ہیں۔

اس وقت حدیث کے جتنے مجموعے دستیاب ہیں ان میں سب سے بڑا مجموعہ امام احمدؒ کی مسند ہے۔ اس میں لگ بھگ چالیس ہزار روایات منقول ہیں۔ اس مسند میں تین سو ثلاثیات ہیں۔ ثلاثیات کی اتنی بڑی تعداد دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مصادرِ حدیث میں نہیں ملتی۔

مصادرِ حدیث میں جتنی روایات آئی ہیں ان کی اصل امام احمد کی مسند میں موجود ہے۔ حافظ شمس الدین جزری لکھتے ہیں:

((ما من حدیث غالباً اِلّا وَلہ' اصل فی ھذا المسند واللہ اعلم))

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جو مسانید مدون ہوئیں۔ ان کے مقابلہ میں امام احمد کی مسند صحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے مسندِ احمد کو طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے۔ (۱۰)

امام دارمیؒ (م-۲۵۵ھ)

آپ کا نام عبد اللہؒ، والد کا نام عبد الرحمن، کنیت ابو محمد اور نسبت التیمی، الدارمی، السمرقندیؒ ہے۔

آپ ۱۸۱ھ میں سمرقند شہر میں پیدا ہوئے۔ امام دارمیؒ قبیلہ تمیم کی ایک بڑی شاخ "دارم بن مالک" کی طرف نسبت سے التیمی الدارمی کہلائے ___ آپ نے طلبِ علم کے لیے حجاز، خراسان، عراق و مصر کے سفر کیے۔ آپ کے اساتذہ میں معروف نام درج ذیل ہیں:

- امام احمد بن اسحاق حضرمیؒ
- امام ابو بکر حنفیؒ
- امام وھب بن جریرؒ
- امام مروان بن محمد الطاطریؒ
- امام اشھل بن حاتمؒ
- امام اسود بن عامرؒ
- امام لیث بن سعدؒ
- امام حیوۃ بن شریحؒ
- ابو النضر ہاشم بن قاسمؒ
- امام یزید بن ہارونؒ
- امام حیان بن ہلالؒ
- امام یعلی بن عبیدؒ اور

امام ابو عاصمؒ وغیرہ ہیں۔

Marfat.com

امام دارمیؒ کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو آپ کے بعد روایت حدیث میں نہایت معروف ہوئے اور امامت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ان تلامذہ میں :

- امام مسلم بن حجاج القشیریؒ
- امام ابو دوؤدؒ
- امام ترمذیؒ
- امام نسائیؒ
- امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ
- امام بندارؒ
- امام ابو زرعہ الرازیؒ
- امام ابو حاتمؒ
- امام بقی بن مخلدؒ
- امام الحسن بن الصباح البزارؒ
- امام عبد اللہ بن احمد بن حنبلؒ
- امام عبد اللہ بن واصلؒ
- امام عیسیٰ بن واصلؒ
- امام عیسیٰ بن عمر سمرقندیؒ جیسے کبارِ محدّثین کے نام شامل ہیں۔

امام دارمیؒ نہایت معتبر محدّث اور اسماء الرجال کے ماہر تھے۔فقہ و بصیرت میں بڑے درجہ پر فائز تھے۔امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام علی بن المدینیؒ جیسے ائمہ حدیث نے آپ کے علم و فضل اور ورع و تقویٰ کا اعتراف کیا ہے۔
امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ :

"امام دارمیؒ سب سے زیادہ ثقہ اور ثابت تھے اور حدیث و فقہ کے امام تھے۔آپ احادیث کی پہچان و معرفت کے لیے نہایت مشہور تھے۔روایتِ حدیث کے ساتھ ساتھ حدیث کی درایت میں بھی آپ کا بڑا مقام و مرتبہ تھا۔"

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((هو امام وله، خمسة عشر حديثا وهي ثلاثيات))

"امام دارمی اپنے زمانہ کے امام تھے اور ان کی پندرہ احادیث ثلاثیات ہیں۔"

امام دارمیؒ کا انتقال ۷۴ برس کی عمر میں ۲۵۵ھ کو ہوا۔

امام دارمیؒ نے حدیث کے ادب میں تالیف و تدوین کا بہت وقیع کام کیا اور بہت ساری تالیفات مرتب کیں۔لیکن جس کتاب کی وجہ سے آپ کو شہرت حاصل ہوئی وہ آپ کی "سنن" ہے۔ کتبِ ستّہ کے بعد حدیث کی جو کتب زیادہ اہم اور مستند سمجھی جاتی ہیں ان میں "سنن دارمی" شامل ہے۔محدّثین کے ہاں سنن دارمی ' مسند الدارمی کے نام سے معروف ہے اس کے بارے میں امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

"مسند دارمی اصطلاحی معنوں میں مسند نہیں ہے بلکہ وہ ابواب کی ترتیب پر ہے یعنی سنن ہے۔"

سنن دارمی کی ابتداء عام کتب حدیث و سنن کے برعکس " باب ما كان عليه الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجهل و الضلالة" سے ہوتی ہے۔اس فصل کے مختلف ابواب میں رسالت مآب ﷺ کے ان اوصاف و

Marfat.com

خصائص کو جو کتبِ قدیمہ میں مذکور ہیں اور آپ ﷺ کے معجزات، فضائل و محاسن، اتباع و سنت اور علم کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد عام کتبِ سنن کی طرح طہارت اور صلاۃ کے ابواب اورآخر میں وصایا اور فضائل قرآن کے ابواب ہیں۔ سنن دارمی کی ایک اہم خصوصیت صحت کا التزام اور علّوِ اسناد بھی ہے۔علمائے رجال کا تجزیہ ہے: ((وله اسانید عالية)) یعنی دارمی کی اسنادِ عالی اور بلند پایہ ہیں۔" علمائے جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ:"سنن دارمی کے اکثر رجال ثقہ، قوی اور بیشتر حدیثیں صحیح و ثابت ہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اسی خصوصیت کی وجہ سے "سنن دارمی" کو" سنن ابن ماجہ" سے زیادہ اہم اور فائق بتایا ہے۔(۱۱)

سنن دارمی اگرچہ بنیادی طور پر حدیث کی کتاب ہے۔لیکن اس میں فقہی مسائل و مباحث اور ان کے متعلق فقہاء کے اختلافات و دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں اور مختلف اقوال میں تطبیق و توجیہہ یا راجح و مختار مسلک کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

احادیث کی طرح صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار و اقوال اور فتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔بلکہ بعض ابواب میں صرف صحابہؓ و تابعینؒ کے اقول و آثار ہی مذکور ہیں۔

عام خصوصیات اور جملہ فنی خوبیوں سے بھی یہ کتاب آراستہ ہے مثلاً:

- روایات کے مفہوم و منشاء کی وضاحت
- ابہام کی تشریح، دقیق الفاظ اور مشکل لغات کا حل
- رُواۃ کے ناموں کی مختلف حیثیتوں سے وضاحت
- بلاد و اماکن اور امصار و مُدن کی تحقیق
- تعدّدِ طرق و اسناد
- روایات اور ان کے الفاظ کا فرق و اختلاف اور متابعات وغیرہ کی تفصیل
- مسند، مرفوع اور منقطع و موقوف کی توضیح
- خطا، شک و تردّد اور اشتباہ کی وضاحت
- روایات اور رُواۃ کے متعلق مختلف قسم کی وضاحتیں
- اساتذہ کی وضاحت و تشریح
- راوی کے سماع اور عدم سماع اور لقاء و عدم لقاء کا ذکر
- احادیث کی تصویب
- احادیث کے درمیان ترجیح و اسباب ترجیح
- احادیث کے نسخ و عدم نسخ وغیرہ کی تفصیل

Marfat.com

امام ابن قتیبہ دینوریؒ (م-۲۷۶ھ)

ابو محمدؒ کنیت، عبد اللہ نام ہے۔ والد کا نام مسلم بن قتیبہؒ ہے۔ دینوری اور مروزی ان کی نسبت ہے۔ ابن قتیبہؒ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ عربی لغت میں مہارت کی وجہ سے "لغوی" بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتاب "المعارف" اور "ادب الکاتب" بہت مشہور کتابیں ہیں۔ آپ فاضل، ثقہ، عادل اور متقن تھے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور یہاں اسحاق بن راہویہؒ، ابواسحاق ابراہیم زیادیؒ، ابوحاتم سجستانیؒ اور انہی محدثین کے طبقہ کے اصحاب حدیث سے تعلیم حاصل کر کے حدیث کی روایت کی۔ ابن قتیبہ سے ان کے فرزند ابو جعفر احمد فقیہؒ نے روایت کی ہے۔ ابو جعفر احمد فقیہؒ مصر کے قاضی رہے۔ ابن قتیبہ کی کتابوں کو بہت مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ "المعارف"، "ادب الکاتب" اور "تاویل مختلف الحدیث" کے علاوہ آپ سے جو کتابیں یادگار ہیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) غریب القرآن　(۲) غریب الحدیث
(۳) عیون الأخبار　(۴) مشکل القرآن
(۵) مشکل الحدیث　(۶) طبقات الشعراء
(۷) الأشربۃ　(۸) اصلاح الغلط
(۹) کتاب الخیل　(۱۰) کتاب أعراب القرآن
(۱۱) کتاب الانواء　(۱۲) کتاب المسائل

ابن قتیبہؒ اپنی تمام کتابیں بغداد میں اپنی وفات تک پڑھاتے رہے۔ ابن قتیبہؒ کے والد کا تعلق مرو سے تھا لیکن خود آپ کی پیدائش بغداد میں ہوئی تھی۔ آپ قاضی کی حیثیت سے دینور میں ایک مدت تک مقیم رہے تھے۔ اسی لیے دینوری کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب تفسیر سورۃ الاخلاص میں یہ لکھنے کے بعد کہ آیات متشابہ کی صحیح تاویل راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں، لکھتے ہیں: یہ قول جمہور اہل سنت کا بھی ہے کہ جن میں ابن قتیبہؒ، ابو سلیمان دمشقیؒ اور دوسرے حضرات ہیں اور ابن قتیبہؒ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مذہبی نسبت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی طرف کی جاتی تھی۔ وہ مذہب اہل سنت کے مشہور حامیوں میں سے تھے اور اس بارے میں ابن قتیبہؒ کی متعدد تالیفات ہیں چنانچہ کتاب الحدیث کے مؤلف نے ابن قتیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء کی صف میں تھے۔ نہایت اچھے مصنف اور صاحب قلم تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔ وہ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے مسلک و موقف کی طرف میلان رکھتے تھے۔ وہ ابراہیم حربیؒ اور محمد بن نصر مروزیؒ کے ہم عصر تھے۔ اہل مغرب انہیں عظمت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان کا مقولہ ہے کہ جس گھر میں ابن قتیبہؒ کی کوئی کتاب نہ ہو وہ خیر سے خالی ہے۔ میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں کہ ابن قتیبہؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت کے لئے ویسے ہی حامی تھے جیسے معتزلہ فرقہ کے لئے جاحظ تھا اور ابن قتیبہؒ اہل سنت کے لئے ویسے ہی بلند پایہ خطیب تھے جیسے کہ معتزلہ کا بلند پایہ خطیب جاحظ تھا۔

Marfat.com

حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "میزان" میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ ابو محمدؒ صاحب تصانیف اور راست گو تھے۔روایت کم کرتے تھے اس لئے کہ روایت کرنے میں بہت محتاط تھے۔اسحاق بن راہویہؒ اور ایک جماعت سے حدیث کی روایت کی ہے۔خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ: ابن قتیبہ ثقہ، دیندار اور صاحب علم وفضل تھے۔ابن قتیبہؒ کی وفات سن ۲۷۶ھ میں رجب کے مہینہ میں ہوئی۔(۱۲)

امام ابن قتیبہؒ کی تالیفات میں "تاویل مختلف الحدیث" نہایت اہم کتاب ہے، اس کتاب میں آپ نے سنت اور اہل سنت پر مخالفین کے جس قدر اعتراضات اور شکوک و شبہات تھے اور احادیث میں جس قدر بظاہر تناقض اور تعارض کے الزامات تھے۔اور ایسی روایات جن میں تطبیق کی صورت نہیں بن رہی تھی، اس قسم کی تمام احادیث کو ترتیب کے ساتھ لے کر آپ نے ہر ایک روایت پر تفصیلی بحث کی ہے اور مخالفین کے اعتراضات اور الزامات کا جواب دیا ہے۔جن احادیث میں تناقض اور اشکال تھا اس کو دور کر دیا ہے۔جہاں تاویل کی صورت بن رہی تھی، وہاں تاویل کی ہے اور جہاں تطبیق ہو سکتی ہے وہاں تطبیق کی ہے۔ یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔کیونکہ اسی کتاب سے مخالفین حدیث و سنت وہ اعتراضات اور اشکال نقل کرتے ہیں جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مخالفین سنت پیش کرتے تھے۔حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت کو نہ ماننے والے حضرات بہ خوبی جانتے ہیں کہ ان اعتراضات پر ہمارے اسلاف نے بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور ان کا مسکت جواب دیا ہے لیکن عوام کو چوں کہ اس بارے میں معلومات نہیں ہوتیں اس لئے وہ بار بار ان اشکالات کو دہراتے ہیں اور بلا وجہ کی بحث چھیڑنا چاہتے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے چند نامور محدثین وہ بھی ہیں جن کے بارے میں آپ گزشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔یہاں ہم ان کے نام ذکر کرتے ہیں۔

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
(۲) امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوریؒ
(۳) ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائیؒ
(۴) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانیؒ
(۵) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
(۶) ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ قزوینیؒ

ان حضرات کے علاوہ اس صدی میں ایسے محدثین پیدا ہوئے جن کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا یہاں مشکل ہے۔اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بہ یک وقت کافی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے جو مذاکرہ کر کے احادیث کو اسی طرح حفظ کرتے تھے جس طرح حفاظ قرآن کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں ان محدثین کی شبانہ روز محنت اور جان فشانی سے پورے ممالک اسلامیہ میں حدیث کی اشاعت ہوتی رہی۔حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا ہجوم محدثین کی درس گاہوں میں یا ان کے گھروں میں رہتا تھا۔خوش نویس کاتبوں کی تعداد بھی ہر بڑے شہر میں بہ کثرت ہو گئی تھی جو مشہور محدثین کی تالیفات کی کتابت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی تھیں اور معقول معاوضہ دے کر طالبان علم حاصل کرتے تھے۔بعض محدثین کا اپنا خاص کاتب ہوتا تھا جو وراق کہلاتا تھا۔وہ وراق اپنے خاص محدث کی تالیفات لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔حدیث کے مختلف شعبوں میں مختلف عنوان اور موضوع کے تحت اس صدی میں اس قدر کتابیں لکھی گئیں جن کا

Marfat.com

شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ تیسری صدی میں باوجودیکہ حدیث کی تدوین تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور کتابی صورت میں ہر جگہ حدیث کی کتابیں ملتی تھیں پھر بھی اسناد اور متون کے ساتھ زبانی روایت کا سلسلہ قائم تھا۔ اس صدی کے محدثین کی خدمات اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس صدی کے چھ اکابر محدثین کی تالیفات میں سے چھ کتابیں جو "صحاح ستہ" کے نام سے مشہور ہیں منتخب کر کے حدیث کی تعلیم کے لئے عالم اسلام کے تمام دینی درس گاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کی گئیں اور اب تک یہ کتابیں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہیں۔ اور کوئی دینی طالب علم اس وقت تک سند کا مستحق نہیں سمجھا جاتا جب تک ان چھ کتابوں کو باقاعدگی سے نہ پڑھ لے۔ اس صدی میں محدثین نے حدیث کی کتابیں صحیح، سنن، مصنف اور مسند کے نام سے جس قدر لکھی ہیں ان کی ایک فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ آپ کو ایک حد تک اندازہ ہو جائے کہ تیسری صدی علم حدیث کے حوالہ سے کتنی بھرپور رہی ہے۔

تیسری صدی ہجری کی تالیفات

۱) الصحیح للامام البخاری (م ۲۵۱ھ)
۲) الصحیح للامام مسلم بن الحجاج القشیری (م۲۶۱ھ)
۳) السنن للامام ابی داؤد السجستانی (م۲۷۵ھ)
۴) السنن للامام النسائی (م ۳۰۳ھ)
۵) الجامع للامام الترمذی (م۲۷۹ھ)
۶) السنن للامام ابن ماجہ القزوینی (م۲۷۳ھ)
۷) المسند للامام احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۵۱ھ)
۸) المنتقی فی الأحکام لعبد اللہ بن الجارود (م ۳۰۷ھ)
۹) المصنف للامام ابن أبی شیبہ (م ۲۳۵ھ)
۱۰) کتاب محمد بن نصر المروزی (م۲۹۴ھ)
۱۱) السنن للامام سعید بن منصور (م۲۲۷ھ)
۱۲) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ)
۱۳) مسند للامام بقی بن مخلد قرطبی (م۲۷۶ھ)
۱۴) مسند للامام عبید اللہ بن موسیٰ (م ۲۱۳ھ)
۱۵) مسند للامام اسحاق بن راھویہ (م ۲۳۷ھ)
۱۶) مسند للامام عبد بن حمید (م ۲۴۹ھ)
۱۷) مسند للامام ابی عبد اللہ الدارمی (م ۲۵۵ھ)
۱۸) مسند للامام ابی یعلی الموصلی (م ۳۰۲ھ)
۱۹) مسند للامام ابن ابی اسامہ الحارث ابن محمد التیمی (م ۲۸۲ھ)

Marfat.com

۲۰) مسند للامام ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی (م ۲۲۷ھ)
۲۱) مسند للامام ابن ابی عمرو محمد بن یحییٰ المدنی (م ۲۴۳ھ)
۲۲) مسند للامام علی بن احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ)
۲۳) مسند للامام ابراھیم بن اسماعیل الطوسی (م ۲۸۰ھ)
۲۴) مسند للامام مسدّد بن مسرہد (م ۲۲۸ھ)
۲۵) مسند للامام محمد بن مہدی (م ۲۷۲ھ)
۲۶) مسند للامام الحمیدی (م ۲۱۹ھ)
۲۷) مسند للامام ابراہیم بن معقل نسفی (م ۲۹۵ھ)
۲۸) مسند للامام ابراہیم بن یوسف (م ۳۰۱ھ)
۲۹) مسند للامام حسن بن سفیان (م ۳۰۳ھ)
۳۰) مسند للامام ابی بکر البزار (م ۲۲۲ھ۔)
۳۱) مسند للامام یعقوب بن ابی شیبہ (م ۲۶۲ھ)
۳۲) مسند للامام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)
۳۳) مسند للامام ابن ابی عزرہ احمد بن حازم (م ۲۷۶ھ)
۳۴) مسند للامام عثمان بن ابی شیبہ (م ۲۳۹ھ)

اس فہرست میں صرف ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں جو طلبہ اور علماء کے ہاں متداول اور رائج رہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس صدی میں بہت بڑی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی میں جو مصادر مدوّن ہوئے، بعد کے علماء نے ان کی بنیاد پر مزید کام کیا۔ اور اس طرح علم حدیث کی ترویج اور تطویر میں تیسری صدی ہجری کے کام کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل رہی۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) امام علی بن المدینی کے بارے میں یہ معلومات حافظ ذہبی کی کتاب "سیر اَعلام النبلاء" سے ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ج:۱۱۔ ص:۴۲ومابعد

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء۔ج:۱۱۔ ص:۷۳ تا ۹۱

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ "المصنّف" از اُستاذ محمّد عوّامہ۔ ص:۷ تا ۱۲

(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء۔ج:۸، ص:۸۶

(۵) یہ ساری معلومات سیر اعلام النبلاء سے ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ج:۱۳۔ ص:۲۴۸

(۶) البداية والنهاية۔ تذکرۃ امام ابن جریر طبری۔ علاوہ ازیں امام طبری کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں بڑی مفید معلومات جمع کی ہیں۔ دیکھیے: ج:۱۴۔ ص:۲۷۹

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمۃ صحیح ابن خزیمہ

(۸) حافظ ذہبی نے امام ابن خزیمہ کے بارے میں وقیع معلومات جمع کی ہیں۔ دیکھیے: سیر اعلام النبلاء۔ج:۱۶، ص:۳۷۸تا۳۷۹ تفصیل کے لیے دیکھیے: ج:۱۰۔ ص:۶۶۵ومابعد

(۹) یہ ساری معلومات سیر اعلام النبلاء سے ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ج:۱۱۔ ص:۳۵۹ومابعد

(۱۰) سیر اعلام النبلاء تفصیل کے لیے دیکھیے: ج:۱۱۔ ص:۷۹اومابعد

(۱۱) سیر اعلام النبلاء، ج:۱۲۔ ص:۲۲۶

(۱۲) مقدمۃ تحقیق "المعارف" از ثروۃ عکاشتہ۔ علاوہ ازیں حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام ابن قتیبہ کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے: ج:۱۳، ص:۲۹۸

Marfat.com

پانچواں باب

حدیث کا چوتھا دور

چوتھی صدی کے مشہور محدّثین

۱۳۲ھ میں خلافت بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد بنو عباس نے اقتدار حاصل کرلیا۔ بنو عباس نے دمشق کی بجائے بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ اس دور میں سپین (اندلس) کے علاوہ جہاں بنو امیہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی باقی تمام اسلامی ممالک پر بنو عباس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اور دارالسلام بغداد کی مرکزی حیثیت ہر جگہ تسلیم کر لی گئی اور عباسی خلفاء یکے بعد دیگرے امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کئے جانے لگے اور مامون الرشید کے دور میں علماء حدیث کے خلاف حکومت کی طرف سے جو سخت اقدامات کئے گئے وہ چند برس کے بعد واثق کے عہد میں ختم ہو گئے اور سنّت کے فروغ و ترویج میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی۔ جس کے بعد اہل اقتدار نے بھی علماء اور محدّثین کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے سنّت اور اس سے متعلقہ علوم وفنون کی اشاعت تیزی سے ہوئی لیکن چوتھی صدی کے آغاز کے ساتھ بغداد کی مرکزی حکومت میں کمزوری اور ضعف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس کے ٹکڑے ہونے لگے۔ جب اندلس کے اموی حکومت کے حکمران عبدالرحمن الناصر نے بغداد کی مرکزی حکومت میں ضعف کے آثار پیدا ہوتے ہوئے دیکھے تو اس نے اندلس میں ۳۲۵ھ میں اپنے لیے امیر المؤمنین کے لقب کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف فاطمیہ نے شمالی افریقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ تیسری طرف دولت اخشیدیہ نے مصر میں اپنے استقلال اور خود مختاری کے لیے کوششیں شروع کر دیں، اگرچہ ظاہر میں دولتِ اخشیدیہ عباسی حکومت کے اقتدار کا دم بھرتی رہی۔ بنو حمدان کی حکومت نے بھی موصل اور حلب شام پر اپنی حکومت کا جھنڈا بلند کر دیا اور یہ حکومت بھی ظاہری طور پر عباسی حکومت کی سیادت کا اقرار کرتی رہی۔ یمن میں زیدی شیعہ نے بھی اپنی ذاتی حکومت قائم کر لی، سامانی سلطنت کا اقتدار مشرق اور ماوراء النہر (ترکستان) کے شہروں پر قائم ہو گیا اور بنو بویہ نے بغداد کو اپنی گرفت میں لے لیا اور برائے نام بنو عباس کا اثر بغداد میں رہ گیا۔ ان انقلابات کے ساتھ ساتھ سیاسی حالت ایک سطح پر قائم نہ تھی۔ اضطراری کیفیت ہر جگہ نظر آتی تھی اور ہر جگہ سیاسی انقلابات کے کوہ آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔ فاطمین جو شمالی افریقہ پر قابض ہو چکے مسلسل مصر پر دباؤ ڈالتے اور حملے کرتے رہتے تھے۔ آخر کار ۳۵۸ھ میں وہ مصر پر قابض ہو گئے۔ دوسری طرف آل سلجوق کا اٹھتا ہوا سیلاب اکثر اسلامی ممالک پر محیط ہو گیا اور بنو بویہ کے مقبوضات پر قبضہ کر کے الجزیرہ اور وسطی ایشیا پر بھی آل سلجوق چھا گئے اور فاطمیوں سے بھی ملک شام کا علاقہ چھین لیا اور سوائے مصر اور بلادِ مغرب کے پورے اسلامی ممالک پر ان کا تسلط قائم ہو گیا۔

Marfat.com

پھر جب آلِ سلجوق کے حالات بدل گئے اور ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو پانچویں صدی میں عیسائی حکومتوں کی متحدہ طاقت نے صلیب کے نام پر اسلامی حکومت کے خلاف بڑی جنگ چھیڑ دی جو تاریخ میں صلیبی جنگ یا "حروبِ صلیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلیبی جنگ کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا جس کے نتیجہ میں اہلِ صلیب ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ دولتِ سلجوق کی تباہی کے بعد اس کے کھنڈر پر اتابکی سلطنت قائم ہو گئی اور مشرق سے مغرب تک اسی کا سکہ چلنے لگا اور اسی کا جھنڈا لہرانے لگا یہاں تک کہ محمود نور الدین زنگی کی تلوار نے مصر میں فاطمی حکومت کو ختم کر دیا اور مصر عباسی حکومت کے دائرے میں دوبارہ آ گیا اور صلاح الدین ایوبی نے جو محمد نور الدین زنگی کا سپہ سالار تھا مصر میں شاندار حکومت قائم کی۔

مشرقی ممالک، خراسان اور اس کے آس پاس کے شہروں پر خوارزم شاہ محمد بن تکش نے ایک طاقتور حکومت قائم کر لی اور تمام چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کو ختم کر کے اپنی حدود ممالک میں شامل کر لیا۔ چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر عباسی خلیفہ کا قصہ بھی ختم کر کے رکھ دے کہ دفعتاً تاتاریوں کا سیلاب بڑے زوروں سے اٹھا اور چنگیز خان تاتاری اپنی سرکردگی میں بے پناہ اور بے نیام فوج گراں لے کر اسلامی سلطنت پر چڑھ دوڑا اور یلغار کرتا ہوا تمام اسلامی شہروں کو لوٹتا اور تباہ کرتا ہوا بغداد پہنچ گیا اور خلیفہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کا تختہ الٹ دیا۔ اور لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا یہ ۶۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

ان دردناک اور ہولناک تاریخی وسیاسی واقعات کے رونما ہوتے ہوئے اس کا لازمی اثر یہ ہو سکتا تھا کہ حدیث و سنّت کی تحریک جو تمام اسلامی ممالک میں زوروں پر جاری تھی رک جاتی اور علم حدیث کی تعلیم و تعلّم سے لوگ کنارہ کش ہو جاتے لیکن اس کے برعکس علماء اور اہل علم کا شعور اور احساسات تیز سے تیز تر ہو گئے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ نہایت حکمت اور دانش مندی سے کیا، اور اپنی تعلیمی کوششوں اور علمی سرگرمیوں میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اللہ جل شانہ کا فضل وکرم ان کے شامل حال رہا اور وہ علمِ حدیث کی تعلیم کے ہر منزل میں آگے بڑھتے رہے۔ انہیں تعلیم دینے کے لیے نہ بڑی عمارت کی ضرورت تھی اور نہ بڑی تنخواہوں کی۔ وہ روکھی سوکھی کھا کر مسجدوں اور درس گاہوں میں اپنے حلقۂ درس کے طلبہ کو علم کے سرچشمے سے سیراب کرتے رہے۔ علمی سفر برابر جاری رہا۔ تالیف وتصنیف میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ نقد رجال، احادیث کی چھان بین، علل حدیث، تاریخ رُواۃ اور تمام علومِ حدیث پر بہتر سے بہتر کتابیں تالیف ہوتی رہیں۔ متقدمین کی کتابیں جو عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں بکھری ہوئی تھیں اکٹھی کی گئیں، اسانید کے بارے میں گفتگو کرتے تو متقدمین علماء ہی کی زبان اور اسلوب میں کرتے۔ اور متاخرین کی کتابوں کو مختصر کرتے تو از سر نو ان کو ترتیب وتہذیب سے آراستہ کرتے اور اسانید کو حذف کر دیتے۔ تاہم علمائے سابقین کی روش ہی پر اپنی کوششوں کو برقرار رکھتے اور احادیث کی روایت اور اسانید کی تلاش وتفحص میں ملکہ اور اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ چوتھی صدی ہجری سے زبانی روایت کا طریقہ رفتہ رفتہ متروک ہونے لگا کیوں کہ قوتِ حافظہ جو اسلاف میں تھی وہ بعد کے لوگوں میں کم زور ہو گئی تھی اس لیے طلبہ لکھی ہوئی احادیث کی کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے شیوخ سے پڑھنے لگے اور شیوخ بھی کتابوں ہی کی مدد سے پڑھانے لگے اور پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے قائم ہو گیا جو اب تک قائم ہے۔

Marfat.com

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں نامور اور بلند پایہ محدّث پیدا ہوئے۔ ان حضرات کی علمی خدمات کے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ اجمال اور اختصار کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ اس صدی میں حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کس نوعیت کا کام ہوا۔

امام حاکم نیشاپوریؒ

آپ کا نام محمدؒ، کنیت ابو عبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوریؒ۔ امام حاکم ابن البیعؒ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ۲ ربیع الاول ۳۲۱ھ کی صبح کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ماموں کی خاص توجہ سے طلب علم میں مشغول ہوئے۔ امام حاکمؒ کے شیوخ کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ جن میں ایک ہزار صرف نیشاپور کے شیوخ تھے۔ امام دار قطنیؒ بھی امام حاکمؒ کے شیخ تھے اور دار قطنیؒ نے حاکمؒ سے روایت بھی کی ہے۔ طلب علم کے لیے آپ نے دو مرتبہ عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ مختلف شیوخ سے مذاکرہ اور حفاظِ حدیث سے مناظرہ کیا۔ حاکم کی جملہ کتابیں پندرہ سو اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (۱) جن میں سے مستدرک، تاریخ نیشاپور اور معرفۃ علوم الحدیث کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔

امام ابو الحسن دار قطنیؒ

آپ کا نام علی بن عمرؒ، کنیت ابو الحسن اور نسبت بغداد کے ایک محلہ "دار قطن" کی طرف ہے۔ امام دار قطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علمی خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کے والد اپنے دَور کے ممتاز علماء حدیث میں سے تھے۔ آپ نے اپنے والد سے خوب استفادہ کیا۔ دس سال کی عمر میں آپ نے روایات اور مسائل کی کتابت شروع کی۔ قرآن مجید بچپن ہی سے حفظ کر لیا تھا۔ ابو الفتح بن ابی الفوارس کہتے ہیں کہ:

> "ہم امام بغویؒ کی خدمت میں پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے دار قطنی ہمارے پیچھے پیچھے چلے آتے تھے وہ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ ہاتھ میں روٹی کے ٹکڑے لے کر کھایا کرتے تھے"۔

اس دَور میں امام اسماعیل الصفارؒ کی مجلس بہت مشہور تھی دار قطنی کم عمر ہونے کے باوجود ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے اور ان کی روایات کو اپنے پاس لکھتے رہتے تھے۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

> "دار قطنی کا حافظہ بچپن ہی سے غیر معمولی اور بے مثال تھا۔ آپ علم کا سمندر ثابت ہوئے۔ آپ کو نہ صرف احادیث یاد تھیں بلکہ علل، رجال، استخراج' اختلاف فقہاء، مغازی اور ماضی کے واقعات ازبر تھے اور ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے"۔

امام دار قطنیؒ کے دَور میں بغداد "عروس البلاد" کہلاتا تھا۔ یہاں نام ور اور ممتاز فقہاء و محدّثین کے کئی حلقے قائم تھے۔ آپ نے جب یہاں کے مراکز سے استفادہ کیا تو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مختلف ممالک کا سفر شروع کیا۔ آپ نے حجاز، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر کے علاوہ متعدد مقامات کے شیوخ سے روایات حاصل کیں۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان

Marfat.com

میں سے جو بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں ان کے نام یہ ہیں :

- امام ابو القاسم بغویؒ
- امام یحییٰ بن محمد بن صاعدؒ
- امام اسماعیل الصفارؒ
- امام یوسف بن یعقوب نیشاپوریؒ (۲)
- امام ابو علی محمد بن سلمان المالکیؒ
- امام ابو العباس بن عقدةؒ
- امام ابو بکر بن ابو داؤد السجستانیؒ

ان حضرات کے علاوہ امام ابو بکر الشافعی اور امام ابن المظفر رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں آپ نے حاضری دی۔

امام دار قطنیؒ اپنے دَور کے ممتاز شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔حدیث اور فقہ کے طلبہ آپ سے استفادہ کرنے کو سعادت سمجھتے تھے۔آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے ان میں سے جن کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کے نام درج ذیل ہیں :

- امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ
- فقیہ ابو حامد الاسفرائینیؒ
- امام ابو مسعود الدمشقیؒ
- امام ابو بکر البرقانیؒ
- امام حمزہ بن یوسف السہمیؒ وغیرہ
- حافظ عبد الغنی بن سعید الازدیؒ
- صوفی ابو عبد الرحمن السلمیؒ
- امام ابو نعیم الاصبہانی
- قاضی ابو الطیب الطبریؒ اور

امام دار قطنیؒ کی ثقاہت ، امانت و دیانت ، علم و فضل اور شان و شوکت کو حافظ ذھبیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے :

((الإمام، الحافظ المجود، شیخ الاسلام، علم الجهابذه، المقرئ، المحدث))

امام دار قطنیؒ روایت و درایت حدیث میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے آپ کا شمار ناقدین حدیث میں ہوتا ہے۔رجال کی تمام کتب میں امام دار قطنیؒ کے اقوال بکثرت ملتے ہیں۔علل حدیث میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ شاگردوں کو علل کی املاء کرایا کرتے تھے۔

حافظ عبد الغنیؒ کہتے ہیں :

” حدیث کے بارے میں جن مشائخ نے بہت ہی عمدہ کلام کیا ہے وہ اپنے اپنے وقت کے تین لوگ ہیں :
علی بن المدینیؒ ، موسیٰ بن ہارونؒ اور امام دار قطنیؒ۔ “

امام دار قطنیؒ نے تقریباً بیاسی (۸۲) کتابیں تالیف کی ہیں۔ان میں اکثر حدیث ، اصولِ حدیث ، اور رجال کے موضوع سے متعلق ہیں۔آپ کی کتابیں انتہائی مفید ، بلند پایہ اور حسن تالیف کا نمونہ ہیں۔آپ کی جو کتابیں طلبہ اور علماء کے حلقوں میں رائج اور متد اول ہیں ان کا اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے :

Marfat.com

۱۔ کتاب المؤتلف والمختلف

یہ کتاب متعلقہ موضوع پر بہت وقیع اور جامعیت کی حامل ہے۔امام عبدالغنی الأزدیؒ جو کتاب "المؤتلف والمختلف" اور "مشتبہ النسبۃ" کے مولف ہیں، امام دار قطنیؒ نے اپنی یہ تالیف جب ان کی خدمت میں رائے لینے کے لیے پیش کی تو امام عبد الغنیؒ نے کہا:

"میں اس پر کیا رائے دوں! میں نے تو اپنی کتاب کو آپ ہی کی کتاب سے مستفید ہونے کے بعد لکھا ہے۔"

یہ کتاب ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ عبد القادر کی تحقیق کے ساتھ دار الغرب الإسلامی کی طرف سے پانچ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۲۔ کتاب العلل

فن حدیث کے اہم ترین علوم میں ایک علم "علل حدیث" ہے۔اس موضوع پر امام دار قطنیؒ کی یہ انتہائی عمدہ تالیف ہے۔جو درحقیقت متقدمین کی تالیفات کا خلاصہ اور جامع ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ:

"اس میں صحیح و سقیم، متصل و مرسل اور منقطع و معضل وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔مسانید کی ترتیب پر یہ کتاب علل حدیث کی تلاش میں بہت ممدو معاون ثابت ہو سکتی ہے یہ کتاب اب تک سات جلدوں میں چھپ چکی ہے۔"

۳۔ کتاب الإلزامات

یہ کتاب دراصل صحیحین پر استدراک ہے۔امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن روایات کو اخذ نہیں کیا حالانکہ ان کے راوی صحیح تھے۔ایسی روایات کو امام دار قطنیؒ نے جمع کیا ہے۔اس کتاب میں امام دار قطنیؒ نے جتنی روایات جمع کی ہیں۔وہ ان کے دعویٰ کے مطابق صحیح ہیں۔اس لیے علمائے حدیث نے کتاب الإلزامات کو صحاح غیر مجرّدہ میں شامل کیا ہے۔

۴۔ التتبع علی الصحیحین

یہ امام دار قطنیؒ کا وہ رسالہ ہے جس میں آپ نے ایسی روایات جمع کی ہیں جنہیں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے حالاں کہ ان کے رواۃ متکلم فیہ ہیں۔اس رسالہ کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" کے مقدمہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام دار قطنیؒ کے جملہ اعتراضات کو ترتیب کے ساتھ لے کر ہر ایک پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ صحیحین کے سارے رُواۃ صحیح ہیں اور امام دار قطنیؒ کے اعتراضات درست نہیں۔

Marfat.com

۵۔ کتاب السنن

امام دار قطنیؒ کی یہ کتاب فقہ و حدیث کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام دار قطنیؒ کو جہاں علوم حدیث میں مہارت تھی وہاں انہیں استنباط اور استخراج میں بھی کمال حاصل تھا۔اس کتاب میں جو مواد اور موضوعات ہیں انہیں دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ یہ مواد اور معلومات وہی شخص جمع کر سکتا ہے جسے احکام و مسائل اور خلافیات کا بخوبی علم ہو۔امام دار قطنیؒ کی یہ شہرۂ آفاق تصنیف طلبہ اور علماء کے ہاں ممتاز مقام رکھتی ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سنن دار قطنی کو تیسرے طبقہ کی کتب میں شمار کیا ہے۔ امام دار قطنی کو روایات کی اسانید اور طرق پر بڑا عبور حاصل تھا۔سنن میں انہوں نے اسانید کو بھرپور طریقے سے جمع کیا ہے۔اس سنن میں نقد و جرح سے متعلق اقوال کا ایک عمدہ ذخیرہ موجود ہے۔احادیث کے اگر متعدد طرق بیان کیے ہیں تو ان پر مکمل بحث کر کے ان کی حیثیت بھی متعین کر دی ہے اور بتایا ہے کہ روایت کی حیثیت کیا ہے۔ہر روایت کے حسن و ضعف ، ارسال اور انقطاع کی صراحت بھی کر دی ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس بارے میں کہتے ہیں کہ :

((ونص الدار قطني في سننه على كثير من ذلك))

" دار قطنی نے اپنی سنن میں بیشتر روایات کے حسن اور ضعیف ہونے کی نشان دہی کی ہے۔"

مولف نے رُواۃ کے نام ، کنیت ، بلاد و اماکن اور مشکل الفاظ و کلمات کی مختصر وضاحت اور تفسیری بحث بھی کی ہے۔ (۳)

امام ابن حبانؒ

محمدؒ نام ، ابو حاتم کنیت اور ابن حبان لقب ہے۔سلسلہ نسب یوں ہے :

" محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبدؒ"

ابن حبانؒ عربی النسل تھے جیسا کہ آپ کے نسب سے ظاہر ہے۔عرب کے مشہور قبیلۂ تمیم کی شاخ دارم سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔اس لیے دارمی اور تمیمی کہلاتے ہیں۔

بُست کو آپ کے مولد ، ہونے کا فخر حاصل ہے۔یہ سیستان میں غزنین اور ہرات کے درمیان دریائے ہلمند کے کنارے واقع تھا۔محب الدین بن خطیب کا بیان ہے :

" غالب گمان یہ ہے کہ ابن حبان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بزرگ مجاہدین اسلام کے اس دستہ میں شامل رہے ہوں گے۔جو پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسم ثقفیؒ کی سرکردگی میں ہندوستان آیا تھا اور ملتان کی فتح کے بعد انہی علاقوں میں آباد ہو گئے ہوں گے۔انہی کی نسل سے محمد بن حبانؒ بُست میں پیدا ہوئے۔" (۴)

امام ابن حبانؒ نے اپنے دَور کے کبار شیوخ سے استفادہ کیا اور بھرپور استفادہ کیا۔حافظ ذہبیؒ اور امام ابن سبکیؒ لکھتے ہیں :

((وأمما لا يحصون من مصر إلى خراسان))

Marfat.com

"مصر سے لے کر خراسان تک کے بے شمار شیوخ سے ابن حبان نے کسبِ فیض کیا۔"

اس ضمن میں آپ خود لکھتے ہیں:

((لعلنا قد كتبنا عن ألفي شيخ ما بين الشاش والإسكندرية))

"شاید ہم نے شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے دو ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔"

اگر ابن حبانؒ کی مختلف علوم میں مہارت اور رحلت و سفر کی کثرت کو مدِ نظر رکھا جائے تو اس بیان میں کوئی مبالغہ معلوم نہ ہو گا۔ آپ کے بعض مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

- امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ
- امام ابو خلیفہ جمحیؒ
- امام احمد بن حسن صوفیؒ
- قاضی ابو احمد بن ابراہیم بُستیؒ
- حافظ جعفر بن احمد دمشقیؒ
- امام حسین بن ادریس ہرویؒ
- امام محمد بن یحییٰ مدینیؒ
- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاقؒ

امام ابن حبان کے تلامذہ کی تعداد بھی اَن گنت ہے۔ مشہور حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

- امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ
- امام ابو عبد اللہ بن مندہ اصبہانیؒ
- امام جعفر بن شعیب بن محمد سمرقندیؒ
- امام حسن بن منصورؒ
- امام ابو الحسن محمد بن احمد زوزنیؒ
- امام ابو سلمہ محمد بن محمد بن داؤد شافعیؒ
- ابو علی منصور بن عبد اللہ خالد ذہلیؒ وغیرہ

امام ابن حبانؒ فنِ حدیث کے باکمال ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں مؤرخین اور اہل سیر نے آپ کو حدیث میں "مکثر" اور معرفتِ حدیث میں "امام" قرار دیا ہے متون و اسانید حدیث کے عالم اور واقف کار تھے۔ حدیث میں آپ کے کارنامے غیر معمولی ہیں۔ آپ نے علومِ حدیث کی حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں۔(۵)

امام حاکمؒ لکھتے ہیں:

"حدیث میں امام ابن حبان سے بے نظیر تالیفات یادگار ہیں۔ آپ کی مہارت اور ژرف نگاہی کا ثبوت یہ ہے کہ آپ جرح و تعدیل کے امام تھے اور اس فن میں آپ کی تصنیفات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔"

امام ابن حبانؒ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت اہم کام کیا اور ضخیم لٹریچر تخلیق کیا۔ آپ کی جن تالیفات کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ان کی فہرست درج ذیل ہے:

- کتاب الصحابة
- کتاب التابعین
- کتاب اتباع التابعین
- کتاب تبع الاتباع
- کتاب علل الحدیث الزهری
- کتاب علل حدیث مالک

Marfat.com

- کتاب غرائب الاخبار
- مناقب مالک بن انس
- کتاب المعجم علی المدن
- روضۃ العقلاء ونزھۃ الفضلاء
- کتاب الجرح و التعدیل
- کتاب الفصل و الوصل
- کتاب مناقب الشافعی
- کتاب شعب الایمان
- کتاب الھدایۃ إلی علم السنن
- کتاب الثقات

صحیح ابن حبان

امام ابن حبان کو زیادہ شہرت "کتاب الثقات "اور " صحیح ابن حبان" کی وجہ سے ملی۔ صحیح ابن حبان کا نام "التقاسیم والأنواع" بھی ہے۔اس کو حدیث کی مشہور اور اہم کتاب خیال کیا جاتا ہے۔اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت اس کی صحت ہے۔جو کتابیں "صحیح" کے عنوان سے مرتب کی گئی ہیں ان میں امام ابن خزیمہ کی کتاب کے بعد اس کا درجہ ہے۔

امام ابن حبانؒ نے اپنی " صحیح "کو نہایت دلچسپ انداز اور نرالے اسلوب پر مرتب کیا ہے یعنی فقہی ابواب اور مسانید پر احادیث مرتب کرنے کے مشہور اور مروّج اسالیب کے بجائے اس کو اقسام و انواع پر مرتب کیا گیا ہے۔ہر حدیث کے آخر میں رجال و اسانید کی تحقیق ' حدیث کے مفہوم کی تعیین و وضاحت اور اسناد و متون کی فنی بحثیں اور دوسرے مفید و لطیف معلومات بیان کی گئی ہیں۔

کتاب کے عنوانات سے امام ابن حبان کی فقہی بصیرت ' عالمانہ ژرف نگاہی اور سنت و اثر سے مکمل واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔(۶)

امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)

آپ کا نام سلیمان بن احمدؒ کنیت ابو القاسم اور نسبت الطبرانی ہے۔شام کے معروف شہر عکا میں صفر ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام طبرانی نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جو خالص علمی تھا۔آپ کے والد کی خواہش تھی کہ طبرانی کی تعلیم و تربیت کا انتظام بہتر ہو۔اس لیے بچپن میں آپ کی تعلیم کے لیے فاضل اور قابل اتالیق مقرر کیے۔ابتدائی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد ۲۷۳ھ میں آپ نے مجالس حدیث میں بیٹھنا شروع کیا قریبی مراکز کے اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کر لینے کے بعد آپ نے بیت المقدس کا سفر کیا تقریباً ایک سال تک القدس میں رہنے کے بعد قیساریہ گئے وہاں محمد بن یوسف الفریابیؒ (م ۲۱۲ھ) کے قائم کردہ مرکز حدیث میں قیام کیا اور ان کے تلامذہ سے مستفید ہوئے۔اس کے بعد حمص ،جبلہ اور مدائن الشام کا سفر کیا اور بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور ان سے روایات اخذ کیں۔اس کے بعد حجاز کا رُخ کیا، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کر لینے کے بعد مصر کا سفر کیا اور رقہ سے ہوتے ہوئے عراق میں داخل ہوئے۔ عراق میں رہنے کے بعد آپ نے اصفہان کا سفر کیا۔ وہاں قیام کے بعد جزیرہ اور فارس کے مراکز علم گئے۔پھر اصفہان واپس ہوئے اور یہیں کے ہو رہے آپ تقریباً سات سال تک اصفہان میں رہے یہاں آپ کا مرکز حدیث طلبہ اور علماء و مشائخ کا مرجع تھا۔ امام طبرانیؒ نے اپنے دَور کے مشائخ کی بہت بڑی تعداد سے

Marfat.com

استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے جن میں مشہور و معروف درج ذیل ہیں:

- ھاشم بن مرثد الطبرانیؒ
- محدّث شام ابو زرعۃ الدمشقیؒ
- مسند یمن امام اسحاق بن ابراہیم الدبریؒ
- بشر بن موسی محدّث بغدادؒ
- ابو الحسن علی بن عبد العزیز البغویؒ
- ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ
- عبد اللہ بن احمد بن حنبلؒ
- یحیٰی بن ایوّب العلافؒ وغیرہ

آپ کے شاگردوں کی تعداد اَن گنت ہے۔ ان میں سے جن کو زیادہ شہرت ملی ان کے نام یہ ہیں:

- ابوخلیفۃ الفضل بن الحباب الجمحیؒ
- ابوالعباس احمد بن محمد الکوفی المعروف بابن عقدہؒ
- ابو بکر احمد بن موسی المعروف بابن مردویہ الاصفہانیؒ
- ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانیؒ
- ابوالفضل احمد بن محمد الجارودیؒ وغیرہ

امام طبرانیؒ اپنے دَور کے بہت بڑے امام اور شیخ تھے۔ حافظ ذھبی نے آپ کو "مُسند الدنیا" کا لقب دیا ہے ابن عساکرؒ لکھتے ہیں کہ: ((احد الحفاظ المکثرین الرحالین)) آپ ان حفاظ حدیث میں سے تھے جنہوں نے سماعِ حدیث اور اخذِ حدیث کے لیے بکثرت علمی اسفار کیے۔

امام طبرانیؒ کے پاس احادیث کا وسیع ذخیرہ تھا ایک مرتبہ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا: ((کنت انام علی البواری ثلاثین سنۃ))" میں تیس سال تک حدیث کی طلب اور حفظ کی خاطر چٹائی پر سویا۔ مطلب یہ کہ مسلسل سفر میں رہا۔"

امام طبرانیؒ نے بہت سی کتابیں مرتب کیں اور ہر موضوع پر قلم اُٹھایا۔ حدیث، تفسیر اور دلائل پر آپ کی تالیفات نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ لیکن آپ کو جن کتابوں کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی وہ "معاجم ثلاثہ" کہلاتی ہیں۔ معاجمِ ثلاثہ سے مراد "المعجم الکبیر"، المعجم الوسیط اور "المعجم الصغیر" ہے۔

"المعجم الکبیر" امام طبرانیؒ کی سب سے زیادہ مشہور تالیف ہے۔ اس کتاب میں آپ نے رُواۃ حدیث کی ترتیب کے مطابق روایات جمع کی ہیں۔ حدیث کے جتنے اہم رُواۃ ہیں ان سب کی روایات آپ نے نقل کی ہیں۔ البتہ اس معجم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت عائشہؓ کی مرویات بھی نہیں آئی ہیں۔ امام طبرانیؒ کی دوسری معجم "المعجم الوسیط" ہے۔ اس کتاب کو آپ نے اپنے شیوخ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ ہر شیخ کی اس حدیث کو اخذ کیا ہے جس میں انفرادیت تھی یہ کتاب امام دار قطنیؒ کی کتاب "الافراد" سے ملتی جلتی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں آپؒ کہتے ہیں:

((ھذا الکتاب روحی)) یہ کتاب میری جان ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں امام طبرانیؒ نے بہت محنت اور جدوجہد کی ہے۔

Marfat.com

کتاب میں چونکہ رُواۃِ حدیث کے تینوں طبقوں کی روایات براہِ راست اخذ کی گئی ہیں۔ اس لیے علماء حدیث کے ہاں اس کتاب کو چوتھے طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام طبرانیؒ کی تیسری معجم "المعجم الصغیر" کہلاتی ہے۔ اس میں آپ نے ہر ایک شیخ کی ایک روایت بیان کی ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام طبرانیؒ نے اپنے دَور کے کتنے سارے مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور استفادہ کیا۔ امام طبرانیؒ نے بہت بھرپور زندگی گزاری اور ایک سو سال کی عمر میں ۳۶۰ھ میں انتقال کر گئے۔ (۷)

قاسم بن اصبغؒ

ابو محمد قاسم بن اصبغ بن محمد بن یوسف البیانیؒ۔ آپ کی نسبت بیانہ کی طرف ہے جو قرطبہ سے تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ قاسم بن اصبغؒ اندلس کے ممتاز محدثین اور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے حدیث اور فقہ پر کئی کتابیں لکھیں۔ لیکن جو کتاب زیادہ متداول رہی وہ "الصحیح المنتقی" ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

" قاسم بن اصبغؒ کا انتقال ۳۴۰ھ میں ہوا۔ آخری عمر میں روایت کرنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ قوت حافظہ کمزور ہو گئی تھی۔" (۸)

ابن السکنؒ

حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن بغدادی، مصریؒ۔ اپنے دَور کے بہت بڑے امام اور محدّث تھے۔ علماء حدیث نے آپ کی کتاب "الصحیح" کو صحاح غیر مجردہ میں شمار کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں تمام ضروری احکام ابواب کے مطابق ترتیب دیے اور وہ روایات جمع کیں جن کا تعلق سنن ماثورہ سے ہے۔ آپ نے ۳۵۳ھ میں مصر میں وفات پائی۔ (۹)

امام طحاویؒ

آپ کا نام احمد، کنیت ابو جعفر اور نسبت الطحاوی ہے۔ شجرۂ نسب یوں ہے:

" ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الأزدی المصری الطحاوی "

امام طحاویؒ کا تعلق چوں کہ یمن کے مشہور قبیلے "ازد" سے تھا اس لیے اس کی طرف منسوب ہو کر "ازدی" کہلاتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد مصر کے فتح ہو جانے کے بعد صعید کے قریب "طحا" نامی گاؤں میں آ کر آباد ہو گئے تھے اس لیے آپ مصری اور طحاوی بھی کہلاتے ہیں۔ ابن خلکانؒ اور حافظ ذہبیؒ کے مطابق آپ کی پیدائش ۲۲۹ھ میں ہوئی۔ امام طحاویؒ شروع میں استفادہ کرنے کی غرض سے مصر آئے۔ وہاں اپنے ماموں امام ابراہیم مُزنیؒ سے پڑھتے رہے۔ امام مُزنیؒ چوں کہ امام شافعیؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ اس لیے آپ نے اُن سے امام شافعیؒ کی روایات اور اجتہاد اخذ کیا۔ بعد میں جب احمد بن ابی عمران حنفیؒ مصر کے قاضی بن کر آئے تو آپ نے ان کی صحبت اختیار کی اور فقہ حنفی کے مصادر کا مطالعہ کیا اور بالآخر اس فقہ میں بھرپور مہارت حاصل کر لی۔ (۱۰)

Marfat.com

امام طحاویؒ نے امام مزنیؒ اور احمد بن ابی عمران حنفیؒ کے علاوہ مصر کے دیگر محدثین کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا۔ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- امام یونس بن عبد الاعلیٰؒ (م ۲۶۴ھ)

جن کے متعلق حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

((عالم الدیار المصریة، الامام الحافظ، المقریٔ))

- امام ہارون بن سعید ایلیؒ
- امام محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیمؒ
- امام بحر بن نصرؒ وغیرہ

مصر کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ نے ۲۶۸ھ میں شام کا سفر کیا جہاں ابو حازم قاضیٔ دمشق سے ملاقات کی اور ان سے استفادہ کیا۔اس کے بعد ۲۶۹ھ میں مصر واپس تشریف لائے۔

امام طحاویؒ کے اساتذہ کی تعداد بہت طویل ہے ان کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس دور کے ہر خرمنِ حدیث سے خوشہ چینی کی جن میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے شیوخ بھی ہیں۔ (۱۱)

امام طحاویؒ کے علمی کمالات نے ان کی ذات کو طلبہ کے لیے حدیث و فقہ کا مرجع بنا دیا تھا اس لیے آپ کے شاگردوں کا دائرہ بہت وسیع ہے ان میں سے جن کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

- امام احمد بن قاسم خشابؒ
- امام ابو بکر بن المقریٔ الطبرانیؒ
- امام عبد العزیز بن محمد جوہریؒ
- امام ابو الحسن محمد بن احمد صمیمیؒ
- امام احمد بن عبد الوارث زجاجؒ
- امام محمد بن بکر بن مطروحؒ وغیرہ (۱۲)

امام طحاویؒ کے فضل و کمال، ثقاہت و دیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین و مؤرخین نے کیا ہے۔جیسے متقدمین طبرانی، خطیب بغدادی امام حمیدی، ابن عساکر رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور متاخرین میں حافظ ابوالحجاج مزیؒ، حافظ شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہم اللہ نے آپ کی امامت کو تسلیم کیا ہے۔

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ لکھتے ہیں:

((کان الطحاوی من اعلم الناس بسیر الکوفیین وأخبارھم وفقھھم مع مشارکتہ فی جمیع المذاھب)) (۱۳)

"امام طحاویؒ علماء کوفہ کے سیر و اخبار اور اجتہاد کے بڑے عالم تو تھے ہی دیگر مذاہب سے بھی پوری طرف واقفیت رکھتے تھے۔"

Marfat.com

مؤرخین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاویؒ نے مختلف فنون کے حوالے سے تالیفات کی ہیں۔

متاخرین علماء سے زیادہ متقدمین نے ہمیشہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔آپ نے حدیث کے مجال میں بہت ساری کتابیں تالیف کیں۔لیکن ان کتب میں سے اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔ذیل میں آپ کی تالیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

ا۔معانی الآثار

یہ آپ کی پہلی تالیف ہے۔جو تیسری صدی ہجری تک مدون ہونے والی تالیفات میں منفرد حیثیت کی حامل ہے۔

۲۔مشکل الآثار

یہ آپ کی آخری تالیف ہے اس میں آپ نے احادیث کے تضاد کو رفع کیا ہے اور ان سے احکام کا استخراج کیا ہے۔ قاضی ابن رُشدؒ نے بعض اعتراضات کے ساتھ اس کا اختصار کیا ہے۔علامہ عینیؒ کے شیخ قاضی جمال الدین یوسف ملطیؒ نے اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے جو "المعتصر من المختصر" کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔مشکل الآثار مستند اول اور معروف ہے۔

۳۔ اختلاف العلماء
۴۔ کتاب احکام القرآن
۵۔ کتاب الشروط الکبیر
۶۔ کتاب الشروط الاوسط
۷۔ کتاب الشروط الصغیر
۸۔ مختصر الطحاوی

مختصر الطحاوی حیدر آباد دکن سے چھپ کر مشہور اور رائج ہو چکی ہے اس کی وہ شرح جو امام ابو بکر جصاصؒ نے مرتب کی تھی اُس پر جامعہ اُم القریٰ کے چار سکالرز نے تحقیق کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر لی ہیں۔ان چاروں سکالرز کے تحقیقی مقالات چھپ چکے ہیں۔

۹۔ نقض کتاب المدلسین
۱۰۔ الرّد علی ابی عبید
۱۱۔ التاریخ الکبیر
۱۲۔ کتاب فی النحل و احکامها
۱۳۔ سنن الشافعی: اس سنن میں وہ ساری روایات آئی ہیں جو امام طحاوی نے امام مزنی سے اخذ کی ہیں
۱۴۔ شرح المغنی
۱۵۔ النوادر الفقهیه
۱۶۔ کتاب الأشربة
۱۷۔ شرح الجامع الصغیر للامام محمد
۱۸۔ شرح الجامع الکبیر
۱۹۔ کتاب النوادر و الحکایات
۲۰۔ کتاب الوصایا
۲۱۔ کتاب الفرائض
۲۲۔ اخبار ابی حنیفه رحمه الله
۲۳۔ کتاب صحیح الآثار
۲۴۔ إختلاف روایات علی مذهب الکوفیین
۲۵۔ مناقب ابی حنیفه رحمه الله

Marfat.com

ان تمام تالیفات میں جس تالیف کی وجہ سے امام طحاویؒ کو شہرت ملی وہ "شرح معانی الآثار" ہے۔اس کو معانی الآثار بھی کہتے ہیں مُلّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہ امام طحاویؒ کی پہلی تالیف ہے مگر ان کی کتابوں میں نہایت اہم ، مشہور اور متند اوّل ہے۔ علماء نے خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دی ہے۔حافظ سخاویؒ نے جن کتب حدیث کے مطالعہ کا خصوصی مشورہ دیا ہے۔ان میں شرح معانی الآثار بھی ہے۔علامہ عینیؒ کو یہ کتاب اتنی پسند تھی کہ آپ نے برسوں اس کا درس دیا۔علامہ عینیؒ نے بہت سی کتبِ حدیث پر معانی الآثار کو ترجیح دی ہے آپ کہتے ہیں:

"سنن ابو داؤد ، جامع ترمذی ، اور سنن ابن ماجہ وغیرہ پر اس کتاب کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ اس میں شک کرنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔" (۱۴)

امام ابن حزم اندلسیؒ نے معانی الآثار کو سنن ابو داؤد اور سنن نسائی کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔معانی الآثار میں بکثرت ایسی روایات ملتی ہیں جو دیگر مصادرِ حدیث میں نہیں ملتیں۔امام طحاویؒ ایک روایت کی دستیاب مختلف اسانید جمع کر دیتے ہیں جس سے بہت سارے نکات اور فوائد نمایاں ہو جاتے ہیں۔غیر منسوب رُواۃ کی نسبت ، مبہم راوی کا نام ، مشتبہ کی تعیین ، مجمل کی تفسیر، اضطراب اور شک راوی سب کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں صحابہ اور تابعین کے آثار ، فقہاء کے اقوال اور ائمہ حدیث کی جرح و تعدیل بھی بیان کرتے ہیں۔جن سے ان کے معاصرین کی کتابیں خالی ہیں۔

کبھی ترجمۃ الباب کسی فقہی مسئلہ پر قائم کرتے ہیں اور باب کے تحت کی روایت سے ایسے باریک استنباطات کرتے ہیں جس کی طرف ذہن کم ہی منتقل ہو سکتا ہے۔کتاب کو فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے کبھی معلوم ہوتا ہے کہ باب کی روایت بہ ظاہر عنوان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی مگر نہایت باریک طریقہ سے عنوان سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے اس کی روایت کرتے ہیں۔ادلّہ احناف کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر "نظر" قائم کر کے پوری طرح بحث کرتے ہیں جس سے تفقہ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ابو عوانہؒ (م۳۱۶ھ)

ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینیؒ۔حافظ حدیث، عادل اور ثقہ تھے۔ان کی تالیف کا نام "الصحیح المسند" ہے۔ابو عوانہ نے طلبِ علم کے لیے اسلامی دنیا کے اہم مقامات کا سفر کیا۔امام حاکم نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ ابو عوانہؒ اپنے دور میں علمائے حدیث کے امام تھے۔۳۱۶ھ میں آپ نے وفات پائی۔قبر اسفرائین کے مرکز میں ہے۔حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ ابو عوانہؒ پہلے شخص ہیں جو امام شافعیؒ کے مذہب اور کتابوں کو اسفرائین لائے تھے۔ (۱۵)

حافظ ابن مندہؒ (م۳۹۵ھ)

محمدؒ نام ہے۔ابو عبداللہ کنیت ہے۔والد کا نام ابو یعقوب اسحاقؒ ہے۔ابو عبداللہؒ کے آباء واجداد میں ابن مندہ ایک ممتاز شخص تھے۔جن کی نسبت سے ابو عبداللہ ابن مندہؒ مشہور ہو گئے۔حافظ ذہبیؒ نے ابن مندہؒ کو امام، حافظ، جوال (زیادہ سفر کرنے والا) اور محدّث العصر کے القاب سے یاد کیا ہے۔آپ ۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔طلبِ علم میں شاش سے

Marfat.com

اسکندریہ تک سفر کیا۔اس دور کے جتنے اہم علمی مراکز تھے آپ نے ان سب سے استفادہ کیا۔زیادہ سفر میں رہنے کی وجہ سے آپ "ختام الرحالین" کہلاتے ہیں۔مطلب یہ کہ سفر ان پر ختم ہوگیا۔آپ کا تعلق طبقۂ مکثرین سے ہے یعنی حدیث کی سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ابن مندہؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے جس قدر حدیث کی سماعت کی اور جس قدر حدیث لکھ کر جمع کیا اس امت میں کسی نے اس قدر حدیث کی نہ سماعت کی اور نہ جمع کا کام کیا۔

جب ابن مندہؒ خراسان سے واپس آرہے تھے تو ان کے پاس کتابوں کا جو ذخیرہ تھا وہ چالیس بوجھ کے برابر تھا۔ابن مندہ کی صحت اتنی اچھی تھی کہ خود ابن مندہؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بھر نہ کبھی دوا پی اور نہ فصد کھلوائی اور نہ کسی سے کچھ عطیہ قبول کیا۔

حافظ ابن مندہؒ کے صاحبزادے عبدالرحمنؒ کہتے ہیں کہ:

"ان کے والد ابن مندہ نے چار شیوخ سے چار ہزار اجزاء لکھیں۔وہ چار شیوخ یہ ہیں: ابن الاعرابی، اصم، خیثمہ، ہیثم بن کلیب"

نیز ابن مندہؒ کے فرزند اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"میں نے ایک ہزار سات شیوخ سے حدیث کی کتابت کی ہے۔"

ابو اسحاق بن حمزہؒ کہتے ہیں کہ:

"میں نے ابو عبداللہ بن مندہؒ جیسا عالم، فاضل اور عاقل کوئی اور نہیں دیکھا۔"

حافظ جعفر بن احمدؒ کہتے ہیں کہ:

"میں نے ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے استفادہ کیا ہے لیکن ان میں ابن مندہ جیسا حافظ اور ضابط کسی کو نہیں پایا۔"

ہرات کے شیخ ابو اسماعیل القاریؒ کہتے ہیں کہ:

"ابو عبداللہ ابن مندہؒ اپنے دور کے سند ہیں۔"

حافظ ابو نعیمؒ اور حافظ ابن مندہؒ میں باہم علمی اور فکری اختلافات رہتے تھے۔جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے بارے میں بعض اوقات سخت الفاظ بھی استعمال کر لیتے تھے۔تاہم جب ابو نعیمؒ کے سامنے ابن مندہؒ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتے کہ ابن مندہؒ جبال میں سے ایک جبل ہیں یعنی علم کے پہاڑ ہیں۔حافظ ابن مندہؒ علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔انہوں نے کئی تالیفات کیں لیکن جو کتاب طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں متداول رہی وہ "معرفۃ الصحابۃ" ہے۔حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ:

"ابن مندہؒ کی یہ کتاب بہت عمدہ اور مفید ہے۔لیکن اس میں ایسی روایات بھی آئی ہیں جو کمزور اور غیر معیاری ہیں۔" (۱۶)

Marfat.com

ابن السنیؒ (م ۳۶۴ھ)

ابو بکر کنیت، احمدؒ نام ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم دینوریؒ۔ آپ ابن السنیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ حافظِ حدیث، امام، ثقہ اور عادل تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت جعفر بن ابو طالب ہاشمیؒ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ ابن السنیؒ کی تالیف کا نام "عمل الیوم واللیلة" ہے۔ اس کتاب میں رسولِ اکرم ﷺ کے شب وروز کے اعمال کا تذکرہ ہے۔ حافظ ابن السنیؒ، سنن نسائی کے روای ہیں۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: "ابن السنیؒ دین دار، نیک خو اور راست باز تھے۔ آپ نے اسی (۸۰) برس سے زیادہ عمر پائی۔" ابن السنیؒ کے صاحبزادے علی بن احمدؒ کہتے ہیں کہ: "میرے والد نے قلم کو دوات پر رکھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ ۳۶۴ھ کے آخری سال کا ہے۔"(۱۷)

رامہرمزیؒ (م: ۳۶۰ھ)

ابو محمد کنیت، حسنؒ نام ہے۔ والد کا نام عبدالرحمن بن خلاّد فارسیؒ ہے۔ آپ "رامہرمز" کے رہنے والے تھے اس لیے رامہرمزی مشہور ہو گئے۔ حافظِ حدیث، اپنے دور کے امام اور قاضی تھے۔ علوم حدیث میں آپ کی تالیف کا نام "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" ہے اور دوسری تالیف "کتاب الامثال" ہے۔ حافظ ابن مندہؒ نے اپنی کتاب "الوفیات" میں لکھا ہے کہ رامہرمزی تقریباً ۳۶۰ تک رامہرمز میں بقید حیات رہے۔

"المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" علوم الحدیث میں پہلی کتاب ہے۔ بعد میں آنے والے علماء نے علوم الحدیث کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی کتاب کی بنیاد پر لکھا ہے۔

حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ)

ابو احمد کنیت، عبداللہؒ نام ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک جرجانیؒ۔ آپ ابن عدیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ ابن عدیؒ اپنے عہد کے امام، حافظ حدیث اور نقاد تھے۔ قوتِ حافظہ ایسی تھی کہ ضرب المثل تھے۔ آپ نے امام نسائیؒ سے بھرپور استفادہ کیا۔ حدیث کے مختلف پہلوؤں پر آپ نے تالیفات کیں۔ لیکن جس تالیف کی وجہ سے آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ "الکامل" ہے۔ "الکامل" فن جرح وتعدیل میں اسم با مسمّٰی ہے۔ امام حمزة السہمیؒ کہتے ہیں کہ:

> "میں نے امام دار قطنیؒ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ "ضعفاء" کے موضوع پر ایک کتاب لکھیں۔ میری خواہش کے جواب میں امام دار قطنیؒ نے کہا: کیا آپ کے پاس حافظ ابن عدی کی کتاب "الکامل" نہیں ہے؟... میں نے کہا: ہاں! "الکامل" میرے پاس موجود ہے۔ امام دار قطنیؒ نے کہا: "الکامل" تیرے لیے کافی ہے اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔"

حافظ احمد بن ابی مسلمؒ کہتے ہیں کہ:

> "میں نے ابن عدیؒ جیسا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔"

Marfat.com

ابن عدیؒ بہت بڑے حافظ تھے احمد بن ابی مسلم کی ملاقات امام طبرانیؒ اورابواحمد حاکمؒ سے ہو چکی تھی ان دونوں کا حافظہ اورابن عدیؒ کے حافظ کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان دونوں (طبرانیؒ اور ابو احمد حاکمؒ) کا حافظہ کسبی (حاصل کردہ) تھا اور ابن عدیؒ کا وہبی (قدرتی) تھا۔ابن عدیؒ کی معجم ایک ہزار سے زیادہ شیوخ پر مشتمل ہے۔(۱۸)

قاضی المحاملیؒ (م ۳۳۰ھ)

حسین نام، ابو عبداللہؒ کنیت، والد کا نام اسمعیل بن محمدؒ ہے۔ جنتی اور بغدادی نسبت ہے۔ المحاملی کے نام سے مشہور ہوئے۔۲۳۵ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔نو برس کی عمر میں آپ نے علمی مجالس میں شرکت کرنے کا آغاز کیا۔آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں ابو حذافہ احمد بن اسماعیل السہمیؒ بھی ہیں اور تلامذہ میں امام دارقطنیؒ بھی ہیں۔ قاضی المحاملیؒ نے حدیث کے موضوع پر بہت کچھ لکھا۔خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں کہ:

> "المحاملیؒ فاضل، دیندار اور صادق القول تھے۔بیس(۲۰) سال کی عمر میں آپ کو قضا کے منصب پر فائز کیا گیا اور ساٹھ سال کی عمر تک کوفہ کے قاضی رہے۔"

ابن جمیع الغسانیؒ کہتے ہیں کہ:

> "المحاملیؒ کے پاس سفیان بن عینیہ کے تلامذہ بھی آتے اور بکثرت آتے تھے۔"

ابو بکر داؤدیؒ کہتے ہیں کہ:

> "المحاملیؒ کی مجلسوں میں دس ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے۔۳۲۰ھ سے پہلے المحاملیؒ منصب قضا سے مستعفی ہو گئے۔آپ جب تک قاضی رہے خواص اور عوام سب آپ کے سلوک اور رویہ سے خوش تھے۔۳۲۰ھ میں المحاملی نے اپنے گھر میں فقہ کی مجلس قائم کی جس میں اہلِ علم اور اہلِ نظر برابر شریک ہوتے تھے۔۱۲ ربیع الآخر ۳۳۰ھ کو حسبِ دستور المحاملی نے مجلس منعقد کی جس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور گیارہ روز تک بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔"(۱۹)

پانچویں صدی کے بعض مشہور محدّثین

چوتھی صدی ہجری کی طرح پانچویں صدی میں بھی عالم اسلام کے مختلف اطراف میں بڑے نامور اور بلند پایہ محدّث پیدا ہوئے جنہوں نے علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔یہاں ان میں سے چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو اس صدی میں علماء حدیث کی خدمات کے انداز اور اسلوب کا تعارف ہو سکے۔

امام بیہقیؒ (م-۴۵۸ھ)

آپ کا نام احمد بن الحسین ، کنیت ابو بکرؒ اور نسبت بیہقی ہے۔ بیہق نیشاپور سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔امام بیہقیؒ اس بستی میں ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم نیشاپور کے اساتذہ سے حاصل کی۔نیشاپور اس دور میں

Marfat.com

بہت بڑا علمی مرکز تھا اور مختلف علوم و فنون کے مشہور و معروف اساتذہ اس علاقہ میں آباد تھے۔ نیشاپور کے علاوہ آپ نے بغداد، حجاز، کوفہ اور خراسان کے علمی مراکز سے استفادہ کیا اور اپنے دَور کے بڑے بڑے شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آپ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ ان میں سے جو بہت زیادہ معروف و مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں:

- امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ
- امام ابو طاہر بن محمش الفقیہؒ
- امام ابو سعید المالینی الصوفیؒ
- امام ابو عمر البسطامیؒ (۲۰)

ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی نے السنن الصغیر پر اپنے تحقیقی مقدمہ میں امام بیہقیؒ کے شیوخ کا بہت تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ جو بہت مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

فقہ میں آپ نے اپنے دَور کے عظیم فقیہ امام ابو الفتح ناصر بن محمد العمریؒ اور امام ابو سہل صعلوکیؒ سے استفادہ کیا۔ امام بیہقیؒ کو علمی کمال کی بناء پر اپنے دَور میں مرجع کی حیثیت حاصل رہی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے ان میں سے جن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

- امام شیخ الاسلام ابو اسماعیل الانصاریؒ
- امام اسماعیل بن احمد البیہقیؒ
- امام ابو الحسن عبد اللہ بن اسماعیل البیہقیؒ
- امام ابو زکریا یحیٰی بن مندہ الحافظؒ
- امام ابو عبد اللہ محمد بن الفضلؒ
- ابو المعالی محمد بن اسماعیل الفارسیؒ وغیرہ (۲۱)

حافظ عبد الغافر بن اسماعیل الفارسیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

" امام ابو بکر بیہقیؒ ایک اعلیٰ درجہ کے فقیہ، حافظِ حدیث، دیانت دار، متقی، متقن اور ضبطِ حدیث میں بے مثال تھے۔"

آپؒ لکھتے ہیں:

((جمع بين علم الحديث و الفقه و بيان علل الحديث و وجه الجمع بين الاحاديث))

" امام بیہقیؒ نے حدیث اور فقہ کو یک جا کر دیا۔ روایات کی علتوں کو واضح کر دیا اور ان احادیث میں تطبیق پیدا کی جن میں اختلاف تھا۔"

امام بیہقیؒ نے بہت کچھ لکھا۔ لیکن آپ کی جو کتابیں طلبہ اور علماء کے ہاں زیادہ متداول رہیں وہ درج ذیل ہیں:

Marfat.com

۱۔ السنن الکبریٰ

یہ امام بیہقیؒ کی سب سے زیادہ مشہور تالیف ہے۔علامہ علاء الدین ترکمانیؒ نے اس پر حاشیہ لکھا ہے جس کا نام "الجوھر النقی" ہے۔

۲۔ السنن الصغیر

یہ کتاب اُستاذ امین رواس قلعجی کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے شروع میں بہت مفید مقدمہ ہے جس میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ اور امام بیہقیؒ کے حالات اور کتاب کے بارے میں اہم نکات درج ہیں۔

۳۔ شعب الإیمان

یہ امام بیہقیؒ کی بہت خوب صورت اور وقیع تالیف ہے۔اس میں آپ نے روایات و آثار نقل کیے ہیں اور ساتھ ساتھ علماء، صلحاء اور اہل سلوک کے اقوال بھی جمع کیے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

۴۔ معرفۃ السنن والآثار

یہ وہ کتاب ہے جو امام بیہقیؒ اپنے تلامذہ کو بطورِ خاص پڑھاتے تھے اس میں آپ نے احکام سے متعلق روایات و آثار اور اقوال کو جمع کیا ہے۔

۵۔ کتاب الاسماء والصفات

یہ کتاب حیدر آباد دکن سے ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔اس میں "اسماء" اور "صفات" سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

۶۔ دلائل النبوۃ

اس کتاب کا تعلق سیرت سے ہے۔اپنے موضوع پر منفرد، وقیع اور علمی تالیف ہے دو ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے

۷۔ مناقب الشافعی

امام شافعیؒ کی حیات، علمی خدمات اور مناقب پر مشتمل ہے۔دار التراث قاہرہ کی طرف سے چھپ چکی ہے۔

ان تمام تالیفات میں "السنن الکبریٰ" کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں ایسی روایات کا اچھا خاصا ذخیرہ آگیا ہے جو حدیث کے دیگر معروف و مشہور مصادر میں موجود نہیں۔بہت ساری روایات ایسی ہیں جو دوسرے مصادر میں اجمالاً ذکر ہوئی ہیں لیکن امام بیہقیؒ نے تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے۔کئی روایات ایسی بھی ہیں جو دوسری کتب میں سند منقطع کے ساتھ مذکور ہیں۔امام بیہقیؒ نے ان کی اسانید کو تلاش کر کے سنداً نقل کیا ہے۔

Marfat.com

سنن کبریٰ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ وجوہ طُرق اور کثرت اسانید سے بھرپور ہے۔ایک حدیث کی جتنی اسانید ہو سکتی ہیں مؤلف نے ان سب کو جمع کر دیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے ایک مفہوم کی روایات کو جمع کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ کئی مقامات پر آپ نے ایک موضوع سے متعلق معمولی فرق کے ساتھ متعدد روایات کو جمع کر کے نقل کیا ہے۔ تراجم ابواب کی کثرت سنن کبریٰ کی امتیازی اور فقہی خصوصیت ہے مؤلف نے ہر ہر فقہی مسئلہ کے استنباط کے لیے مستقل اور جدا گانہ عنوان قائم کیے ہیں۔اس کی وجہ سے امام بیہقیؒ کے فقہی مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔متون کے معانی و مطالب کی وسعت اور تنوع جگہ جگہ عیاں ہے۔قوت استدلال، استنباط و استخراج کا ایک واضح منہج "سنن کبریٰ" میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔عنوانات اور ابواب قائم کر کے مؤلف نے ایسے لطیف، دقیق اور انوکھے نکات کی طرف اشارے کیے ہیں جن کی طرف عموماً ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

کتاب کی ترتیب و تدوین بہت عمدہ ہے۔ابواب کے تفنن اور اسالیب کے تنوع کے لحاظ سے اس کا درجہ اکثر سنن اور مسانید سے برتر نظر آتا ہے۔"صحیح بخاری" اور کتب سنن کی طرح اس کے ابواب بھی روایات سے ماخوذ ہیں۔مناسبت کا پہلو کہیں دقیق اور کہیں بالکل معمولی ہے۔مؤلف نے "سنن کبریٰ" میں خالص تحقیقی انداز اپنایا ہے۔ہر اہم قول کا حوالہ اور مصادر کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس روایت اور قول کا ماخذ کیا ہے اور کن کن مصادر میں اسے نقل کیا گیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے اس فرق و اختلاف کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اسانید اور متون کے لحاظ سے دیگر مصادر میں پایا جاتا ہے۔سنن کبریٰ فقہی معلومات کا خزینہ ہے۔ایک ایک حدیث سے جس طرح مختلف مسائل کو مستنبط اور متعدد ابواب کی تفریع کی گئی ہے اس سے امام بیہقیؒ کے فقہی کمال اور اجتہادی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے صحابہ و تابعین کے اقوال اور ائمہ اربعہ کے اقوال و مسالک بھی جمع کیے گئے ہیں اور ضعیف و قوی، راجح و مرجوح اقوال کا محاکمہ بھی کیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے قدیم و جدید اقوال اور ان کے اصول و دلائل خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ مختلف فیہ مسائل کے متعلق صرف ایک فقہی مسلک کی مؤید روایات نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے مسالک اور مواقف کی مؤید احادیث کو بھی بیان کیا ہے۔ جرح و تعدیل کے امام ہونے کی حیثیت سے امام بیہقیؒ نے اسانید و متون پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔روایات، رجال کی ثقاہت، ضعف، جرح و تعدیل، صحت و سقم اور ترجیح و تقابل کا وافر مواد سنن کبریٰ میں موجود ہے۔حافظ ابن الصلاح سنن کبریٰ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((ما تم كتاب في السنة اجمع لِلاَدلّة من كتاب السنن الكبرى للبيهقي كأنه ' لم يترك في سائر أقطار الارض حديثاً إلا وقد وضعه في كتابه))

"دلائل کے اعتبار سے امام بیہقیؒ کی سنن کبریٰ سے بڑھ کر جامع اور مکمل تالیف حدیث و سنت کے ذخیرہ میں موجود نہیں۔لگتا ہے کہ امام بیہقیؒ نے دُنیا بھر کی روایات کو لے کر اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔"

خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ)

آپ کا نام احمد، کنیت ابو بکرؒ ہے۔سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدیؒ۔ آپ خطیب بغدادیؒ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔آپ کے والد ابو الحسن علیؒ بھی خطیب تھے۔خطیب بغدادیؒ عربی النسل ہیں۔آپ کا خاندان

Marfat.com

فرات کے مضافات میں جصاصہ کے مقام میں سکونت پذیر تھا اور گھوڑوں کی سواری میں مشہور تھا۔

خطیب بغدادیؒ ۲۴/ جمادی الثانی ۳۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ابو الحسن علیؒ بہت اچھے عالم اور عراق میں واقع ایک بستی درانجان میں خطیب تھے۔ آپ نے بچپن میں اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی۔ خطیب بغدادیؒ نے گیارہ سال کی عمر میں علماء کی مجالس میں بیٹھنا شروع کیا۔ طلبِ حدیث کے لیے خطیب بغدادیؒ نے کوفہ، بصرہ، شام، دمشق، نیشاپور، اصفہان، رے، ہمدان، حجاز اور قدس کا علمی سفر کیا۔ جو اس دور کا ایک عام دستور تھا۔ آپ نے صحیح بخاری مشہور محدثہ کریمہ بنت احمد مروزیہؒ سے پڑھی۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں البرقانیؒ، ابو نعیم اصبہانیؒ، ابو سعد مالینیؒ، قاضی ابو الطیب طبریؒ، ابو الحسن بن المحاملی قاضیؒ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں جن کو شہرت اور مقبولیت حاصل رہی ان کے نام یہ ہیں: فقیہ نصر مقدسیؒ، ابوعبداللہ حمیدیؒ، ابو نصر ابن ماکولاؒ، اور عبدالعزیز کتانیؒ۔ ابن سمعانیؒ کہتے ہیں کہ خطیبؒ بلاشبہ اپنے عہد کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے۔ خطیب بغدادیؒ کی ہر ایک تالیف مفید، وقیع اور معیاری ہے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: خطیب بغدادیؒ نے طلبِ علم کے لیے کئی ممالک کا سفر کیا۔ علم میں مہارت حاصل کی، کتابیں لکھیں اور جمع بھی کیں۔ آپ سفر میں بھی اپنی کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔ ابن ماکولاؒ کہتے ہیں کہ: ابو بکر خطیب بغدادیؒ حدیث کی معرفت، حفظ واتقان اور ضبط میں ان بڑی شخصیتوں میں آخری شخص تھے جن کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ حدیث کے علل، اسانید، صحیح، غریب، فرد، منکر اور مطروح سے اچھی طرح واقف تھے۔ بغداد میں دار قطنیؒ کے بعد خطیب کی مانند کوئی شخص نہیں تھا۔ مؤتمن ساجیؒ کہتے ہیں کہ بغداد نے دار قطنیؒ کے بعد خطیب جیسا شخص پیدا نہیں کیا۔ ابو اسحاق شیرازیؒ لکھتے ہیں کہ خطیبؒ حدیث کی معرفت اور حفظ میں دار قطنیؒ کے مشابہ تھا۔ ابو سعد سمعانیؒ کہتے ہیں کہ خطیبؒ باوقار، پر رعب، ثقہ، فصیح، خوش خط، کثیر الضبط اور علم کے متلاشی تھے۔

خطیب بغدادیؒ کی مشہور اور ضخیم تالیفات میں تاریخ بغداد ہے جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اہم تالیفات میں "الکفایة فی علم الروایة" ہے۔ حافظ ابن حجرؒ خطیبؒ کی کتاب "الکفایة" کے متعلق لکھتے ہیں کہ اصطلاح حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزیؒ نے کتاب "المحدث الفاصل" لکھی۔ لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ پھر حاکم نیشاپوریؒ نے کتابیں لکھیں مگر وہ بھی اس فن کو مہذب اور مرتب نہ کر سکے۔ ان کے بعد ابو نعیم اصبہانی حاکمؒ کے نقشِ قدم پر چلے اور حاکمؒ کی کتاب سے اپنی کتاب کو مستخرج کیا لیکن انہوں نے بہت سی باتوں کو اپنے بعد کے آنے والوں پر چھوڑ رکھا۔ ان سب کے بعد ابو بکر خطیبؒ کا دور آیا اور انہوں نے روایت کے قوانین میں کتاب "الکفایة" لکھی اور اس فن کے آداب میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام "الجامع لاداب الراوی والسامع" ہے اور حدیث کا کوئی ایسا فن نہیں ہے جس میں انہوں نے کتاب نہ لکھی ہو۔ اسی بناء پر حافظ ابو بکر بن نقطہؒ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو انصاف پسند ہے جانتا ہے کہ خطیب کے بعد تمام محدثین خطیب کی کتابوں کے محتاج ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادیؒ نہایت دولت مند اور متمول تھے۔ اپنی دولت کو علمائے حدیث اور طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔

Marfat.com

ابن السبکیؒ کہتے ہیں کہ: خطیب بغدادیؒ نے اپنی بیماری کے دنوں میں جس میں ان کی وفات ہوئی اپنی تمام کتابوں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی دولت وثروت کو اہلِ علم، علماء، حدیث اور بھلائی کے دوسرے کاموں کے لیے تقسیم کر دیا اور تقسیم سے پہلے امیر المؤمنین القائم بامر اللہ سے اجازت حاصل کی تھی کیونکہ خطیبؒ کا کوئی وارث نہیں تھا اگر وہ امیر المؤمنین سے اجازت نہ لیتے تو ان کا سارا ترکہ بیت المال میں چلا جاتا۔ خطیب بغدادیؒ کی وفات ذی الحجہ ۴۶۳ھ میں واقع ہوئی اور مشہور بزرگ بشر بن الحارث حافیؒ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

حافظ ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب "المنتظم" میں لکھا ہے کہ خطیبؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے آبِ زمزم اس نیت سے پیا ہے کہ میں بغداد جاؤں اور وہاں اپنی کتاب تاریخِ بغداد کی روایت کروں اور مرنے کے بعد بشر حافیؒ کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دو آرزوں کو پورا کر دیا ہے یعنی بغداد میں آنا اور تاریخ بغداد کی روایت کرنا۔ تیسری آرزو بھی ان شاء اللہ پوری ہو گی۔

خطیب بغدادیؒ کی وفات اس حجرہ میں ہوئی جو مدرسہ نظامیہ کے پڑوس میں مقام درب السلسلہ میں واقع تھا جہاں وہ سکونت پذیر تھے۔ خطیبؒ کے جنازے کو امام ابو اسحاق شیرازیؒ نے اٹھایا اور پل پار کر کے کرخ سے ہوتے ہوئے جامع منصور لے گئے جہاں ان کے جنازہ کی نماز میں بہت بڑی خلقت شریک ہوئی جس میں علماء، فقہاء اور اعیانِ شہر بھی تھے۔(۲۲)

ابن عبد البر قرطبی اندلسیؒ (م-۴۶۴ھ)

یوسف نام اور ابو عمرؒ کنیت ہے۔ ابن عبد البر کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم نمری، حافظ الغرب، امام اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ قبیلۂ نمر بن قاسط سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نمری کہے جاتے ہیں۔ اندلس میں ربیع الثانی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ طلبِ علم کے لیے اندلس سے مصر اور مکہ آئے اور یہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا۔ حفظ واتقان میں اپنے دور کے علماء پر فوقیت حاصل کر کے سیادت وامامت کا درجہ پایا۔ ابن عبد البرؒ کے شاگرد حمیدیؒ کہتے ہیں کہ ابن عبد البرؒ فقیہ، مفسر، علوم حدیث اور رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ ابو الولید باجیؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں ابو عمرو ابن عبد البرؒ کی مانند اندلس میں کوئی شخص نہیں تھا وہ اہل مغرب میں سب سے زیادہ حافظہ کے مالک تھے۔ ابن حزم اندلسیؒ کہتے ہیں کہ ابو عمر ابن عبد البرؒ کی کتاب "التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد" فقہ حدیث میں اتنی اچھی ہے کہ اس کی مانند کسی کتاب کا مجھے علم نہیں اس سے بہتر کتاب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن عبد البرؒ نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ آپ کی ہر ایک کتاب کو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

- التمهيد لما في الموطأ من المعاني والاسانيد: یہ موطأ امام مالک کی بہت مقبول اور عمدہ شرح ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ یہ شرح لکھی ہے۔ موطأ امام مالک پر کام کرنے والے بعد کے علماء نے اس کو بنیاد بنایا ہے۔

Marfat.com

- الاستذکار: یہ بھی موطاامام مالک کی شرح ہے۔"تمہید" کے مقابلہ میں اس میں اجمال ہے لیکن اس کے باوجود اس کی ایک مستقل حیثیت ہے۔اور بہت مفید اور وقیع مباحث پر مشتمل ہے۔
- الکافی: یہ "فقہ" کے موضوع پر بہت عمدہ اور خوبصورت کتاب ہے۔حافظ ابن عبدالبر نے اس میں مالکی مسلک کے مطابق روایات جمع کی ہیں اور احکام پر بحث کی ہے۔
- جامع بیان العلم وفضلہ: یہ ابن عبدالبرؒ کی وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے آپ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔اس میں آپ نے علم اور علماء سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔اس موضوع پر یہ بنیادی اور اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔
- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: یہ صحابہ کرام کی تاریخ سے متعلق ایک بنیادی اور اہم ماخذ ہے۔بعد میں آنے والے علماء نے اس کی بنیاد پر کام کیا ہے۔حافظ ابن اثیر الجزریؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتابوں میں اس کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔
- کتاب الانتقاء: اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے فضائل ومناقب اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ عرصہ تک اندلس کے مغربی حصہ میں رہے۔اس کے بعد آپ اندلس کے مشرقی حصہ میں منتقل ہو گئے۔ دانیہ۔ بلنسیہ اور شاطبہ میں قیام کیا۔ ربیع الآخر ۴۶۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر پچانوے سال تھی۔حافظ ابن عبدالبرؒ نہایت دیندار، ثقہ، متبع شریعت اور اپنے عہد کے امام تھے۔ [۲۳]

ابن ماکولاؒ (م ۴۸۲ھ)

آپ کا نام علیؒ اور کنیت ابو نصر ہے۔ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔والد کا نام ہبۃ اللہؒ ہے۔سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر بن محمد العجلی بغدادی۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ "عجل" سے ہے اس لیے عجلی کہلاتے ہیں۔ ابن ماکولاؒ کی پیدائش شعبان ۴۲۲ھ میں ہوئی۔ طلب علم کے لیے بغداد، دمشق، مصر، ماوراء النہر، خراسان اور دوسرے اہم مقامات کا سفر کیااور بکثرت شیوخ سے علم حاصل کیا۔

ابن ماکولاؒ کی مشہور تالیف "الاکمال" ہے۔ابن ماکولا دولت مند اور خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔حافظ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ابن ماکولاؒ کے والد امیر المؤمنین قائم کے وزیر تھے اور ان کے چچا حسین بن علیؒ بغداد میں قاضی القضاۃ تھے۔دولت مندی کی وجہ سے ابن ماکولاؒ امیر کبیر مشہور تھے۔ایک دفعہ خلیفہ المقتدی باللہ نے ابن ماکولاؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر سمر قند بھیجا تاکہ وہاں کے بادشاہ طمغا خان سے خلیفہ کے لیے بیعت لیں۔ دولت مندی اور خوشحالی کے باوجود ابن ماکولاؒ نے اپنی ساری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزاری۔

ابن ماکولاؒ کی تعریف میں ابو اسحاق حبالؒ کہتے ہیں کہ جب وہ مصر آئے تو ایک کاتب کے بھیس میں تھے اس لیے ہم لوگوں نے ان کی طرف دھیان نہ دیا۔ لیکن جب ان کی علمی صلاحیت اور قابلیت معلوم ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے ہیں۔

Marfat.com

ابن ماکولاؒ کے شاگرد حمیدیؒ کہتے ہیں کہ میں جب کبھی خطیب بغدادیؒ کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کتاب دیکھ کر بتاؤں گا اور جب ابن ماکولاؒ کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ فوراً زبانی جواب دیتے تھے۔ گویا وہ کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ماکولا کی کتاب "مستمر الاوھام" دیکھی ہے وہ نفیس کتاب ہے اس کتاب سے ابن ماکولا کے تبحر علمی اور امامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں کہ ابن ماکولاؒ نہایت دانش مند، عارف اور حافظ تھے انہیں لوگ خطیب ثانی کہتے تھے۔ وہ اچھے نحوی اور ماہر شاعر بھی تھے۔ فصیح عبارت لکھتے تھے۔ بغداد میں ان کے دور میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ دنیا کی سیاحت کرنے کے بعد بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔

ابن ماکولاؒ کے حالات میں ابن نجارؒ لکھتے ہیں کہ: وہ بچپن سے علم کی طرف راغب تھے۔ حدیث میں انہوں نے شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ عربی ادب اور نظم ونثر میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ شجاع ذہلیؒ کہتے ہیں کہ: ابن ماکولا حافظ، فہیم اور ثقہ تھے۔ علم حدیث میں ان کی تالیفات کو مقبولیت اور تداول حاصل رہا۔ مؤتمن ساجیؒ لکھتے ہیں کہ: ابن ماکولا نے عام اہل علم کے طریقہ کو نہیں اپنایا۔ وہ علم کی خدمت بے لوث اور مخلص ہو کر کرتے تھے اور کسی قسم کی نمود ونمائش کے قائل نہیں تھے۔ ابن ماکولاؒ شہید کئے گئے۔ ابن عساکرؒ ابن ماکولاؒ کی شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: میں نے اسماعیل سمرقندیؒ سے سنا ہے کہ ابن ماکولاؒ کے چند ترک غلام تھے جنہوں نے ابن ماکولاؒ کو جرجان میں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۴۷۰ھ کا ہے۔ ابن ناصر لکھتے ہیں کہ: ابن ماکولاؒ کرمان جا رہے تھے۔ سفر کی حالت میں ان کے ساتھ چند ترک غلام تھے انہوں نے ابن ماکولاؒ کو شہید کر دیا اور ان کا سارا مال لے لیا۔ یہ واقعہ ۴۷۵ھ کا ہے۔ قاضی ابن خلکانؒ جو ابن ماکولاؒ کے شاگرد ہیں لکھتے ہیں کہ: ابن ماکولاؒ کو ۴۸۲ھ میں شہید کر دیا گیا۔[۲۴]

حمیدی اندلسی بغدادیؒ (م ۴۸۸ھ)

آپ کا نام محمدؒ اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ حمیدی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: ابو عبداللہ محمد بن ابو نصر فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن جہد بن بصل ازدی۔ اندلس کے مشرقی محاذ میں ایک جزیرہ "میورقة" کے نام سے معروف تھا اسی جزیرہ میں امام حمیدیؒ ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس کی وجہ سے آپ اندلسی میورقی کہلاتے تھے۔

امام حمیدیؒ نے اندلس، مصر، شام، عراق اور دوسرے شہروں کے اساتذہ سے حدیث میں استفادہ کیا اور مختلف مراکز میں حدیث کی روایت کی۔ آخر میں بغداد آ گئے اور یہیں قیام کیا۔ آپ کی وفات ۴۸۸ھ میں ہوئی۔ حمیدی نے ابن حزم اندلسی سے بھرپور استفادہ کیا اس لیے آپ ظاہری کہلاتے ہیں۔

امام حمیدیؒ کہتے ہیں کہ: میرے والد اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کے محلہ رصافہ میں رہتے تھے وہاں سے منتقل ہو کر وہ جزیرۂ میورقہ جا بسے وہیں میری پیدائش ہوئی اور ۴۲۵ھ میں جب میں بچہ تھا کندھے پر اٹھا کر حدیث کی سماعت کے لیے شیخ کے پاس مجھے بھیجا جاتا تھا اس وقت بھی شیخ کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا تھا میں اسے سمجھتا تھا۔ حمیدیؒ کے بعض شیوخ کے نام یہ ہیں:

Marfat.com

- ابن حزم اندلسیؒ
- ابو زکریا عبدالرحمن بخاریؒ
- ابو بکر خطیب بغدادیؒ
- ابو عمرو بن عبدالبر قرطبیؒ
- ابو القاسم الجیانی الدمشقیؒ
- ابو غالب بن بشران امویؒ

آپ نے مشہور محدثہ کریمہ مروزیہؒ سے بھی ملاقات کی۔ طلبِ علم میں حمیدیؒ کی محنت کا یہ حال تھا کہ گرمی کی راتوں میں جب وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تھے تو ایک بڑے ٹب میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جاتے تھے۔ جب بدن کی گرمی دور ہو جاتی تو پانی کے برتن سے باہر نکل آتے تھے۔ ابن ماکولاؒ کہتے ہیں کہ: ہم نے اپنے دوست حمیدیؒ جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا ہے۔ وہ پاک دامن، پاک طینت اور ہمیشہ علم کی جستجو میں مشغول رہا کرتے تھے۔

یحییٰ بن ابراہیم سلماسیؒ کہتے ہیں کہ: میری آنکھوں نے حمیدیؒ جیسا صاحب فضل وشرف، صاحب علم وعمل اور علم کی اشاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔ وہ متقی، ثقہ، حدیث اور علل کے امام تھے اور کتاب وسنت کے مطابق اور علماء حدیث کے اسلوب پر علمی تحقیق کرتے تھے ان کی عبارت فصیح ہوتی تھی اور عربی ادب میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ ابوعابد عبدریؒ کہتے ہیں کہ: حمیدیؒ نے اپنے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان جیسے شخص کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ محدّث شہابؒ کے پاس حدیث کی سماعت کے لیے حمیدیؒ بہت جاتے تھے اسی لیے حمیدی کا قول ہے: صیرنی الشهاب شهابا ... "شیخ شہابؒ نے مجھے ستارہ شہاب بنا دیا ہے۔" حمیدیؒ نے کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے جو مشہور ہوئیں ان کے نام یہ ہیں:

- کتاب الجمع بین الصحیحین: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ اس پہلو سے بنیادی اور اساسی کتاب ہے۔
- تاریخ اندلس
- الذهب المسبوك فی وعظ الملوك
- کتاب الترسل

ابن طرخانؒ کہتے ہیں کہ میں نے حمیدیؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ علومِ حدیث کی تین کتابیں ایسی ہیں جن کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ وہ تین یہ ہیں:

- کتاب العلل: اس موضوع پر سب سے مفید کتاب امام دار قطنی کی ہے۔
- کتاب المؤتلف والمختلف: اس میں سب سے وقیع کتاب امیر کبیر ابن ماکولاؒ کی ہے جس کا نام "الاکمال" ہے۔
- کتاب الوفیات: وفیات کے موضوع پر معیاری کتاب نہیں ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھوں۔

ابن طرخانؒ کہتے ہیں کہ: حمیدی "الجمع بین الصحیحین" کی تالیف میں مشغول ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور "وفیات" کے موضوع پر کتاب لکھنے کی اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ جب حمیدیؒ کی وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی نماز امام

Marfat.com

ابو بکر شاشیؒ نے جامع قصر بغداد میں پڑھائی اور باب النہر کے قبرستان میں شیخ ابو اسحاق شیرازیؒ کے قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ پھر دو سال کے بعد ان کی میت اس قبر سے نکال کر باب حرب کے قبرستان میں مشہور صوفی اور زاہد بشر بن الحارث حافیؒ کی قبر کے پاس دفن کی گئی۔ حافظ ابن عساکرؒ کہتے ہیں کہ: امام حمیدیؒ نے وصیت کی تھی کہ ان کی میت بشر حافیؒ کی قبر کے پاس دفن کی جائے لیکن مظفر ابن رئیس الرؤساء نے وصیت کے خلاف عمل کیا۔ ایک عرصہ کے بعد رئیس نے حمیدیؒ کی میت کو قبر سے نکلوا کر وصیت کے مطابق دوسری قبر بشر حافیؒ کی قبر سے متصل منتقل کرا دیا۔ (۲۵)

پانچویں صدی کے مشہور محدثین کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم چھٹی صدی ہجری کے ان علمائے حدیث کا ذکر کریں گے جنہوں نے حدیث کی ترویج، اشاعت اور تطویر کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔

السمعانیؒ (م ۵۱۰ھ)

آپ کا نام محمدؒ، اور کنیت ابو بکر ہے۔ سمعانی، مروزی اور تمیمی نسبتیں ہیں۔ والد کا نام ابو المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبارؒ ہے۔ اپنے عہد کے حافظ حدیث، امام اور خطیب تھے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی وعظ و نصیحت کا درس دیتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی زبان میں بہت چاشنی، جاذبیت اور تاثیر تھی۔ عربی ادب، علم حدیث، علم رجال اور انساب میں کمال حاصل تھا۔ ان علوم میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ اپنے وعظ میں اسانید کے ساتھ حدیث بیان کرتے تھے۔ جامع مرو میں ایک سو چالیس مجالس میں املا کرایا۔ ایک دفعہ عین مجلس میں حاضرین نے ان کے حافظہ کا امتحان لیا اور دس روایات کی اسانید کو الٹ پلٹ کر ان کے سامنے پیش کیا۔ امام سمعانیؒ نے سب روایات کے متون اور اسانید کو درست کر کے بتا دیا جس کے بعد لوگوں نے ان کی صلاحیت، قابلیت اور قوت حافظہ کا اعتراف کیا۔ اس مجلس میں انہوں نے اپنے طلبہ کے لیے تعاون طلب کیا۔ لوگوں نے ہزاروں دینار پیش کئے۔ امام سمعانیؒ نے کئی کتابیں لکھیں لیکن آپ کی شہرت "کتاب الانساب" کی وجہ سے ہے۔ ابو بکر السمعانی کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر تینتالیس (۴۳) سال تھی۔ آپ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے۔ امراء اور سلاطین سے جب ملتے تھے اس وقت بھی بے باکی اور تشخص کے ساتھ ملتے تھے۔ (۲۶)

امام بغویؒ (م ۵۱۶ھ)

امام بغویؒ کا نام حسین، کنیت ابو محمد، لقب محی السنۃ اور عرفیت الفراء ہے۔ فراء کی عرفیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرء (پوستین) سینا اور فروخت کرنا آپ کا خاندانی پیشہ تھا۔ امام بغویؒ ۴۳۶ھ کو "بغ" میں پیدا ہوئے۔ یہ ہرات اور مرو کے درمیان خراسان کا ایک مقام ہے۔ اس کا اصل نام "بغشور" جو "باغ کور" کا معرب ہے بتایا جاتا ہے۔ شور حذف ہو جانے سے "بغ" ہو گیا۔ بغوی کی نسبت اسی کی طرف ہے۔ امام سمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) کو کئی بار یہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کے زمانے تک یہ آباد اور معمور تھا۔ لیکن یاقوت حمویؒ کا بیان ہے کہ: "۶۱۶ھ" میں یہ شہر اُجڑنا شروع ہو گیا تھا اس شہر کو جن اکابر علمائے اسلام کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے ان میں امام بغوی رحمہ اللہ کا نام سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے۔

امام بغویؒ نے اپنے دور کے کبار اساتذہ اور مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے آپ کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

Marfat.com

- احمد بن نصر توقانیؒ
- قاضی حسینؒ
- ابوالحسن عبد الرحمن بن محمد داودیؒ
- محمد بن محمد شیرازیؒ
- ابو بکر یعقوب بن احمد صرفیؒ
- حسان بن محمد منیعؒ
- ابو الفضل زیاد بن محمد حنفیؒ
- ابوالحسن علی بن یوسف جوینیؒ
- ابو بکر محمد بن ہیثم ترابیؒ

امام بغویؒ کے تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے جن میں سے ابو منصور محمد بن اسعد عطاردیؒ اور ابو الفتوح محمد بن محمد طائیؒ کا آپ کے ساتھ خصوصی تعلق رہا۔ امام بغویؒ کے آخری شاگرد جن کو آپ سے روایت کی اجازت حاصل تھی ابو المکارم فضل اللہ بن محمد توقانیؒ تھے یہ چھٹی صدی ہجری تک طالقان میں بقید حیات رہے اور حافظ ذہبیؒ کے شیخ فخر الدین علی مقدسیؒ کو ان سے اجازت حاصل تھی۔

امام بغویؒ کی ثقاہت اور فقاہت پر علماء حدیث کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن سبکیؒ اور امام ابن ہبۃ اللہؒ کا بیان ہے کہ: "امام بغویؒ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم کے جامع، امام اور یکتائے روزگار تھے۔"

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ: "امام بغوی قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔"

آپ کا انتقال مرو میں ۵۱۶ھ کو ہوا اور اپنے شیخ قاضی حسین طالقانیؒ کے مقبرہ کے پاس طالقان میں سپردِ خاک کیے گئے۔[۲۷] امام بغویؒ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بہت وقیع کام کیا تفسیر، حدیث اور فقہ جیسے اسلامی علوم میں آپ سے مفید اور بلند پایہ تالیفات یادگار ہیں۔ لیکن جس کتاب کی وجہ سے حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے حلقوں میں آپ کو شہرت حاصل ہوئی وہ "مصابیح السنۃ" کے نام سے معروف ہے۔ "مصابیح السنۃ" حدیث کی اہم اور مشہور کتاب ہے جو بڑی معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خطیب تبریزیؒ کی مشہور و متداول کتاب "مشکاۃ المصابیح" جو مدارس کے نصاب میں شامل ہے اس کا تکملہ ہے۔ خطیب تبریزیؒ کے درج ذیل بیان سے اس کی نوعیت اور اہمیت ثابت ہوتی ہے: ((محی السنۃ، قامع البدعۃ)) امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغویؒ کی کتاب المصابیح نہایت جامع کتاب ہے لیکن اس میں اختصار کا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے اور اسناد حذف کر دی گئی ہیں۔ اس لیے بعض ناقدین فن نے اس میں کلام کیا ہے حالاں کہ فی نفسہ اس کے نقل اسناد میں کوئی کلام نہیں ہے۔ موکف علمائے ثقات میں سے ہیں۔ تاہم اس حیثیت سے اس میں ایک گونہ کمی تھی کیوں کہ نہ تو صحابہ کا اس میں ذکر ہے اور نہ حدیثوں کا اس سے اصل مخرج معلوم ہوتا ہے کتب و ابواب کی ترتیب میں، میں نے امام بغویؒ کا پوری طرح پیروی کی ہے البتہ ہر باب کو دو کے بجائے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

"مصابیح السنۃ" ابواب و فصول میں منقسم ہے ہر باب کی روایات دو فصلوں میں صحاح و حسان کے عنوان کے تحت شامل کی گئی ہیں۔ صحاح کے اندر صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور حسان کے اندر سنن، سنن نسائی، سنن ابو داود، سنن ترمذی، سنن

Marfat.com

ابن ماجہ اور سنن دارمی وغیرہ کی روایات درج ہیں۔ مصابیح میں لگ بھگ ساڑھے چار ہزار احادیث ہیں۔ان میں نصف سے کچھ کم صحیحین اور نصف سے کچھ زیادہ سنن اربعہ اور دیگر سنن سے منقول ہیں۔

ائمہ صحاح اور اکابر محدثین کی روایات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اس کی روایات نہایت معتبر اور مستند ہیں۔ گو اصحاب صحاح کے ہاں بھی ضعیف اور غریب روایات پائی جاتی ہیں اس لیے مصابیح بھی ان سے یک سر خالی نہیں۔ تاہم فی الجملہ یہ صحیح اور مستند روایات کا مجموعہ ہے اور امام بغویؒ نے غریب و ضعیف روایات کی نشان دہی کر دی ہے۔اس حیثیت سے کتبِ حدیث میں اس کی حیثیت نہایت وقیع ہے۔

مختلف کتبِ حدیث کی روایات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ بڑی جامع کتاب ہے اس لیے اس کا مطالعہ ایک حد تک حدیث کی طویل اور ضخیم کتابوں سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اسناد کو حذف کرنے کی وجہ سے متون سے براہِ راست استفادہ کرنے میں پڑھنے والا سہولت محسوس کرتا ہے خاص طور پر جب اُسے یہ معلوم ہو کہ روایت مستند اور معتبر ہے۔ مصابیح عقائد' اعمال اور احکام سے متعلق روایات کا مجموعہ ہے اس لیے ہر طرح کا ذوق رکھنے والے اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

مصابیح کی ترتیب عمدہ ہے۔ مؤلف نے بہت موزونیت اور عمدگی کے ساتھ روایات کو ابواب کے تحت جمع کیا ہے۔ مؤلف نے چوں کہ روایات کو صحاح و حسان میں تقسیم کیا ہے اور ضعیف و غریب کی نشان دہی کی ہے اس لیے عموماً اس سے ہر روایت کی صحت و قوت اور ضعف وغیرہ کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔

رزینؒ (م ۵۲۰ھ)

ابو الحسن کنیت اور رزینؒ نام ہے۔ والد کا نام معاویہ بن عمار عبدریؒ ہے۔ اندلس کے شہر سرقسطہ کے رہنے والے تھے۔ اس لیے اندلسی سرقسطی کی نسبت سے مشہور تھے۔ مکہ مکرمہ میں طویل قیام کیا۔ یہیں رہتے ہوئے ابو مکتوم اور عیسیٰ بن ابوذر الہرویؒ سے حدیث کی روایت کی۔ اپنے دور کے حافظ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ امام رزین بن معاویہؒ نے کئی کتابیں تالیف کیں لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت "کتاب التجرید" سے ہوئی۔ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحاح کی پانچ کتب اور موطأ امام مالک کی روایات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ آپ کی دوسری تالیف "أخبار مكة" ہے۔ امام رزین نے مصادر حدیث کی تجرید میں بہت محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بعد میں آنے والے کئی حضرات نے اس کی بنیاد پر مصادرِ حدیث کی تجرید کی ہے۔ ۵۲۰ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔[۲۸]

سمعانیؒ (۵۰۶-۵۶۲ھ)

ابو سعد کنیت اور عبدالکریمؒ نام ہے۔ تاج الاسلام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سمعانیؒ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام احمدؒ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے آپ کا نام اور نسب اس طرح لکھا ہے: ابو سعد عبدالکریم بن احمد الحافظ تاج الاسلام معین الدین بن ابی بکر محمد بن العلاء المجتهد ابی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی المروزیؒ۔

Marfat.com

ابو سعد السمعانیؒ ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۵۰۹ھ کے اواخر میں ان کے والد انہیں اپنے ساتھ نیشاپور لے گئے۔ ۵۱۰ھ میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کے بعد ان کی کفالت اور پرورش ان کے اہلِ خاندان نے کی۔ قرآن مجید کے حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تحصیل کی طرف آپ راغب ہوئے اور اسی مقصد کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ مرو، اصبہان، بغداد، کوفہ، دمشق، بخارا، سمرقند، اور بلخ کا سفر کر کے وہاں کے علماء حدیث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت ذکی، فہیم، ثقہ، حافظ، عادل، دیندار اور سیرت وصورت کے پیکر تھے۔

ابن نجارؒ کہتے ہیں کہ: میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس سے سمعانیؒ نے بیان کیا تھا کہ ان کے شیوخ کی تعداد سات ہزار ہے۔ سمعانیؒ کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور عالم کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ سمعانیؒ کی تالیفات بہت ہیں اور سب ہی مفید اور معیاری ہیں۔ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت اور عزت دی وہ "المعجم" ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی دوسری کتاب "التحبیر" ہے جس میں انہوں نے اپنے شیوخ کے حالات لکھے ہیں۔ یہ بھی بہت مفید کتاب ہے جسے بہت محنت اور اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ ۵۶۲ھ میں جب آپ مرو میں تھے آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ (۲۹)

حافظ ابن عساکرؒ (م ۵۷۱ھ)

ابو القاسم کنیت اور علیؒ نام ہے۔ والد کا نام حسن ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عبداللہ بن حسینؒ۔ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے دور کے حافظِ حدیث، امام اور شیخ تھے۔ حافظ کبیر اور فخر الائمہ کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ۴۹۹ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد اور بھائی ضیاء الدینؒ کی توجہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ بغداد، کوفہ، اصبہان، مرو اور ہرات کے علمی مراکز سے استفادہ کیا۔ ابن عساکر کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو کے لگ بھگ ہے۔ ابن عساکرؒ نے لکھا اور خوب لکھا۔ لیکن آپ کی شہرت جس کتاب کی وجہ سے ہوئی وہ "تاریخ دمشق" ہے۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے۔ دوسری کتاب "الموافقات" ہے جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

سمعانیؒ کہتے ہیں کہ: ابن عساکرؒ حافظ، ثقہ، صاحبِ اتقان، دین دار اور صاحبِ علم وفضل تھے۔ متون اور اسناد کے جامع تھے۔ تحصیل علم میں بڑی محنت کی تھی اور علم کے اس قدر جامع تھے کہ دوسرے علماء اس وصف سے متصف نہ تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء آپ کے علم وفضل کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ ابن عساکرؒ کے فرزند محدّث بہاء الدین قاسمؒ کہتے ہیں کہ میرے والد جماعت کے پابند تھے۔ ہر رات تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں مسلسل عبادت کرتے تھے۔ منارہ شرقیہ میں معتکف ہوتے تھے۔ نوافل اور اذکار میں مشغول رہتے تھے اور اپنے نفس کا برابر محاسبہ کرتے تھے کہ کوئی لحظہ ذکرِ الٰہی کے بغیر نہ گزر جائے۔

Marfat.com

ابو المواہبؒ کہتے ہیں کہ میں چالیس سال سے برابر ابن عساکرؒ کو دیکھتا آ رہا ہوں کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رہتے تھے اور رمضان میں اعتکاف کرتے تھے۔ وسائل کے حصول کا خیال کبھی ان کے دل میں نہیں گزرا۔ منصب کی طلب سے بھی روگردانی کی۔ ہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ابن عساکرؒ کی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے بغداد کے لوگ انہیں "شعلۂ آتش" کہتے تھے۔ حافظ عبدالقادرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکرؒ سے زیادہ قوتِ حافظہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابن نجارؒ کہتے ہیں کہ ابن عساکر اپنے وقت کے امام المحدثین تھے۔ حفظ، اتقان اور علم میں ریاست ان پر ختم ہو گئی تھی۔ ابن عساکرؒ کے فرزند کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات ۱۱ر رجب ۵۷۱ھ کو ہوئی اور ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کے مرثیے کہے اور پڑھ کر سنائے۔ انہیں باب الصغیر میں دفن کیا گیا۔ (۳۰)

ابن بشکوالؒ (م-۵۵۶ھ)

ابو القاسم کنیت اور خلفؒ نام ہے۔ اپنے پردادا بشکوالؒ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ والد کا نام عبدالملکؒ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال بن یوسف انصاری اندلسیؒ۔ ابن بشکوالؒ اندلس کے محدّث اور مؤرخ تھے۔ ۴۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور اندلس کے علماء اور محدثین سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے علمِ حدیث کی طرف خاص توجہ دی۔ روایت کے طرق اور وجوہ سے آپ پوری طرح واقف تھے اور اپنے عہد کے علماء میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اپنے شیوخ سے چھوٹی بڑی چار سو کتابوں کی روایت سند کے ساتھ کی ہے۔ ابن بشکوالؒ نے اپنا حلقہ قائم کیا تھا جس میں اطراف واکناف سے طلبہ آ کر قیام کرتے تھے۔ اور آپ سے مستفید ہوتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ آپ کا سلوک اور رویہ مثالی تھا۔ آپ نہایت خلیق اور متواضع تھے۔ مختلف عنوانات پر آپ نے پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اندلس کے مشہور شہر اشبیلیہ میں ابن العربیؒ کی نیابت میں قاضی بھی رہے۔ بعد میں آپ نے اپنے آپ کو علمی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا اور آخر تک تعلیم وتدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ ۸ر رمضان المبارک ۵۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا اس وقت عمر چوراسی (۸۴) سال ہو گئی تھی۔ اور امام یحییٰ بن یحییٰ لیثیؒ کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ (۳۱)

ابن الجوزیؒ (م-۵۹۷ھ)

عبدالرحمن نام اور کنیت ابن الجوزیؒ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: عبدالرحمن بن ابو الحسن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ القرشی البغدادیؒ۔

ابن الجوزیؒ کے پردادا کے گھر میں جو واسط میں تھا ایک درخت جوزہ (اخروٹ) کا تھا۔ اس درخت کے علاوہ شہر واسط میں اور کوئی درخت جوزہ کا نہ تھا۔ اس لیے وہ جوزی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے پردادا کی اسی نسبت پر عبدالرحمن ابن جوزیؒ کہے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

Marfat.com

ابن الجوزیؒ عراق کے عالم، حافظ، امام اور واعظ تھے۔ ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جس وقت ابن الجوزیؒ کی عمر تین سال کی تھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ پھوپھی نے ان کی پرورش کی۔ ان کے عزیز واقارب تانبے کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ابن الجوزیؒ نے اپنا نام سماع حدیث میں "عبدالرحمن بن علی الصفار" لکھا ہے۔

ابن الجوزیؒ کی مجلس وعظ بہت مشہور تھی۔ اس لیے وہ "واعظ الآفاق" کہلاتے تھے۔ ان کی مجلس وعظ میں عموماً ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا اور کبھی کبھی ایک لاکھ تک سننے والوں کی تعداد پہنچ جاتی تھی۔

حافظ ابن الجوزیؒ نے لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ ان کی تالیفات کی تعداد دو سو پچاسی سے زیادہ ہے۔ المنتظم، صفوة الصفوة، الموضوعات اور العلل ان کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔

الموفق عبداللطیفؒ کہتے ہیں کہ: ابن الجوزیؒ خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔ بہت شستہ زبان بولتے تھے ان کی مجلس وعظ میں ایک لاکھ بلکہ کچھ زیادہ ہی لوگ شریک ہوتے تھے وہ اپنے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ ہر روز چار بیاض (کاپیاں) لکھ لیتے تھے۔ ہر فن میں انہیں درک تھا۔ تفسیر میں ان کا شمار بلند پایہ مفسرین میں تھا۔ حدیث کے حافظ تھے۔ تاریخ کی معلومات میں وسعت رکھتے تھے۔ فقہ میں وافر حصہ پایا تھا اور وعظ گوئی میں بہت قوی ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی تالیفات اطراف واکناف میں پھیل گئی تھیں۔ ابن الجوزیؒ کی وفات جمعہ کے دن ۱۳ر رمضان المبارک ۵۹۷ھ کو ہوئی اس وقت ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔ باب حرب کے مقبرے میں دفن کیے گئے۔ (۳۲)

سہیلیؒ (م ۵۸۱ھ)

عبدالرحمنؒ نام ہے۔ ابوالقاسم اور ابوزید کنیت ہے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ بن حسین بن سعدون اندلسی مالقیؒ۔ اندلس کے مشہور شہر مالقہ سے متصل سہیل نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس گاؤں کا نام سہیل اس لیے رکھا گیا تھا کہ ستارۂ سہیل صرف اسی گاؤں کے پہاڑ کے اوپر سے نظر آتا تھا۔ اس گاؤں میں رہنے کی وجہ سے آپ سہیلی مشہور ہو گئے۔ آپ کی پیدائش اشبیلیہ میں ہوئی۔

سہیلیؒ نے اندلس کے مختلف شیوخ اور علماء سے استفادہ کیا۔ عربی زبان میں اتنی مہارت پیدا کی کہ وہ اس زبان کے امام تسلیم کیے گئے۔ دوسرے فنون میں انہیں کافی دستگاہ حاصل تھی۔ نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت تھی۔ ابو جعفر بن الزبیرؒ کہتے ہیں کہ سہیلیؒ کا علم وسیع تھا۔ نحو، لغت، تفسیر، حدیث، رجال، انساب، علم کلام، اور اصولِ فقہ کے عالم، قدیم وجدید تاریخ کے ماہر تھے اور استنباط واستخراج نیز تجزیہ وتحلیل میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ: ابو القاسم عبدالرحمنؒ سترہ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حیرت ہے کہ اس نابینائی کی حالت میں انہوں نے تالیف وتصنیف کا کام جاری رکھا اور متعدد کتابیں تالیف کیں آپ کی شہرت اور مقبولیت جس کتاب کے باعث ہوئی وہ "الروض الأنف" ہے جس میں سیرتِ نبوی ﷺ کو نہایت شرح وبسط سے لکھا ہے۔ یہ

Marfat.com

بہت مفید اور وقیع کتاب ہے اس کتاب کی تالیف میں سہیلیؒ نے ایک سو بیس مأخذ سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب "الاعلام بما لهم فی القرآن من الأعلام" ہے۔ ایک اور کتاب "فرائض" سے متعلق ہے۔ سہیلیؒ منصب قضا پر بھی فائز رہے اور بہت کامیاب قاضی رہے۔ سہیلیؒ کے شاگرد ابو الخطاب ابن وہبہؒ کہتے ہیں کہ: سہیلیؒ بہت پاکیزہ اور پرہیز گار تھے۔ ان کی زندگی تنگ دستی سے بسر ہوتی تھی۔ لیکن ہمیشہ شاکر اور قانع رہتے تھے۔ مراکش کے سلطان کو آپ کی تنگ دستی کے بارے میں معلوم ہوا تو انہیں مراکش بلا لیا اور معاشی پریشانی کا ازالہ کر دیا۔ مراکش میں تین سال قیام کے بعد آپ ۵۸۱ھ میں انتقال فرما گئے۔ (۴۳)

حواشی و حوالہ جات

۱) امام حاکم کے احوال و آثار اور حدیث کے مجال میں آپ کی خدمات کے لیے دیکھیے:
مقدمہ مستدرک علی الصحیحین از اُستاذ مصطفیٰ عبد القادر عطا

۲) تذکرۃ الحفاظ للإمام الذہبی۔ تذکرۂ امام دار قطنی

۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ کتاب الموتلف والمختلف از ڈاکٹر موفق بن عبد اللہ عبد القادر

۴) معجم البلدان۔ ج:۲، ص:۱۷۰

۵) تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۳، ص:۱۳۴

۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح ابن حبان پر اُستاذ شعیب الأرنوؤط کا تحقیقی مقدمہ

۷) یہ معلومات حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ اور المعجم الکبیر پر شیخ صمدی کے مقدمۂ تحقیق سے ماخوذ ہیں۔

۸) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام قاسم بن اصبغ

۹) ایضاً۔ تذکرہ امام ابن السکن

۱۰) الفوائد البھیۃ۔ ص:۳۸

۱۱) الحاوی فی سیرۃ الأمام الطحاوی۔ ص:۹

۱۲) لسان المیزان۔ ج:۱، ص:۱۲

۱۳) ایضاً

۱۴) الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی۔ ص:۱۲

Marfat.com

(۱۵) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام ابو عوانہ

(۱۶) ایضاً۔ تذکرۃ امام ابن مندہ

(۱۷) ایضاً۔ تذکرۃ امام ابن مندہ

(۱۸) یہ معلومات حافظ ابن عدی الجرجانی کی کتاب "الکامل" کے آغاز میں مقدمۂ تحقیق سے ماخوذ ہیں۔

(۱۹) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ قاضی المحاملی

(۲۰) ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی نے "السنن الصغیر" پر اپنے تحقیقی مقدمہ میں امام بیہقی کے شیوخ کا بہت تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ یہ معلومات اس مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔

(۲۱) مقدمہ السنن الصغیر۔ ص: ۶۲،۶۳

(۲۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: المنتظم للامام ابن الجوزی اور مقدمہ "الکفایۃ فی علم الروایۃ"

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: مولف کا مقالہ مطبوعہ: اندلس نمبر۔ فکر و نظر ۱۹۹۰ء۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: وفیات الاعیان اور تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام ابن ماکولا

(۲۵) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام حمیدی

(۲۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ۔ اور مقدمہ انساب الاشراف

(۲۷) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام بغوی

(۲۸) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام رزین بن معاویہ

(۲۹) ایضاً۔ تذکرہ امام سمعانی

(۳۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمۂ تاریخ دمشق

(۳۱) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام ابن بشکوال

(۳۲) امام ابن الجوزی کے احوال و آثار اور تفصیلی خدمات کے لیے دیکھیے: مقدمۃ المنتظم۔ علاوہ ازیں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے آپ کے بارے میں تاریخ دعوت و عزیمت میں بہت عمدہ گفتگو فرمائی ہے۔

(۳۳) تذکرۃ الحفاظ۔ تذکرۃ امام سہیلی۔ علاوہ ازیں الروض الانف کے مقدمہ میں بھی آپ کی حیات و خدمات کے بارے میں مفید معلومات یک جا کر دی گئی ہیں۔

Marfat.com

چھٹا باب

حدیث کا پانچواں دور

چھٹی صدی ہجری کی طرح ساتویں صدی ہجری میں بھی علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بڑے بڑے علماء اور نابغۂ روزگار پیدا ہوئے۔اس صدی کے تمام محدثین کا بالاستیعاب تذکرہ کرنا مشکل ہے اس لیے چند اُن حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے جن کی خدمات اس مجال میں بہت زیادہ ہیں۔اور جنہوں نے نت نئے پیرایوں کے ساتھ علم حدیث کی ترویج کے لیے کام کیا ہے۔اس صدی میں زیادہ تر کام گزشتہ صدیوں کی تالیفات اور مجموعوں کی تہذیب وتنقیح اور ترتیب کے حوالہ سے ہوا۔

مجد الدین ابن اثیر الجزریؒ (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ)

ابو السعادات کنیت، مبارکؒ نام، اور مجد الدین لقب ہے۔والد کا نام ابو الکرم محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد شیبانیؒ ہے۔ آپ ربیع الاول ۵۴۴ھ میں جزیرۂ ابن عمر میں پیدا ہوئے۔اس جزیرہ کو رئیس عبدالعزیز بن عمر نے آباد کیا تھا۔اس کے نام پر جزیرۂ ابن عمر موسوم ہو گیا۔اس جزیرہ کے چاروں طرف دریائے دجلہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔اور شہر موصل سے اوپر واقع ہے۔ ابوالسعادات مجد الدین ابن اثیر کے نام سے مشہور ہیں۔آپ کے چھوٹے بھائی ابو الحسن عز الدین علیؒ بھی ابن اثیر کے نام سے معروف اور مشہور ہیں۔یہ دونوں بھائی علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔

مجد الدین ابن اثیرؒ کی نشو ونما جزیرہ ابن عمر میں ہوئی۔اس کے بعد آپ شہر موصل میں منتقل ہو گئے۔مجد الدینؒ قائماز الخادم الزینی نائب سلطنت کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور کتابت وانشاء کی خدمت پر مامور کئے گئے۔یہ خدمت حکومت کے اعلیٰ مناصب میں شمار کی جاتی تھی۔آپ امیر قائماز کے روبرو سلاطین عالم کے نام خط اور مراسلے لکھا کرتے تھے۔ایک دور آپ پر ایسا آیا کہ ۵۸۹ھ میں آپ گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈال دیے گئے اور سبب یہ ہوا کہ جب سلطان عز الدین مسعودؒ اپنے بھائی سیف الدینؒ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے تو اہل فساد اور دشمنوں نے مجد الدینؒ کے خلاف سازش کی اور خادم قائماز کو جھوٹی اطلاع دے کر اور غلط الزامات لگا کر پیہم اصرار کر کے انہیں گرفتار کرا دیا۔لیکن جلد ہی قائماز کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی اور تمام الزامات جو آپ پر لگائے گئے تھے غلط ثابت ہوئے اور آپ قید سے رہا کر دیے گئے۔اور اپنی سابقہ حیثیت پر بحال رکھے گئے۔اور جب ۵۹۵ھ میں خادم قائماز کا انتقال ہو گیا تو وہ اس خدمت سے کنارہ کش ہو گئے۔حافظ ابن کثیر دمشقیؒ کہتے ہیں کہ: سلطان عز الدین مسعودؒ کی زندگی تک شیخ مجد الدینؒ خدمت انشا وکتابت پر برقرار رہے تھے۔

جب موصل کی حکومت نور الدین ارسلان شاہ ابن سلطان عز الدین مسعود کو ملی اس نے اپنے مملوک لؤلؤ کو شیخ مجد الدینؒ کے پاس بھیجا کہ وہ وزارت کا عہدہ قبول فرمائیں لیکن شیخ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔پھر خود سلطان نور الدین

Marfat.com

ارسلان شاہ کے پاس آیا اور وزارت کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا۔اس وقت بھی شیخ نے معذرت کی اور کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری علمی خدمت کی شہرت ہو چکی ہے اور وزارت کی حالت میں کچھ سختیاں بھی کرنی پڑتی ہیں جو ظلم کے معنی میں ہوتی ہیں اور یہ اہلِ علم کی شان کے خلاف ہے اس لیے مجھے عہدۂ وزارت کے قبول کرنے سے معاف فرمایا جائے۔چنانچہ سلطان نے شیخ کی معذرت قبول فرمالی۔لیکن مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ:

"شیخ مجد الدینؒ نور الدین ارسلان شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے اور عرصہ تک اس دربار میں کتابت وانشاء کے فرائض انجام دیتے رہے اور نیک نام رہے۔اور نور الدین ارسلان شاہ بھی ان سے برابر خوش رہا۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں میں ایسا مرض لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو سیدھا کرنے سے معذور ہو گئے۔یہیں ان کے پاس امراء، اعیان سلطنت اور اکابر وعلماء آتے تھے اور ان سے مشورہ لے کر جاتے تھے۔" (۱)

شیخ مجد الدینؒ کے چھوٹے بھائی شیخ عز الدین ابو الحسن علیؒ کا کہنا ہے کہ:

"جب شیخ مجد الدینؒ بیماری کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے تھے اس دور میں ان کے پاس ایک طبیب آیا۔ اس نے شیخ کا علاج شروع کیا۔اس طبیب نے ایک قسم کا روغن تیار کیا اور روزانہ شیخ مجد الدینؒ کے ہاتھ پاؤں میں مالش کرنے لگا۔چند دنوں کے بعد کچھ افاقہ محسوس ہوا۔شیخ بیماری کی حالت میں بہت پرسکون رہتے تھے۔ایک مرتبہ جب ان سے پوچھا گیا تو کہنے لگے: میں اب اپنی پہلی زندگی کی بہ نسبت زیادہ آرام اور راحت میں ہوں۔گھر میں دل جمعی سے بیٹھا ہوں۔لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔اور میری رائے لے کر جاتے ہیں۔پہلے جب میں صحت مند تھا تو ان کے پاس جاتا تھا۔اب میری عمر کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔میں اپنی زندگی کو آرام سے گزارنا چاہتا ہوں۔"

شیخ عز الدینؒ کہتے ہیں:

"شیخ کو اس طبیب کی دوائی اور علاج سے افاقہ بھی ہوا۔لیکن پوری طرح صحت نہیں ملی۔شیخ نے گھر میں رہتے ہوئے تالیف وتصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔آپ نے متعدد علماء کو اپنے پاس رکھا تھا جو ان کی تالیف وتصنیف میں مدد کرتے تھے۔یہ حضرات کتابت کرتے تھے اور مصادر وماخذ سے مواد جمع کرتے تھے۔"

شیخ مجد الدینؒ نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔لیکن آپ کو جس کتاب کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ "جامع الاصول" ہے۔اس کتاب کو آپ نے امام رزین بن معاویہؒ کی کتاب "التجرید" کو مدِ نظر رکھ کر مرتب کیا۔اس میں موطأ امام مالک، صحیحین، سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور جامع ترمذی کی روایات کو اسانید حذف کر کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔امام رزین بن معاویہؒ کی کتاب "التجرید" اور امام ابن اثیر الجزریؒ کی "جامع الاصول" میں بنیادی فرق یہ ہے کہ امام رزینؒ نے روایات کو ابواب کے تحت جمع نہیں کیا بلکہ محض تجرید کی ہے اور امام ابن اثیر الجزریؒ نے تجرید کے ساتھ ساتھ تبویب بھی کی ہے۔بعض روایات کو ابواب کے تحت جمع کیا ہے۔امام ابن اثیرؒ نے حدیث کے جس ماخذ سے روایت لی ہے اس کی علامت

Marfat.com

بھی لکھی ہے۔ تاکہ اس سے استفادہ کرنے والے کو آسانی ہو۔ مثلاً:

- صحیح بخاری کے لیے "خ"...
- صحیح مسلم کے لیے "م"...
- موطأ امام مالک کے لیے "ط"...
- جامع ترمذی کے لیے "ت"...
- سنن ابوداؤد کے لیے "د"... اور
- سنن نسائی کے لیے "س" کی علامات مقرر کی ہیں۔

اگر کوئی حدیث ایسی ہو جو ان تمام مصادر میں روایت کی گئی ہو تو آپ نے ساری علامات ابتدا میں لکھ دی ہیں۔ علاوہ ازیں روایات میں مشکل اور غریب الفاظ و کلمات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اور حواشی میں ضروری نکات بھی شامل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت مفید ہے۔ شیخ مجد الدینؒ کی دوسری کتاب جسے حدیث کے لٹریچر میں بہت اہمیت حاصل ہے وہ "النھایۃ فی غریب الحدیث" ہے۔ یہ کتاب اسم با مسمّٰی ہے۔ اور غریب الحدیث کے موضوع پر سب سے زیادہ متداول اور رائج ہے۔ آپ کی تیسری اہم کتاب "الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف" ہے۔ یہ تفسیر ثعلبی اور زمخشری سے ماخوذ ہے اور بہت بنیادی مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کو بھی علماء کے ہاں اہمیت حاصل رہی:

۱) کتاب الأدعیۃ والاذکار

۲) کتاب البدیع فی شرح الفصول (اس کا تعلق نحو سے ہے)۔

۳) کتاب الشافی فی شرح مسند الامام الشافعی

۴) دیوانِ رسائل

شیخ مجد الدینؒ کی وفات موصل میں ذی الحجہ ۶۰۶ھ کو ہوئی اور اندرونِ شہر درب الدرج کی رباط میں مدفون ہوئے۔

شیخ عز الدینؒ آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ شیخ مجد الدین فقہ، اصول، نحو، حدیث اور لغت کے عالم تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، ریاضی اور غریب الحدیث پر ان کی تالیفات مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے مدون رسائل ہیں۔ شیخ بہت دین دار اور پرہیزگار تھے۔ آپ کا تقویٰ اور دین داری ضرب المثل تھی۔ اپنے دور کے مقبول ترین اور محبوب ترین شخص تھے۔ معاصر علماء نے آپ کے علم و فضل اور سیرت و کردار کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔[۲]

عزالدین ابن اثیرؒ

ابو الحسن کنیت، عزالدین لقب اور علیؒ نام ہے۔ ابن اثیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ والد کا نام ابو الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریمؒ ہے۔ اس خاندان کی اصل نیشاپوری ہے۔ عزالدین ابن اثیرؒ کی پیدائش جزیرہ ابن عمر میں ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ عز الدینؒ، شیخ مجد الدین ابن اثیرؒ کے چھوٹے بھائی ہے۔ عز الدین نے بغداد، دمشق، حلب اور موصل کے اکابر علماء اور شیوخ سے استفادہ کیا اور فراغت کے بعد علم وفضل میں کمال حاصل کیا۔ آپ اپنے دور کے محدّث، لغوی اور مؤرخ تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے آپ کو امام، علامہ، حافظ اور فخر العلماء کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے حالات اور ان کے انساب کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے اسی لیے انہیں نسابہ (بہت زیادہ نسب جاننے والا) کہا جاتا تھا۔ عزالدین ابن اثیرؒ کے گھر میں علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا جس کی وجہ

Marfat.com

سے ان کا گھر دارالعلماء مشہور تھا۔ تواضع، کرم اور فضائل کے لیے آپ ضرب المثل تھے۔ آپ حکومتِ وقت کی طرف سے شام میں سفیر بھی رہے۔ آپ نے موصل کی مستقل تاریخ لکھنا شروع کی لیکن یہ تاریخ مکمل نہ ہو سکی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ جن کتابوں کے باعث آپ کی شہرت ہوئی ان میں ایک "اسد الغابة فی معرفة الصحابة" ہے۔ اس کتاب میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات ترتیب کے ساتھ قلم بند کئے ہیں۔ اس موضوع پر اس سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن عبدالبرؒ بنیادی کام کر چکے تھے۔ امام عزالدینؒ نے سابقہ مصادر کو مد نظر رکھ کر اپنی کتاب مرتب کی۔ بعد میں اس موضوع پر جن علماء نے کام کیا انہوں نے اس کتاب کو بنیاد بنایا۔ مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابة" میں اس کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔ آپ کی دوسری کتاب "الکامل" ہے۔ اس کا تعلق تاریخ سے ہے اور اسم با مسمّٰی ہے۔ تاریخ کے طلبہ اور اساتذہ اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ بہت مفید، وقیع اور متداول کتاب ہے۔ (۳)

حافظ ابن الصلاحؒ (م-۶۴۳ھ)

ابو عمرو کنیت، عثمانؒ نام اور تقی الدین لقب ہے۔ والد کا نام عبدالرحمن بن عثمان بن موسیٰؒ ہے۔ ابو عمرو کے والد کا لقب صلاح الدینؒ تھا جس کی طرف نسبت سے وہ ابن صلاح مشہور ہو گئے۔ ابن الصلاح نسلاً کردی تھے۔ شمالی عراق کے علاقہ اربل کے قصبہ شہرزور کے قریب ایک گاؤں شرخان میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اس لیے کُردی، شہرزوری اور شرخانی کہلاتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ کے والد جلیل القدر، فقیہ اور امام شافعیؒ کی فقہ میں متبحر تھے۔ اپنے دور کے مفتی اعظم تھے۔ علم وفضل میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے فرزند ابن الصلاح کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ حافظ ابن الصلاحؒ نے فقہ اور اصولِ فقہ میں اپنے والد سے استفادہ کیا۔ فقہ شافعیؒ کے اہم مصادر کا بالالتزام مطالعہ کیا۔ اس کے بعد آپ نے موصل کا سفر کیا۔ موصل کے علماء اور اساتذہ سے آپ نے تفسیر، حدیث، لغت اور دیگر فنون حاصل کئے۔ اس کے بعد حافظ ابن الصلاح نے اس دَور کے دستور کے مطابق علمی مراکز کا سفر کیا۔ آپ بغداد، شام، حلب، خراسان اور نیشاپور گئے اور وہاں کے شیوخ اور علمائے حدیث سے سماعت کی۔ مسلسل محنت اور اہتمام کی وجہ سے آپ نے علوم وفنون میں رسوخ حاصل کیا اور نام وَر علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اپنے سفر کے اختتام پر آپ شام گئے اور یہیں قیام کیا۔ شام میں رہ کر آپ علوم کی اشاعت اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ کے علم وفضل کی شہرت ہو گئی اور فقہ میں مہارت کی وجہ سے مفتی اور شیخ الاسلام کہلائے۔ حدیث اور علوم حدیث میں اعلیٰ صلاحیت اور تفوق رکھنے کی وجہ سے طلبہ اطراف واکناف سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بکثرت ان کے پاس آنے لگے۔ محدثین اور حفاظ بھی آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ حدیث اور فنون حدیث میں کمال تبحر کی وجہ سے جب علماء کے حلقہ میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال ہوتا تو اس سے مراد حافظ ابن الصلاح ہی لیے جاتے تھے۔ اسی کی طرف حافظ عراقی نے اپنی الفیہ میں اشارہ کیا ہے:

وكلما اطلقت لفظ الشيخ ما

أريد إلا ابن الصلاح مبهما

"جب میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال کرتا ہوں تو اس ابہام سے میری مراد حافظ ابن الصلاحؒ ہی ہوتے ہیں۔"

شیخ ابن الصلاحؒ نے جس مدرسہ میں بحیثیتِ صدر تدریسی خدمات انجام دی تھیں ان مدارس کے نام یہ ہیں:

Marfat.com

۱) مدرسہ ناصریہ: یہ مدرسہ "القدس" میں تھا جو ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوبؒ کی طرف منسوب تھا۔یہاں شیخ ابن الصلاحؒ نے مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۲) مدرسہ رواحیہ: "القدس" سے جب آپ دمشق منتقل ہوئے تو یہاں مدرسہ رواحیہ میں تدریس شروع کی۔اس مدرسہ کو الزکی ابو حلب ہبۃ اللہ بن عبدالواحد بن رواحہ الحمویؒ نے قائم کیا تھا۔اس نے ایک دوسرا مدرسہ "رواحیہ" کے نام سے حلب میں بھی قائم کیا تھا۔

۳) دارالحدیث دمشق: ملک الاشرف ابن الملک العادل بن ایوبؒ نے جب دمشق میں دارالحدیث قائم کیا تو اس میں تدریس کے لیے حافظ ابن الصلاح کو منتخب کیا۔

۴) دارالحدیث دمشق میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض سر انجام دینے کے بعد آپ مدرسہ ست الشام زمرد خاتون بنت ایوبؒ میں صدر مدرّس مقرر کیے گئے۔یہ مدرسہ شہر کے وسط میں بیمارستان نور کے مقابل واقع تھا۔زمرد خاتون شمس الدولہ توران شاہ بن ایوبؒ کی بہن تھیں۔اس خاتون نے ایک دوسرا مدرسہ دمشق کے بیرونی حصہ میں بھی قائم کیا تھا۔اس مدرسہ کے احاطہ میں اس خاتون اور اس کے بھائی توران شاہ اور اس کے شوہر ناصر الدین بن اسد الدین والیٔ حمص کی قبریں ہیں۔

ان تین مدارس میں حافظ ابن الصلاحؒ نے اپنی تدریسی خدمات کی اعلیٰ صلاحیت کے جوہر دکھائے۔حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "العبر" میں لکھا ہے کہ شیخ ابن الصلاحؒ نے مدرسہ رواحیہ اور دارالحدیث دمشق میں تیرہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ شیخ ابن الصلاح کی خدمات میں جو اکابر علماء اور فقہاء رہ کر مستفید ہوتے۔حافظ ذہبیؒ نے ان کے نام لکھے ہیں ان میں شمس الدین عبدالرحمن بن نوحؒ، کمال الدین اسحاقؒ، تقی الدین ابن رزینؒ وغیرہ داخل ہیں۔شیخ ابن الصلاحؒ نہایت دین دار، متقی، مخلص اور دنیا کی طلب سے بے نیاز واقع ہوئے تھے۔اپنی علمی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے نہایت اچھے لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ان کا قول ہے:

> "علم حدیث نہایت مبارک اور باوقار علم ہے جو مکارمِ اخلاق اور اچھے محاسن کا مقتضی ہے۔یہ دنیاوی علم نہیں ہے بلکہ آخرت کے علوم میں سے ہے جو شخص حدیث کی سماعت کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ اخلاص اور صحتِ نیت کو مدنظر رکھے۔"

شیخ ابن الصلاحؒ ہمیشہ اپنے احباب اور متعلقین کو بھلائی اور خیر کے کام کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ مقبولیت سے نوازا تھا۔عوام، خواص، امراء اور حکام سب آپ کی تعظیم اور تکریم کرتے تھے۔ شیخ ابن الصلاح کے شاگرد ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابن الصلاحؒ تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء الرجال اور فنونِ حدیث میں فضلائے عصر سے تھے۔متعدد علوم میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی ان کے فتاویٰ درست ہوتے تھے۔وہ میرے اساتذہ میں سے ایک تھے۔میں نے ان سے خوب استفادہ کیا۔

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں:

> "تقی الدین ابو عمرو ابن الصلاحؒ امام، مفتی اور شیخ الاسلام تھے، وہ پرشوکت، بارعب اور خوش لباس تھے۔ سلطان اور امراء کے نزدیک شیخ عزت و وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔"

Marfat.com

امام ابو حفص ابن الحاجب ؒ کہتے ہیں کہ:

" شیخ ابن الصلاح متقی، صاحب عقل ودانش تھے۔ اصول اور فروع میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ طلبِ علم میں وہ ضرب المثل تھے۔ عبادت اور اطاعت میں منہمک رہتے تھے۔"

حافظ سخاوی ؒ نے اپنی کتاب "فتح المغیث" کی ابتداء میں لکھا ہے کہ:

" تقی الدین ابو عمرو عثمان بن صلاح الدین ؒ علامہ، فقیہ، امام، حجۃ، حافظ، مفتی عراق اور شیخ الاسلام تھے۔ دینی علوم میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ لغت میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی۔ اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے۔ مخلوقِ خدا کو ان سے بہت فائدہ پہنچتا تھا اور آپ کی تصانیف پر سب کو اعتماد تھا۔"

ابن خلکان ؒ کا بیان ہے کہ:

" شیخ ابن الصلاح ؒ کی وفات ۲۵ ربیع الثانی کو دمشق میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال تھی۔ ظہر کے بعد آپ کے جنازہ کی نماز جامع دمشق میں ادا کی گئی۔"

حافظ ذہبی ؒ کہتے ہیں کہ:

" شیخ ابن الصلاح ؒ کے جنازہ میں خلقت کا ہجوم تھا۔ جنازہ کو لوگ بڑھ بڑھ کر کندھا دیتے رہے۔ آپ کو باب النصر کے باہر مقابر صوفیہ میں دفن کیا گیا۔"

شیخ ابن الصلاح ؒ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱) طبقات الفقهاء الشافعیه
۲) الآمالی
۳) فوائد رحلة (سفر نامہ)
۴) ادب المفتی والمستفتی
۵) صلة الناسك فی صفة المناسك
۶) شرح الوسیط فی فقه الشافعی
۷) الفتاوىٰ
۸) شرح صحیح مسلم
۹) المؤتلف والمختلف فی اسماء الرجال
۱۰) علوم الحدیث (مقدمة ابن الصلاح)

حافظ زین الدین عراقی ؒ کہتے ہیں کہ محدثین نے "اصطلاح حدیث" میں جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سب میں سب سے مفید اور بہترین کتاب حافظ ابن الصلاح کا مقدمہ ہے۔ (۴)

امام نووی ؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)

ابو زکریا کنیت، محی الدین لقب اور یحییٰ ؒ نام ہے۔ والد کا نام شرف بن مری الحزامی ہے۔ مقام نویٰ کے رہنے والے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی اس نسبت سے ابوزکریا یحییٰ نووی ؒ مشہور ہوئے۔ آپ اپنے دور کے امام حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور یکتائے روزگار تھے۔ محرم ۶۳۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور رجب ۶۷۶ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ ۶۴۹ھ میں آپ نے دمشق کا سفر کیا۔ یہاں آکر "رواحیہ" میں قیام کیا۔ اور یہاں کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ ساڑھے چار ماہ میں

Marfat.com

کتاب "التنبیه" زبانی یاد کر لی اور کتاب "المهذب" کا چوتھائی حصہ پڑھ کر حفظ کر لیا۔اس کے بعد آپ نے حج کا ارادہ کر لیا۔ حج سے فارغ ہو جانے کے بعد آپ ڈیڑھ ماہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ شیخ ابو الحسن عطارؒ کہتے ہیں کہ:

" مجھ سے امام نوویؒ نے بیان کیا کہ میں اپنے اساتذہ سے بارہ سبق پڑھتا تھا اور مشکل الفاظ کو معانی اور مطالب کے ساتھ اور لغوی الفاظ کو ضبط اعراب کے ساتھ لکھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوقات میں برکت دی۔ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ طب کا مطالعہ بھی کروں۔میں نے قانون شیخ کا مطالعہ شروع کیا اور پورے انہماک کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا مگر اس سے میرے دل میں تاریکی پیدا ہو گئی اور اضطراب کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔دھیرے دھیرے مجھ سے مطالعہ چھوٹ گیا۔بالآخر میں نے قانون شیخ کا نسخہ بیچ دیا۔اور طب کا مطالعہ بالکل ترک کر دیا۔"

شیخ ابوالحسن العطارؒ کہتے ہیں کہ:

" امام نوویؒ شب و روز میں کسی وقت بھی بے کار نہیں رہتے تھے۔راستہ چلتے ہوئے بھی پڑھتے جاتے تھے۔ آپ نے چھ سال تک مسلسل مطالعہ کیا اس کے بعد تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔"

امام نوویؒ عبادت اور اذکار میں برابر مشغول رہتے تھے۔بہت ہی سادہ زندگی اختیار کی تھی۔خورد و نوش بقدر ضرورت تھا لباس بھی بہت کم درجہ کا ہوتا تھا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ شیخ رشید ابن معلمؒ نے نووی کو ملامت کیا کہ: تم حمام میں نہیں جاتے ہو۔کھانا پینا نہایت معمولی ہے اور لباس بھی ادنیٰ درجہ کا پہنتے ہو تو ایسی حالت میں تم بیمار ہو جاؤ گے اور جو کچھ دینی خدمت کر رہے ہو وہ نہیں کر سکو گے۔امام نوویؒ نے جواب دیا: ... عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اتنے روزے رکھتے تھے کہ ان کا بدن نیلا پڑ گیا تھا میرا بدن تو الحمد للہ ٹھیک ہے۔میں ضرورت کے مطابق کھاتا پیتا ہوں اور لباس پہنتا ہوں۔امام نوویؒ پھل اور کھیرے وغیرہ نہیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہوتی ہے اور نیند بہت آنے لگتی ہے۔آپ دن رات میں صرف ایک ہی دفعہ صبح کے وقت کھانا کھاتے تھے۔٦٦۵ھ میں آپ کو دارالحدیث کے "شیخ" کی حیثیت عطا کی گئی۔ شیخ شمس الدین حنبلیؒ کہتے ہیں کہ:

" امام نوویؒ امام کامل، حافظ حدیث، صاحب اتقان اور تمام علوم میں پختہ تھے۔آپ نے تمام مرغوب اشیاء کو ترک کر دیا تھا۔"

شیخ قطب الدین یونینیؒ کہتے ہیں کہ:

" امام نوویؒ علم، تقویٰ، عبادت، ریاضت میں یکتائے زمانہ تھے۔ان کی زندگی سادہ تھی۔آپ لوگوں کو نیکیوں کی ہدایت کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔آپ امراء اور حکام کے پاس تبلیغ اور تلقین کے لیے جاتے تھے اور اللہ جل شانہ کے خوف سے ان کو ڈراتے تھے۔امام نوویؒ بیت المقدس گئے اور زیارت کر کے واپس "نویٰ" کا سفر کیا۔نویٰ پہنچنے کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور اس حد تک بیمار رہے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے۔"

Marfat.com

امام نوویؒ نے زندگی بھر لکھا اور خوب لکھا۔ آپ کی تالیفات میں صحیح مسلم کی شرح بہت مشہور ہے اور شروع سے متداول ہے اس کے علاوہ:

- ریاض الصالحین
- الاذکار
- الاربعین
- الارشاد
- التقریب
- کتاب المبہمات
- الایضاح
- المناسک
- التبیان
- الروضۃ اور
- شرح المہذب ہیں۔ (۵)

حافظ ابن دقیق العیدؒ (۶۲۳-۷۰۲ھ)

ابو الفتح کنیت، تقی الدین لقب، محمدؒ نام ہے۔ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام علی بن وھب بن مطیع قشیری منفلوطی صعیدیؒ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے ابن دقیق العیدؒ کو امام، فقیہ، مجتہد، محدّث، حافظ، علامہ اور شیخ الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ شافعی مذہب کے اصول اور جزئیات پر آپ کو عبور تھا۔ شعبان ۶۲۳ھ میں حجاز کے قصبہ ینبوع کے قریب ایک بستی میں آپ کی پیدائش ہوئی اور صفر ۷۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حافظ ابن دقیق العیدؒ کی تالیفات میں شرح عمدۃ اور کتاب الامام فی الاحکام کو شہرت حاصل رہی۔

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: میں نے ابن دقیق العیدؒ سے سب روایات براہِ راست سنی ہیں۔ ایک حدیث کی انہوں نے مجھے املا کرائی تھی۔ اصول اور معقول میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور منقول کے علل میں بڑی بصیرت رکھتے تھے آپ دیارِ مصریہ میں منصبِ قضا پر کئی سال تک فائز رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ حافظ قطب الدین حلبیؒ کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ اہلِ زمانہ کے امام تھے علم اور زہد میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ دونوں مذاہب (مالکی اور شافعی) سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان دونوں کے اصول کے امام تھے۔ حافظِ حدیث، صاحبِ اتقان اور مہارت علوم میں ضرب المثل تھے۔ حافظہ قوی تھا، ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے۔ شب بیدار تھے، تلاوتِ قرآن، ذکر اوراد اور تہجد میں رات گزار دیتے اور تمام اوقات میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آنکھوں نے ان کی جیسی ہستی ان کے زمانے میں نہیں دیکھی ہے۔ حافظ ابنِ دقیق العیدؒ منصبِ قضا پر بار بار فائز کیے جاتے اور کچھ دنوں کے بعد استعفیٰ دے دیتے تھے۔ سلطان حسام الدین سے جب وہ ملنے گئے تو وہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیخ اپنے طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک اور رویہ رکھتے تھے۔ شیخ کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ نہایت پرسکون اور پروقار زندگی انہوں نے بسر کی۔ آپ کو اللہ جل شانہ نے جہاں علم وفضل سے نوازا تھا وہاں عقل وبصیرت اور ذکاوت وفطانت کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی۔ (۶)

حافظ جمال الدین مزّیؒ (۶۵۴-۷۴۲ھ)

ابو الحجاج کنیت، یوسفؒ نام، جمال الدین لقب ہے۔ والد کا نام الزکی عبدالرحمن بن یوسف القضاعی الکلبیؒ ہے۔ حافظ مزّیؒ ۶۵۴ھ میں شہر حلب کے بیرونی حصہ کی ایک بستی میں پیدا ہوئے اور "المزّہ" میں نشوونما پائی۔ اس لیے مزّی کی نسبت سے مشہور

Marfat.com

ہوئے۔ حافظ مزیؒ شافعی مذہب کے اصول اور فروع میں مہارت کے لیے مشہور تھے۔ حافظِ حدیث، حافظِ قرآن اور محدّثِ شام کہے جاتے تھے۔ حرمین شریفن، حلب، حماۃ اور بعلبک کے شہر سے آپ نے استفادہ کیا۔ نہایت خوشخط تھے۔ عربی ادب کا گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور علمِ رجال کے علمبردار تھے۔

حافظ ذہبیؒ "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھتے ہیں کہ:

"فنِ رجال میں حافظ مزی اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ آنکھوں نے ان کے جیسے آدمی کو نہیں دیکھا ہے۔ فنِ رجال میں آپ کی تصنیف "تہذیب الکمال" بڑے پایہ کی کتاب ہے جو دو سو اجزاء پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب "اطراف" ہے جو اطراف مزی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اسی (۸۰) سے زیادہ اجزا پر مشتمل ہے۔ مختلف مقامات کے علمی حلقوں اور درسگاہوں سے آپ نے استفادہ کیا اور اپنے دَور کے اہم مراکز میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ الدار الاشرفیہ میں ایک عرصہ تک آپ عوام اور خواص کا مرجع رہے۔"

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ:

"شیخ مزیؒ ثقہ، حجت، صاحبِ علم، بہترین اخلاق کے حامل، متواضع، حلیم، کم گو اور زیادہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ اکل وشرب اور لباس میں اعتدال کے پابند تھے۔ لوگوں کے مصالح اور خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ سماعِ حدیث میں شیخ ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ فقہ میں طریقۂ سلف کے حامل تھے۔ معقولات اور ماوراء معقولات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔"

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ:

"شیخ مزیؒ میرے استاد تھے۔ معقولات میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوب بحث و مباحثہ کرتے تھے۔"

شیخ مزیؒ کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ اس لیے آپ اپنا زیادہ تر وقت عبادت اور ریاضت میں گزراتے تھے۔ تنہائی اور سکوت آپ کو مرغوب تھی۔ ۷۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۷)

حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ)

ابو العباس کنیت، تقی الدین لقب، احمدؒ نام اور ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام مفتی شہاب الدین عبدالحلیم ابن امام مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابو القاسم الحرانیؒ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے ابن تیمیہؒ کو شیخ الاسلام، علامہ، حافظ، ناقد، مفسر، مجتہد، علم الزہاد، نادرۃ العصر کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ربیع الاول کے مہینہ میں ۶۶۱ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے دَور کے بیشتر مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ نے مختلف علوم اور فنون میں مہارت حاصل کی لیکن آپ کا طبعی اور فطری میلان حدیث کی طرف تھا۔ اس لیے رجال، عللِ حدیث اور فقہ حدیث پر آپ نے خاص توجہ دی۔

حافظ ابن تیمیہؒ علم کے دریا تھے۔ اذکیاء میں ان کا شمار تھا۔ زاہد اور عابد تھے۔ بہادر اور حق گو تھے۔ کریم النفس اور سخی تھے۔ آپ کے موافقین اور مخالفین سب ہی آپ کے مداح تھے۔ آپ کا تعلق جہاں تدریس و تعلیم کے ساتھ رہا وہاں قلم و قرطاس

Marfat.com

کے ساتھ بھی آپ کا رشتہ تسلسل کے ساتھ قائم رہا۔ آپ کی تالیفات کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ لوگ آپ کی کتابیں سفر میں اپنے پاس رکھتے تھے۔ دمشق اور مصر میں آپ کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد رہی۔ کئی بار آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور مصر، قاہرہ، اور اسکندریہ کے قلعوں میں قید کئے گئے۔ قلعۂ دمشق میں دو بار قید میں رکھے گئے اور اسی قلعۂ دمشق میں بحالتِ قید ۲۰ ذوالقعدۃ ۷۲۸ھ میں وفات پائی اور اپنے بھائی شرف الدین عبدالقادرؒ کے پہلو میں مقابر صوفیہ میں دفن کئے گئے۔ آپ اپنے فتاویٰ میں منفرد واقع ہوئے تھے اور انہی فتاویٰ کی وجہ سے آزمائش اور قید میں بند کئے جاتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: میں نے ان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (۸)

ولی الدین خطیب تبریزیؒ (م ۷۴۳ھ)

آپ کا نام محمدؒ، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ولی الدین ہے۔ لیکن خطیب تبریزی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے والد کا نام عبد اللہؒ اور دادا کا نام محمدؒ تھا۔ آذربائیجان کے مشہور شہر "تبریز" کو آپ کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس کی نسبت سے آپ تبریزی کہلاتے ہیں۔ خلیفۂ دوم سیّدنا عمر فاروقؓ سے نسبی تعلق تھا اس بناء پر "عمری" کہلاتے ہیں۔

خطیب تبریزیؒ نے اپنے دَور کے کئی مشہور اساتذہ سے استفادہ کیا لیکن جس شیخ سے آپ بہت زیادہ متاثر رہے اور جن کی تعلیم وتربیت اور صحبت نے آپ کو چار چاند لگائے وہ شیخ حسین بن محمّد بن عبد اللہ الطّیبیؒ ہیں۔ شیخ حسین الطّیبیؒ کے مشورہ پر آپ نے "مشکوۃ المصابیح" مرتّب کی۔ شیخ نے آپ کی تالیف کو بہت پسند فرمایا اور اس پر بہت ہی عمدہ، مفید، وقیع اور مبسوط شرح لکھی۔ حافظ ابن حجرؒ علّامہ طیبیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((أمر بعض تلامذته باختصار المصابيح على طريقة نهجها له، وسمّاه بالمشكاة وشرح شرحاً حافلاً))

"علّامہ طیبیؒ نے اپنے ایک شاگرد کو امام بغویؒ کی مصابیح کو ایک خاص منہج کے مطابق مختصر کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام "مشکاۃ" رکھا اور اس کی ایک مبسوط شرح لکھی۔"

خطیب تبریزیؒ اپنے عہد کے مشہور محدّث اور مُدرّس تھے۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت امام الدین علی بن مبارکؒ کو ملی۔ امام الدّین حافظ مزّیؒ کے بھی خاص شاگردوں میں سے تھے۔ "مشکاۃ" انہی کی روایت سے رائج اور مشہور ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے اپنی مشکاۃ کی سندیں بیان کرتے ہوئے ان کا نام تحریر کیا ہے۔ مُلّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ:

"خطیب تبریزیؒ علم و فضل اور حقائق و دقائق کا بحر بیکران تھے۔ ان کی کتابیں ان کی وسعتِ نظر اور غیر معمولی فضل و کمال پر شاہد ہیں۔"

بلاشبہ مشکاۃ المصابیح خطیب تبریزیؒ کے فضل و کمال، علمی تبحّر اور حدیث میں عظمت و برتری کا ثبوت ہے۔ مشکاۃ المصابیح حدیث کی بڑی اہم اور مقبول کتابوں میں سے ہے اور کتبِ ستّہ اور دیگر کتبِ حدیث سے روایات کا انتخاب ہونے کی بنا پر بہت

Marfat.com

معتبر سمجھی جاتی ہے۔اس کی ترتیب اور تالیف میں امام بغویؒ کی مشہور کتاب "مصابیح السُنّہ" پر اعتماد کیا گیا ہے اور یہ دراصل اس کا تکملہ اور ذیل کی حیثیت رکھتا ہے۔خطیب تبریزیؒ نے اپنے شیخ علاّمہ حسین الطیبیؒ کے مشورہ سے اس کو مرتّب کیا۔علاّمہ طیبی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"مجھ میں اور میرے دینی بھائی محمد بن عبد اللہ خطیبؒ میں ایک مجموعۂ احادیث مرتّب کرنے کے لیے مشورہ ہوا اور طے پایا کہ "مصابیح السُنّة" کا تکملہ لکھا جائے اور اس کو از سرِ نو مرتّب کیا جائے۔چنانچہ انہوں نے میری خواہش کے احترام میں پوری محنت اور جان فشانی سے یہ مجموعہ مرتّب کیا۔"مشکاة المصابیح" "مصابیح السُنّة" کا تکملہ ہے۔تاہم اس میں کہیں کہیں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے۔اس کی وجہ سے دونوں میں کسی قدر فرق بھی ہو گیا ہے اور مشکوٰۃ کی روایات کی تعداد بھی "مصابیح السُنّة" سے زیادہ ہو گئی ہے۔مشکاۃ المصابیح کے اضافے کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ امام بغویؒ نے اختصار کے خیال سے اسناد حذف کر دی تھیں اور مصادر کے حوالے بھی نہیں دیئے تھے۔خطیب تبریزیؒ نے حوالے بھی دے دیئے ہیں اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بھی تحریر کیے ہیں جن سے روایات مروی ہیں۔اس کی وجہ سے ہر روایت کا مآخذ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی قیمت و قوت اور مرتبہ کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

۲۔ امام بغویؒ نے ہر ہر باب میں دو ہی فصلیں قائم کی تھیں لیکن خطیب تبریزیؒ نے عموماً تین فصلیں قائم کی ہیں۔پہلی فصل میں تو امام بغویؒ کی طرح صرف صحیحین کی روایات درج کی ہیں اور دوسری فصل میں ان ائمہ کے علاوہ جن سے شیخ بغویؒ نے روایات نقل کی ہیں اور تیسری فصل میں جو شیخ بغویؒ کے ہاں نہیں ہیں مرفوع روایات کے علاوہ ابواب کے مناسب آثارِ صحابہ و تابعین نقل کر کے رُواۃ کے نام اور مصادر کے حوالے دے دیے گئے ہیں۔

۳۔ شیخ ابو محمد حسین بغویؒ نے جن روایات کی غرابت یا ضعف و نکارت کی جانب صرف اشارہ کیا ہے خطیب تبریزیؒ نے اس کی غرابت یا ضعف و نکارت کے وجوہ بھی بتا دیئے ہیں اور جن کے بارے میں انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔البتہ بعض جگہ کسی خاص مصلحت و ضرورت کے تحت بعض وضاحتیں کی ہیں جیسے ان روایات کے سلسلے میں جن پر کوئی طعن کیا گیا ہے اور امام بغویؒ نے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے تو ان کی خاموشی کے باوجود خطیب تبریزیؒ نے ان کی اصل حقیقت واضح کر کے یہ بتایا ہے کہ وہ حسن ہیں یا ضعیف۔

مشکاۃ المصابیح کتبِ ستہ اور دیگر قابل استناد مصادر حدیث کا بہترین انتخاب ہے اور حدیث کے ادب میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔

ز۔ حافظ ذہبیؒ (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ)

ابو عبد اللہ کنیت، محمدؒ نام، شمس الدین لقب ہے۔ذہبی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔والد کا نام احمد بن عثمانؒ ہے۔حافظ ذہبیؒ اپنے دور کے امام، حافظِ حدیث، مؤرخ اور صاحب تصانیف تھے۔علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ حافظ ذہبیؒ ثقہ، حجت اور صاحبِ اتقان تھے۔حافظ ذہبی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۴۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔حافظ ذہبی نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بہت کچھ یادگار چھوڑا ہے۔

Marfat.com

آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں:

۱) تاریخ اسلام
۲) تذکرۃ الحفاظ
۳) میزان الاعتدال
۴) تجرید اسماء الصحابہ
۵) میزان الاعتدال
۶) سیر اعلام النبلاء
۷) تذہیب تہذیب الکمال
۸) المشتبہ فی اسماء الرجال

حافظ ذہبیؒ کی "تذکرۃ الحفاظ" چار جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کتاب میں مشہور صحابہ کرامؓ، تابعین اور پہلی صدی سے آٹھویں صدی کے وسط تک جتنے مشہور محدثین اور حفاظِ حدیث گذرے ہیں ان کے حالات، سال ولادت اور سال وفات، ان کے شیوخ اور تلامذہ کے نام تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اور محدثین کو طبقات پر تقسیم کر کے ہر طبقہ کے حالات ترتیب وار قلم بند کیے ہیں۔ چوتھی جلد کے آخر میں حافظ ذہبیؒ نے اپنے شیوخ کے نام مختصر حالات کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔ آپ کی ساری تالیفات کو قبول عام حاصل ہوا لیکن "تذکرۃ الحفاظ" اپنی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے سب سے زیادہ مقبول اور متداول ہے۔[9] تاریخ الاسلام کے نام سے آپ کی تالیف تحقیق و تخریج کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ جو انتہائی مفید اور وقیع معلومات پر مشتمل ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) وفیات الأعیان۔ تذکرۃ مجد الدین ابن اثیر الجزری

(۲) مقدمۃ جامع الاصول سیر اعلام النبلاء، جزء: ۲۲۔ رقم: ۲۲۰۔ ص: ۳۵۳

(۳) مقدمۃ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، علاوہ ازیں حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام عزالدین ابن الاثیر کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

(۴) یہ ساری معلومات "تذکرۃ الحفاظ" اور سیر اعلام النبلاء سے ماخوذ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: جزء: ۲۳۔ ص: ۱۴۴ تا ۱۴۷

(۵) یہ ساری معلومات تذکرہ الحفاظ سے ماخوذ ہیں۔

(۶) ایضاً

(۷) ایضاً

(۸) سیر اعلام النبلاء۔ جزء: ۲۲۔ ص: ۲۸۸

(۹) مقدمۃ تاریخ الاسلام مقدمۃ سیر اعلام النبلاء، از استاذ بشار معروف

Marfat.com

ساتواں باب

طبقات رُواۃِ حدیث

علمائے حدیث نے رُواۃِ حدیث کو دو اعتبار سے طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ایک باعتبار صحت اور دوسرے باعتبارِ تاریخ۔ اس باب میں طبقاتِ رواۃ حدیث باعتبار تاریخ سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔طبقاتِ رواۃ سے متعلق تصانیف حدیث نبوی ﷺ سے متفرع ہونے والی اوّلین اسلامی ثقافت کی ایک نوع ہیں۔ان کے ذریعہ ہم رُواۃِ حدیث کے احوال وسوانح اور مختلف ادوار وطبقات سے روشناس ہوتے ہیں۔اس باب میں آپ اس حوالہ سے مطالعہ کریں گے کہ طبقات سے آگاہی حاصل کرنا کس حد تک ضروری ہے؟ نیز یہ کہ طبقات کے بنیادی مآخذ ومصادر کیا ہیں۔اور کن لوگوں نے تاریخ کی اس خاص تنقیدی فن میں دلچسپی اور اس پر کام کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

طبقاتِ رُواۃ حدیث کا ذکر آتے ہی طبقات ابن سعد کا نام ذہن میں آتا ہے۔اس لیے کہ طبقات ابن سعد اس فن کی بنیادی اور اہم ترین کتاب ہے۔ذیل میں اس کتاب کا اختصار کے ساتھ تعارف کرایا جاتا ہے۔

ابنِ سعدؒ

آپ کا نام محمد بن سعد بن منیع زہریؒ ہے کیونکہ آپ بنو زہرہ کے موالی میں سے تھے۔آپ کے دادا حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس ہاشمیؒ کے مولیٰ تھے۔۱۶۸ھ میں بمقام بصرہ آپ کی ولادت ہوئی۔طلبِ علم میں مدینہ، کوفہ اور بغداد کی سیاحت کی۔آپ نے مدینہ منورہ کے اہم اور معروف ومشہور شیوخ سے بھرپور استفادہ کیا۔ابن سعدؒ جب بغداد تک پہنچے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔۲۳۰ھ میں بغداد ہی میں وفات پائی۔بغداد پہنچ کر آپ علامہ واقدیؒ کے حلقہ سے منسلک ہو گئے اور مسلسل ان کے ساتھ رہے۔ابنِ سعد واقدیؒ کی کتابیں لکھتے رہے حتیٰ کہ "کاتب الواقدی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ابن سعدؒ کی طرف تین کتابیں منسوب کی جاتی ہیں:

۱) الطبقات الکبریٰ ۲) الطبقات الصغیر

۳) اخبار النبی ﷺ

یہ تینوں کتابیں دراصل ایک ہی ہیں اس لیے کہ "الطبقات الصغیر" اور کتاب "اخبار النبی ﷺ" کے مندرجات الطبقات الکبریٰ کی ابتدائی جلدوں میں شامل ہیں۔

Marfat.com

ابن سعدؒ کے مآخذ

طبقات ابن سعد کے مصادر کی دو قسمیں ہیں:

۱) بالمشافہ اور براہِ راست روایات جو آپ نے اپنے شیوخ واساتذہ سے حاصل کیں۔

۲) مخطوطات: وہ کتابیں جو آپ نے مختلف مراکز، علمی حلقوں اور علماء سے حاصل کیں۔

ابن سعدؒ نے زیادہ تر ان روایات پر اعتماد کیا ہے جو براہِ راست شیوخ واساتذہ سے سنیں۔اس طرح ابن سعد نے اپنے استاد واقدی سے وہ روایات براہِ راست سنی تھیں جو واقدی نے اپنی کتاب میں ذکر کی تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ بعض روایتیں واقدی کی کتاب سے بھی اخذ کی تھیں

طبقات ابن سعد کے اہم مندرجات

طبقات ابن سعد ایک ضخیم اور علمی مواد سے بھرپور کتاب ہے۔ابنِ سعدؒ نے اپنی اس تالیف میں ان محدثین، مؤرخین اور ماہر انساب علماء کے حالات قلم بند کئے ہیں جو عہدِ رسالت وصحابہ وتابعین اور خود ان کے دور میں بقیدِ حیات تھے۔طبقات کی روایت ابن سعد کے شاگرد حارث بن ابی اسامہ نے کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ طبقات میں کہیں کہیں اس قسم کی عبارت ملتی ہے:

”یہ روایت ہمیں محمد بن سعد نے سنائی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کا راوی ابن سعدؒ نہیں بلکہ ان کا شاگرد ہے۔ابن سعدؒ اکثر اخبار وواقعات کو باریک بینی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر ان پر تبصرہ کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ روایات حارث بن ابی اسامہؒ نے نقل کی ہیں۔بذاتِ خود ابن سعد کی بیان کردہ نہیں ہیں۔کتاب کا کچھ حصہ ابن سعدؒ کے شاگرد حسین بن فہمؒ کی روایت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔گویا ان دونوں شاگردوں نے مل کر طبقات ابن سعد کو روایت کیا ہے۔

طبقات ابن سعد کی پہلی دو جلدیں سیرتِ رسول ﷺ سے متعلق ہیں۔تقدیم کے طور پر ابن سعدؒ نے رسول اکرم ﷺ کے ان آباء واجداد کا بھی ذکر کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے تھے۔اور اس کے پہلو بہ پہلو۔حواؑ، ادریسؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور حضرت آدمؑ وحضرت محمد ﷺ کے درمیانی صدیوں اور سالوں کا ذکر بھی کیا ہے۔علاوہ ازیں ابنِ سعدؒ نے حضرات انبیاء کے اسماء وانساب، رسول اللہ ﷺ کے اجداد مثلاً قصّی وعبدمناف وہاشم و عبد المطلب نیز آپ ﷺ کے والد اور والدہ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس کے بعد آپ نے بعثتِ نبوی ﷺ، نزولِ وحی، ہجرت، اور ایک ایک کر کے آپ ﷺ کے تمام غزوات اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے وفود کا ذکر کیا ہے۔پھر عہدِ رسالت میں مفتیانِ مدینہ اور دیگر صحابہؓ وتابعینؒ کے سیر وسوانح سے طبقات کے باقی ماندہ اجزاء کو بھر دیا ہے۔طبقات کی آخری جلد میں خواتین کا تذکرہ ہے۔

طبقات ابن سعد کا اسلوب وانداز

طبقات میں تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ابنِ سعدؒ کو اس بارے میں پورا ملکہ حاصل تھا۔آپ نے تاریخی ترتیب میں تقدم فی الاسلام کو پیشِ نظر رکھا ہے۔اور اس اعتبار سے مہاجرین حبشہ، بدری صحابہؓ یا فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر

Marfat.com

کیا ہے۔اس ترتیب کے پیشِ نظر آپ پہلے بدری مہاجرین، پھر بدری انصار، اور پھر ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جو غزوۂ بدر سے پہلے اسلام لا چکے تھے مگر اس میں شرکت کرنے سے قاصر رہے۔کیونکہ وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ان میں سے بعض کو بدر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل بھی ہوئی۔پھر فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والوں کا ذکر کیا ہے۔ابن سعدؒ کا یہ طرزِ عمل عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے ملتا جلتا ہے۔جب آپؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کی فہرست مرتب کی تھی۔ترتیبِ زمانی کے پہلو بہ پہلو ابن سعدؒ نے علاقہ کی اہمیت کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔چنانچہ انہوں نے ان بلاد وامصار کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست مرتب کی ہے جن میں وہ رہائش پذیر تھے۔اس سلسلہ میں ابن سعدؒ نے علیحدہ علیحدہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، طائف، یمن، یمامہ، کوفہ، بصرہ اور شام ومصر میں قیام کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے۔طبقات تابعین کا ذکر کرتے ہوئے بھی ابنِ سعد نے ترتیب زمانی ومکانی کا خیال رکھا ہے اور اسی ترتیب کے پیشِ نظر تابعین کا تعارف کرایا ہے۔ایک طبقہ کی مدت (دور) قول راجح کے مطابق ابن سعد کے نزدیک بیس سال ہے۔اکثر علمائے حدیث نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ بدری مہاجرین: وہ مہاجر صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

۲۔ بدری انصار: وہ انصار جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔

۳۔ وہ صحابہؓ جو ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اہل مکہ کے رویہ اور حالات کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔نیزہ وہ صحابہؓ جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔

۴۔ وہ صحابہؓ جو فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۵۔ وہ صحابہ کرامؓ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

رواۃِ حدیث کے طبقات اور ان کی اصطلاحی تقسیم

اس بات پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ طبقہ کا اطلاق ان رواۃ پر کیا جاتا ہے جن کی عمر ملتی جلتی ہو اور وہ شیوخ واساتذہ سے استفادہ کرنے میں باہم یکساں ہو۔جب علمائے حدیث نے رُواۃ حدیث کو طبقات میں تقسیم کیا تو یہ تقسیم ایک اصطلاح کی حیثیت اختیار کر گئی۔چنانچہ بعض علماء رجال نے صحابہ کو پہلا طبقہ، تابعین کو دوسرا طبقہ، اور تبع تابعین کو تیسرا طبقہ قرار دیا۔ اس تقسیم کی بنیاد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر رکھی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((خیر القرون قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم)) (۱)

"سب سے بہتر اور برتر میرا دور ہے۔اس کے بعد وہ جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو اُن کے بعد آئیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں عہدِ رسالت کے بعد دو یا تین ادوار کا ذکر فرمایا ہے۔بعض علماء نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے اور تابعین وتبع تابعین کو بھی مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

Marfat.com

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تقسیم

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے عہدِ صحابہؓ سے لے کر دور روایت کے آخر (تیسری صدی ہجری) تک رُواۃِ حدیث کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے۔آپ نے رواۃ حدیث کو بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔طبقات درج ذیل ہیں:

۱- پہلا طبقہ: اس طبقہ میں سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے ہیں۔خواہ کبار ہوں یا صغار ہوں۔

۲- دوسرا طبقہ:اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ ملاقات کی ہو اور ان سے استفادہ کیا ہو۔مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ۔

۳- تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی ہو۔لیکن دوسرے طبقہ کے مقابلہ میں کم ہوئی ہو۔انہیں اصطلاحاً "الطبقۃ الوسطیٰ من التابعین" کہا جاتا ہے۔مثلاً امام حسن اور امام ابن سیرین رحمہم اللہ وغیرہ۔

۴- چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی بیشتر روایات کبار تابعین سے ہوں۔اس طبقہ کو اصطلاح میں "طبقۃ التابعین بعد الوسطیٰ" کہا جاتا ہے۔

۵- پانچواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات بہت کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی۔اور جن کی ساری روایات تابعین سے ہیں۔اصطلاح میں اس طبقہ کو "طبقۃ الصغریٰ من التابعین" کہا جاتا ہے۔

۶- چھٹا طبقہ: اس طبقہ میں وہ تابعین شمار ہوتے ہیں جن کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوئی البتہ ان کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وجود رہا۔اصطلاح میں یہ طبقہ "طبقۂ اخیرہ" کہلاتا ہے۔مثلاً ابن جریج وغیرہ۔

۷- ساتواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں جن کی ملاقات تابعین کی بہت بڑی جماعت سے ثابت ہو اور ان کی ساری روایات کبار تابعین سے ہوں۔مثلاً مالک بن انس اور سفیان ثوری۔

۸- آٹھواں طبقہ: یہ طبقہ ان تبع تابعین پر مشتمل ہے جن کی ملاقات تابعین سے ثابت ہو۔لیکن استفادہ کے لحاظ سے ساتویں طبقہ کی نسبت کمزور ہوں۔

۹- نواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ تبع تابعین آتے ہیں۔جن کی بیشتر روایات کبار تبع تابعین سے ہوں۔مثلاً امام شافعی اور ابوداؤد طیالسی رحمہم اللہ وغیرہ۔

۱۰- دسواں طبقہ: اس طبقہ میں وہ حضرات آتے ہیں جو تبع تابعین کے بعد آئے۔اصطلاح میں ان کو "آخذین" کہا جاتا ہے۔مثلاً امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ۔

۱۱- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی ملاقات تبع تابعین سے ہوئی لیکن روایات آخذین کبار سے بھی حاصل کیں۔مثلاً امام ذہلی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ۔

۱۲- اس طبقہ میں وہ آخذین آتے ہیں جن کی زیادہ تر روایات آخذین کبار سے ہیں۔مثلاً امام ترمذیؒ وغیرہ۔

Marfat.com

ان بارہ طبقات کو ہم مندرجہ ذیل چارٹ کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں:

۱- صحابہ کرامؓ	....	۱
۲- تابعین	....	۵
۳- تبع تابعین	....	۳
۴- آخذین	....	۳
کل :		۱۲

طبقہ صحابہؓ

صحابی کی تعریف

"صحابی" اس شخص کو کہتے ہیں جو حالتِ ایمانی میں نبی کریم ﷺ سے ملا ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابی کے لیے رسول کریم ﷺ کی ملاقات شرط ہے۔اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہوئی ہو۔(۲)

امام نووی اور حافظ عراقی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ:

"جو بچہ بات سمجھتا ہو اور جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اس کو صحابی کہہ سکتے ہیں مثلاً حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، اور محمود بن الربیعؓ وغیرہ۔"

علماء نے وضاحت کی ہے کہ جب کسی شخص میں مندرجہ ذیل میں سے کوئی خصوصیت پائی جاتی ہو تو اس کو "صحابی" کہہ سکتے ہیں۔ان میں سے اہم خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

۱) جس شخص کے بارے میں تواتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے مثلاً حضراتِ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا صحابہ ہونا۔ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

- سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ
- سیّدنا علی رضی اللہ عنہ
- سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
- سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ
- سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
- سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
- سیّدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
- سیّدنا ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ

۲) جس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تواتر کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔مثلاً ضمام بن ثعلبہؓ اور عکاشہ بن محصنؓ وغیرہ۔

۳) کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے۔جیسے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ دوسیؓ صحابی ہے۔

Marfat.com

۴) کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص ایسے زمانہ تک صحابی ہونے کا دعویٰ دار ہو جب اس کے صحابی ہونے کا امکان بھی ہو۔ علماء نے یہ زمانہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک مقرر کیا ہے۔ صحبت رسول ﷺ کے اثبات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قبیلہ اوس و خزرج کے سب لوگ عہدِ رسالت میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اس لیے ان میں سے جس کو بھی رسول اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ صحابی ہے۔ اسی طرح ہجرت کے دسویں سال مدینہ اور طائف کے جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے وہ سب صحابی ہیں۔ غزوات میں آپ نے صرف ان لوگوں کو امیر بنایا تھا جو صحبت کا شرف حاصل کر چکے تھے اس لیے غزوات کے تمام قائدین صحابہؓ میں شامل تھے۔

عدالتِ صحابہ کرامؓ

حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن عبدالبر، اور امام نوویؒ نے تمام صحابہؓ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے۔ قرآن وحدیث میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور عدالت بتائی گئی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

{كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ} (۳)

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چنا گیا ہے۔"

اور فرمایا:

{وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ} (۴)

"اور اسی طرح تم کو متوازن امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"وہ شخص خوش قسمت ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔"

اور فرمایا: "سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:

"میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ میرے بعد انہیں ہدفِ تنقید نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے عداوت رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو دُکھ دیا، اس نے مجھے دُکھ دیا۔ اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ جل شانہ کو دُکھ پہنچایا کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ لے۔" (۵)

صحابہ کرامؓ کی تعداد

چونکہ صحابہؓ مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئے تھے اس لیے ان کا شمار دشوار ہے۔ حافظ ابو زرعہؒ کہتے ہیں:

Marfat.com

"سرور کائنات ﷺ کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ عصر صحابہ کا اختتام اس وقت ہوا جب آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیثی کنانیؓ نے ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔"(۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس کی مرویات ایک ہزار سے زائد ہوں اسے اصطلاح میں کثیر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اس زمرہ میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے ہیں ان کے نام اور مرویات کی تعداد درج ذیل ہے:

۱-	حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ	....	۵،۳۷۴
۲-	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	....	۲،۶۳۰
۳-	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	....	۲،۲۸۶
۴-	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	....	۲،۲۱۰
۵-	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	....	۱،۶۶۰
۶-	حضرت جابر بن عبداللہؓ	....	۱،۵۴۰
۷-	حضرت ابو سعید خدریؓ	....	۱،۱۷۰

حافظ ابن سعدؒ نے اپنی کتاب "طبقات" میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ بعض علماء نے زیادہ تفصیل وتوضیح سے کام لے کر سبقتِ اسلام، ہجرت، اور غزوات میں شرکت کے اعتبار سے ان کے بارہ طبقات وضع کئے ہیں۔ ان طبقات کی تفصیل یوں ہے:

۱) وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مکہ مکرمہ میں اسلام لائے تھے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہااور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ

۲) اصحاب دارالندوۃ، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔

۳) وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بعثتِ نبوی ﷺ کے پانچویں سال ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے۔ یہ گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، جعفر بن ابی طالب، حضرت رقیہ زوجہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہااور سہلۃ بنت سہل زوجۃ ابو حذیفہؓ اس جماعت میں شامل تھے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شمار ہوتے ہیں جنھوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہ ۸۳ افراد تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ، عبیداللہ بن جحشؓ، ان کی بیوی ام حبیبہؓ اور ان کے بھائی عبداللہؓ، نیز ابو موسیٰؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی اس طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۴) چوتھے طبقہ میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمار ہوتے ہیں جو عقبہ اولیٰ میں شریک تھے۔ ان میں بارہ انصار تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت اسعد بن زرارہؓ اور عبادۃ بن صامتؓ بھی اس طبقہ میں شامل ہیں۔

Marfat.com

۵) پانچویں طبقہ میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے ہیں جو عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے اور وہ جو عقبۂ اولیٰ کے بعد اسلام لائے۔یہ ستر انصار تھے۔ان کے ساتھ دو خواتین تھیں۔حضرت براء بن معرورؓ، سعد بن عبادۃؓ اور کعب بن مالکؓ بھی ان میں شامل تھے۔

۶) چھٹے طبقہ میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمار ہوتے ہیں جو مدینہ منورہ میں اس وقت پہنچے جب کہ نبی کریم ﷺ ابھی قباء میں تھے اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

۷) ساتویں طبقہ میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شمار کیا جاتا ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔اہلِ بدر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ جل شانہ نے اہلِ بدر پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔"

ان کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے۔

۸) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرامؓ آتے ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

۹) نویں طبقہ میں وہ صحابہ کرامؓ شامل ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے حدیبیہ کے مقام پر "بیعتِ رضوان" میں حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"جس نے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی وہ دوزخ نہیں جائے گا۔"

۱۰) وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں۔

۱۱) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرامؓ شامل ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔حضرت ابو سفیانؓ بن حرب، اور حکیم بن حزامؓ اس طبقہ میں شامل ہیں۔

۱۲) اس طبقہ میں وہ صحابہ کرامؓ آتے ہیں جنہوں نے فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

طبقۂ تابعین

تابعی کی تعریف

"تابعی" وہ ہے جو کسی صحابی کو مومن ہونے کی حالت میں ملا ہو اور اس کی موت بھی ایمان دار ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہو۔

خطیب بغدادیؒ تابعی کے لیے صرف صحابی کی ملاقات کو کافی نہیں سمجھتے۔بلکہ صحابی کی صحبت ورفاقت کو بھی شرط ٹھہراتے ہیں۔قرآنِ مجید اور حدیث میں تابعین کی مدح وستائش کا ذکر کیا گیا ہے۔اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

{ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ } (۷)

Marfat.com

"اور مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین، اور وہ لوگ جو بھلائی کرنے میں ان کے بعد تھے۔اللہ جل شانہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ جل شانہ سے راضی ہو گئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اس شخص کو خوش خبری سنا دو جس نے مجھے دیکھا، یا مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا۔"

اور فرمایا:
"سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان سے قریب ہوں گے۔"

امام حاکم نیشاپوریؒ کے موقف کے مطابق تابعین کے آخری طبقہ میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد فوت ہونے والے صحابی سے ملاقات کی ہو۔اس لیے آخری تابعی وہ ہے جس نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہو۔یا مدینہ منورہ میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ، شام میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ اور بصرہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو۔خلف بن خلیفہ (م۔۱۸۱ھ) کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے اس لیے کہ موصوف نے آخری صحابی ابو الطفیلؓ عامر بن واثلہ سے مکہ میں ملاقات کی تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔

تبع تابعین

"تبع تابعی" وہ ہے جو مومن ہوتے ہوئے کسی تابعی سے ملا ہو۔اور اس کی موت بھی حالتِ اسلام میں واقع ہوئی ہو۔امام مالکؒ، امام شافعی رحمہم اللہ، کو بھی اس طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ تابعی تھے کیونکہ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن جزء زبیدیؓ، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم، اور عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے مل کر ان سے روایت کی ہے۔امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو اتباع تابعین کے بعد آئے۔کیونکہ آپ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی اور اتباع تابعین کا عہد ۲۲۰ھ پر ختم ہو گیا تھا۔ (۸)

مشاہیر صحابہ کرامؓ کا تعارف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ "طبقۂ اولیٰ" میں شامل ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ان حضرات کا مختصر تعارف کرایا جائے جنہیں روایت حدیث کے لحاظ سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

کثیر الروایۃ صحابہؓ

جس صحابیؓ کی روایات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو اسے اصطلاح میں "کثیر الروایۃ" کہا جاتا ہے۔کثیر الروایۃ صحابہ کی تعداد سات ہے۔ذیل میں ترتیب کے مطابق ان کا تعارف اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔ بقی بن مخلد کی مسند میں آپ رضی اللہ عنہ کی ۵،۳۷۴ روایات منقول ہیں۔ آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر ہے۔ قبیلۂ ازد کی ایک شاخ "بنو دوس بن عدنان" سے تعلق تھا۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر والے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور موضع عقیق میں ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا تعلق اہلِ صفہ سے رہا۔ صفہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک سائبان تھا جس میں عابد وزاہد لوگ رہائش پذیر ہو کر عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوتِ حافظ میں اضافہ کے لیے دعا فرمائی تھی جو مقبول ہوئی۔ آپؓ زاہد، متقی، خوش طبع اور ملنسار تھے۔ جب بچوں سے ملتے تو انہیں خوب ہنساتے۔ عام لوگوں کے پاس بیٹھ کر بلا تکلف گفتگو فرماتے۔ رات کو تنہائی میں خشوع وخضوع کے ساتھ تہجد پڑھتے اور بہت انہماک کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بحرین کے عامل رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں "منصب" کی پیش کش کی تو قبول نہ فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، ابیؓ بن کعب، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ جن راویوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد آٹھ سو سے بھی زیادہ ہے ان میں طبقۂ صحابہ سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ، اور انس بن مالک جیسے اکابر شامل ہیں۔ طبقۂ تابعین میں سے سعید بن مسیب، ابن سیرین، عکرمہ، عطاء، مجاہد اور امام شعبی نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عمرؓ کی روایات کی تعداد ۲،۶۳۰ ہے۔ آپ خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ کے بیٹے، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی ﷺ کے کچھ عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ جب اپنے والد کے ہمراہ اسلام لائے تو عمر دس سال تھی۔ پھر اپنے والد سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ غزوۂ احد میں کم عمر تھے اس لیے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوۂ احد کے بعد کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کو جنگِ قادسیہ، یرموک اور افریقہ نیز مصر وفارس کی فتوحات میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے بصرہ اور مدائن کا سفر بھی کیا۔

حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرفاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، اور اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کیں۔ آپ سے سعید بن مسیب، امام حسن بصری، امام ابن شہاب زہری، امام ابن سیرین، امام نافع، امام مجاہد، امام طاؤس اور امام عکرمہ رحمہم اللہ نے استفادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ

کثیر الروایۃ صحابہ میں حضرت انسؓ کا تیسرا نمبر ہے۔ آپ کی روایات کی تعداد ۲،۲۸۶ ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لائیں تو اس وقت آپ دس سال کے تھے۔ آپ کے والد کا نام مالک بن نضر ہے۔ نسب ابن عدی بن

Marfat.com

نجار تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ طویل عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ اس ضمن میں آپ کہا کرتے تھے:

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کبھی دریافت نہ کیا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا؟... بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو چاہا وہ نہ ہوا۔"

غزوۂ بدر کے زمانہ میں حضرت انسؓ چھوٹے تھے اس لیے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے۔ جب سیّدنا ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے جواباً کہا:

" انس ایک دانا وبینا اور پڑھا لکھا جوان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس میں زہد وتقویٰ کے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:

"میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز حضرت انس سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی نماز کے ساتھ ملتی جلتی ہو۔"

حضرت انسؓ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بصرہ چلے گئے تھے۔ آپ وہاں آخری صحابیؓ تھے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت انسؓ آخری صحابی تھے جو بصرہ میں فوت ہوئے۔ (۹)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہؓ رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں اسلام لائیں۔ آپ سے پہلے صرف اٹھارہ آدمی اسلام لائے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ادب، طب، انساب اور ایام العرب کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتی تھیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم کا تقابل ازواجِ مطہرات اور دیگر خواتین کے علم کے ساتھ کیا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا علم ان پر فوقیت لے جائے گا۔"

حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"میں نے کسی کو طب، شعر اور فقہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کثیر الروایۃ صحابہ میں شمار کی جاتی ہیں اور روایت حدیث میں ان کا درجہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے قریب قریب ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲،۲۱۰ ہے۔ آپ کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ بعض مسائل کے استنباط میں بالکل منفرد ہیں۔ اس بارے میں ان کا خصوصی اجتہاد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالکل الگ تھا۔ علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہادات سے متعلق ایک کتاب "الاجابۃ لإیراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ" تالیف کی ہے۔

Marfat.com

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت سعد بن ابی وقاص، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم، اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث کی روایت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں:

"حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہم اور صفیہؓ بنت شیبہؓ"

طبقۂ تابعین میں مندرجہ ذیل رواۃ نے آپ سے استفادہ کیا:

"سعید بن مسیب، علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، عائشہ بنت طلحہ، عمرۃ بنت عبدالرحمن اور حفصہ بنت سیرین"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن عباسؓ پانچویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ کثرتِ روایات میں آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قریب قریب ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔ حضرت عبداللہؓ رسول کریم ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت عباسؓ کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اس دعا کے نتیجے میں آپ کو علم، فہم، تاویل اور استنباط واستخراج کے حوالہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ لوگ دور دراز سے احکام سمجھنے اور روایات حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد پینتیس (۳۵) برس تک آپ لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو احادیث رسول، فتاویٰ وقضایائے صحابہ، نیز تفسیر وفقہ، شعر وعربیت اور حساب وفرائض میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ آپ نے ایک دن تفسیر قرآن کے لیے، ایک دن تعلیم احکام (فقہ) کے لیے۔ ایک دن مغازی وسیر کے لیے اور ایک دن شعر وادب اور تاریخ کی تدریس کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ جو عالم بھی آپ سے استفادہ کرنے کے لیے آیا آپ سے ضرور متاثر ہوا۔ جس طالبِ علم نے آپ سے کوئی سوال کیا آپ کے پاس اپنے سوال کا جواب ضرور پایا۔"

حضرت ابن عباسؓ کی معلومات میں بہت جامعیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ:

"آپ نے علم کے حصول میں کون سا طریقہ اختیار کیا؟ تو آپ نے جواب دیا: "میں نے سوال کرنے والی زبان اور سوچنے سمجھنے والے دل سے سب کچھ سیکھا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپ محض تفسیر وحدیث اور فقہ کے ماہر نہ تھے بلکہ عربی زبان وادب اور تاریخ وثقافت میں بھی ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے اور اشعار وامثال سے اسلوب قرآن پر استشہاد فرمایا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمر فاروقؓ، اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے۔ معمر بن راشد یمنیؒ کا تجزیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایات ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماخوذ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے معاذ بن جبل اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، سہل بن حنیف اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شامل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حنین، طائف، فتح مکہ

Marfat.com

اور حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ ابن ابی السرح کی معیت میں آپ رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی فتوحات میں حصہ لیا۔۶۸ھ میں قیام طائف کے دوران آپ کی وفات ہوئی۔ محمد بن حنفیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔(۱۰)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ چھٹے کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۱،۵۴۰ ہے۔ آپ کے والد کا نام عبد اللہ بن عمرو انصاریؓ ہے۔ بنو سلمہ انصار کی ایک شاخ تھی اس کی طرف نسبت کر کے آپ کے والد کو سلمی کہا جاتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد اور ماموں کے ہمراہ ان ستر (۷۰) انصار کے ساتھ عقبۂ ثانیہ میں شرکت کی تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور دین اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی بیعت کی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر واحد کے سوا سب غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ آپ خود کہتے ہیں:

"میں نے انیس لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ جب والد شہید ہو گئے تو میں کسی لڑائی میں آپ ﷺ سے پیچھے نہ رہا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مصر اور شام میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں علاقوں کے لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں آپ کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا جس میں لوگ جمع ہوتے اور آپ کے علم وتقویٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۷۴ھ میں انتقال کیا۔(۱۱)

حضرت ابو سعید خدریؓ

حضرت ابو سعید خدریؓ ساتویں کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ آپ نام کے بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا نام سعد بن مالک بن سنان اور کنیت ابو سعیدؓ ہے۔ آپ کے والد مالک بن سنانؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کو خدری اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کا نسب خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ کو رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ والد نے آپ کی صحت اور قوت کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"اللہ کے رسول ﷺ! ابو سعید عمرؓ کے لحاظ سے چھوٹا ہے لیکن جسم اور صحت کے لحاظ سے بہت اچھا ہے اس لیے اسے غزوہ میں شرکت کی اجازت دی جائے۔"

رسول کریم ﷺ نے آپ کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے واپس کر دیا اور غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی ہے۔ صحابہ کرامؓ میں آپ کے مشہور ترین اساتذہ میں آپ کے والد مالک بن سنانؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، اور حضرت عبد اللہ بن سلامؓ جیسے اکابر شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے

Marfat.com

صاحبزادے عبدالرحمن بن سعدؓ، آپ کی زوجہ زینب بنت کعب رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو الطفیلؓ، نافعؒ اور عکرمہؒ قابلِ ذکر ہیں۔ابو سعید خدریؓ نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔ (۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

آپ کا نام عبداللہ بن مسعودؓ ہذلی اور کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپ نے دو مرتبہ ہجرتِ حبشہ کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ غزوۂ بدر میں ابو جہل کو آپ نے قتل کیا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"چار صحابہ کرامؓ سے قرآن سیکھو۔ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابیؓ بن کعبؓ سے۔"

علمائے حدیث کے ہاں جب عبداللہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کو کوفہ کا قاضی اور خازن مقرر کیا۔

آپ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ میں مشہور تھے۔ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ اور سعد بن معاذؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت علقمہ، مسروق اور قاضی شریح۔

آپ کی روایات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ ۳۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں آپ کی قبر ہے۔ عثمان بن عفانؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

آپ طبقۂ صحابہ میں فقیہ کہلاتے ہیں۔ اپنے والد سے پہلے اسلام لائے اور فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ بڑے عابد وزاہد تھے۔ حدیث نبوی ﷺ سے بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ کی روایات کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے کتابتِ حدیث کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے سوا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظِ حدیث نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔"

آپ نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور دیگر صحابہ کرامؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، امام طاؤس، اور امام عکرمہ رحمہم اللہ۔

آپ نے ۶۳ھ میں فسطاط کے محاصرہ کے موقع پر وفات پائی۔ (۱۳)

Marfat.com

Marfat.com

"حضرت معاذ بن جبلؓ خلافتِ صدیقی تک یمن میں رہے پھر ہجرت کر کے شام چلے گئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "معاذ حلال و حرام سے متعلق احکام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

حضرت معاذؓ نے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے حضرت انس بن مالکؓ، مسروق اور ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ نے روایت کی۔ جب ۱۸ھ میں اردن کے علاقہ میں طاعون پھیلا تو اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا بھی انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر بتیس (۳۲) سال تھی۔(۱۵)

حضرت ابو الدرداءؓ

آپ کا نام عویمرؓ بن زید بن قیس ہے۔ لیکن کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ انصاری ہیں اور خزرج کے قبیلہ سے وابستہ تھے۔ نبی کریم ﷺ سے سن کر آپ نے قرآن حفظ کیا۔ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ رسولِ کریم ﷺ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا: ((نعم الفارس عویمر)) "عویمر بہت عمدہ شہسوار ہیں۔"

مواخاۃ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے ابو الدرداءؓ اور سلمان فارسیؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

خلافتِ عثمانی میں ابوالدرداءؓ شام کے قاضی مقرر کئے گئے۔ آپ اہلِ شام کے مفتی اور اہلِ فلسطین کے فقیہ تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے آپ کی زوجہ محترمہ ام الدرداءؓ اور بیٹے بلال نے روایت کی ہیں۔ آپ کی روایات کی تعداد ۱۷۹ ہے۔ مسروقؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میں نے رسول کریم ﷺ کا علم چھ آدمیوں کے پاس پایا۔ ان میں سے ایک ابوالدرداءؓ ہیں۔"

آپؓ نے ۳۲ھ میں دمشق کے قیام کے دوران انتقال فرمایا۔

طبقۂ تابعین

طبقۂ صحابہؓ میں سے چند مشہور و معروف صحابہ کا تذکرہ کر لینے کے بعد طبقۂ تابعین میں سے چند حضرات کا اختصار کے ساتھ تعارف کروایا جاتا ہے:

سعید بن المسیبؒ

آپ کا نام سعید بن المسیبؒ ابن حزن مخزومی ہے۔ آپ کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ آپ خلافتِ فاروقی کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طلبِ علم کا شوق تھا اور اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے سفر و سیاحت کا آغاز کر دیا۔ حضرت مکحول دمشقیؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں نے علم کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ مگر سعید المسیبؒ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔"

علی بن مدینیؒ کہتے ہیں کہ:

Marfat.com

"میرے نزدیک طبقۂ تابعین میں سعید بن المسیبؒ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ جب سعید کسی بات کو سنت کے مطابق قرار دیں تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ سعید طبقۂ تابعین میں سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہیں۔"

آپ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوہریرہ، زید بن ثابتؓ، اور حضرت عائشہؓ سے براہِ راست استفادہ کیا۔ آپ سے بھی تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے استفادہ کیا جن میں سے سالم بن عبداللہ زہریؒ، قتادۃؒ شریک قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (۱۶)

نافع مولیٰ ابن عمرؒ

آپ کا نام نافع بن ہرمزؒ ہے۔ کنیت ابو عبداللہ اور نسبت مدنی ہے۔ آپ عبداللہ بن عمر کی خدمت میں تیس سال تک رہے۔ حضرت ابن عمرؓ آپ کے بارے میں فرماتے تھے:

"نافع عنایت کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا۔"

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں:

"نافع کا تعلق دیلم سے تھا اس لیے ان میں توتلا پن پایا جاتا تھا۔"

حضرت امام مالکؒ نے نافعؒ سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ امام نسائی رحمہ اللہ کے بقول امام مالکؒ نافع کے قریب ترین اور ممتاز ترین شاگردوں میں سے ہیں۔ نافعؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے مرسلاً روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن دینارؒ، زہریؒ، اوزاعیؒ، ابن اسحٰقؒ، صالح بن کیسانؒ اور ابن جریجؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نافع کو بہت چاہتے تھے۔ ایک شخص نے نافعؒ کے عوض ان کو تیس ہزار کی پیشکش کی تھی مگر آپ نے اس خطیر رقم کو ٹھکرا دیا اور رضائے الٰہی کے لیے نافع کو آزاد کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیث اور فقہ کی ترویج واشاعت کے لیے آپ کو مصر بھیجا تھا۔ ۱۱۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۷)

محمد بن سیرینؒ

آپ بڑے عابد وزاہد اور فقیہ تھے۔ آپ کے والد سیرینؒ انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت انسؓ نے ان کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق کے شہر "عین التمر" میں مقام انبار کے نزدیک ان کو قیدی بنایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سیرینؒ کو کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کی پیش کش کی جو انہوں نے ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ ابن سیرینؒ کی والدہ کا نام صفیہؒ تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ تھیں۔ محمد بن سیرینؒ خلافتِ عثمان کے آخری سال میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ تک حیات رہے۔ تیس صحابہؓ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوالدرداء، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات آپ مرسلاً بیان کرتے ہیں۔ البتہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حذیفہ

Marfat.com

بن یمانؓ سے آپ نے براہِ راست روایات سنی ہیں۔اور ان کی روایات آپ سنداً بیان کرتے ہیں۔آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت شعبیؒ، حضرت اوزاعیؒ، حضرت عاصم الاحولؒ، حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہم اور حضرت خالد الحذاء قابلِ ذکر ہیں۔ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"محمد بن سیرینؒ بڑے ثقہ، قابلِ اعتماد، بہت بڑے امام اور بہت بڑے عالم تھے۔" (۱۸)

ابن شہاب زہریؒ

آپ کا نام محمد بن مسلم بن عبداللہؒ ہے۔آپ بہت بڑے عالم، محدّث اور فقیہ تھے۔لیث بن سعدؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں نے زہریؒ سے زیادہ بڑا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔آپ جب احکام سے متعلق روایات پر بحث کرتے تو معلوم ہوتا کہ آپ کا تعلق اسی مجال سے ہے لیکن جب تفسیر اور حدیث کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے تو پتہ چلتا کہ آپ ہر فن میں اپنی مثال آپ ہیں۔"

زہری رضی اللہ عنہ حجاز اور شام کے درمیانی علاقہ "ایلہ" نامی گاؤں میں رہتے تھے مگر آپ کی شہرت اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی۔آپ علماء حجاز اور شام کا مرکز اور مرجع تھے۔آپ نے سعید بن المسیبؒ کی صحبت میں شام کے ایک سرحدی گاؤں "شعبدا" میں آٹھ سال گزارے اور اسی جگہ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔زہریؒ جو روایات اپنے شیوخ سے اخذ کرتے تھے انہیں اپنے پاس لکھ لیا کرتے تھے۔صالح بن کیسانؒ کہتے ہیں:

"میں اور زہریؒ دونوں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔زہریؒ نے مجھے کہا: آؤ! حدیثیں لکھ لیا کریں۔پھر کہا: اقوالِ صحابہؓ بھی لکھیں گے۔میں نے اس مشورہ کو ٹال دیا۔وہ لکھتے رہے اور میں نے نہیں لکھا۔اس لیے ان کے پاس علم محفوظ رہا اور ہم بھول گئے۔"

زہریؒ اپنے دور کے بہت بڑے حافظ اور ضابط تھے۔حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں نے حدیث نبوی ﷺ کی روایت باللفظ کا زہریؒ سے زیادہ اہتمام کرنے والا نہیں دیکھا۔"

زہریؒ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ حدیث کے الفاظ میں معمولی تغیر بھی رونما نہ ہو۔آپ کی روایات کی تعداد ۱۲۰۰ ہے جس میں آدھی سے زیادہ سند متصل کے ساتھ ہیں۔حضرت زہریؒ نے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، سہل بن سعد، عروۃ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہم سے روایات اخذ کی ہیں۔حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی جو روایات آپ نے بیان کی ہیں وہ ساری مرسل ہیں۔ (۱۹)

سعید بن جبیرؒ

آپ کا نام سعید بن جبیر اسدیؒ کوفی اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔آپ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہ، عابد، زاہد اور شب زندہ دار تھے۔حضرت سفیان ثوریؒ آپ کو ابراہیم نخعیؒ پر ترجیح دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ:

"تفسیر کا علم سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور ضحاکؒ، یعنی ان چار علماء سے حاصل کرو۔"

Marfat.com

جب عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ کوفہ کے قاضی بنائے گئے تو سعید بن جبیرؒ ان کے کاتب تھے۔ پھر حضرت ابوبردہ بن ابو موسیٰؒ کے کاتب مقرر ہوئے۔ آپ ۹۵ھ تک حیات رہے۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے براہِ راست روایات اخذ کیں۔ البتہ آپ کا سماع حضرت ابوہریرۃ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ اس لیے سعیدؒ جب ان سے روایت کرتے ہیں تو وہ روایت مرسل ہوتی ہے۔ یحییٰ بن سعیدؒ آپ کی مراسیل کے بارے میں کہتے ہیں: "سعید بن جبیرؒ کی مرسل روایات مجھے عطاء کی مرسل روایات سے زیادہ عزیز ہیں۔"

سعید بن جبیرؒ سے مندرجہ ذیل حضرات نے بطورِ خاص استفادہ کیا اور روایات اخذ کیں۔ اعمشؒ، منصور بن معمرؒ، یعلیٰ بن حکم ثقفیؒ، سماک بن حربؒ قابل ذکر ہیں۔

میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں:

"سعید بن جبیرؒ نے اس حالت میں وفات پائی کہ ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔"(۲۰)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

آپ کا نام نعمان بن ثابتؒ ہے۔ کنیت ابو حنیفہ ہے اور اس کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ تابعی ہیں۔ کیونکہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس بن مالک، سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن ابی اوفی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔

اتباع تابعین

طبقۂ تابعین میں سے چند اہم اور معروف ومشہور تابعین کا مختصر تذکرہ کر لینے کے بعد اب اتباع تابعین میں سے ان حضرات کا تعارف کرایا جاتا ہے جنھوں نے علمِ حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بنیادی اور اہم کام کیا۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ

آپ کا نام مالک بن انس بن عامرؒ ہے۔ چونکہ آپ یمنی سلاطین میں سے ایک سلطان ذی اصبح کی نسل سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اصبحی کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ امام شافعیؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"مالک تابعین کے بعد خدا کی مخلوق پر حجت ہیں۔"

امام شافعی رحمہ اللہ

آپ کا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافعؒ ہے۔ شافع کی جانب نسبت کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے۔ آپ قرشی، مطلبی اور مکی ہیں۔ آپ کی والدہ قبیلۂ ازد سے تعلق رکھتی تھیں۔

امام شافعیؒ غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آپ کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ مکہ ہی میں آپ نے

Marfat.com

طلبِ علم کے مراحل طے کئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مکہ کے ایک مشہور قاری اسماعیل بن قسطنطین سے تجوید کا فن سیکھا۔ امام اہلِ مدینہ مالک بن انسؒ سے تجوید کا فن لیا اور موطا کی ساری روایات زبانی یاد کیں۔ امام شافعیؒ نے سفیان بن عیینہؒ اور عبدالملک بن ماجشونؒ سے بھی حدیث کے مجالس میں استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ نے مسلم بن خالد زنجیؒ سے بھرپور استفادہ کیا۔ مسلم بن خالد زنجیؒ نے آپ کو اس وقت فتویٰ نویسی کی اجازت دی تھی جب آپ کی عمر محض بیس سال تھی۔

حدیث وفقہ کے علاوہ امام شافعیؒ کو لغت کے اسرار ورموز پر بہت عبور حاصل تھا۔ آپ بلند پایہ شاعر اور مناظر تھے۔ آپ نے مدینہ اور کوفہ میں قائم دونوں مراکزِ علم سے خوشہ چینی کی۔ آخر میں جب مصر کا سفر کیا تو وہاں کے مراکز کی روایات بھی حاصل کیں۔

امام شافعیؒ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی ترویج واشاعت کے ضمن میں بنیادی مواد فراہم کیا۔ آپ کی مشہور ترین کتاب "الرسالۃ" ہے جو آپ نے عبدالرحمن بن مہدی کی استدعا پر تحریر کی۔ اس کا موضوع "اصول الفقہ" ہے۔ اسی طرح آپ کی کتاب "کتاب الأم" بھی بڑی شہرت رکھتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں جنہیں شہرت اور مقبولیت ملی وہ درج ذیل ہیں:

"امام احمد بن حنبلؒ، ابو عبید قاسم بن سلامؒ، امام حمیدیؒ، ابوثور ابراہیم بن خالد بغدادیؒ، یوسف بن یحییٰ البویطیؒ، حرملۃ بن یحییٰؒ اور حسن بن محمد زعفرانیؒ"

امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ نے کہا:
"جس شخص نے بھی دوات اور قلم سنبھالا، امام شافعی کے احسانات اس کی گردن پر ہیں۔"

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ

آپ کا نام سفیان بن سعید بن مسروق کوفیؒ اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ کے والد سعید بن مسروقؒ اپنے دور کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ حدیث نبوی کے ضبط اور روایت کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے حدیث نبوی ﷺ کے ضبط اور روایت میں اس حد تک شہرت پائی کہ شعبہ بن حجاجؒ، سفیان بن عیینہؒ اور یحییٰ بن معینؒ جیسے محدثین نے آپ کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب دیا۔

خطیب بغدادیؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:
"سفیان ثوریؒ ایک عظیم امام اور حجۃ الاسلام کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی امامت پر علماء کا اجماع ہے۔ آپ میں حفظ واتقان، زہد وتقویٰ اور معرفت کے اوصاف اس حد تک موجود تھے کہ اس ضمن میں کسی تائید اور توثیق کی ضرورت نہیں۔"

سفیان ثوریؒ نے سلیمان بن مہران اعمشؒ، عبداللہ بن دینارؒ، عاصم الاحول، ابن المنکدرؒ اور دیگر علماء حدیث سے روایات اخذ کیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل حضرات قابلِ ذکر ہیں: عبدالرحمن اوزاعیؒ، مسعر بن کدامؒ، ابان بن

Marfat.com

عبداللہ حمصیؒ اور علی بن جعدؒ

عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں:

"میں نے گیارہ سو (۱۱۰۰) اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا مگر کسی کو بھی سفیان ثوریؒ سے افضل اور برتر نہ پایا۔ ایک شخص نے پوچھا: ابو عبداللہ! آپ نے سعید بن جبیرؒ جیسے علماء کو دیکھا ہے اور پھر بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں؟... ابن مبارکؒ نے فرمایا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ میں نے سفیانؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔"

سفیان ثوریؒ کا انتقال بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوا۔

سفیان بن عیینہؒ

آپ کا نام سفیان بن عیینہ بن میمون ہلالی کوفیؒ اور کنیت ابو محمد ہے۔ ستاسی (۸۷) تابعین سے آپ کی ملاقات ثابت ہے جن میں ستر (۷۰) وہ حضرات ہیں جن سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شیوخ میں امام جعفر صادقؒ، حمید الطویلؒ، عبداللہ بن دینارؒ، ابوالزنادؒ اور صالح بن کیسانؒ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں اعمشؒ، مسعر بن کدامؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یحیٰ بن معینؒ اور علی بن مدینیؒ قابل ذکر ہیں۔

سفیان بن عیینہؒ ۱۶۳ھ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے۔ آپ مکہ میں اہلِ حجاز کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

"آپ بڑے حافظ، فقیہ، امام، حجت اور ثقہ تھے۔ آپ کا حافظہ آخری عمر میں کمزور ہو گیا تھا اس لیے روایات میں تدلیس کر جاتے تھے مگر آپ کی تدلیس صرف ثقہ رواۃ تک محدود تھی۔"

سفیان بن عیینہؒ نے سات ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ امام شافعیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

"اگر امام مالکؒ اور ابن عیینہؒ نہ ہوتے تو اہل حجاز کا علم رخصت ہو گیا ہوتا۔"

آپ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۱۶۸ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر اکیانوے (۹۱) سال تھی۔

لیث بن سعدؒ

آپ کا نام لیث بن سعد بن عبدالرحمنؒ اور کنیت ابو الحارث ہے۔ آپ قرقشندہ میں ۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ دیارِ مصر کے عظیم محدّث تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری وسائل سے بھی نوازا تھا۔ سالانہ آمدنی بیس ہزار دینار سے زائد تھی مگر اس کے باوجود آپ کے مال پر کبھی زکوٰۃ فرض نہ ہوئی کیونکہ آپ سب مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ نے لیث بن سعدؒ سے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ اور دیگر علمائے حدیث نے آپ کو ثقہ اور عادل قرار دیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

Marfat.com

" لیث بن سعدؒ، امام مالک سے بڑے فقیہ تھے مگر ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا۔"

امام مالکؒ اپنی تالیفات میں جہاں یہ کہتے ہیں کہ "پسندیدہ اہلِ علم نے مجھے بتایا" تو اس سے ان کا اشارہ لیث بن سعدؒ کی جانب ہوتا ہے۔ لیث بن سعدؒ نے نافع، زہری، سعید المقبری، اور یزید بن ابی حبیب رحمہم اللہ سے روایات اخذ کی ہیں۔ آپ سے عبداللہ بن مبارکؒ، عبداللہ بن وہبؒ اور اس طبقہ کے دیگر رواۃ نے استفادہ کیا۔ ۱۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) رواہ البخاری و مسلم۔ عن عمران بن حصین

(۲) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۵۱

(۳) آلِ عمران۔ آیۃ:۱۱۰

(۴) البقرہ۔ آیۃ:۱۴۳

(۵) المختصر فی علم رجال الاثر۔ ص:۲۲

(۶) تلقیح فہوم اہل الاثر۔ للامام ابن الجوزی

(۷) توبہ: ۱۰۰

(۸) المختصر فی علم رجال الاثر۔ ص:۴۴،۴۵

(۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد، ترجمہ امام انس بن مالک، ج:۲

(۱۰) طبقات ابن سعد۔ ترجمہ ابن عباس

(۱۱) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ۔ ترجمۃ جابر بن عبد اللہ

(۱۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: تہذیب التہذیب اور حلیۃ الاولیاء، ترجمہ ابو سعید خدری

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد، ترجمہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص

(۱۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۹۲

(۱۵) طبقات ابن سعد۔ ج:۳، ص:۱۲۰

(۱۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد۔ ج:۵، ص:۸۸

(۱۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: وفیات الاعیان۔ ج:۲، ص:۱۵۰

(۱۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ بغداد۔ ج:۵، ص:۳۳۱

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ۔ ج:۱، ص:۱۰۲

(۲۰) تفصیل کے لیے دیکھیے: طبقات ابن سعد، ج:۴، ص:۱۸۲

(۲۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ بغداد۔ ج:۱۳، ص:۳

Marfat.com

تاریخ ادبِ حدیث

آٹھواں باب

تاریخ اور تاریخِ حدیث

دین اسلام اور معاشرہ کی داخلی ضروریات نے جن علوم کو ایجاد کیا ان میں علم تاریخ بھی ہے۔ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار واخبار کو جو مثالی حیثیت اور قانونی اہمیت حاصل ہے اس کی کسی دوسرے دین اور معاشرہ میں مثال نہیں ملتی۔ حال کے لیے ماضی کی اہمیت بلکہ تقدس کا، اور شریعت اور معاشرہ کے تسلسل اور ارتقاء کا جو نقش اوّل اوّل مسلمانوں کے دل پر بیٹھا اس نے انہیں فوری طور پر حوادث وواقعات، سیر وسوانح اور اقوال وآثار کو محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شعور دلایا۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ ماضی کے علم کا ذریعہ "خبر" ہے اور "خبر" کا وقار واعتبار "طریق روایت" سے متعین ہوتا ہے اس طرح کہ ایک عینی شاہد واقعہ کی خبر دے اور وہ خبر معروف ومشہور اور قابلِ اعتماد راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ جو واقعہ خود اپنے سامنے کا نہ ہو اس کے بارے میں دوسرے لوگوں کے چشم دید بیان اور ان کے ضبط وعدالت پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی قابلِ اعتماد طریقہ عقل کے نزدیک متصور نہیں۔ انسان ہمیشہ سے اپنے روزمرہ کے معاملات میں شہادت پر بھروسہ کرتا آیا ہے لیکن مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے تاریخ کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ اس کے سلسلہ میں شہادت اور روایت کو محفوظ رکھا جائے اور اس کی چھان بین کی جائے۔

اخبار مع اسناد

الغرض مسلمانوں نے اپنی مخصوص دینی ثقافت، قومی مزاج اور فطری عقل وذہانت کے مجموعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اخبار مع اسناد جمع کرنا شروع کیں۔ ان خبروں کے سانچے میں جزوی واقعات ہوتے ہیں۔ ہر خبر مستقل ہوتی ہے۔ طرزِ بیان کم وبیش ادبی ہوتا ہے۔ بسا اوقات نظم ونثر ملی جلی ہوتی ہیں۔ البتہ اخبار کے مجموعے میں ربط وتسلسل مفقود ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو بس اتنا جتنا ایک قصیدے کے اشعار میں ہوتا ہے۔ ہر خبر کے ساتھ اس کی سند جداگانہ ہوتی ہے۔

خبر مع سند کا یہ طریقہ بالاتفاق اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے۔ اسلام سے پہلے نہ تو یہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اور نہ پڑوس کی متمدن قوموں میں۔ عربوں میں ایام (جنگوں) سے متعلق قبائل کی اپنی روایات ہوتی تھیں جو واقعات کو فخر کے رنگ میں پیش کرتی تھیں۔ سند کا کوئی اہتمام نہ تھا اور نہ کسی کو اتنی فرصت تھی کہ ان روایات کی صحت کو علمی طریقہ پر جانچے۔ ان کا مقصود تو صرف مسلسل جہد للبقاء میں لہو گرمانا تھا۔ یمن کئی صدیوں تک تجارت، تمدّن اور تہذیب کا مرکز رہا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں کسی تاریخی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ ایران اور یونان میں کتابت کے ذریعہ تاریخ کو محفوظ کرنے کا رواج تھا لیکن سند کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ دونوں قوموں کے ہاں تاریخ ٹھوس حقائق اور مستند واقعات سے عبارت نہ تھی۔ بلکہ دیومالا، خرافات اور ہر قسم

Marfat.com

کی خیال آرائی اور من گھڑت واقعات پر مشتمل تھی۔

خبر مع سند کے طریقے کو دین اور شریعت کی خاطر مسلمانوں نے سب سے پہلے حدیث کے لیے استعمال کیا، چنانچہ اس کا بھی معیار وہی رکھا جو شریعت میں قابلِ اعتماد ہو۔ اس معیار کو بروئے کار لانے کے لیے کئی اور علوم وفنون وجود میں آئے جن میں تاریخ اور اسماء الرجال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سند بے معنی ہے اگر رجال سے واقفیت نہ ہو۔ اور رجال سے واقفیت غیر مکمل اور غیر مفید رہے گی تاوقتیکہ ان رجال کے زمانے کے تمام حالات نظر میں نہ ہوں۔ لسانی علوم، لغت وشعر وادب کا بھی قرآن وحدیث سے ایسا ہی تعلق ہے۔ تاریخ، ادب ہی کی ایک شکل ہے اور ادب تاریخ کا مظہر بھی ہے اور مآخذ بھی۔

حدیث اور تاریخ کا باہمی تعلق

حدیث اور تاریخ کے قریبی ارتباط پر نظر رکھتے ہوئے توقع اس بات کی ہو سکتی تھی کہ تاریخ وہی قالب اختیار کرے جو حدیث کا قرار پاچکا تھا۔ چنانچہ تاریخ بھی "خبر مع سند" کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی۔ جب اخبار کے ڈھیر لگ گئے تو ان کی تصنیف وتالیف یعنی ایک اصول پر ترتیب وتنظیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اس مسئلے کے جتنے بھی حل ممکن تھے ان کی طرف توجہ کی اور جس حل کو جس حد تک مفید مطلب پایا اس کو اسی حد تک رواج دیا۔

راویوں کے سلسلہ کو دیکھیے: اس کی کڑیاں "طبقات" کی شکل میں علیحدہ کی جا سکتی ہیں۔ یہ عمودی تقسیم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک افقی تقسیم "بلدان" (شہروں) کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی وہ صنف جو "طبقات" کہلاتی ہے فن حدیث سے بہت ہی قریب ہے۔ دوسرا طریقہ جو بآسانی ہر ایک کے خیال میں آتا ہے یہ ہے کہ اخبار کو "سنین" یعنی ماہ وسال کی ترتیب سے مرتب کیا جائے۔ تیسرا طریقہ جس کی طرف ذہن منتقل ہوتے دیر نہیں لگتی یہ ہے کہ "دُول" یعنی حکمران خاندانوں کے عہدِ حکومت کے لحاظ سے اخبار کو مرتب کیا جائے۔ مسلمانوں کے ہاں ابتداء ہی سے یہ سبھی طریقے ملتے ہیں۔ طبقات کی کتابوں میں بسا اوقات عمودی اور افقی دونوں تقسیمیں یک جا ہیں۔ "سنین" کا طریقہ زیادہ رائج ہوا اور دُول کا کم تر۔ کہیں کہیں "سنین" اور "دُول" دونوں کے لحاظ سے ملی جلی ترتیب بھی ملتی ہے۔

طبقات اور مسلمان علماء

طبقات کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ یہ خالص اسلامی عقلیت کی پیداوار ہے لیکن باقی دو طریقوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ "سنین" کی ترتیب یونانیوں کے ہاں رائج تھی اس لیے مسلمانوں نے وہیں سے لی ہو گی۔ اسی طرح "دول" کی ترتیب ایرانیوں کے یہاں مستعمل تھی اس لیے وہیں سے آئی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے یونانی سے جو ترجمے کیے، وہ حکمت، فلسفہ اور علوم سے متعلق تھے۔ یونانی تاریخ وادب پر مسلمانوں نے سرسری نگاہ بھی نہیں ڈالی۔ پھر بھی "سنین" کا طریقہ اپنانے کے لیے اتنا کافی ہے کہ کسی نے شام کے کسی راہب سے باتوں باتوں میں سن لیا ہو گا!!... یہ صحیح ہے کہ ایرانیوں کے ہاں "دول" کی ترتیب رائج تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں سند شمار کرنے کا کوئی مستقل اور دائمی نظام تھا لیکن کیا یہ بات اس سے کہیں زیادہ نمایاں نہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں نسب کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے ساتھ ہی

Marfat.com

ساتھ انساب کا ایک مکمل علم تھا اور ہاں! دیکھیے بعض تاریخیں مثلاً بلاذری کی "انساب الاشراف" نسب ہی کی ترتیب پر مرتب ہوئی۔ پھر حکمران خاندانوں پر توجہ کا مرکوز ہونا کون سی ایسی انوکھی بات ہے کہ اس کا سرا ایران میں تلاش کیا جائے؟... اسی طرح مسلمانوں نے جب اخبار جمع کرنا شروع کیں تو ان کے لیے "مبعث" یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایک حدِّ فاصل قرار پائی۔ آغاز اسلام سے مسلمانوں نے اپنی تاریخ اپنے امتیازی اصول اور مخصوص نہج پر منضبط اور مرتب کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ امتیازی اصول اور مخصوص نہج جس تحقیق و تدقیق کے ضامن تھے وہ کسی اور قوم یا کسی اور دور کی تاریخ کے سلسلہ میں ممکن نہ تھی۔ چنانچہ جب فتوحات کی وسعت اور علوم کی ترقی کی بدولت قبل از اسلام اور غیر مسلم اقوام کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ دینی محرکات یہاں بھی کارفرما ہوئے۔ قرآن مجید میں مبعث کی حد فاصل سے پیچھے کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بیشتر انبیاء علیہم السلام اور بہت سی قدیم اقوام کا ذکر ہے اس لیے "مبتدا" یعنی ابتدائے آفرینش سے مبعث تک کی تاریخ جمع کرنا ایک طرح سے قرآن مجید کی خدمت میں داخل ہے لیکن قرآن میں تو صرف اشارے ہیں۔ اور جو تفصیلات اخلاقی نتائج کے استنباط کے لیے غیر ضروری ہوں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ مبتداء کی تاریخ کا مآخذ کیا ہو سکتا ہے؟... کیا اس بابت بھی انہی اصولوں کے مطابق چھان بین کی جا سکتی ہے جو مبعث اور بعد از اسلام کی تاریخ کے لیے وضع کیے گئے ہیں؟...... بڑی پس و پیش کے باوجود اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تحقیق کے امکان کی بابت سوال کا جواب نفی میں دیا جائے اور اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں جو روایات تورات اور اناجیل کے حوالے سے پائی جاتی ہیں انہیں جوں کا توں نقل کر لیا جائے۔ یہی روایات ہیں جو "اسرائیلیات" کے نام سے نہ صرف ہماری تاریخوں میں بلکہ تفاسیر میں بھی بھری پڑی ہیں۔ ان کے مرتبے کی بابت کبھی کوئی شک نہیں رہا یعنی ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا لیکن چونکہ لے دے کر بھلا برا یہی ایک مآخذ ہے اس لیے اسے تمام تر ضائع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ "ایام العرب" اور یمن کی تاریخ کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کرنا پڑا۔ بالخصوص یمن کی تاریخ تو بالکل افسانوی طرز کی ہے۔ رہیں دوسری قومیں تو وہ خود اپنے بارے میں جو کچھ بتائیں اس کو نقل کرنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ بس ایک عقل مند شخص کو اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخ کے ذیل میں جو کچھ کہیں سے نقل کیا جائے وہ سب تحقیق طلب ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ جن اصولوں پر مرتب کی وہ تحقیق کے کام کو آسان بناتے ہیں۔ دوسری قومیں، جو ان اصولوں سے نا آشنا ہیں ان کی تاریخ ہمیشہ کے لیے دھندلی ہی رہے گی۔

اسلام سے پہلے خود عربوں کے یہاں تاریخ کا تصور بس ایک قصہ اور داستان کا سا تھا۔ جسے یا تو دشمن کے خلاف کاروائیوں میں دل بڑھانے کے لیے یا آپس میں بیٹھ کر دل بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ خود اسلام کے زمانے میں یمن کی افسانوی تاریخ سے یہی کام لیا گیا۔ ایران کی تاریخ تو خاص طور پر اس مقصد کے لیے موزوں سمجھی گئی۔ قرآن مجید کے توڑ کے لیے رستم واسفند یار کے قصے مجلسوں میں سنائے گئے اور جس طرح قرآن کو شعر کہا گیا۔ اسی طرح "اساطیر الاوّلین" بھی کہا گیا۔ اسلام نے ان دونوں تہمتوں کا انکار کر کے زندگی کے حقائق اور تاریخ کے "واقعات" کو از روئے عقل سمجھنے اور سمجھ کر فرد اور معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی اور حقیقت اور "واقعہ" کی چھان بین اور جستجو کا بیج اسلام ہی نے مسلمانوں کے ذہن میں بویا اس کے آثار صرف تاریخ ہی میں نمایاں نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی جلوہ گر ہیں۔

Marfat.com

خبر کی معروضیت

"خبر" کا طریقہ، خالصتاً معروضی ہے۔ راوی کا فرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ واقعہ بیان کردے۔ مؤرخ کا یہ کام ہے کہ وہ اخبار کو جمع کر دے۔ نہ تو راوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے اور داخلی تاثرات کو خبر میں شامل کرے اور نہ ہی مؤرخ اخبار جمع کرتے وقت ایسا کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر ایک واقعہ سے متعلق دو متضاد یا مختلف خبریں ہوں تو مؤرخ ان دونوں کو نقل کر کے ایک کو قوی اور دوسری کو ضعیف بتادیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب ایک عہد کے متعلق اخبار جمع ہو جائیں تو بعد میں آنے والے مؤرخ ان میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ بہت کیا تو یہ کہ پیشرو مؤرخین کے جمع کردہ اخبار میں سے اسناد حذف کر کے واقعات کے بیان میں کچھ اختصار اور ربط و تسلسل پیدا کر دیا۔ ہاں! اخبار کا سلسلہ جہاں پیشرو مؤرخین ختم کرتے ہیں بعد میں آنے والے وہاں سے شروع کر کے "ذیل" لکھتے ہیں۔ یعنی بعد کے دور کے اخبار اس نہج پر جمع کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ ذیول کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تاریخ میں خبر ہی خبر کا دور دورہ رہا۔ یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا گیا کہ اس میں "بحث و نظر" کا کوئی کام نہیں۔ اس لیے اس کو ادب اور ثقافتِ عامہ کا ایک ایسا جزو قرار دے دیا گیا جس کو باقاعدہ حلقہ درس میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پڑھنے والے خود ہی اپنے طور پر پڑھ لیا کرتے تھے بیشتر مؤرخین اپنے بہترین اوقات کسی دوسرے علم میں بحث و نظر کے لیے مخصوص کرتے تھے۔ جب دماغ سوزی سے تھک جاتے تو تفریح کے لیے تاریخ کا ہلکا پھلکا کام بھی کر ڈالتے تھے۔ تاریخ کے لیے دماغ سوزی اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کی ضرورت نہ ہونا اور بات ہے لیکن علمِ تاریخ کے ضروری، مفید اور دلچسپ ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ایک تو دینی علوم بالخصوص حدیث اور اسماء الرجال میں تاریخ کی مدد ناگزیر تھی۔ دوسرے حکام، عمال، امراء اور وزراء کے لیے تاریخ کی سبق آموزی مسلم تھی۔ ویسے بھی عام مجلسوں میں تاریخی معلومات سے ایک انسان کی تہذیب و شائستگی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ نصابِ تعلیم میں اس کا کوئی خاص اہتمام ہو تاریخ کا علم ترقی کرتا گیا اور اس کا رواج بڑھتا گیا۔

تاریخ کے بنیادی اصول اور علماء

مسلمان علماء نے بڑی ہی ٹھوس بنیادوں پر علمِ تاریخ کی شاندار عمارت قائم کی یہ بنیادیں وہ ہیں جو عقل کے نزدیک پوری طرح قابلِ اعتماد ہیں اور دیانت و امانت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں۔ جو جذبہ اس عمارت کی تعمیر میں کارفرما تھا وہ دین کے تحفظ کا جذبہ تھا اسی وجہ سے تاریخ کے سر پر تادیر علومِ حدیث کا سایہ رہا۔ مسلمانوں کو حقیقت اور واقعہ سے ایسا شغف رہا کہ ان کا ادب بھی صدیوں تک قصہ و خرافات اور دیومالائی تخیلات کے بجائے تاریخ سے وابستہ رہا اور جب بھی تاریخ میں قصہ و خرافات کا رنگ آیا تو اسے شدید نفرت سے مٹا دیا گیا۔ قُصّاص کے خلاف نہ صرف تادیبی بلکہ تعزیری کارروائیاں عمل میں آئیں۔ خبر اور اس کی روایت کے اعلیٰ معیار کو شدت کے ساتھ برقرار رکھتے ہوئے جہاں تک ترتیب و تصنیف کا تعلق ہے کوئی ممکن صورت ایسی نہیں جسے مسلمانوں نے نہایت سلیقہ سے نہ آزمایا ہو۔

Marfat.com

تاریخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

علامہ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوہریؒ (م۳۹۸ھ) اپنی کتاب "صحاح" میں لکھتے ہیں:

"تاریخ کے معنی ہیں وقت بتانا۔ تاریخ اور توریخ دونوں ایک ہیں۔ "ارّخت" بھی بولتے ہیں اور "ورخت" بھی کہا جاتا ہے۔"

ابو منصور موہوب بن احمد الجوالیقیؒ (م ۵۳۹ھ) اپنی کتاب "المعرّب من الکلام الأعجمی" میں لکھتے ہیں کہ:

"تاریخ" جو عام طور سے لوگ لکھتے ہیں، خالص عربی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے اہلِ کتاب سے لیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ ہجرت کے سن سے بتائی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس کے لکھنے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد سے آج تک وہی تاریخ چلی آتی ہے۔"

اصطلاح میں تاریخ کے معنی ہیں، وقت بتا کر سارے احوال کو متعین کرنا۔ مثلاً راویوں کی ولادت، وفات، صحت، عقل وبدن، رحلت، حفظ ویادداشت، سچائی پر اعتماد (توثیق) اور عدمِ اعتماد (تجریح)، الغرض اس قسم کی تمام وہ باتیں جو ابتدائی، درمیانی اور مابعد زمانے میں ان کے حالات کی جستجو سے برآمد ہوتی ہیں۔ اسی ذیل میں مختلف حوادث اور بڑے بڑے واقعات بھی آتے ہیں۔

تاریخ کے فوائد

۱) تاریخ کا فائدہ یہ ہے کہ سب باتوں کا صحیح علم حاصل ہو جائے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دو خبریں جن میں تعارض ہو اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کے علم کا ایک ذریعہ تاریخ ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایسا وقت بتایا جائے جو بعد کا ہو مثلاً: میں نے اس کو اس کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا تھا یا اسی سے ملتی جلتی کوئی اور بات۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روایت کسی بعد کے صحابی کی ہو اس کی تصریح کبھی کبھی راوی خود ہی کر دیتا ہے مثلاً آخر آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کے کھانے کے سبب وضوء کرنا چھوڑ دیا تھا جو آگ پر تیار کی گئی ہوں۔ ایسا ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے قبل تو جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں کرتے تھے لیکن بعد کو غسل کرنے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسروں کو بھی آپ نے اس کی ہدایت دی۔

۲) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت بعض "مختلطین" (گڈ مڈ کرنے والوں) کے حوالے سے پہنچی ہے وہ پرانی (یعنی ضبط میں کمی آنے سے پہلے کی) ہے یا بعد کی۔

۳) تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس شخص سے روایت کر رہا ہے اس سے کبھی ملا نہیں ہے بلکہ یا تو جھوٹ بول رہا ہے یا ارسال کر رہا ہے۔ اسی سے یہ پتہ لگتا ہے کہ سند میں کیا انقطاع ہے یا اعضال یا تدلیس یا ارسال۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا خفی۔ کیونکہ تاریخ سے مثال کے طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے اس کا ہم عصر نہیں یا ہم عصر تو ہے لیکن کبھی اس سے ملا نہیں، اس لیے کہ دونوں مختلف شہروں سے تعلق رکھتے تھے اور

Marfat.com

دونوں میں سے کوئی نہ تو دوسرے شہر گیا نہ حج یا دیگر مواقع پر اس سے ملا۔ حالاں کہ اس نے وہ حدیث بطور اجازۃ یا کتابۃ حاصل نہیں کی۔

جب بعض حفاظ حدیث کو یونس بن محمد المودبؒ کے لیث بن سعدؒ سے روایت کرنے میں اشکال نظر آیا اور خیال یہ ہوا کہ ان دونوں کے مابین سلسلہ منقطع ہے اس لیے کہ وہ مختلف شہروں کے تھے تو حافظ یوسف بن عبدالرحمن مزی (م ۷۴۲ھ) نے کہا: "ممکن ہے وہ حج کے موقعہ پر ملے ہوں۔" پھر کہا: "بلکہ ممکن ہے بغداد میں ملے ہوں جب لیث بن سعدؒ ایک خاص کام سے وہاں گئے تھے۔" یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ حافظ ابوبکر احمد بن علیؒ، الخطیب البغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) کو امام مالک بن انس رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) سے روایت کرنے والوں میں درج کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تو امام مالک رحمہ اللہ کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سفر کیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ ان کے مرنے کے بعد پیدا ہوئے۔ اسی طرح حافظ محمد بن محمود بن النجارؒ (م ۶۴۳ھ) نے محمد بن الجہم السوسیؒ کے حالاتِ زندگی کو محمد بن الجہم الشامیؒ کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا اور السوسی کی سند سے ایک قصہ بیان کیا جسے انہوں نے المہتدی باللہ بن الواثق سے سنا کہ اپنے والد (الواثق) کی خلافت کے زمانے میں وہ ان کے سامنے حاضر ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا کہنا ہے کہ یہ بہت بڑا سہو ہے اس لیے کہ دراصل شامی نے اس قصہ کو سوسی کے انتقال کے تقریباً تیس سال بعد سنا اور مہتدی کے والد الواثق کی موت سوسی کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد ہوئی۔

حافظ عبدالکریم بن احمد السمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) کو اپنی کتاب "الانساب"، باب القداحی میں یہ شبہ ہوا کہ عبداللہ بن میمون القداح نے امام اسماعیل بن جعفر الصادقؒ کی موت کے بعد ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کو امام علی بن محمدؒ، ابن الاثیر الجزریؒ (م ۶۳۰ھ) نے یوں رد کیا کہ اسماعیل اپنے والد امام جعفر صادق کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ پس یہ کیوں کر ممکن ہے کہ قداح ان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس صورت میں کہ ان کے والد معلوم وموجود ہوں۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد الجماعیلی المقدسیؒ (۶۰۰ھ) نے "الکمال" میں جو یہ لکھا ہے کہ جابر بن نوح الحمانیؒ (۲۰۳ھ) میں فوت ہوئے۔ تو حافظ مزیؒ نے اسے خطا پر محمول کرتے ہوئے کہا ایسا نہیں بلکہ سن ۱۸۳ھ ہے۔ اس کے رد میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا کہنا ہے کہ شیخ مزیؒ نے اپنی کتاب میں جو غلطیاں کی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ وہ عبدالغنیؒ کی تائید میں امام زہریؒ کا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو جو شیخ حمانیؒ سے روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں یہ قول لاتے ہیں کہ شیخ حمانیؒ نے ۱۸۶ھ کے بعد ہی سفر کیا ہے۔ اسی طرح شیخ حمانیؒ سے روایت کرنے والوں میں شیخ احمد بن بدیل القاضیؒ (م ۲۵۸ھ) اور شیخ محمد بن طریف البجلیؒ (م ۲۴۰ھ) ہیں اور ان دونوں نے ۱۹۰ھ کے بعد ہی حدیث سنی۔ ان سب وجوہ سے "الکمال" کے مصنف کا قول قابل ترجیح قرار پاتا ہے۔

کچھ حضرات نے مجمع بن یعقوب بن مجمع بن یزید بن جاریۃ الانصاریؒ کی وفات ۱۶۰ھ میں بتائی ہے۔ حافظ محمد بن احمد الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کو اس میں تامل ہے اس لیے کہ قتیبہ بن سعید (م ۲۴۱ھ) کا سفر ۱۷۰ھ کے بعد ہی ہوا۔ البتہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ قتیبہؒ نے ان سے روایت کی ہے۔

Marfat.com

امام سفیان بن سعید الثوریؒ (م ۱۶۲ھ) کہتے ہیں: جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے مقابلہ میں تاریخ کو لا کھڑا کیا۔ حماد بن زیدؒ کہتے ہیں کہ کذّابین کے خلاف کوئی چیز اتنی کارگر نہیں جتنی تاریخ۔ ایک شیخ سے جب یہ پوچھا جائے کہ آپ کس سن میں پیدا ہوئے اور وہ اپنی پیدائش بتا دے ساتھ ہی ہمیں اس (شیخ) کی وفات کا بھی، جس سے وہ نسبت رکھتا ہے علم ہو جائے تو پھر ہم اس کا جھوٹ سچ پہچان لیتے ہیں۔

حفص بن غیاث القاضیؒ (م ۱۹۶ھ) سے منقول ہے کہ:

"جب تم کسی شیخ کی باتوں میں شک کرو تو دونوں عمروں سے اس کی جانچ پڑتال کر لو یعنی حساب لگا لو خود اس کی عمر کا اور جس سے وہ روایت کرتا ہے اس کی عمر کا۔"

شیخ اسماعیل بن عیاشؒ (م ۱۸۲ھ) نے ایک شخص سے امتحاناً پوچھا: تم نے خالد بن معدانؒ سے کس سال میں حدیث لکھی؟ اس نے جواب دیا: ۱۱۳ھ میں۔ اس پر انہوں نے کہا: اچھا تو آپ کا کہنا یہ ہے کہ آپ نے ان کے مرنے کے سات سال بعد ان سے حدیث سنی۔

سہیل بن ذکوان ابوالسندی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی اور یہ بتایا کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے واسط میں ملے تھے۔ دیکھیے! یہ جھوٹ کا کیا نرالا انداز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو حجاج کے شہر واسط کی بنا ڈالنے سے بہت پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی اور حجاج بن یوسف نے ۸۳ھ اور ۸۶ھ کے درمیان واسط کی بنیاد ڈالی)

اسی قسم کا قول احمد بن جعفر المناویؒ (م ۳۳۶ھ) کا ہے کہ امام سلیمان بن مہران، الأعمشؒ (م ۱۴۸ھ) نے ابو بکرۃؓ، نفیع بن الحارث الثقفیؓ کی رکاب تھامی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ:

"یہ فاش غلطی ہے اس لیے کہ امام اعمش کی پیدائش ۶۱ھ یا ۵۹ھ کی ہے اور ابوبکرۃ الثقفی کی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔ اب یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو ان کی پیدائش سے تقریباً دس سال پہلے وفات پا چکا ہو اس کی رکاب تھامے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مزید فرمایا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن ابی بکرۃؓ کی رکاب تھامی۔ "ابن" کا لفظ تو چھوٹ گیا اور باقی لکھا رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب بھی ہے کہ مزیؒ جو اپنے حفظ اور ملکۂ نقد کے لیے مشہور ہیں کیسے اس سے بے خبر رہے۔"

صحیح مسلم کے مقدمہ[۱] میں درج ہے کہ معلی بن عرفان نے کہا: ابو وائل شقیق بن سلمہ (م ۷۹ھ) نے مجھ سے خبر بیان کرتے ہوئے کہا: "صفین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے مقابلے میں آئے۔" اس پر ابونعیم یعنی الفضل بن دکینؒ (م ۲۱۹ھ) جو کہ معلی سے حکایت کرتے ہیں کہتے ہیں: کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ

Marfat.com

ہوئے؟ یہ اس بنا پر کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ خلافتِ عثمانؓ کے خاتمے سے تین سال قبل ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ اور جنگِ صفین اس کے دو سال بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ پس یہ ممکن نہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں ان کے مقابل آئے۔

اس قسم کی ایک بات یہ ہے کہ بعض حفاظ نے ابراہیم بن یعقوب الجوزجانیؒ کے مذہب "جریری" کی نسبت محمد بن جریر الطبریؒ (م ۳۱۰ھ) کی طرف بتائی ہے حالانکہ ابراہیم تو ابن جریرؒ کے اساتذہ کے طبقہ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تاریخ پیدائش اور وفات سے پتہ چلتا ہے۔

۴) علم تاریخ کے ذریعہ ان غلطیوں کا بھی پتہ لگ جاتا ہے جو متفقین (ہم نام رواۃ) کے سلسلہ میں واقع ہوتی ہیں۔ اس طور پر کہ ایک کی بات دوسرے کے پلے ڈال دی جائے جب کہ دونوں میں سے ایک کی پیدائش دوسرے کی وفات کے بعد ہو۔ مثلاً احمد بن نصر بن زیاد الھدانیؒ، جنہوں نے ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی بابت یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ احمد بن نصر الداؤدیؒ ہیں جن کی وفات ۴۰۲ھ میں ہوئی۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

۵) بسا اوقات تاریخ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ خطوط اور دستاویزات وغیرہ میں کیا ردوبدل کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ پتہ چل جائے کہ جس حاکم کی طرف ثبوت یا گواہ یا اسی قسم کے دیگر امور منسوب کئے گئے ہیں وہ خط یا دستاویز کی مندرجہ تاریخ سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بعض یہودیوں نے ایک خط پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خط ہے جس میں انہوں نے اہلِ خیبر کو جزیہ کی معافی دی ہے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت تھی اور یہودیوں کا کہنا تھا کہ (وہ خط) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۴۴۷ھ میں یہ خط، القائم کے وزیر رئیس الرؤساء ابوالقاسم علی بن الحسن (م ۴۵۰ھ) کے پاس پہنچا تو انہوں نے الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادیؒ کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ جعلی ہے۔" ان سے پوچھا گیا: آپ یہ کیسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت (گواہی) ہے جو فتح مکہ (۸ھ) کے دن اسلام لائے تھے جبکہ فتح خیبر کا سال ۷ھ ہے۔ اس میں سعد بن معاذؓ کی بھی شہادت ہے حالانکہ وہ فتح خیبر سے دو سال قبل بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد فوت ہوگئے تھے۔ ان کی یہ بات وزیر کو بہت پسند آئی اس نے خطیب بغدادیؒ کے تجزیہ کو مان لیا اور قرار دیا کہ یہ خط جعلی اور بے بنیاد ہے۔ خط کے جعلی ثابت ہونے کی وجہ سے یہودیوں کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔

عبدالکریم بن محمد الرافعیؒ (م ۶۲۳ھ) اپنی کتاب تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عمر ابن سریجؒ (م ۳۰۶ھ) سے خیبر کے یہودیوں کے اس دعویٰ کی بابت پوچھا گیا کہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو جزیہ کی معافی لکھ کر دی تھی تو انہوں نے کہا کہ کسی مسلمان راوی سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔

جب خطیب بغدادیؒ نے مذکورہ بالا تجزیہ کیا تو رئیس الرؤساء ابو القاسم نے اس خط کے جعلی ہونے کی بابت ایک رسالہ لکھا اور ابوطالب طاہر بن عبداللہ الطبریؒ (م ۴۵۰ھ)، ابو نصر عبدالسید بن محمد الصباغؒ (م ۴۷۷ھ)، محمد بن محمد البیضاویؒ (م ۴۶۸ھ)، محمد بن علی الدامغانیؒ (م ۴۷۸ھ) اور دیگر معاصر ائمہ نے اس پر اپنی تصدیق ثبت کی۔

Marfat.com

المعافی بن زکریا النہروانیؒ (م ۳۹۰ھ) نے اپنی کتاب "الجلیس" میں معمر بن شبیب بن شیبہ کی سند سے لکھا ہے کہ انہوں نے مامون کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"میں نے شافعیؒ کا ہر بات میں امتحان لیا اور باکمال پایا۔ صرف ایک بات رہ گئی ہے کہ میں ان کو اتنی نبیذ پلا کر دیکھوں جتنی ایک اچھے عقل مند انسان کو مغلوب کر دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو بلایا اور نبیذ پلائی لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے ہوش وحواس ویسے کے ویسے رہے اور ان کے استدلال میں کوئی فرق نہ آیا۔"

شیخ المعافیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اللہ ہی جانے یہ کہاں تک سچ ہے۔"

ہمارے شیخ اپنی کتاب "لسان" میں فرماتے ہیں:

"جس کو تاریخ سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ اس پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا کہ یہ سب جھوٹ ہے، وجہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر مصر پہنچے تھے۔ مامون اس وقت خراسان میں تھا۔ اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے مصر میں اسی سال انتقال کیا جس سال کہ مامون خراسان سے عراق آیا۔ یہ ۲۰۴ھ تھا۔ الغرض امام شافعی رحمہ اللہ کی مامون الرشید سے اس کے عہدِ خلافت میں ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ پھر یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ ایسے فعل کے مرتکب ہوں گے۔ جب کہ ان کا قول یہ تھا کہ: "اگر ٹھنڈے پانی سے میرے اخلاق میں خرابی پیدا ہو تو میں گرم پانی کے سوا دوسرا پانی نہ پیوں۔"

۶) تاریخ راوی کی یادداشت اور حفظ کی بھی ایک دلیل ہوتی ہے۔ مثلاً وہ روایت میں کہتا ہے:

"یہ پہلی روایت ہے جو میں نے اپنے فلاں شیخ سے سنی۔" یا فلاں آخری راوی ہے جو فلاں شیخ سے روایت کرتا ہے۔" یا "فلاں موقع پر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔" یا "میں نے فلاں شیخ سے روایات اخذ کیں اس دور سے پہلے جب وہ ثقہ اور عادل نہ رہا۔ یا اس دور سے پہلے جب اس کے حفظ وضبط میں کمی آئی۔"

متون اور نصوصِ حدیث میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً پہلی چیز جو (نبوت کے سلسلہ میں) رسول اللہ ﷺ کو پیش آئی وہ سچا خواب ہے۔" یا "سب سے پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ فلاں آیت ہے" یا "پہلی مسجد جو بلحاظ تعمیر مقدم ہے وہ مسجد حرام ہے اس کے بعد مسجد اقصیٰ۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرما دیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے" یا "پہلا بچہ جو اسلام کے دور میں یعنی مدینہ میں پیدا ہوا وہ عبداللہ بن الزبیر ہیں" یا "جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کہ پیر کے دن میری پیدائش ہوئی۔" اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یوں کہنا کہ ہم ایسا کرتے تھے یہاں تک کہ حبشہ پہنچے یا خیبر کی لڑائی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان ان باتوں سے منع فرمایا۔

اس سے ملتی جلتی اور بہت سی روایات ہیں مثلاً یوں کہنا کہ "قبل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو" اس قسم کے نصوص کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کئی حضرات نے "اوائل" (اولیات) کو جمع کر کے کتابی شکل

Marfat.com

دی ہے۔ ابوزکریا مندہ (۔۵۱۱ھ) نے "آخر الصحابۃ موتا" کو موضوع بنایا ہے۔ بعض متاخرین نے علی الاطلاق "اواخر" پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور چونکہ متون و مصادر حدیث میں اس قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے عبدالرحمن بن عمر البلقینیؒ (م ۸۲۴ھ) نے اس پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے۔

"التبر المسبوک" کے مقدمہ میں حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

"علم تاریخ حدیث نبوی ﷺ کے فنون میں سے ہے۔ یہ اتنا عمدہ اور دلچسپ فن ہے کہ اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں بشرطیکہ اس میں سیدھا اور مناسب راستہ اختیار کیا جائے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے اس کا اثر بہت گہرا ہے اور شریعت کے لیے اس کا فائدہ مسلم ہے۔ بڑے پائے اور مرتبہ کے لوگ اس کے ذریعہ ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہیں۔ اسی سے ملاقات کا دعویٰ کرنے والے کا جھوٹ کھلتا ہے اور اوپر تک سلسلہ قائم کرنے میں وہ جس تحریف کا مرتکب ہوتا ہے وہ سامنے آجاتی ہے۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ جس شیخ سے وہ روایت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ خود اس کی پیدائش سے پہلے ہی مر چکا ہوتا ہے۔ یا اس کے حفظ وضبط میں کمی آچکی ہوتی ہے اور علماء رجال کے ہاں قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ وہ اپنے شہر سے باہر نہیں گیا اور جو اس سے روایت کرنے کا مدعی ہے وہ کبھی اس کے شہر میں داخل نہیں ہوا۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فن تاریخ کی برتری اور اہمیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "تاریخ" مدینہ منورہ میں روضۂ نبوی ﷺ کے پاس تالیف کی۔ آپ چاندنی راتوں میں لکھا کرتے تھے اور "تاریخ" کو اور "صحیح" کو برابر درجہ دیتے تھے۔ وہی "صحیح" جس کے ابواب قبر نبوی ﷺ اور منبر نبوی ﷺ کے مابین جگہ بدل بدل کر لکھتے تھے اور ہر عنوان پر دو رکعت ادا کرتے تھے۔ تاریخ اور حدیث کا رشتہ لازم وملزوم کا ہے اس لیے کہ حدیث کی قدر وقیمت پہچاننے کا تاریخ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔"

علم تاریخ اور علم طبقات

امام ابن جماعۃ، عبدالعزیز بن محمدؒ (م ۷۶۷ھ) کہتے ہیں:

"ایک چیز جو مشکل بھی ہے اور ضروری بھی وہ یہ کہ علمِ تاریخ اور علم طبقات کا فرق سمجھا جائے۔ اور ان دونوں کے موضوع اور مقصود میں جو فرق ہے وہ بھی معلوم رہے۔"

آپ لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اصل میں تو دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ البتہ مختلف اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔"

حافظ سخاوی رحمہ اللہ اس ضمن میں کہتے ہیں:

Marfat.com

"دونوں میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ راویوں کا حال بیان کرنے کی حد تک دونوں ایک ہیں۔ اس کے بعد تاریخ صرف واقعات کو لیتی ہے اور طبقات میں یہ ہوتا ہے کہ مثال کے طور پر ایک بدری (جنگِ بدر میں شریک) ہے جس کی وفات اس شخص کے بعد ہوئی جو غزوۂ بدر میں شریک نہ تھا۔ تاہم اس بعد میں مرنے والے کا ذکر پہلے ہو گا۔"

اصول تو یہی ہے لیکن متقدمین کے بعد جو مؤلفین آئے انہوں نے اس اصول کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور وہ طبقہ میں شمولیت کے لیے وفات کے قرب کا لحاظ کرتے ہیں۔ بعض متاخرین نے تاریخ اور طبقات میں یہ فرق بتایا ہے کہ تاریخ اصل میں پیدائش اور وفات بتانے کا اہتمام کرتی ہے اور ضمنی طور پر حالاتِ زندگی سے بحث کرتی ہے۔ اس کے برخلاف طبقات میں اصل اہتمام حالاتِ زندگی کا ہوتا ہے اور ضمنی طور پر پیدائش اور وفات کا لیکن اس فرق میں اتنا زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔

رواۃِ حدیث پر جرح کرنے کا جواز

بعض علماء کا موقف یہ ہے کہ متاخرین کے لیے رواۃ پر جرح کرنا اور ان کے بارے میں کلام کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ غیبت میں داخل ہے اور چونکہ وہ روایات جن کی خاطر اس امر کی اجازت تھی ان کے جمع کرنے کا کام پہلے ہی انجام پاچکا ہے اس لیے اب یہ سب بے فائدہ ہے۔ ابو عمر، محمد بن عثمان بن المرابطؒ (م ۷۵۲ھ) کا کہنا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جرح لا حاصل ہو کر رہ گئی ہے۔ اس موقف کے حامل حضرات بڑی بے باکی کے ساتھ محدثین پر عیب لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بعد کے مؤرخین جیسے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ کے ہاں جو معائب کا ذکر ہے یہ محض غیبت ہے۔ حافظ سخاوی رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"جرح کے جواز میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مبنی بر نصیحت اور مبنی بر حقیقت ہو۔ اس کو روایت تک بھی محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے کہ بہت سے ایسے مواقع بتائے گئے ہیں جہاں کسی شخص کے بارے میں اس کو بری لگنے والی بات کہی جا سکتی ہے اور ایسی بات عیب میں شمار نہیں ہو گی بلکہ فرض اور نصیحت وخیر خواہی کے درجہ میں ہو گی۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص کو کچھ اختیارات حاصل ہوں اور وہ ان کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دیتا ہو یا اہلیت ہی نہ رکھتا ہو یا یہ کہ فاسق اور غیر سنجیدہ ہو یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو تو اس کا ذکر کیا جائے گا تاکہ وہ شخص ہٹایا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص مقرر کیا جائے جو اہل اور مستعد ہو۔"

امام احمد بن حنبلؒ کو جب عسکر بن محمد بن حسین ابوتراب نخشبی (م ۲۴۵ھ) نے جرح سے روکتے ہوئے کہا: "دوسروں کی غیبت نہ کیجئے" تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: خدا تمہیں سمجھے، یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو روزہ اور نماز سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: { وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ } اور ارشادِ خداوندی ہے: { اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا } یہی وجہ ہے کہ جرح، حرام غیبت سے مستثنیٰ ہے بلکہ مسلمانوں کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ اس کو ضرورت کے پیشِ نظر واجبات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کا کہنا ہے کہ ہم ان لوگوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں جو جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جب سے میں نے یہ سنا کہ غیبت حرام ہے کسی کی غیبت نہیں کی۔"

Marfat.com

خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں بکر بن منیرؒ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:
"میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو کہتے سنا ہے کہ مجھے امید ہے جب میں خدا سے ملوں گا تو مجھ سے کسی کی غیبت کرنے کی بابت کوئی پوچھ گچھ نہ ہو گی۔"

جب امام بخاری رحمہ اللہ کے وراق، محمد بن ابی حاتمؒ نے ان کو یہ کہتے سنا کہ:
"آخرت میں مجھ سے جھگڑنے والا کوئی نہ ہو گا۔"

تو انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے بعینہ یہ لفظ کہے:
"بعض لوگ آپ کی تاریخ سے خوش نہیں ہیں کہتے ہیں اس میں لوگوں کی غیبت پائی جاتی ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سن کر کہا:
"ہم تو صرف ان باتوں کے روایت کرنے والے ہیں۔اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ نہیں کہا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ رواۃ پر جرح کرتے وقت بہت محتاط رہتے ہیں۔اکثر اتنا ہی کہتے ہیں "یہ محلِ نظر ہے۔" "اس کے بارے میں لوگ خاموش ہیں۔" "اس کو لوگوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔" یا ایسی ہی کوئی اور بات۔آپ کسی راوی کے بارے میں بہت کم یوں کہتے ہیں کہ فلاں جھوٹا ہے۔حدیثیں گھڑتا ہے۔بلکہ یوں کہتے ہیں: "فلاں نے اس کو جھوٹا بتایا ہے۔" "فلاں نے اس پر الزام لگایا ہے۔"

جو حضرات جرح کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو شریعت کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا حق بہرحال مقدم ہے۔یحییٰ بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) نے اس کی وضاحت کی ہے۔ان سے کسی نے کہا:
"کیا آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ سے جھگڑیں گے؟ اس کے جواب میں امام قطانؒ نے فرمایا: یہ لوگ مجھ سے جھگڑیں یہ میرے نزدیک کہیں بہتر ہے اس سے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے جھگڑیں اس بات پر کہ میں نے ان کی حدیث کا بچاؤ نہیں کیا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے جب جرحِ رواۃ کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا:
"محدّث کے فن کا تو اصل کام ہی جرح وتعدیل ہے جو شخص اس بات پر محدّث کو برا کہے کہ وہ کھلم کھلا فسق کرنے والے کی برائی ظاہر کرتا ہے یا ان لوگوں کی برائی بیان کرتا ہے جن میں ناپسندیدہ عیوب ہوتے ہیں تو وہ جاہل اور کم فہم ہے۔یاپھر ان ناپسندیدہ لوگوں کی برائیوں میں شریک ہے اور ڈرتا ہے کہ ان کی بابت جو کچھ کہا جائے اس کا اطلاق خود اس پر نہ ہو۔"

نوٹ: یہ باب امام سخاویؒ کی کتاب "الإعلان بالتوبیخ لمن ذم التوریخ" سے ماخوذ ہے۔اس میں جتنے اقوال اور روایات ضبط کی گئی ہیں، امام سخاویؒ کی کتاب سے منقل ہیں۔

Marfat.com

نواں باب

علمائے رجال

رجال اور رواۃِ حدیث سے بحث کرنے والے علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان سب کا تذکرہ کرنا اور ان کی خدمات پر گفتگو کرنے کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ لیکن ان حضرات کی خدمات سے واقفیت چونکہ حدیث کے میدان میں کام کرنے والے طلبہ اور اساتذہ کے لئے ضروری ہے اس لیے اس باب میں اختصار کے ساتھ ان حضرات کے نام طبقات کی ترتیب کے مطابق جمع کئے جاتے ہیں۔ تاکہ قارئین کے سامنے اس فن سے متعلق خدمات وآثار کی ایک جھلک آ جائے۔

حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب "الکامل" کے مقدمہ میں اپنے دور تک بہت سارے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں ہم انہی کی پیروی کرتے ہوئے ان علماء کا تذکرہ کریں گے۔

طبقہ نمبر ۱: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ ابو حفص عمرؓ بن الخطاب القرشی، العدوی: خلیفہ راشد، آپؓ کی پیدائش ہجرت سے چالیس برس پہلے ہوئی اور ۲۳ھ میں مدینہ میں آپؓ کو شہید کیا گیا۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ عمر فاروقؓ پہلی شخصیت ہے جس نے روایت ودرایت کے اصولوں کا اہتمام کیا۔

۲۔ ابو الحسن، علیؓ بن ابی طالب القرشی الہاشمی: خلیفہ راشد، آپؓ ہجرت سے تیئس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۰ھ میں کوفہ میں شہید کئے گئے۔ آپؓ رواۃ کی روایت کو ہر پہلو سے دیکھنے کے بعد قبول کرتے تھے۔

۳۔ ابوالعباس عبداللہ بن عباس القرشی الہاشمیؓ: آپؓ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں قیام طائف کے دوران میں انتقال فرمایا۔ ابن عباسؓ کا شمار طبقہ صحابہؓ میں ائمہ تفسیر وحدیث میں ہوتا ہے۔

۴۔ ابو یوسف، عبداللہؓ بن سلام الاسرائیلی: عبداللہؓ بن سلام ۴۳ھ تک حیات رہے۔

۵۔ ابوالولید، عبادۃ بن الصامت الخزرجی، الانصاریؓ: آپؓ ہجرت سے اڑتیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ۳۴ھ میں رملہ فلسطین کے قیام کے بعد انتقال فرمایا۔

۶۔ ابو ثمامہ، انس بن مالک، الخزرجی الانصاریؓ: آپؓ مدینہ منورہ میں ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۹۰ھ کے بعد انتقال فرمایا۔

Marfat.com

۷- اُمّ عبداللہ، عائشہ بنت ابو بکر صدیقؓ: آپ کی پیدائش ہجرت سے نو سال پہلے ہوئی۔اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کا انتقال ہوا۔حضرت عائشہؓ نے رواۃِ حدیث پر بھی کلام کیا اور متونِ حدیث کی بھی جانچ پڑتال کی۔

طبقہ نمبر ۲: تابعین

تابعین میں سے حافظ ابن عدیؒ نے چند حضرات کا ذکر کیا ہے جیسے ابو عمرو، عامر بن شراحیل الشعبی الکوفیؒ (م ۱۰۳ھ)، ابو بکر محمد بن سیرین البصریؒ (م ۱۱۰ھ)، ابو محمد سعید بن المسیب المدنیؒ (م ۹۴ھ)، ابو عبداللہ سعید بن جبیر الکوفیؒ (م ۹۵ھ)۔ لیکن ان کے بعد آنے والوں کی بہ نسبت ان میں ایسے رواۃ کم ہیں جن پر کلام کیا گیا ہو۔وجہ یہ ہے کہ ان کے شیوخ واساتذہ ایسے ہیں کہ ان میں ضعف بہت کم پایا جاتا ہے۔زیادہ تر تو ان میں سے صحابہ ہیں جن کی عدالت اور ثقاہت مسلّم ہے اور جو صحابہ نہیں ہے ان میں بھی اکثر ثقہ اور عادل ہیں۔پہلے قرن (دور) میں جو صحابہ اور کبارِ تابعین پر ختم ہوتا ہے بمشکل ہی کوئی ضعیف راوی اس دور میں ملتا ہے۔اِکا دُکا کی بات اور ہے جیسے الحارث بن عبداللہ الاعور اور مختار بن ابو عبید کذاب۔ جب پہلا قرن (دور) اختتام پذیر ہوا اور دوسرا قرن (دور) آیا تو اس کے شروع ہی میں متوسط تابعین میں چند ایسے "ضعیف" راوی پائے گئے جن کو احادیث کے ٹھیک یاد رکھنے اورروایت کرنے کے بارے میں بسا اوقات ضعیف قراردیا گیا۔چنانچہ دیکھا گیا کہ وہ موقوف روایات کو مرفوع بنا ڈالتے ہیں۔اور ارسال تو بہت زیادہ کرتے ہیں اور غلطیاں بھی کرتے ہیں۔جیسا کہ ابو ہارون، عمارۃ بن جوین العبدی البصری (م ۱۳۴ھ) کی مثال ہے۔جب طبقۂ وسطیٰ کے تابعین کا دور ختم ہوا اور تبع تابعین کا دور شروع ہوا تو کئی علماء نے توثیق اور تجریح کے بارے میں بولنا شروع کیا۔چنانچہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م ۱۵۰ھ) نے کہا: میں نے جابر بن یزید الجعفی (م ۱۲۸ھ) سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔امام ابو محمد سلیمان بن مہران الاعمشؒ (م ۱۴۸ھ) نے بھی چند رواۃ کو ضعیف اور چند کو ثقہ بتایا۔امام شعبہ بن الحجاج البصریؒ (م ۱۶۰ھ) نے بھی رجال کو پرکھا۔امام شعبہؒ بڑے محتاط تھے اور ثقہ رواۃ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔یہی حال امام مالکؒ بن انس الاصبحی (م ۱۷۹ھ) کا تھا۔اس دور میں جن علماء کا سکہ چلتا تھا اور جن کی بات آنکھیں بند کر کے قبول کی جاتی تھی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

طبقہ نمبر ۳:

۱- ابو عروۃ، معمر بن راشد الازدی البصری الیمنیؒ: آپ ۹۵ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۳ھ میں صنعاء میں قیام کے دوران انتقال کیا۔اپنے دور کے بہت بڑے محدّث اور فقیہ تھے۔حدیث میں آپ نے ایک "جامع" مرتب کی لیکن اس کا نسخہ اب نایاب ہے۔البتہ آپ کی روایات مصادرِ حدیث میں بکثرت پھیلی ہیں۔

۲- ابو بکر، ہشام بن ابو عبداللہ الدستوائی البصریؒ (م ۱۵۴ھ)

۳- ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن یحمد الاوزاعی الشامیؒ (م ۱۵۷ھ)

۴- ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ الاصبہانی المدنیؒ (م ۱۶۴ھ)

۶- ابو سلمۃ حماد بن سلمۃ بن دینار البصریؒ (م ۱۶۷ھ)

۷- ابو الحارث، لیث بن سعدؒ (م ۱۷۵ھ): آپ اپنے دور میں اہلِ مصر کے امام اور پیشوا تھے۔مصر میں آپ کا نام انتہائی

Marfat.com

عقیدت واحترام سے لیا جاتا تھا۔

طبقہ نمبر۴:

ان کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل حضرات آتے ہیں:

۱۔ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن المبارک المروزیؒ (م ۱۸۱ھ)

۲۔ ابو معاویہ ہشیم بن بشیر الواسطی البغدادیؒ (م ۱۸۳ھ)

۳۔ ابو اسحق ابراہیم بن محمد الفزاری الکوفیؒ (م ۱۸۶ھ)

۴۔ ابومسعود المعافی بن عمران الأزدی الموصلیؒ (م ۱۸۵ھ)

۵۔ ابواسماعیل بشر بن المفضل البصریؒ (م ۱۸۶ھ)

۶۔ ابو محمد سفیان بن عینیہ الکوفیؒ (م ۱۹۸ھ)

انہی کے زمانے میں ایک طبقہ اور تھا جس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

طبقہ نمبر۵:

۱۔ ابو بشر اسماعیل بن ابراہیم ابن علیہؒ البصریؒ (م ۱۹۳ھ)

۲۔ ابو محمد عبداللہ بن وہب المصریؒ (م ۱۹۷ھ)

۳۔ ابو سفیان وکیع بن الجراح الرواسی الکوفیؒ (م ۱۹۷ھ)

اسی دور میں یحییٰ بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) اور عبدالرحمن بن مہدی البصریؒ (م ۱۹۸ھ) نے رواۃِ حدیث پر خوب کام کیا۔ان دونوں حضرات نے جس کو ثقہ قرار دیا اس کی ثقاہت مسلم ہو گئی اور جس کو ان دونوں نے ضعیف قرار دیا اس کے ضعف کو علماء نے تسلیم کر لیا۔اور جس راوی کے بارے میں ان دونوں کی رائے مختلف ہوئی اس میں علماء نے اجتہاد سے کام لیا۔ لیکن ایسے رواۃ نہ ہونے کے برابر ہیں جن کے بارے میں ان دونوں حضرات کی رائے مختلف رہی ہو گی۔

طبقہ نمبر۶:

ان کے بعد وہ علماء جنہیں مسلمہ حیثیت حاصل ہوئی مندرجہ یل ہیں:

۱۔ امام شافعی ، ابو عبداللہ محمد بن ادریس المطلبیؒ، آپ غزہ فلسطین میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۲۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔امام شافعیؒ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے روایت ودرایت کے اصول ومبادی کو مدوّن کیا۔رواۃ اور روایات پر کلام کیا۔اتصال اور انقطاع کے فرق کو واضح کیا۔

۲۔ ابو خالد یزید بن ہارون الواسطیؒ (م ۲۰۶ھ)

۳۔ ابو داؤد سلیمان بن داؤ الطیالسی البصریؒ (م ۲۰۴ھ)

۴۔ ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام الحمیری الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ)

Marfat.com

۵۔ ابو عبداللہ محمد بن یوسف الفریابیؒ (م ۲۱۲ھ)

۶۔ ابو عاصم، ضحاک بن محمد مخلد بصری، النبیلؒ (م ۲۱۲ھ)

طبقہ نمبر۷:

اس کے بعد جو طبقہ ہے اس میں مندرجہ ذیل شیوخ آتے ہیں:

۱۔ ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی المکیؒ (م ۲۱۹ھ)

۲۔ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی المدنی البصریؒ (م ۲۲۱ھ)

۳۔ ابو عبید القاسم بن سلام الہروی البغدادیؒ (م ۲۲۴ھ)

۴۔ ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوریؒ (م ۲۲۶ھ)

۵۔ ابو الولید ہشام بن عبدالملک الطیالسی، البصریؒ (م ۲۳۳ھ)

اس کے بعد جرح وتعدیل اور "علل" (روایات کے مخفی عیوب) پر باقاعدہ تصنیف وتالیف کا کام شروع ہوا۔ مواد جمع کیا گیا اور کتابیں لکھی گئیں۔ اور صاف صاف بتا دیا گیا کہ کون وثوق واعتماد کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، کون عیوب ونقائص سے بالکل صاف اور سالم ہے اور کون کمزور اور سقیم وناقابلِ اعتماد ہے۔

مذکورہ بالا شیوخ کے علاوہ اس دور میں "رجال" اور "علل" کے سب سے بڑے امام ابو زکریا، یحییٰ بن معین البغدادیؒ (م ۲۳۳ھ) تھے۔ حفاظِ حدیث رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اس لیے بعض رجال کے بارے میں آپ کی رائے مختلف ملتی ہے۔

علماء حدیث کے ہاں آپ کو "مجتہد فی الرجال" کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح استنباط واجتہاد میں مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے ہیں اسی طرح رجال اور رواۃ کے بارے میں امام ابن معینؒ کے اقوال مختلف ملتے ہیں۔ امام ابن معینؒ کے طبقہ میں امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) بھی آتے ہیں۔ امام احمدؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے تلامذہ "رجال" کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام احمدؒ جرح وتعدیل کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے اس لیے علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت زیادہ وقعت اور اہمیت دی جاتی ہے۔ ابوعبداللہ، محمد بن سعد البصری، البغدادیؒ (م ۲۳۰ھ) نے بھی اپنی کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں رجال پر بحث کی ہے۔ اسی طرح ابو خیثمہ، زہیر بن حرب البغدادیؒ (م ۲۳۴ھ) نے بھی رجال سے متعلق متقدمین کے اقوال جمع کئے ہیں جنہیں ان کے بیٹے احمد بن زہیر نے ترتیب دی۔

طبقہ نمبر۸:

اس دور کے دوسرے آئمہ جرح وتعدیل حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ابو جعفر، عبداللہ بن محمد النفیلی، الحرانیؒ (م ۲۳۴ھ) آپ "حافظ الجزیرۃ" کہلاتے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ نے آپ کے بارے میں کہا تھا: "میں نے ابو جعفر النبیلؒ سے بڑھ کر حدیث کا حافظ نہیں دیکھا۔"

Marfat.com

۲- علی بن المدینی، ابو الحسن علی بن عبداللہؒ (م ۲۳۴ھ): آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ مستند اور معتمد عالم تھے۔ آپ نے "علل" اور "رجال" پر بنیادی مواد جمع کیا۔ "العلل"، "الأسامی والکنی"، "الطبقات" اور "التاریخ" آپ کی مشہور تالیفات ہیں۔

۳- محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی، الکوفیؒ (م ۲۳۴ھ): آپ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ نے کہا تھا: هُوَدُرَّةُ العِرَاق۔ یعنی آپ عراق کے موتی ہیں۔

۴- ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ (م ۲۳۵ھ)۔ آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک "المصنف" اور دوسری "المسند" حفظ وضبط میں آپ کی مثال دی جاتی تھی اور معلومات ومطالعہ میں آپ امام احمد بن حنبلؒ کے پائے کے تھے۔

۵- ابو سعید عبیداللہ بن عمر القواریری، البصری، البغدادیؒ، (م ۲۳۵ھ): آپ کے بارے میں صالح جزرہؒ نے کہا تھا: ((هُوَ أعْلم من رأيتُ بحديثِ أهْلِ البَصْرة)) یعنی جہاں تک میں جانتا ہوں آپ اہل بصرہ کی روایات کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۶- اسحاق بن راہویہ، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم المروزی، نیشاپوریؒ (م ۲۳۸ھ): آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور شیخ تھے۔ امام بخاری نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی ایما وہدایت پر اپنی "صحیح" کو مرتب کیا۔

۷- ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن عماد الأزدی البغدادی الموصلیؒ (م ۲۴۲ھ): آپ "رجال" اور "علل" کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی تالیفات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

۸- ابوجعفر احمد بن صالح الطبری المصریؒ (م ۲۴۸ھ): آپ "حافظِ مصر" کہلاتے ہیں۔ اپنے دور کے بے مثال محدّث تھے۔

۹- ابو موسی، ہارون بن عبداللہ البغدادی البزاز، المعروف بالحمالؒ (م ۲۴۳ھ): آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔

طبقہ نمبر ۹:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کو فنِ رجال میں شہرت ملی اور جن کی تالیفات کو مقبولیت حاصل ہوئی حسبِ ذیل ہیں:

۱- ابویعقوب اسحق بن منصور المروزی المعروف بالکوسجؒ (م ۲۵۱ھ)

۲- الدارمی، ابو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن السمرقندیؒ (م ۲۵۵ھ): آپ کی شہرت "السنن" کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ اپنے دور کے ان ائمہ میں سے ہیں جنہیں رجال اور علل کے میدان میں مستند معلومات حاصل تھیں۔

۳- الذهلی، ابو عبداللہ محمد بن یحیٰی بن عبداللہ بن خالد بن فارس الذهلی نیشاپوریؒ (م ۲۵۸ھ): آپ سے دو کتابیں یادگار ہیں۔ ایک "الزہریات" اور دوسری "علل احادیث الزہری" یہ دونوں کتابیں امام زہری کی روایات پر مشتمل ہیں۔

۴- امام بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م ۲۵۶ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الجامع الصحیح"، "التاریخ الکبیر"، "التاریخ الاوسط"، "التاریخ الصغیر"، "الضعفاء الصغیر"، "الجامع الصغیر"، "الجامع الکبیر"، "المسند الکبیر"، "التفسیر الکبیر"، "کتاب العلل"، کتاب الأشربة"، "کتاب الکنی" وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

۵- حافظ العجلی، ابو الحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی الکوفیؒ (م ۲۶۱ھ): آپ نے طرابلس کا سفر کیا اور پھر وہیں قیام کیا۔ اس لیے نزیل "المغرب" کہلاتے ہیں۔

طبقہ نمبر ۱۰:

ان محدثین کے بعد جن علماء کو استناد واعتماد کا درجہ حاصل رہا ان کے نام یہ ہیں:

۱- ابو حاتم محمد بن ادریس الرازیؒ (م ۲۷۷ھ): آپ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے۔ محدثین اپنی تالیفات آپ کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس تالیف کی آپ توثیق کرتے وہ مستند سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے "المسند"، "کتاب الزہد"، اور "الضعفاء" تین کتابیں تالیف کیں۔ آپ جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام ہیں۔ اس فن میں آپ کی معلومات پر متاخرین نے اعتماد کیا ہے۔ آپ کی معلومات اور اقوال کو آپ کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازیؒ نے اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" میں جمع کیا۔ "الجرح والتعدیل" ایسی کتاب ہے کہ اس فن میں اپنی مثال آپ ہے۔ حدیث کا کوئی طالبِ علم اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

۲- امام مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، القشیری، نیشاپوریؒ (م ۲۶۱ھ): آپ کی جو تالیفات علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مشہور ہوئیں وہ یہ ہیں: "الجامع الصحیح"، "المسند الکبیر"، "کتاب التمییز"، "کتاب العلل"، "کتاب سؤالاته احمد بن حنبل"، "کتاب أوهام المحدثین"، "رواة الاعتبار" وغیرہ۔

۳- بقی بن مخلد، ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد الاندلسی القرطبیؒ (م ۲۸۶ھ): آپ اندلس کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ نے احادیث کا جو مجموعہ "مسند" کے نام سے مرتب کیا وہ باقی مجموعہ ہائے حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ضخیم مجموعہ تھا۔ اس میں تقریباً اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) روایات تھیں۔ لیکن یہ مجموعہ گردشِ زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ البتہ اس کی روایات دیگر مصادر میں پھیل گئی ہیں۔

۴- ابو زرعۃ الدمشقی، عبدالرحمن بن عمرو النصریؒ (م ۲۸۱ھ) آپ نے "تاریخ" اور "علل" پر کتابیں مرتب کیں۔ "مسائل" کے نام سے حدیث اور فقہ کی روایات بھی جمع کیں۔

طبقہ نمبر ۱۱:

ان شیوخ کے بعد جن حضرات کو "رجال" کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی۔ وہ یہ ہیں:

۱- ابو محمد عبدالرحمن بن یوسف بن سعید بن خراش المروزی البغدادیؒ (م ۲۸۳ھ): آپ نے جرح وتعدیل میں ایک وقیع کتاب مرتب کی۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کو اپنے دور میں وہی مقام حاصل رہا جو ابوحاتم رازی کو اپنے دور میں حاصل تھا۔

۲- ابو اسحٰق ابراہیم بن اسحاق البغدادی الحربیؒ (م ۲۸۵ھ)

۳- ابو عبداللہ محمد بن وضّاح الاندلسی القرطبیؒ (م ۲۸۹ھ): آپ "حافظ قرطبہ" کہلاتے ہیں۔ سپین کے معروف ومشہور محدثین کی فہرست میں آپ کا نام آتا ہے۔

Marfat.com

۴۔ ابو بکر احمد بن عمرو بن النبیل ابو عاصم، شیبانی بصریؒ (م ۲۸۷ھ): آپ اصبہان کے قاضی رہے۔ آپ کی شہرت دو کتابوں کی وجہ سے ہے۔ ایک "المسند الکبیر" اور دوسری "کتاب السنۃ۔"

۵۔ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادیؒ (م ۲۹۰ھ): آپ امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔ امام احمدؒ کی مسند کے راوی ہیں۔ اس مسند میں امام احمد کی روایات کے علاوہ تقریباً دس ہزار روایات آپ کی ہیں۔

۶۔ صالح جزرہ، ابو علی صالح بن محمد البغدادیؒ: آپ ۲۰۵ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا آخری حصہ بخارا میں گذارا اور بخارا ہی میں ۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۷۔ ابو بکر البزاز احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصریؒ (م ۲۹۲ھ): آپ نے دو مسانید مرتب کیں۔ ایک "المسند الکبیر" جس کا نام البحر الزاخر ہے۔ دوسری "المسند الصغیر۔" مسند کبیر میں رواۃ اور روایات پر علّت کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔

۸۔ ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی البغدادیؒ (م ۲۹۷ھ): آپ نے "کتاب السنن" اور "تاریخ کبیر" کے علاوہ کئی دیگر کتابیں تالیف کیں۔ لیکن رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کی معلومات علماء رجال کے ہاں مستند ہیں۔

۹۔ ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزیؒ: آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ پھر نیشاپور چلے گئے اس کے بعد سمرقند میں جابسے اور وہیں ۲۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی "مسند" علماء کے حلقوں میں رائج اور متداول رہی۔

طبقہ نمبر ۱۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے رجال اور علل کے میدان میں کام کیا وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ابو بکر الفریابی، جعفر بن محمدؒ (م ۳۰۱ھ)

۲۔ البردیجی ابو بکر احمد بن ہارون البغدادی (م ۳۰۱ھ)

۳۔ امام نسائی ابو عبدالرحمن احمد بن علی بن شعیبؒ: آپ ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی شہرت اگرچہ "السنن" سے ہے لیکن رجال میں آپ کی تالیف "الضعفاء والمتروکون" بہت اہم اور بنیادی مصدر ہے۔ رواۃِ حدیث کے بارے میں آپ کا رویہ چونکہ بہت احتیاط کا تھا اس لیے سنن اربعہ میں آپ کی سنن کو علماء حدیث پہلا درجہ دیتے ہیں۔

۴۔ ابویعلیٰ احمد بن علی الموصلیؒ (م ۳۰۷ھ): آپ کی شہرت آپ کی "مسند" کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ "رجال" اور "علل" کے ماہرین میں بھی شمار ہوتے ہیں۔

۵۔ ابو العباس الحسن بن سفیان النسویؒ (م ۳۰۳ھ): آپ کی "مسند" طلبہ اور علماء کے ہاں متداول رہی۔

۶۔ ابن خزیمہ ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نیشاپوریؒ (م ۳۱۱ھ): آپ کی تین تالیفات مشہور ہیں۔ ایک "المسند"، دوسری "الصحیح" اور تیسری "المسائل المصنفة۔" امام ابن خزیمہؒ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا مقام حاصل ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ "امام الائمہ" کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی کتاب "الصحیح" کا جو حصہ دستیاب ہے اس کی تقریباً ساری روایات صحیح ہیں۔ اگر یہ پوری کتاب دستیاب ہوتی تو دیگر مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوتی۔

Marfat.com

۷- ابن جریر الطبری ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ (م ۳۱۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی تفسیر "جامع البیان عن وجوہ تاویل آی القرآن" اور "التاریخ" کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ کی دیگر تالیفات بھی علماء حدیث کے ہاں مقبول رہیں جیسے "تہذیب الآثار والسنن" وغیرہ۔

۸- الدولابی ابوبشر محمد بن احمد الرازی الوراقؒ (م ۳۱۰ھ): آپ کی تالیف "الکنی والاسماء" بنیادی مصادر میں سے ہے۔

۹- ابو عروبۃ، حسین بن محمد بن ابو معشر، الحرانیؒ (م ۳۱۸ھ): آپ نے تاریخ رواۃ پر کام کیا اور "التاریخ" مرتب کی۔

۱۰- ابو الحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصاء الدمشقی (م ۳۲۰ھ)

۱۱- امام عقیلی ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکیؒ (م ۳۲۲ھ): آپ کی کتاب "الضعفاء والمتروکون" علماء حدیث کے ہاں شروع سے لے کر آج تک متداول ہے۔ امام عقیلیؒ چونکہ متشدد ہیں اس لیے علماء حدیث کے ہاں ان کی رائے کو فوراً قبول نہیں کیا جاتا بلکہ جس راوی کو آپ ضعیف قرار دیتے ہیں اس کے بارے میں دیگر علماء رجال کی آراء کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ علامہ عقیلیؒ نے اپنی کتاب میں کئی ایسے شیوخ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے جن کی امامت وعدالت اور ثقاہت پر امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔

طبقہ نمبر ۱۳:

ان شیوخ کے بعد اس فن کے جن علماء کو شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں:

۱- ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمن بن ابو حاتمؒ: محمد بن ادریس الرازیؒ (م ۳۲۷ھ): آپ جرح وتعدیل کے مشہور امام محمد بن ادریس الرازیؒ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا اور ان کی جمع کردہ معلومات اور اقوال کو کتابی شکل دی۔ جس کا نام "الجرح والتعدیل" رکھا۔ اس کتاب کو علماء حدیث کے ہاں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ شروع سے لے کر آج تک اس کی افادیت اور مقبولیت برقرار ہے۔ امام عبدالرحمن بن ابی حاتمؒ نے "علل احادیث"، "المراسیل" اور "التفسیر" کے نام سے بھی تالیفات کیں۔ ان تمام کتب کو مصادر اور مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔

۲- ابوطالب احمد بن نصر البغدادیؒ (م ۳۲۳ھ): آپ امام دارقطنی کے شیخ ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کی معلومات کو اپنی تالیفات میں محفوظ کیا۔

۳- ابن عقدۃ ابو العباس احمد بن محمد بن عقدۃ الکوفیؒ (م ۳۳۲ھ)

۴- ابو الحسین عبدالباقی بن قانع البغدادیؒ (م ۳۵۱ھ): آپ نے "کتاب الوفیات" مرتب کی۔

طبقہ نمبر ۱۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو اس میدان میں کام کرنے کا موقع ملا، وہ درج ذیل ہیں:

۱- ابوسعید عبدالرحمن بن احمد بن یونس الصدفی المصریؒ (م ۳۴۷ھ): آپ نے تاریخ مصر مرتب کی جس میں علماء مصر کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب "تاریخ صغیر" کے نام سے لکھی جس میں ان علماء کے حالات جمع کئے جو مصر میں دوسرے علاقوں سے آکر آباد ہوئے۔

Marfat.com

۲- ابو حاتم محمد بن حبان البستیؒ (م ۳۵۴ھ): امام ابن حبان کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب "الصحیح" بہت عمدہ، مفید اور وقیع تالیف ہے۔ اس کتاب کو چونکہ ابتدائی صدیوں میں مختلف وجوہات کی بنا پر علماء حدیث کے ہاں رواج نہ ملا اس لیے دیگر مصادرِ حدیث کے مقابلہ میں اس کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کی یہ کتاب مستحق ہے۔ امام ابن حبان کی دوسری تالیف "الثقات" ان رواۃ کے بارے میں ہے جو ان کے تجزیہ کے مطابق صحیح اور ثقہ ہیں۔ یہ کتاب بھی بہت ہی مفید اور دلچسپ ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب "معرفۃ المجروحین والضعفاء" اساسی اور بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ "مشاهیر علماء الامصار" اور "التفسیر" بھی آپ سے یادگار ہیں۔

۳- الطبرانی ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشامی الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ): آپ کی شہرت آپ کی تین معاجم کی وجہ سے ہے۔ معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر۔ ان تین کتابوں کو علماء حدیث کے ہاں معاجم ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ امام طبرانی "رجال" اور "علل" کے ائمہ میں سے ہیں۔

۴- حافظ ابن عدی ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانیؒ (م ۳۶۵ھ): حافظ ابن عدی علم رجال کے اساطین میں سے ہیں۔ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ رواۃِ حدیث کے بارے میں بہت احتیاط کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔ اور صرف ان رواۃ پر جرح کرتے ہیں جن پر جرح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ علماء حدیث کے ہاں آپ کی رائے کو بہت وقعت اور اہمیت حاصل ہے۔ آپ رواۃِ حدیث کے بارے میں فیصلہ دیتے وقت نہ تشدد سے کام لیتے ہیں اور نہ تساہل سے۔ بلکہ اعتدال اور احتیاط کو مدنظر رکھتے ہیں۔ آپ کی کتاب "الکامل فی الجرح والتعدیل" شروع سے لے کر آج تک متداول اور مقبول چلی آ رہی ہے۔ یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے۔ رجال کے میدان میں متاخرین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

طبقہ نمبر ۱۵:

ان علماء کے بعد جن شیوخ کو "رجال" اور "علل" کے میدان میں شہرت حاصل ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابو علی حسین بن محمد ماسرجسی نیشاپوریؒ (م ۳۶۵ھ): آپ کی "المسند المعلل" ایک ہزار تین سو اجزاء پر مشتمل ہے۔ مسانید میں اتنی ضخیم مسند اور کسی محدّث نے مرتب نہیں کی۔ آپ نے "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی روایات پر بھی کام کیا۔

۲- شیخ ابن حیان ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبہانیؒ (م ۳۶۹ھ): آپ نے "التفسیر"، "الاحکام"، "کتاب السنۃ" اور "طبقات المحدّثین بأصبهان" کے نام سے تالیفات کیں۔

۳- ابو بکر الاسماعیلی احمد بن ابراہیم الجرجانیؒ (م ۳۷۱ھ): آپ نے "المستخرج علی صحیح البخاری"، "المسند الکبیر" اور "المعجم" اور "مسند عمر" کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

۴- ابو احمد الحاکم محمد بن محمد بن احمد نیشاپوریؒ (م ۳۷۸ھ): آپ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لیے کہ امام حاکم نیشاپوری آپ کے تلامذہ میں آتے ہیں۔ "رجال" اور "علل" پر آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک "کتاب العلل" اور

Marfat.com

دوسری "الاسماء والکنی"

۵- دار قطنی ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی البغدادیؒ (م ۳۸۵ھ): "علل" کے مجال میں آپ کے مقابلہ کا کوئی محدث نہیں گزرا۔ آپ نے "علل الحدیث" اور "الضعفاء والمتروکون" تالیف کی۔ آپ نے صحیحین کی بعض روایات پر کلام کیا اور اس ضمن میں "التتبع علی الصحیحین" لکھی۔ اس کے علاوہ ابن حبان کی "الضعفاء" پر حواشی لکھے۔

طبقہ نمبر ۱۶:

ان شیوخ کے بعد جو علماء اس مجال میں نمایاں ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

۱- حافظ ابن مندہ ابو عبداللہ محمد بن اسحٰق بن محمد بن یحیٰی بن مندۃ الاصبہانیؒ (م ۳۹۵ھ): آپ نے تین کتابیں مرتب کیں۔ "فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب"، "تسمیۃ المشائخ" اور "کتاب المعرفۃ"

۲- امام حاکم نیشاپوری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الضبی الطہمانیؒ (م ۴۰۵ھ): آپ "حاکم" کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی شہرت "مستدرک" کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے "کتاب العلل"، "کتاب مزکیّ الاخبار" اور "تاریخ نیشاپور" مرتب کی۔

۳- ابونصر الکلاباذی، احمد بن محمد بن الحسین البخاری، الکلاباذیؒ (م ۳۷۸ھ): آپ نے "الہدایۃ والإرشاد فی معرفۃ اھل الثقۃ والسداد" مرتب کی۔

۴- ابو المطرف عبدالرحمن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس الاندلسی القرطبیؒ (م ۴۰۲ھ): آپ قرطبہ کے قاضی رہے۔ آپ کی کتاب "دلائل السنۃ" پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کرام کے فضائل اور مناقب درج ہیں۔

۵- عبدالغنی بن سعید، ابو محمد، الازدی، المصریؒ (م ۴۰۹ھ): آپ نے "المؤتلف والمختلف"، "مشتبہ النسبۃ" اور "الغوامص والمبھمات" مرتب کیں۔ ان تینوں کتابوں کو اساتذہ اور طلبہ کے حلقوں میں مقبولیت حاصل رہی۔

۶- حافظ ابن مردویہ الاصبہانی ابوبکر احمد بن محمد بن مردویہ الصغیرؒ (م ۴۹۸ھ): آپ کو آپ کی تالیف "المستخرج علی صحیح البخاری" کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔

۷- حافظ ابو القاسم، تمام بن محمد، الرازی، الدمشقیؒ (م ۴۱۴ھ): آپ نے "فوائد الحدیث" مرتب کی۔

طبقہ نمبر ۱۷:

ان شیوخ کے بعد جن علماء کی خدمات کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ حسب ذیل ہیں:

۱- ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن فارس ابی الفوارس البغدادیؒ (م ۴۱۲ھ): آپ کو آپ کی کتاب "الفوائد المنتقاۃ العوالی" کی وجہ سے علماء حدیث کے ہاں شہرت ملی۔

۲- ابو بکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی البغدادیؒ (م ۴۲۵ھ): آپ نے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک "المستخرج علی الصحیحین" اور دوسری "سوالات البرقانی وجوابات الدار قطنی"

Marfat.com

۳۔ ابو حازم العبدوی، عمر بن احمد بن ابراہیم بن عبدویہ، المسعودی، نیشاپوریؒ (م ۴۱۷ھ): آپ نے اپنے دور کے دس شیوخ سے استفادہ کیا اور دس ہزار اجزاء مرتب کئے۔

۴۔ خلف بن محمد الواسطی، البغدادیؒ (م ۴۰۱ھ): آپ نے "اطراف الصحیحین" کے نام سے کتاب تالیف کی۔

۵۔ ابو سعود ابراہیم بن محمد بن عبید اللہ دمشقیؒ (م ۴۰۱ھ)۔

۶۔ ابو الفضل الفلکی علی بن حسین بن احمد بن حسنؒ (م ۴۲۷ھ): آپ کی کتاب "الطبقات" ایک ہزار اجزاء پر مشتمل ہے۔

۷۔ ابو القاسم حمزۃ بن یوسف السہمی الجرجانیؒ (م ۴۲۷ھ): آپ نے "معرفة علماء اهل جرجان" اور اپنے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔

۸۔ ابوذر الہروی، عبد بن احمد بن محمد نیشاپوری مکیؒ (م ۴۳۴ھ): آپ نے "معجم"، "الجامع"، "مستدرك على الصحيحين" اور "فوائد" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۹۔ ابو یعقوب القراب، اسحٰق بن ابراہیم، السرخسی الہرویؒ (م ۴۲۹ھ): آپ نے "تاریخ السنین" کے نام سے تاریخ مرتب کی۔اس میں آپ نے رسول اکرم ﷺ کے دور سے لے کر اپنے دور تک کے علماء کی وفیات درج کیں۔

طبقہ نمبر ۱۸:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے "رجال" پر کام کیا:

۱۔ ابو محمد حسن بن محمد الخلال البغدادیؒ (م ۴۳۹ھ): آپ نے "المسند المخرج على الصحيحين" اور "الآمالی" کے نام سے دو کتابیں تالیف کیں۔

۲۔ ابو عبداللہ الصوری محمد بن علی بن عبداللہ بن محمد بن رحیم الساحلیؒ (م ۴۴۱ھ)

۳۔ ابوسعد السمان، اسماعیل بن علی بن الحسین بن زنجویہ الرازی البصریؒ (م۔۴۴۵ھ): آپ نے اپنے دور کے تین ہزار چھ سو شیوخ سے ملاقات کی اور ان کی روایات کو اپنی "مشیخه" میں جمع کیا۔اس کے علاوہ آپ نے "المعجم"، "الموافقه بين اهل البيت والصحابة" اور "المسلسلات" کے نام سے کتابیں مرتب کیں۔

۴۔ ابو یعلیٰ الخلیلی خلیل بن عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن الخلیل القزوینیؒ (م ۴۴۶ھ): آپ کی مرتب کردہ تاریخ کا نام "الإرشاد في علماء البلاد" ہے۔اس کے علاوہ آپ نے "تاریخ قزوین" لکھی۔

طبقہ نمبر ۱۹:

ان علماء کے بعد جن اساتذہ نے اس مجال میں کام کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن عبدالبر ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر الاندلسی القرطبیؒ (م ۴۶۳ھ): حافظ ابن عبدالبر علماء حدیث کے ہاں "حافظ المغرب" کہلاتے ہیں۔ سپین میں آپ نے حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بہت بنیادی کام کیا۔ مؤطا امام مالک پر آپ کی شرح "التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد" اپنی مثال آپ ہے۔اسی

Marfat.com

طرح "الاستذکار" اور "التقصی لحدیث الموطأ" علمی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔حافظ ابن عبدالبر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" مرتب کی۔یہ ایسی کتاب ہے کہ متاخرین علماء نے اس موضوع پر جتنا کام کیا وہ اس کی بنیاد پر کیا۔

۲- حافظ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبیؒ(م ۴۵۶ھ): آپ نے "المحلیٰ"، "الاحکام فی اصول الاحکام" اور "الایصال إلی فھم کتاب الخصال" مرتب کی۔آپ کی کتابوں کو علماء اور طلبہ کے حلقوں میں تسلسل کے ساتھ پذیرائی حاصل رہی۔

۳- حافظ بیہقی ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ(م ۴۵۸ھ): آپ کی تین کتابوں کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک "السنن الکبریٰ"، دوسری "معرفۃ السنن والآثار" اور تیسری "السنن الصغریٰ"۔ علماء حدیث کے ہاں حافظ بیہقی فنونِ حدیث میں مہارت کی وجہ سے ضرب المثل ہیں۔حدیث کے اساتذہ اور طلبہ آپ کی کتابوں سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔

۴- خطیب بغدادی ابو بکر احمد بن علی بن ثابتؒ(م ۴۶۳ھ): آپ نے "تاریخ بغداد"، "الکفایۃ فی علم الروایۃ"، "موضح أوھام الجمع والتفریق" اور "تمییز المزید فی متصل الأسانید" جیسی بلند پایہ اور وقیع ومفید تالیفات کیں۔خطیب بغدادی نے حدیث کے مجال میں جس جس پہلو سے کام کیا وہ بنیادی اور اساسی کام کہلاتا ہے۔بعد میں آنے والے محدثین نے خطیب کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کیا ہے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے مختلف فنون پر قلم اٹھایا ہے۔

۵- ابو القاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانیؒ(م ۴۷۱ھ)

۶- شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد بن علیؒ(م ۴۸۱ھ)

۷- ابو صالح المؤذن احمد بن عبدالملک نیشاپوریؒ(م ۴۷۰ھ)

۸- حافظ ابن ماکولا، ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی العجلی البغدادیؒ(م ۴۸۵ھ): آپ کی دو کتابیں علماء اور طلبہ کے حلقوں میں مقبول ہوئیں۔ایک "الإکمال فی رفع الإرتیاب عن المؤتلف والمختلف من الأسماء والکنی والأنساب" اور دوسری "مستمر الأوھام علی المؤتلف والمختلف من أسماء الإعلام۔"

۹- قاضی ابو الولید الباجی سلیمان بن خلف القرطبی الباجی المالکیؒ(م ۴۷۴ھ): آپ کی قابلِ قدر تالیفات میں سے ایک: "الاستیفاء فی شرح الموطأ"، دوسری: "المنتقی من الاستیفاء" اور تیسری: "التعدیل والتجریح فیمن روی عنہ البخاری فی الصحیح" ہیں۔آپ اندلس کے کبار محدثین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔علماء حدیث نے آپ کو "علامہ" اور "حجۃ" کے القاب سے نوازا۔

۱۰- ابو عبداللہ الحمیدی، محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الأزدی الأندلسی البغدادیؒ(م ۴۸۸ھ): آپ کی معروف تالیفات یہ ہیں: "الجمع بین الصحیحین"، "جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الأندلس وأسماء رواۃ الحدیث وأھل الفقہ وذوی النباھۃ والشعر"، اور "جمل تاریخ الاسلام۔" آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مصادرِ حدیث

Marfat.com

کو جمع کرنے کی طرح ڈالی۔ آپ کے بعد آنے والوں نے آپ کی پیروی کرتے ہوئے مصادر کو جمع کرنا شروع کیا اور اس طرح ''کتب الجمع'' مرتب ہونا شروع ہوئیں۔

۱۱- ابن مفوز المعافری، ابو الحسن طاہر بن مفوز بن احمد الشاطبیؒ (م ۴۸۴ھ)

۱۲- ابو الفضل بن طاہر المقدسی، محمد بن طاہر بن علیؒ (م ۵۰۷ھ): علماء حدیث کے ہاں آپ ابن القیسرانی کہلاتے ہیں، قیسریہ شام کی ساحل پر ایک بستی کا نام ہے۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''الجمع بین رجال الصحیحین''، ''کتاب أسماء الرجال من الضعفاء''، ''تراجم الجرح والتعدیل للدارقطنی''، ''تصحیح الکامل لابن عدی''، ''ذخیرة الحفاظ المخرج علی الحروف والالفاظ''، ''مسند أبی لیلی الجعدی''، ''معرفة من لم یخرج له فی الصحیحین''، ''أطراف الکتب الستة''، ''المصباح فی أطراف المسانید الستة''، ''التذکرة فی غرائب الأحادیث والمنکرة۔''

۱۳- شجاع بن فارس الذہلی، أبو غالب السہروردی البغدادیؒ (م ۵۰۷ھ): آپ نے دو کتابیں مرتب کیں۔ ایک ''اجوبة لسوالات السلفی عن المشایخ'' اور دوسری ''ذیل تاریخ بغداد۔''

۱۴- المؤتمن بن احمد بن علی الساجی، ابو نصر، البغدادیؒ (م ۵۰۷ھ): ''ساج'' ایک قیمتی لکڑی کا نام ہے۔ آپ چونکہ اس کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ''ساجی'' کہلاتے ہیں۔

۱۵- شیرویہ الہروی ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الہمدانیؒ (م ۵۰۹ھ): آپ نے ''تاریخ ہمدان'' اور ''فردوس الأخبار بمأثور الخطاب'' کے نام سے دو کتابیں مرتب کیں۔

۱۶- أبو علی الغسانی، حسین بن محمد الجیانی، الأندلسیؒ (م ۴۹۸ھ): آپ نے ''تقیید المہمل وتمییز المشکل'' اور ''اسماء رجال سنن ابی داؤد'' کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔

طبقہ نمبر ۲۰:

اس جماعت کے بعد جن شیوخ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابو الفضل بن ناصر السلامی، محمد بن ناصر البغدادیؒ (۵۵۰ھ): آپ کی مرتب کردہ ''الأمالی'' کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی حاصل رہی۔

۲- قاضی عیاض، ابو الفضل عیاض بن موسی الیحصبی المغربیؒ (م ۵۴۴ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''مشارق الانوار علی صحاح الآثار''، ''إکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم''، ''الالماع فی ضبط الروایة وتقیید السماع''، ''الشفا بالتعریف بحقوق المصطفیٰ''

۳- حافظ السلفی ابو طاہر احمد بن محمد الأصبہانیؒ (م ۵۷۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: ''معجم مشیخة اصبہانی''، ''معجم مشیخة بغداد''، ''معجم السفر''، ''السلفیات'' (یہ دو سو اجزاء پر مشتمل ہے)۔

Marfat.com

۴- ابو موسیٰ المدینی محمد بن عمر الاصبہانیؒ (م ۵۸۱ھ): آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں: "الطوالات فی الواھی والموضوع من الحدیث"، "معرفة الصحابة"، "الأسماء المشترکة بین الرجال والنساء۔"

۵- حافظ ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن الدمشقیؒ (م ۵۷۱ھ): آپ کی شہرت "تاریخ دمشق" کی وجہ سے ہے۔ یہ تاریخ اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ "معجم الشیوخ النبل" اور "تبیین کذب المفتری فیما نسب إلی ابی الحسن الاشعری" آپ کے آثار میں شامل ہیں۔

۶- ابن بشکوال، ابو القاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال الانصاری الاندلسیؒ (م ۵۸۷ھ): آپ نے تین کتابیں یادگار چھوڑیں۔ ایک "صلة تاریخ ابن الفرضی۔" یہ علماء اندلس کے بارے میں ہے۔ دوسری "معرفة العلماء الافاضل"، اور تیسری "غوامض الأسماء المبهمة۔"

طبقہ نمبر ۲۱:

علماء کی اس جماعت کے بعد جن شیوخ نے "رجال" پر کام کیا اور ان کی تالیفات کو قبولِ عام حاصل ہوا ان کے نام یہ ہیں:

۱- عبدالحق الاشبیلی ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمنؒ (م ۵۸۱ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "کتاب المعتل من الحدیث"، "الاحکام الکبریٰ"، "الاحکام الوسطیٰ"، "الاحکام الصغریٰ"، "الجمع بین الصحیحین"، "الجمع بین الکتب الستة"

۲- حافظ ابن الجوزی، ابو الفرج عبدالرحمن بن علی البکری الصدیقی البغدادیؒ (م ۵۹۷ھ): آپ کی جن تالیفات کو اساتذہ اور طلبہ کے ہاں پذیرائی ملی وہ یہ ہیں: "الضعفاء"، "الموضوعات"، "الواھیات"، "العلل المتناھیة فی الأحادیث الواھیة"، "المنتظم"، "تلقیح فھوم أھل الاثر" حافظ ابن الجوزی کی ساری تالیفات بہت وقیع اور مفید ہیں۔ المنتظم کا تعلق تاریخ سے ہے۔ یہ بہت تفصیلی تاریخ ہے۔ اب تحقیق وتعلیق کے ساتھ لگ بھگ تیس جلدوں میں چھپ کر آئی ہے۔

۳- ابن الفخار المالقی، ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی المالقیؒ (م ۵۹۰ھ)

۴- ابو القاسم السہیلی، عبدالرحمن بن عبداللہ الاندلسیؒ (م ۵۸۱ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور ومعروف کتاب "الروض الأنف" کی وجہ سے ہے۔

۵- ابو بکر الحازمی محمد بن موسیٰ بن عثمان بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الہمدانیؒ (م ۵۸۴ھ): آپ کی معروف ومشہور تالیف "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار" علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ "شروط الائمة الخمسة" بھی بہت مفید اور قابلِ قدر رسالہ ہے۔

۶- عبدالغنی المقدسی ابو محمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی الدمشقیؒ (م ۶۰۰ھ): آپ کو آپ کی تین تالیفات کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ ایک "الکمال فی أسماء الرجال" دوسری: "المصباح" اور تیسری "نھایة المراد" الکمال

Marfat.com

کی بنیاد پر بعد میں آنے والوں نے کتب ستہ کے رواۃ پر کام کیا۔اس لحاظ سے یہ ایک بنیادی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۷۔ حافظ الرّہاوی، ابو محمد عبدالقادر بن عبداللہ الرّہاوی الموصلیؒ (م ۶۱۲ھ): آپ نے "الأربعون المتناسبة الاسانيد" مرتب کی۔

۸۔ حافظ ابن مفضل المقدسی علی بن المفضل الاسکندرائیؒ (م ۶۱۱ھ): آپ نے شیخ ابن الاکفانیؒ کی کتاب جامع الوفیات پر "ذیل" لکھی۔

طبقہ نمبر ۲۲:

ان شیوخ کے بعد جن علماء نے "رجال" پر قلم اٹھایا ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

۱۔ ابو الحسن بن القطان، ابو الحسن علی بن محمد الفاسی المغربیؒ (م ۶۲۸ھ): آپ کی مشہور تالیف "بیان الوهم والإيهام الواقعين فى كتاب الاحكام" ہے۔ آپ کو دو کتابوں کی وجہ سے شہرت ملی۔ ایک: "التقييد لمعرفة الرواة والسنن والمسانيد" اور دوسری "ذيل الإكمال لابن ماكولا"

۲۔ ابن الانماطی، ابو طاہر، اسماعیل بن عبد اللہ المصریؒ (م: ۶۱۹ھ)۔

۳۔ حافظ ابن نقطہ، ابو بکر، محمد بن عبد الغنی، البغدادیؒ (م: ۶۲۹ھ)۔

۴۔ حافظ ابن الدبیثی ابو عبداللہ محمد بن سعید الواسطیؒ (م ۶۳۷ھ)۔ آپ نے "تاریخ واسط" اور خطیب بغدادی کی تاریخ پر "ذیل" مرتب کی۔

۵۔ ابن خلیل الدمشقی، ابو الحجاج یوسف بن خلیل الدمشقیؒ (م ۶۴۸ھ): آپ نے "معجم"، "فوائد" اور "عوالی" تالیف کیں۔

۶۔ حافظ ابن خلفون الأزدیؒ، ابو بکر محمد بن اسماعیل بن محمد خلفون الأندلسی الإشبیلیؒ (م ۶۳۶ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: "المنتقى فى رجال الحديث"، "المفهم فى شيوخ البخارى و مسلم"، "شيوخ أنس بن مالك"، "شيوخ ابى داؤد"، "شيوخ الترمذى"، "رفع التمارى فيمن تكلم فيه من رجال البخارى"، "الثقات"

۷۔ ابن النجار ابو عبداللہ محمد بن محمود البغدادیؒ (م ۶۴۳ھ): آپ نے یہ کتابیں مرتب کیں: "الكمال فى معرفة الرجال"، "ذيل تاريخ بغداد للخطيب"، "نسبة المحدّثين إلى الآباء والبلدان"، "القمر المنير فى المسند الكبير" اس میں آپ نے ہر صحابی اور اس کی روایت کو نقل کیا ہے۔ "معجم" اس میں آپ نے اپنے شیوخ کی روایات نقل کی ہیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے۔

۸۔ حافظ زکی المنذری، ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی المصریؒ (م ۶۵۶ھ): آپ کی شہرت آپ کی مشہور تالیف "الترغیب والترہیب" کی وجہ سے ہے۔اس کے علاوہ آپ نے "التكملة لوفيات النقلة" اور "مختصر سنن ابی داؤد" مرتب کی۔

۹۔ حافظ برزالی، ابو عبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی الدمشقیؒ (م ۶۳۶ھ): آپ کو آپ کی مرتب کردہ "معجم" کی وجہ سے شہرت حاصل ہے۔

Marfat.com

۱۰- حافظ الصریفینی، ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد البغدادی الدمشقیؒ (م ۶۴۱ھ): آپ نے حافظ ابن عساکر کی کتاب "المشایخ النبل" پر مستدرک لکھی۔

۱۱- حافظ رشید العطار، رشید الدین ابو الحسین یحییٰ بن علی النابلسی المصریؒ (م ۶۶۲ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی معجم مرتب کی۔

۱۲- حافظ ابن الصلاحؒ، ابو عمر عثمان بن صلاح الدین عبدالرحمن بن عثمان الکردی الشہرزوری الدمشقیؒ (۶۴۳ھ): آپ کی شہرت آپ کی شہرۂ آفاق تالیف "علوم الحدیث" یعنی مقدمۂ ابن الصلاح کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ آپ نے "فوائد الرحلۃ" اور صحیح مسلم کی شرح مرتب کی جو مکمل نہ ہو سکی۔

۱۳- حافظ ابن الأبّار، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ القضاعی الأندلسی البلنسیؒ (م ۶۵۸ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: "التکملة لکتابی الموصول والصلة" یہ علمائے اندلس کے حالات پر مشتمل ہے۔ "المعجم" اور "هداية المعترف فی المؤتلف والمختلف"

۱۴- حافظ ابن العدیم، ابو القاسم عمر بن احمد الحلبی المصریؒ (م ۶۶۰ھ): آپ نے "بغية الطلب فی تاريخ حلب"، "زبدة الحلب فی تاريخ حلب" اور "الأخبار المستفادة فی ذكر بنی جرادة" مرتب کیں۔

۱۵- حافظ ابو شامۃ، عبدالرحمن بن اسماعیل، المقدسی الدمشقیؒ (م ۶۶۵ھ): آپ نے "أزهار الروضتين فی أخبار الدولتين"، "الروض الأنف" اور "مختصر تاريخ دمشق لابن عساكر" مرتب کیں۔

۱۶- ابو البقاء خالد بن یوسف النابلسی الدمشقیؒ (م ۶۶۳ھ)

طبقہ نمبر ۲۳:

ان شیوخ کے بعد مندرجہ ذیل علماء نے "رجال" کے مجال میں خدمات انجام دیں:

۱- حافظ الدمیاطی، ابو محمد، عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطیؒ (م ۷۰۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" اور "السراجیات الخمسة" کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔

۲- ابن الظاہری، ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ الحنفیؒ (م ۶۹۶ھ): آپ کو آپ کی تالیف "الاربعون البلدانية" کی وجہ سے علمی حلقوں میں شہرت حاصل ہوئی۔

۳- شرف الدین، ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم المیدومی القاہریؒ (م ۶۸۳ھ)

۴- حافظ ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری المنفلوطی الصعیدیؒ (م ۷۰۲ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الإلمام فی أحاديث الأحكام"، "إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام"، "الاقتراح فی بيان الاصطلاح"، "تحفة اللبيب فی شرح التقريب"

۵- ابن فرح، ابو العباس احمد بن فرح بن احمد اللخمی الاشبیلی الدمشقیؒ (م ۶۹۹ھ): آپ اپنی کتاب "القصيدة الغرامية" کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

Marfat.com

۶- ابو القاسم، عبید بن محمد، المصری الاسعردیؒ (م ۶۹۲ھ)

طبقہ نمبر ۲۴:

ان علماء کے بعد جن شیوخ واساتذہ کو "رجال" کے میدان میں حیثیت اور اہمیت حاصل ہوئی وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱- ابو محمد سعد الدین مسعود بن احمد الحارثی العراقی المصریؒ (م ۷۱۱ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی ترتیب کے مطابق "معجم" مرتب کی۔اس کے علاوہ سنن ابی داؤد کی شرح لکھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

۲- امام ابن تیمیہ، ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام الحرّانی الدمشقیؒ (م ۷۲۸ھ): آپ نے لکھا اور بہت زیادہ لکھا۔ آپ کی شہرت "فتاویٰ" کی وجہ سے ہے۔اس کے علاوہ "منهاج السنة النبوية" اور "الصارم المسلول" آپ کی قابلِ قدر تالیفات ہیں۔

۳- حافظ مزّی، ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن الحلبی الدمشقی المزیؒ (م ۷۴۲ھ): آپ نے "رجال" پر متقدمین کے کام کو جمع کیا اور ایک ضخیم کتاب کی شکل میں اس کو مرتب کیا۔ جس کا نام "تهذيب الكمال في اسماء الرجال" رکھا۔ اس کے علاوہ "تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف" آپ کی قابلِ قدر تالیف ہے۔

۴- قطب الدین ابو علی عبدالکریم بن عبدالنور الحلبی المصریؒ (م ۷۳۵ھ): آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔ جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔اس کے علاوہ "تاریخ مصر" اور "الاهتمام بتلخيص الالمام" آپ کی یادگار ہیں۔

۵- حافظ ابن سیّد الناس، ابو الفتح محمد بن محمد الیعمری، الاندلسی، المصریؒ (م ۷۳۴ھ): آپ کی شہرت آپ کی کتاب "عيون الاثر في فنون المغازي والشمائل والسير" کی وجہ سے ہوئی۔ آپ نے جامع ترمذی کی شرح بھی لکھی لیکن پوری نہ کر سکے۔

۶- ابو محمد احمد بن عبدالقادر بن احمد بن مکتوم المصریؒ (م ۷۴۹ھ)۔

۷- حافظ ابن البرزالی ابو محمد قاسم بن محمد بن یوسف الدمشقیؒ (م ۷۳۹ھ): آپ نے "معجم" مرتب کی جس میں آپ نے تین ہزار سے زیادہ شیوخ کا تذکرہ کیا اس کے علاوہ "الوفیات" اور "التاریخ" بھی تالیف کی۔

۸- شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد ابن الجزری الدمشقی الشیرازیؒ (م ۸۳۳ھ): آپ نے "الهداية في علم الرواية" لکھی جس کا تعلق اصولِ حدیث سے ہے۔

۹- ابو عبداللہ محمد بن علی بن ایبک السروجی المصری (م ۷۴۴ھ): آپ نے "تراجم الثقات من رجال الحديث" کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۰- کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب الأدفوی المصریؒ (م ۷۴۸ھ): آپ نے "البدر السافر وتحفة المسافر" لکھی۔اس میں ساتویں صدی ہجری کے علماء کے تراجم ہیں۔

۱۱- حافظ ذہبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی الدمشقیؒ (م ۷۴۸ھ): آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "تاريخ الاسلام وطبقات المشاهير والأعلام"، "سير أعلام النبلا"، "تذكرة الحفاظ"، "العبر في خبر من غبر"،

Marfat.com

"تذھیب تھذیب الکمال"، "الکاشف فی تراجم رجال الکتب الستة" اور "میزان الاعتدال فی نقد الرجال"

۱۲- صفی الدین القرافی، ابو الثناء محمود بن محمد، الأرموی، الصوفی الدمشقیؒ (م ۷۲۳ھ): آپ نے النہایۃ پر "ذیل" لکھی۔

۱۳- ابو الحسین، احمد بن ایبک بن عبداللہ الدمیاطی المصریؒ (م ۷۴۹ھ): آپ نے امام تقی الدین السبکی کے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔ امام رافعی کی احادیث کی تخریج کی۔ اور شیخ عز الدین الحسینیؒ کی "وفیات" پر "ذیل" لکھی۔

۱۴- شہاب الدین، احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العدوی الدمشقیؒ (م ۷۴۹ھ): آپ نے "مسالک الأبصار فی ممالک الأمصار، "مختصر قلائد العقیان" اور "فواضل السمر فی فضائل آل عمر" مرتب کیں۔

۱۵- نجم الدین ابو الخیر سعید بن عبداللہ الہندی البغدادی الدمشقیؒ (م ۷۴۹ھ): آپ نے علماء بغداد کے تراجم اور حالات پر کتاب مرتب کی۔

۱۶- حافظ علائی ابو سعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ العلائی الدمشقیؒ (م ۷۶۱ھ): آپ کو "جامع التحصیل فی احکام المراسیل" کی وجہ سے علماء کے حلقوں میں شہرت ملی۔ اس کے علاوہ آپ نے "کتاب المدلسین" اور "اثارۃ الفوائد المجموعۃ" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

۱۷- حافظ مغلطای ابو عبداللہ مغلطای بن قلیج الحکری المصریؒ (م ۷۶۲ھ): آپ کی تالیفات یہ ہیں: "اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال"، "جمع أوہام التہذیب"، "ذیل علی المؤتلف والمختلف لابن نقطۃ"، "شرح صحیح البخاری" اور "شرح سنن ابن ماجۃ۔"

۱۸- حافظ شریف الحسینی، شمس الدین محمد بن علی الدمشقیؒ (م ۷۶۵ھ): آپ نے "التذکرة بمعرفة رجال العشرة"، "الاکتفاء فی الضعفاء"، "الامتثال بما فی مسند أحمد من الرجال"، "ممن لیس فی تھذیب الکمال"، "التعلیق علی میزان الاعتدال"، "ذیل العبر" اور "ذیل تذکرة الحفاظ" مرتب کیں۔

۱۹- شیخ تقی الدین، ابو المعالی محمد بن رافع السلامی الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ): آپ نے "معجم" تالیف کی جس میں ایک ہزار شیوخ سے زیادہ کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ ابن النجار کی تاریخ بغداد پر "ذیل" مرتب کیں۔

۲۰- لسان الدین بن الخطیب، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن سعید الأندلسی الغرناطیؒ (م ۷۷۶ھ): آپ کی مشہور کتاب "الإحاطة فی تاریخ غرناطه" ہے۔

۲۱- حافظ زین الدین العراقی ابو الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی المصریؒ (م ۸۰۶ھ): آپ کی شہرت "الفیہ" کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے "المغنی عن حمل الاسفار فی الأسفار"، "معجم"، "ذیل علی میزان الاعتدال" اور "ذیل علی العبر" مرتب کیں۔

۲۲- شہاب الدین، أحمد بن حجی، الدمشقیؒ (م۔ ۸۱۶ھ) آپ نے اپنے شیوخ کی "معجم" مرتب کی۔ اس کے علاوہ "الدارس من اخبار المدارس" اور "جمع المفترق" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

Marfat.com

۲۳- صلاح الدین ، ابوسعد، خلیل ابن محمد المصری ، المکیؒ (م-۸۲۰ھ) آپ نے مشیخۃ القاضی مجد الدین الحنفی" " معجم " اور "فوائد مجموعہ" مرتب کیں۔

۲۴- ولی الدین ، ابوزرعہ، احمد بن عبد الرحیم، ابن العراقی، المصریؒ (م ۸۲۶ھ)۔ آپ نے "رواۃ المراسیل" "الوفیات " اورالبیان والتوضیح مرتب کیں۔

۲۵- حافظ تقی الدین الشریف، محمد بن احمد بن علی ، الحسنی ، المکیؒ (م ۸۳۲ھ) آپ نے" العقد الثمین فی تاریخ البلد الأمین" ،"شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام" اور" ذیل کتاب النبلاء للذهبی " مرتب کیں۔

۲۶- برہان الدین ، ابوالوفاء، ابراہیم بن محمد بن خلیل ، الطرابلسی، الحلبیؒ (م-۸۴۱ھ) آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "نهاية السول فی رواۃ الستۃ الأصول"، "التبیین لأسماء المدلسین"، "نثل الهمیان فی معیار المیزان"

۲۷- علاء الدین ، ابوالحسن علی بن محمد، الحلبیؒ، المعروف بابن خطیب الناصریۃ (م-۸۴۳ھ) آپ نے الدرّ المنتخب فی تاریخ حلب مرتب کی۔

۲۸- حافظ ابن حجر العسقلانی شہاب الدین، ابوالفضل، احمد بن علی الکنانی ، العسقلانی ، المصریؒ: آپ ۷۷۳ ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے ۔ اور ۸۵۲ھ میں قاہرہ ہی میں انتقال فرمایا آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں:"تهذیب التهذیب تقریب التهذیب"، "لسان المیزان"، "تعجیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الاربعة "، "الدرر الكامنة" اور "فتح الباری شرح صحیح البخاری"

۲۹- حافظ العینی، بدر الدین ، ابو محمد ، محمود بن احمد ، العینی الحلبی ، المصریؒ (م- ۸۵۵ ھ): آپ کی مشہور ومعروف کتب یہ ہیں: "مغانی الأخیار فی رجال معانی الآثار للطحاوی"، "عقد الجمان فی تاریخ اهل الزمان"، "تاریخ البدر فی أوصاف اهل العصر" اور "عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری"

۳۰- ابو البرکات، عزالدین ، احمد بن ابراہیم بن نصر اللہ ، الکنانی، العسقلانی، المصریؒ (م ۸۸۶ھ): آپ قاضی القضاۃ کے منصب پر رہے۔ تالیفات میں "طبقات الحنابلة" اور تاریخ کو شہرت حاصل ہے۔

۳۱- ابو القاسم ، نجم الدین، عمر بن محمد بن فہد، القریشی، المکیؒ (م- ۸۸۵ھ): آپ نے "کتاب المدلسین"، "ذیل تاریخ مکۃ"، "اللباب فی الالقاب" اور "التبیین فی تراجم الطبریین" مرتب کیں۔ اس کے علاوہ اپنے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ کے تراجم واحوال پر کتاب لکھی۔

۳۲- احمد بن محمد بن عمر ، المقدسی ، المشہور بابن ابی عذیبۃؒ (م- ۸۵۶ھ): آپ نے "المعجم"، "تاریخ دول الأعیان شرح قصیدۃ نظم الجمان" اور "تاریخ" کے نام سے تالیفات کیں۔

Marfat.com

۳۳- ابو الحسن، ابراہیم بن عمر، البقاعی، الدمشقیؒ (م-۸۸۵): آپ نے "عنوان الزمان فی تراجم الشیوخ والأقران" اور "اخبار الجلاد فی فتح البلاد" مرتب کیں۔

۳۴- حافظ سخاوی، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد الرحمان، السخاوی، المصریؒ: آپ قاہرہ میں ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۹۰۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں: "الضوء اللامع لأهل القرآن التاسع"، "التبر المسبوك" یہ تاریخ مقریزی کی ذیل ہے۔"وجيز الكلام في الذيل على كتاب الذهبي دول الاسلام"، "بغية العلماء الرواة"، "التحفة اللطيفة في اخبار المدينة الشريفة"، "الشافي من الالم في وفيات الامم" اور "الاعلان بالتوبيخ لمن ذم اهل التوريخ"

Marfat.com

دسواں باب

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت

ہندوستان میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا۔ خشکی سے اور بحری سے۔ خشکی کا راستہ درۂ خیبر کا تھا جہاں سے ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز سے داخل ہونا شروع کیا، لیکن ان سے سینکڑوں سال پہلے اہلِ عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت میں سندھ اور مالی بار سے لے کر گجرات تک بحرِ ہند کے پورے سواحل پر پھیل چکے تھے وہ اپنے ساتھ اپنا دین، اپنا قرآن اور اپنے افکار ونظریات اور روایات واقدار بھی لائے تھے اور اس سے پہلے سالہا سال پہلے کہ اسلام کا کوئی مسلح سپاہی اس سرزمین پر قدم رکھے یہاں مسلمان عربوں اور عراقیوں کی نو آبادیاں قائم تھیں اور مسجدیں تعمیر اور آباد تھیں۔ یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درسگاہیں تھیں جن میں بیٹھ کر وہ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کا کام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے سواحل ہند پر مسلح عربوں کی آمد ورفت شروع ہو گئی تھی یہ وہ دور تھا جب ہر مسلمان کتاب وسنت کا پیروکار تھا اور قرآن وحدیث ہی سے رہنمائی حاصل کرتا تھا یعنی صحابہ کرامؓ کا دور تھا۔ اسلام کا پہلا جہادی قافلہ تھانہ کی طرف بڑھا تھا جو ان دنوں (بمبئی کے بجائے) بحرِ ہند کی مصروف بندرگاہ تھی اور اس کے بعد بھروچ (گجرات) اس قافلہ کی دوسری منزل گاہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان قافلوں میں ایسے حضرات بھی تھے جنھوں نے براہِ راست آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور صحبتِ نبوی ﷺ سے مستفید ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک قدم رکھے ہیں اور یہاں ان کا وجود مسعود رہا ہے۔

ہندوستان میں پہلا محدّث

۹۳ھ میں مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا اور اس کے بیشتر علاقوں کو فتح کیا۔ یہ ملک اس وقت سے تیسری صدی ہجری کے شروع تک عربوں کے قبضہ میں رہا۔ ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی عباسی کے حکم سے جو فوج ہندوستان کی طرف آئی اس میں ربیع بن صبیح السعدی البصریؒ بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ربیع بن صبیحؒ کا تعلق علماء کی اس جماعت سے ہے جنھوں نے احادیث کے منتشر اوراق کو یکجا کرنے میں سب سے پہلے حصہ لیا تھا۔ کشف الظنون میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

((قیل، ھو اول من صنّف وبوّب فی الإسلام)) (۱)

Marfat.com

"کہا جاتا ہے کہ ربیع پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف و تالیف کی۔"

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔اور لکھا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے ربیع نے روایات کا مجموعہ تیار کیا ہے۔

ابن سعدؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

((خرج غازیاً إلی الهند فی البحر فمات فدفن فی جزیرة من جزائر البحر سنة ستین ومأة)) (۲)

"ربیع بن صبیح جہاد کی غرض سے ہندوستان کی طرف گئے۔بحری سفر کے دوران انتقال کر گئے اور کسی جزیرہ میں دفن کیے گئے۔یہ ۱۶۰ھ کا واقعہ ہے۔"

ہندوستان کی طرف آنے والوں میں حباب بن فضالہؒ تابعی کا نام بھی ملتا ہے انہوں نے انس بن مالکؓ سے استفادہ کیا تھا اور ان کی صحبت میں رہے تھے۔اسرائیل بن موسیٰؒ جن کا تعلق طبقہ تبع تابعین سے ہے اور امام حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں۔ہندوستان میں بکثرت آتے جاتے رہتے تھے۔اسی لیے "نزیل ھند" ان کا لقب ہو گیا تھا۔ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں لکھا ہے:

((کان یسافر إلی الهند))

"یہ ہندوستان کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔"

دوسری صدی ہجری میں عرب امراء، تجار اور علماء کی آمد ورفت کی وجہ سے اہلِ سندھ کی سرگرمیوں میں ایک واضح فرق نمایاں ہو گیا تھا۔اسی دور میں یہاں کے لوگوں نے علوم وفنون کی طرف توجہ دینا شروع کی اور ان میں ایسے طلبہ پیدا ہوئے جنہوں نے سندھ میں آئے ہوئے علماء سے استفادہ کرنے کے بعد حجاز کا رخ کیا۔ اسی صدی کے ایک ممتاز اور مایۂ ناز محدث ابو معشر نجیح سندھیؒ ہیں۔ابو معشر حدیث وسیرت کے امام تھے۔مدینہ منورہ گئے تو وہیں کے رہ گئے۔اس لیے "مدنی" کہلانے لگے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے امام تھے۔آپ کا نام ان مؤلفین کی فہرست میں داخل ہے جو مغازی وسیر کے واقعات کو سب سے پہلے قیدِ تحریر میں لائے۔۱۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔خلیفہ ہارون الرشید نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۳)

اس دور کے دوسرے محدّث امام رجاء السندھیؒ ہیں۔جو ایران پہنچ کر اسفرائینی کہلائے۔فنِ حدیث میں یہ کمال پیدا کیا کہ مشہور محدّث امام حاکمؒ ان کے حال میں لکھتے ہیں:

((رکن من أرکان الحدیث))

"علم حدیث کے اہم ترین عناصر میں سے تھے۔"

امام رجاءؒ نہ صرف خود محدّث تھے بلکہ ان کے خاندان میں اور بہت سے حفاظ حدیث پیدا ہوئے۔

چوتھی صدی ہجری کے آخری حصہ میں سلطان محمود غزنویؒ کے زیرِ قیادت مسلمان مجاہدین کے قافلے شمالی ہند میں داخل ہو گئے اور سلطان محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔آئندہ دو صدیوں کے دوران میں خاندانِ غلاماں کے

Marfat.com

سلاطین نے مسلمانوں کی سلطنت کی حدود خلیج بنگال تک وسیع کر دیے۔ مسلمانوں کی حیرت انگیز سیاسی فتوحات کے ساتھ ہی پورے شمالی ہند میں اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت ہونے لگی۔ فتوحات نے مسلمانوں کے لیے ہندوستان کے دروازے کھول دیئے تھے اور ہمسایہ مسلم ممالک سے مسلمان علماء، اولیاء اور مبلغینِ اسلام بڑی تعداد میں ہندوستان آنے لگے تھے جن کی ذاتی محنت، لگن، کوشش اور اثرات سے اسلامی علوم کی خوب اشاعت ہوئی۔

درہ خیبر کے راستہ سے پہلا محدّث

لاہور میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ایک مشہور صوفی بزرگ محمد اسماعیلؒ نے کیا جو بخارا سے آئے تھے۔ شیخ اسماعیلؒ ۳۹۵ھ میں ہند آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی اور اسی نسبت سے "لاہوری" کہے جانے لگے۔ اس وقت تک مسلمانوں نے یہ شہر فتح نہیں کیا تھا۔ شیخ اسماعیلؒ حدیث وتفسیر کے متبحر عالم تھے اور ان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ لاہور میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے پہلے مبلغ تھے۔ ان کا وعظ سننے کے لیے لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد روز بروز بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا کوئی غیر مسلم نہیں تھا جس نے شیخ اسماعیل سے ذاتی قرب حاصل ہونے کے بعد اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ شیخ اسماعیلؒ نے ۴۴۸ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ (۴)

شیخ اسماعیلؒ نے سلطان محمود غزنویؒ کے عہد میں غزنوی سلطنت کو اپنے انتہائی عروج پر دیکھا اور پھر سلطان کے بعد اس کے نا اہل جانشینوں کے عہد میں اس سلطنت کو زوال پذیر ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ لیکن انہوں نے سیاست میں کبھی دخل نہیں دیا اور اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت وترقی کے لیے نصف صدی سے زیادہ مدت تک بھرپور محنت کرتے رہے۔ ان کے مریدوں اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو حدیث کے ساتھ محبت وعقیدت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اس لیے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا اور آئندہ سو سال کے دوران میں یہاں کئی مشہور محدّث پیدا ہوئے۔ چھٹی صدی ہجری میں ایک علمی وثقافتی مرکز کی حیثیت سے لاہور کی شہرت ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں بھی پھیل گئی تھی۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ سمعانی نے "کتاب الانساب" میں ان محدثین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے لاہور میں زندگی بسر کی اور اس شہر سے نسبت رکھتے تھے۔

سید مرتضیٰ کوفیؒ (م ۵۸۹ھ)

سید مرتضیٰؒ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حدیث اور تفسیر کے عالم کی حیثیت سے ان کی شہرت سلطان شہاب الدین غوریؒ (۵۷۰-۶۰۲ھ) کی توجہ کا باعث بنی اور سلطان نے ان کو اپنے خواص میں شامل کر لیا۔ سید مرتضیٰؒ میں چوں کہ سپاہیانہ اوصاف بھی فطری طور پر موجود تھے اس لیے سلطان نے ان کو فوجی خدمت پر مامور کر دیا اور ترقی دے کر سپہ سالار بنا دیا۔ ۵۸۹ھ میں فتح قنوج کے دوران میں سلطان شہاب الدینؒ جب بنارس کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو ظفر آباد کے مقام پر جو یو۔پی کے ضلع جونپور میں واقع ہے۔ سید مرتضیٰؒ کا مقابلہ ظفر آباد کے راجہ اودے پال سے ہوا اور سید مرتضیٰؒ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (۵)

Marfat.com

محدّث صاغانیؒ (م ۶۵۰ھ)

آپ کا نام حسن بن محمد صاغانیؒ ہے۔ گو آپ کا خاندان ماوراء النہر (ترکستان) اور پھر غزنی (افغانستان) سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر آپ کے والد محترم نے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حسن صاغانی ۵۷۰ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر یمن، حجاز اور عراق جا کر علم کی تکمیل کی اور لغت وحدیث کے امام قرار پائے۔ بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے نام "مشارق الانوار" کے نام سے حدیث کی کتاب مرتب کی۔ یہاں بیٹھ کر آپ نے اور بھی کئی کتابیں تالیف کیں۔ ۶۱۵ھ میں آپ نے بغداد کا سفر کیا اور خلیفہ بغداد اور سلطان غزنین وہند کے درمیان سفارت کا فرض انجام دیا۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

"مشارق الانوار" مشکوٰۃ کی طرح حدیث کی مختلف کتابوں سے منتخب روایات کا مجموعہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ مشکوۃ کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے اور مشارق الانوار کی ترتیب احادیث کے ابتدائی الفاظ پر ہے۔ مثلاً "من" سے شروع ہونے والی روایات یکجا کی گئی ہیں۔ "اذا" سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ صیغۂ ماضی سے شروع ہونے والی احادیث کو ایک جگہ رکھا گیا ہے۔ علماء حدیث نے اس کتاب کی بڑی قدر کی اور بے شمار لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور خود یہ کتاب مدارس کے نصاب میں داخل ہو گئی۔

امام صاغانی غزنوی لاہوریؒ تنہا محدّث ہیں اور مشارق الانوار اس دیار کی تنہا خدمتِ حدیث ہے جو اس عرصۂ دراز میں انجام کو پہنچی لیکن چونکہ امام صاغانیؒ کا تعلق زیادہ تر حجاز وعراق سے رہا اس لیے ان کا اثر اس ملک کے علماء پر بہت کم پڑا اور اگر پڑا بھی تو صرف اسی قدر کہ ان کو اپنے نصابِ تعلیم کے لیے حدیث میں ایک اپنے ہم وطن کی کتاب مل گئی اور وہ بدستور اپنے علم و دانائی میں مصروف رہے۔ منطق وفلسفہ اور علمِ کلام کے بعد فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہ بھی عقلی طریق سے۔ یہی سبب ہے کہ اصول فقہ جیسا ضروری علم بھی معقولات وکلامیات کا ایک ضمیمہ ہو کر رہ گیا۔

ابوالحسن علی بن عمر لاہوریؒ (م ۵۲۹ھ)

ابو الحسن علی محدّثؒ بھی تھے اور شاعر وادیب بھی۔ انہوں نے ابو المظفر السعیدیؒ سے تحصیلِ علم حدیث کیا اور ایک محدّث کی حیثیت سے ان کی شہرت بغداد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ابو الفضل محمد بن نصیر السلمی البغدادیؒ (م ۵۵۰ھ) نے جو خود بھی حافظ تھے ان سے احادیث کا سماع کیا اور پھر ان کو مشہور محدّث السمعانی تک پہنچا دیا اور اس طرح السمعانی بھی ابو الحسن لاہوریؒ کے شاگرد ہو گئے۔ ابو الحسن لاہوریؒ نے ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ (۶)

ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمن لاہوریؒ (م ۵۵۰ھ)

عبدالصمد لاہوریؒ، ابو الحسن لاہوریؒ کے شاگرد تھے۔ وہ سمرقند میں حدیث کا درس دیتے تھے اور وہاں انہوں نے السمعانی سے وہ احادیث اخذ کیں جو خود اپنے استاذ شیخ ابو الحسنؒ سے سماعت کی تھیں۔ عبدالصمد لاہوریؒ چھٹی صدی ہجری کے

Marfat.com

نصف تک حیات رہے۔ (۷)

ابو القاسم محمد بن خلف لاہوریؒ (م ۵۴۰ھ)

ابو القاسمؒ لاہور سے ہجرت کر کے اسفرائین چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے فقہ اور حدیث کی تعلیم ابو المظفر السمعانیؒ سے حاصل کی تھی جو مشہور محدّث السمعانیؒ کے دادا تھے۔ ابو القاسم نے اس زمانہ کے دوسرے محدّثین سے بھی حدیث کا درس لیا۔ محدّث ہونے کے علاوہ ابو القاسمؒ ایک مناظر کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گئے تھے۔ السمعانیؒ ان سے اسفرائین میں ملے تھے اور احادیث سماعت کی تھیں۔ ابو القاسمؒ کا انتقال ۵۴۰ھ کے قریب ہوا۔ (۸)

غزنوی سلاطین کے عہد میں جو شافعی مسلک کے پیرو تھے لاہور علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا اور چھٹی صدی ہجری کے آخر تک اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا۔ لیکن ۶۰۲ھ میں جب سلطنتِ دہلی کی بنیاد پڑی تو ہندوستان میں فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ دہلی کے سلاطین کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اس لیے قدرتی طور پر عراق، فارس، خراسان اور ترکستان کے علمائے فقہ ومعقولات کے لیے دہلی میں بڑی کشش تھی۔ چنگیز خان کی غارت گری نے وسط ایشیاء میں امن وامان اور سیاسی نظام تہہ وبالا کر ڈالا تھا۔ چنانچہ وہاں کے علماء نے برصغیر کا رخ کیا جس کے علم دوست سلاطین علماء کی بہت قدر ومنزلت کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ملتان، لاہور، بھکر، ہانسی اور تھانہ جیسے اہم شہروں میں علماء بڑی تعداد میں آباد ہو گئے اور یہ شہر بلخ وبخارا کے ہم پلہ بن گئے اس کے بعد علمی اور ثقافتی ترقی کا دائرہ مشرق کی طرف پھیلنے لگا اور دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ پھر ساتویں صدی ہجری کے وسط میں رفتہ رفتہ یہ دائرہ بنگال تک وسیع ہو گیا۔ سلاطین کی فیاضانہ امداد وسرپرستی کی بدولت شمالی ہند میں مکاتب اور مدارس قائم ہو گئے جن میں اُچھ کا مدرسہ فیروز، دہلی کا مدرسہ معزّی اور مدرسۂ نصیریہ، اور بدایون کا مدرسۂ معزّی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مدارس کے علاوہ ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں علماء انفرادی طور پر بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور حکومت سے ان کو امداد ملتی تھی۔ برصغیر میں سلاطین دہلی کے سیاسی اقتدار میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا وہ اسلامی علوم کو زیادہ سے زیادہ ترقی دیتے گئے۔

ساتویں صدی ہجری میں نصابِ تعلیم عربی ادب، صرف ونحو، لسانیات، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، تصوف، تفسیر اور حدیث پر مشتمل تھا۔ فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پر خاص کر زور دیا جاتا تھا اور اتنی ہی اہمیت صرف ونحو اور ادبیات کو حاصل تھی لیکن دو اہم ترین شعبوں یعنی حدیث اور تفسیر پر معمولی توجہ دی جاتی تھی اور ان میں بھی حدیث کی تعلیم تو بہت ہی کم ہوتی تھی۔ چنانچہ حسن صاغانیؒ کی "مشارق الانوار" اور امام بغویؒ کی "مصابیح السنة" کے سوا حدیث کی کوئی اور کتاب یہاں تک کہ صحاحِ ستہ میں سے بھی کوئی کتاب داخلِ نصاب نہ تھی۔ اس وقت جو حالات تھے ان میں سے اس کے علاوہ کسی اور بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ برصغیر میں جس نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی اس کا مقصد بھی وہی تھا جو وسطی ایشیاء کے ممالک میں تھا یعنی طالب علم کو قاضی کے عہدے کے لیے تیار کرنا۔ ان حالات میں یہ بات غیر معمولی نہ تھی کہ علاء الدین خلجی (۶۹۵-۷۱۵ھ) کے عہدِ حکومت کے چھیالیس علماء میں صرف شمس الدین یحییٰؒ (م ۷۴۷ھ) کو علمِ حدیث سے کچھ دلچسپی تھی۔ مؤرخ ضیاء الدین برنی نے حدیث کو ان مضامین میں شامل نہیں کیا ہے جن کی اس زمانہ میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لیے یہ بات

Marfat.com

بہت غیر واضح ہے کہ حدیث کی کتابوں کا غائر مطالعہ بھی کیا جاتا تھا۔ ۷۰۰ھ میں ایک ممتاز مصری محدّث شیخ شمس الدین ترکؒ حدیث کی بہت سی کتابیں لے کر ہندوستان آئے تھے تاکہ یہاں ان کتابوں کو رائج کیا جائے۔ لیکن دہلی جاتے ہوئے ملتان میں جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ علاء الدین نماز کا پابند نہیں ہے اور جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتا ہے تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں اس قدر رنج ہوا کہ انہوں نے اس ملک میں علمِ حدیث کی اشاعت کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن وطن واپس جانے سے قبل انہوں نے حدیث پر ایک رسالہ لکھا اور اس کا انتساب سلطانِ دہلی کے نام کیا۔ شمس الدینؒ نے یہ رسالہ اور علاء الدین خلجی کے نام ایک خط شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (م ۶۶۶ھ) کے پوتے مولانا فضل اللہؒ کے پاس چھوڑ دیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ علاء الدین کے زمانے کے علماء نے علمِ حدیث کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف فقہ اور دب کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس صورتحال سے کبیدہ خاطر ہو کر وہ وطن واپس جا رہے ہیں کیونکہ وہ یہاں علمِ حدیث کی تعلیم دینے کے خیال سے آئے تھے۔ شمس الدینؒ کے اس طرح واپس چلے جانے سے برصغیر میں اشاعتِ حدیث کا ایک بہت اچھا موقع ضائع ہو گیا۔

ساتویں صدی ہجری میں علمِ حدیث کے بارے میں علماء کا رجحان اگرچہ حسبِ سابق رہا تاہم اس صدی میں کچھ ایسے علماء بھی پیدا ہوئے جن کو اس علم سے دلچسپی تھی اور وہ اس میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ طبقاتِ ناصری کے مؤلف منہاج السراج جرجانی کے پاس سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ بھی موجود تھا اور غالباً ہندوستان میں اس کتاب کا یہ واحد نسخہ تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں جن حضرات کا تعلق حدیث سے رہا۔ ان میں چند کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (م ۶۶۶ھ)

ملتان کے مشہور بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م ۶۳۲ھ) کے مرید شیخ بہاء الدین زکریاؒ ایک صحابی رسول ﷺ ہبار بن اسودؓ کی اولاد میں سے تھے۔ وہ ملتان کے قریب قلعہ ککرا میں پیدا ہوئے تھے۔ بخارا اور خراسان میں تعلیم حاصل کی۔ پھر زیارت حرمین کے لیے گئے اور مدینہ منورہ کے ایک محدّث کمال الدین محمد الیمنیؒ سے پانچ سال تک حدیث کی تعلیم حاصل کر کے اس علم میں مہارت پیدا کر لی۔ شیخ بہاء الدینؒ نے صفر ۶۶۶ھ میں ملتان میں وفات پائی۔ (۹)

قاضی منہاج السراج جرجانیؒ (م ۶۶۸ھ)

قاضی منہاجؒ کا تعلق خراسان کے شہر جرجان کے ایک مہذب وشائستہ خاندان سے تھا۔ انہوں نے ۶۲۳ھ میں وطن مالوف کو خیر باد کہا اور برصغیر کا رخ کیا۔ منہاجؒ نے اپنے والد سے، جو سلطان محمد غوریؒ (۵۷۰ھ-۶۰۲ھ) کی ہندی فوج میں قاضی مقرر کیے گئے تھے عمدہ تعلیم حاصل کی جس کی بدولت وہ ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ اور سلاطین دہلی التتمش (۶۰۷-۶۳۳ھ)، رضیہ سلطانہ (۶۳۴-۶۳۷ھ)، بہرام (۶۳۷ تا ۶۳۹ھ) اور ناصر الدین محمود (۶۴۴-۶۶۴ھ) کے عہد میں۔ اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ اُچھ کے مدرسۂ فیروز اور دہلی کے مدرسۂ نصیریہ کے صدر معلم اور منصف اعلیٰ اور مبلغ کی حیثیت سے منہاج نے بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ ۶۴۰ھ میں وہ بنگال میں لکھنوتی گئے اور وہاں دو سال تک قیام کیا منہاجؒ نے ۶۶۴ھ کے بعد وفات پائی۔ (۱۰)

Marfat.com

طبقات ناصری میں منہاج نے سنن ابو داؤد سے متعدد احادیث نقل کی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ منہاج نے چند ضعیف اور موضوع احادیث کو متواتر کہا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کا وسیع اور غائر مطالعہ نہیں کیا تھا۔ انہیں چونکہ علم حدیث سے متعلق فنی مباحث کا علم نہیں تھا اس لئے متون کو تو انہوں نے یاد کر لیا تھا لیکن روایات کی حیثیت کو وہ نہیں جانتے تھے۔

برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بخاریؒ (م ۶۸۷ھ)

برہان الدین محمودؒ، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ تا ۶۸۶ھ) کے دور میں بقیدِ حیات تھے۔ وہ حسن الصاغانی کے شاگرد تھے اور ان سے "مشارق الانوار" کی سند حاصل کی تھی۔ وہ دہلی میں "مشارق الانوار" کی تعلیم کا آغاز کرنے والے پہلے محدّث تھے۔ برہان الدین محمودؒ کو مرغینان میں الھدایہ کے نامور مصنف برہان الدین المرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ سلطان بلبن، برہان الدین محمودؒ کی بہت عزت کرتا تھا اور حصولِ برکت کے لیے جمعہ کے دن ان سے ملنے جایا کرتا تھا۔ انہوں نے ۶۸۷ھ میں دہلی میں وفات پائی اور حوضِ شمسی کے مشرقی حصہ میں دفن کئے گئے۔ (۱۱)

کمال الدین زاہدؒ (م ۶۸۴ھ)

محمد بن احمد بن محمدؒ جو کمال الدین زاہد کے نام سے معروف ہیں علم حدیث میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ (م ۷۲۵ھ) کے استاد ہونے کے باعث ممتاز ہو گئے تھے۔ انہوں نے "مشارق الانوار" شیخ برہان الدین محمودؒ کے ساتھ پڑھی تھی ان کے نہایت پاکیزہ فضائل اور اخلاق وعادات کی وجہ سے سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو "امامت" کے منصب پر مقرر کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کمال الدین زاہد نے ۶۸۴ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (۱۲)

رضی الدین بدایونیؒ (م ۷۰۰ھ)

رضی الدین بدایونیؒ اپنے ہم عصر علمائے دہلی میں علمِ حدیث پر کافی عبور رکھتے تھے وہ کوتل (علی گڑھ) کے قاضی تھے۔ رضی الدینؒ مکہ معظمہ اور وہاں سے بغداد گئے جہاں خلیفۂ وقت نے محدّث ہونے کی بنا پر ان کو شرف بازیابی عطا کیا۔ پھر وہ ہندوستان واپس آئے اور لاہور میں وفات پائی۔ (۱۳)

ابو توئمہ بخاری حنبلیؒ (م ۷۰۰ھ)

شرف الدین ابو توئمہ بخاریؒ بخارا کے رہنے والے تھے اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ترکِ وطن کر کے دہلی آ گئے۔ سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) کے عہد میں وہ بنگال کے شہر سنار گاؤں چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابو توئمہ بہت مشہور استاد اور اپنے وقت کے شیخ تھے۔ حنبلی عالم ہونے کی وجہ سے علمِ حدیث میں بہت قابل اور ماہر تھے ان کی وجہ سے سنار گاؤں بہت جلد بنگال میں علمِ حدیث کا ایک مرکز بن گیا جس سے فیض پانے والوں میں بہار کے مشہور ولی اور محدّث مخدوم شرف الدین منیریؒ (م ۷۸۲ھ) بھی شامل تھے۔ ابو توئمہ نے ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں سنار گاؤں میں وفات پائی۔ (۱۴)

Marfat.com

۷۰۰ھ تا ۹۰۰ھ

فقہ، اصولِ فقہ اور ادبیات کے بعد جس علم پر علماء نے سب سے زیادہ توجہ کی وہ معقولات (منطق وفلسفہ) ہے اور سلطان محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ) کے عہد میں اس کو دہلی میں بہت فروغ ہوا۔ سلطان محمد تغلقؒ خود ایک جید عالم تھا اور اس نے معقولات کی بہت سرپرستی کی۔ اس کے حلقۂ علماء میں منجملہ دیگر اشخاص کے ایک فلسفی عالم مولانا علیم الدینؒ بھی شامل تھے جن سے وہ اس موضوع پر باقاعدہ بحث کیا کرتے تھے۔ سلطان محمد تغلقؒ معقولات کا اس قدر گرویدہ تھا کہ وہ بذاتِ خود معقولات کے درس کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اس زمانے میں معقولات اور فقہ عام دلچسپی کے مضامین تھے اور قرآن وحدیث کی تعلیم رسم وروایت کے طور پر ہوتی تھی۔ اس دور کے سنجیدہ طبع علماء قرآن وحدیث کی تعلیم کے فقدان کو شدت سے محسوس کرتے تھے تاہم ایسے حضرات کی تعداد بہت کم تھی۔ علماء کی اکثریت کا تعلق حنفی مسلک سے تھا اور وہ اپنی تمام توجہ فقہ واصول فقہ پر مرتکز کیے ہوئے تھے جو سرکاری ملازمت مل جانے کی قطعی ضمانت تھی۔ وہ چونکہ فقہ حنفی کے حامل تھے اس لیے شرعی مسائل کو صرف فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اس مسلک کے اصولوں سے کسی انحراف کی مخالفت کرتے تھے۔ علماء کے اس رویہ کی مثال اس مشہور مناظرہ سے ملتی ہے جو شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور فقہاء کے درمیان سلطان غیاث الدین تغلق (۷۲۰ھ تا ۷۲۵ھ) کے عہد میں ہوا تھا۔[15]

شافعی مسلک کی پیروی کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے سماع کی حمایت میں روایات پیش کیں۔ لیکن فقہاء نے ان روایات کو مسترد کر دیا۔

اولاً: اس بناء پر کہ شیخ مقلّد ابو حنیفہ ہیں اس لیے انہیں حدیث سے استدلال نہیں کرنا چاہئے۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ یہ احادیث شافعی مسلک کی حمایت میں ہیں اس لیے حنفی فقہاء ان کو قبول کرنے کے پابند نہیں۔

مزید برآں انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستان میں فقہی روایات کی قانونی حیثیت حدیث کی روایات سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ان فقہاء نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک اور اجتہادات کو پیشِ نظر رکھیں۔ نظام الدین اولیاءؒ کو فقہاء کے اس رویہ سے بہت تکلیف پہنچی۔ شیخ شمس الدین ترکؒ کی واپسی اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ فقہاء کے اس مناظرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے علماء میں جو اپنے دور کے علمی طبقہ کے نمائندہ تھے جس قسم کے رجحانات پائے جاتے تھے وہ برصغیر میں علمِ حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے سازگار نہ تھے اور یہاں اس کا مستقبل مایوس کن معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اس تاریکی میں روشنی کی کرن نظر آ رہی تھی۔ رسول ﷺ اور سنت رسول ﷺ کی محبت سے سرشار مشائخ نے علمِ حدیث کی تحصیل پر خود بھی توجہ کی اور اپنے شاگردوں اور مریدوں میں بھی اسے حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ اس ذوق وشوق کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار مشائخ کی سرکردگی میں شمالی ہند میں علم حدیث کے چار مکاتب قائم ہو گئے۔ چنانچہ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے مکتب کے محدثین، بہار میں مخدوم شرف الدین منیریؒ اور ان کے مکتب کے محدثین، ملتان میں شیخ زکریا ملتانیؒ اور ان کے مکتب کے محدثین اور کشمیر میں میر سید علی ہمدانیؒ اور ان کے مکتب کے محدثین نے

Marfat.com

علم حدیث کی اشاعت پر پوری توجہ کی اور ان چاروں مکاتیب حدیث کے صوفی علماء شمالی ہند میں نویں صدی ہجری کے آخر تک اس علم کی ترقی واشاعت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اس ملک میں علم حدیث کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو گیا۔

نظام الدین اولیاءؒ اور ان کا مکتب محدّثین

شیخ نظام الدین اولیاءؒ (م۷۲۵ھ)

محمد بن احمد بن علیؒ، جو نظام الدین اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶۳۴ھ میں بدایون میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے دادا شیخ علیؒ اور نانا خواجہ عربؒ دونوں منگولوں کے حملے کے دوران میں بخارا سے ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔ شیخ نظام الدینؒ نے علاء الدین اصولی بدایونیؒ اور شمس الدین خوارزمیؒ سے جن کو آگے چل کر شمس الملک کا خطاب ملا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر ہوئے تحصیل علم کیا اور صرف بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری قاضی کے منصب پر فائز ہونے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی۔ لیکن شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (م۶۶۴ھ) کے بھائی شیخ نجیب الدین المتوکلؒ (م۶۸۱ھ) کی ایماء پر وہ ۶۵۵ھ میں اجودھن (پاک پتن) گئے اور شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید ہو گئے۔(۱۶)

اس طرح شیخ نظام الدینؒ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور رفتہ رفتہ وہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ اور ہند کے ایک عظیم ترین ولی ہو گئے۔ شیخ نظام الدینؒ اپنے دور کے مشہور فاضل وادیب اور محدّث تھے۔ ادب میں مقاماتِ حریری زبانی یاد کی تھی۔ بعد میں مشارق الانوار کو بھی زبانی یاد کر لیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات میں سب سے قدیم تذکرہ "سیر الاولیاء" ہے جو حضرت امیر خورد دہلویؒ کی تالیف ہے اور مؤلف صرف ایک دو واسطوں سے شیخ کے حالات بیان کرتا ہے اور ان کی بہت سی تحریری یادداشتیں ان کی نظر سے گذری ہیں۔ امیر خورد دہلویؒ نے اس اصل سند کی پوری عبارت سیر الاولیاء میں نقل کی ہے جو مولانا کمال الدین زاہدؒ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو لکھ کر دی تھی۔(۱۷)

اس سند (Certificate) سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ نے اپنے شیخ کمال الدین زاہدؒ سے بالالتزام حدیث میں استفادہ کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حدیث کی تعلیم پر اتنی توجہ نہیں دی بلکہ انہوں نے حدیث کا باقاعدہ مطالعہ اس وقت شروع کیا جب وہ ایک ممتاز ولی کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ لیکن اس کا سبب معلوم کرنا دشوار نہیں۔ اس زمانے میں قاضی کا منصب حاصل کرنے کے لیے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری تھا ان سے فراغت کے بعد شیخ نظام الدینؒ کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ علمِ حدیث کی تحصیل پر توجہ کر سکیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ قاضی مقرر کر دیے جاتے جیسا کہ وہ چاہتے تھے تو حدیث کا مطالعہ کرنے کی انہیں ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت عطا فرمائی اور وہ جیسے جیسے روحانیت کی منزلیں طے کرتے گئے ان کو حدیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ ایک عالم اور ولی کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہونے کے باوجود

Marfat.com

انہوں نے مولانا کمال الدین زاہدؒ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا اور ان سے مشارق الانوار کا درس لینے گئے۔ شیخ نظام الدینؒ نے اس کتاب کا بہت غائر اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ حدیث کے مطالعہ نے زندگی کے متعلق شیخ کا نکتۂ نظر اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ انہوں نے جامد تقلید پسندی ترک کردی۔ چنانچہ حلت سماع اور قرأۃ خلف الامام کے متعلق ان کی رائے سے اس تبدیلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظات فوائد الفواد کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پائے کے محدّث نہیں تھے اس لیے کہ اس کتاب میں منجملہ دوسری باتوں کے بہت سی موضوع احادیث بھی موجود ہیں، ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ "مشارق الانوار" کے علاوہ حدیث کی کسی اور مستند کتاب کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ مستحق ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کے لوگوں میں حدیث سے گہری دلچسپی پیدا کر دی جس کی بدولت ان کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء میں کافی تعداد ایسے علماء کی ہوگئی جنہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کر لی۔

شمس الدین محمد بن یحیٰی اودھیؒ (م ۷۴۷ھ)

آپ کا تعلق شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مکتب حدیث سے تھا۔ آپ اس دور کے دو مشہور علماء فرید الدین شافعیؒ اور ظہیر الدین بھکریؒ کے شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے "مشارق الانوار" کا درس بھی لیا تھا اور اس سے فراغت کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسہ میں مدرّس مقرر کیے گئے تھے۔

۷۲۴ھ میں شیخ نظام الدینؒ نے ان کو خلافت عطا کی۔ اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کی ذمہ داری ان کے حوالہ کی۔ لیکن ۷۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور کشمیر میں دعوت و تبلیغ کا کام آپ نہیں کر سکے۔ (۱۸)

شمس الدینؒ پہلے ہندی محدّث ہیں جنہوں نے "مشارق الانوار" کی شرح لکھی۔ لیکن یہ شرح اب نایاب ہے۔ شمس الدینؒ کے نامور اور ممتاز شاگرد نصیر الدین محمود چراغِ دہلیؒ نے ان کی مدح میں جو شعر کہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے۔ (۱۹)

مولانا فخر الدین زرّاد سمانوی دہلویؒ (م ۷۴۸ھ)

آپ شمس الدین اودھیؒ اور دہلی کے بعض دوسرے مشہور علماء کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ فخر الدینؒ فقیہ بھی تھے اور محدّث بھی۔ انہوں نے علمِ حدیث کا بہت وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ دہلی میں "الھدایۃ" کا درس دیتے ہوئے آپ صحیحین سے مماثل احادیث بطورِ تائید بیان کرتے جاتے تھے جس سے ہدایہ کی صحت زیادہ واضح ہو جاتی تھی۔ سماع کے بارے میں انہوں نے عربی میں دو رسالے "اصول السماع" اور "کشف الغناء عن وجود السماع" لکھے ہیں جن میں احادیث کے حوالے بکثرت دیے ہیں۔ بالخصوص مؤخر الذکر رسالہ کی آٹھویں فصل میں جس میں روایات سے استدلال کر کے سماع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے سماع کے بارے میں جو مشہور مناظرہ کیا تھا اس میں مولانا فخر الدینؒ نے بھی اپنے مرشد کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ محمد

Marfat.com

بن تغلق کی ایماء پر شیخ فخر الدینؒ دولت آباد چلے گئے تھے جہاں سے وہ مکہ معظمہ اور پھر بغداد گئے۔مکہ مکرمہ اور بغداد کے ممتاز محدثین کے حلقوں میں شرکت کی۔۷۴۸ھ میں وطن واپس آتے ہوئے دورانِ سفر جہاز ڈوب جانے کی وجہ سے انتقال فرمایا۔[۲۰]

ضیاء الدین بن معید الملک برنیؒ (م۷۵۸ھ)

"تاریخ فیروز شاہی" کے مشہور مولف ضیاء الدین برنی نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اس طرح ان کو اپنے مرشد سے بہت قریب ہونے کا موقع ملا۔ضیاء الدین برنیؒ ایک شائستہ انسان تھے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔علم حدیث پر انہیں کتنا عبور حاصل تھا اس کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے جن کے حوالے انہوں نے اپنی تاریخ میں دیے ہیں اور بالخصوص کتاب کے مقدمہ سے، جس میں انہوں نے حدیث اور تاریخ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔اس میں ضیاء الدین برنیؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن حکیم اور سنتِ رسول ﷺ کا مطالعہ کرنے سے انسان اعتدال پسند اور کریم النفس ہو جاتا ہے۔۷۵۷ھ میں "تاریخ فیروزشاہی" مکمل ہوئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے وفات پائی۔[۲۱]

محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانیؒ (م۷۱۹ھ)

محی الدینؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ان مریدوں میں سے تھے جو علمِ حدیث سے بہت گہرا شغف رکھتے تھے۔وہ خود شیخ نظام الدین کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے جس میں وہ مشکل احادیث کی تشریح کیا کرتے تھے۔خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہے کہ شیخ محی الدینؒ علم حدیث، تفسیر اور فقہ کے عالم تھے۔ان کا تعلق اودھ کے موروثی قاضیوں کے ایک خاندان سے تھا مگر انہوں نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی اور انتہائی افلاس سے دوچار رہے۔ان کے ایک دوست نے سلطان علاء الدین خلجی کو ان کی حالتِ زار سے آگاہ کیا تھا اور سلطان نے ان کو اودھ کا قاضی بنا دینے کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔۷۱۹ھ میں دہلی میں قیام کے دوران آپ کا انتقال ہوا۔[۲۲]

نظام الدین علامی الہاشمی ظفر آبادیؒ (م۷۳۵ھ)

نظام الدین علامیؒ بہت مشہور عالم تھے۔علمِ حدیث پر ان کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ انہیں زبدۃ المحدثین کہا جانے لگا۔شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت کر کے انہوں نے اپنی زندگی کے علمی دور کا آغاز کیا تھا اور غالباً ان کی وفات کے بعد جونپور کے قریب ظفر آباد کے محلہ سیدواڑہ میں مخدوم اسد الدین آفتابِ ہند کی رہبری میں تصوف کی تعلیم کے مدارج طے کیے۔مخدوم اسد الدین ایک مشہور ولی تھے اور انہوں نے نظام الدین علامیؒ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔نظام الدین علامیؒ نے تصوف پر دو رسالے قلم بند کئے ہیں۔ایک عربی میں ہے جس کا نام "زاد الصلحاء" ہے اور دوسرا فارسی میں ہے جس کا نام "زادِ سالکان" ہے۔نظام الدین نے ۷۳۵ھ میں ظفر آباد میں وفات پائی۔[۲۳]

Marfat.com

شیخ نصیر الدین محمود چراغِ دہلیؒ (م ۷۵۷ھ)

نصیر الدین محمود بن یحییٰ بن عبداللطیف الحسینی اودھیؒ "چراغِ دہلی" کے نام سے معروف ہیں۔ شیخ نصیر الدین غیاث پورؒ کی خانقاہ میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جانشین ہوئے تھے۔ انہوں نے محی الدین کاشانیؒ، شمس الدین محمد اودھیؒ اور دوسرے علماء کے ساتھ علوم اسلامیہ کا مطالعہ کیا تھا۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ان کے ملفوظات "خیر المجالس" سے ملتا ہے۔ ۱۸ ررمضان المبارک ۷۵۷ھ بروز جمعہ دہلی میں شیخ نصیر الدین محمودؒ کا انتقال ہوا۔ (۲۴)

شیخ نصیر الدینؒ سنت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ سماع کے قائل نہیں تھے۔ ایک دفعہ ان کے چند رفقاء سماع میں مصروف تھے۔ شیخ نصیر الدینؒ مجلس سے اٹھ گئے۔ لوگوں نے بیٹھنے پر اصرار کیا۔ فرمایا: یہ خلافِ سنت ہے۔ لوگوں نے کہا: اپنے مرشد کے مسلک سے تم ہٹ گئے۔ فرمایا: مرشد کا عمل حجت نہیں ہو سکتا۔ کتاب وسنت سے کوئی دلیل لاؤ۔ بعض اصحاب نے یہ فقرہ حضرت سلطان الاولیاءؒ تک پہنچایا۔ سلطان الاولیاء نے فرمایا: "راست ۔۔۔ می گوید" یعنی نصیر الدین کی بات ٹھیک ہے۔

سید محمد گیسو درازؒ (م ۸۲۵ھ)

ابو الفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینی دہلویؒ جو گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے ولی اور نامور عالم تھے۔ آپ شیخ نصیر الدین چراغِ دہلیؒ کے مرید تھے۔ اور خانقاہ غیاث پور میں ان کے خلیفہ ہوئے۔ سید محمدؒ ۴ ررجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ شرف الدین کیتھلیؒ، تاج الدین مقدمؒ اور قاضی عبدالمقتدرؒ (م ۷۹۱ھ) کے ساتھ تحصیلِ علم کیا۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے سید محمدؒ نے ۸۰۱ھ میں دہلی کو خیر باد کہا اور کچھ عرصہ گجرات اور دولت آباد میں مقیم رہنے کے بعد ۸۰۳ھ میں گلبرگ پہنچے جہاں سلطان فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ) نے بہت اعزاز واحترام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ شہزادہ احمد شاہ بہمنی ان کا مرید ہو گیا تھا اور اس نے ان کے لیے بہت عمدہ رہائش گاہ اور اس سے متصل خانقاہ تعمیر کی۔ سید محمدؒ نے ۱۶ رذی القعدۃ ۸۲۵ھ کو وفات پائی۔ (۲۵) سید محمد گیسو درازؒ نے مختلف اسلامی علوم کے بارے میں ایک سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں حدیث سے متعلق تصانیف درج ذیل ہیں:

- ترجمان مشارق الانوار: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔
- کتاب الاربعین: یہ چالیس منتخب احادیث کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے ہر حدیث کے ساتھ صحابہ، تابعین اور مشائخ کے ہم مفہوم اقوال بھی قلم بند کیے ہیں۔
- رسالۃ سیرت النبی ﷺ: یہ رسالہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

شیخ وجیہہ الدینؒ

شیخ وجیہہ الدینؒ، شیخ نصیر الدین چراغِ دہلیؒ کے ایک ممتاز مرید تھے۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ اپنی تصنیف مفتاح الجنان کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے جو فارسی میں لکھی گئی ہے اور اس میں اوراد وعباداتِ اور اخلاقیات سے متعلق

Marfat.com

ہدایات قلم بند کی گئی ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں موکف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قرآنی آیات اور حدیث کی صحیح روایات پر مشتمل ہے۔ اپنی کتاب میں موکف نے مشارق الانوار سے استفادہ کیا ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ (م۸۴۹ھ)

ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولیؒ غزنوی دولت آبادی نویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم تھے۔ دولت آباد، دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دہلی میں معین الدین عمرانیؒ (م۸۰۷ھ)، مولانا خواجگیؒ (م۸۱۹ھ) اور قاضی عبدالمقتدرؒ جیسے ممتاز علماء سے استفادہ کیا۔ قاضی عبد المقتدرؒ، شیخ نصیر الدین چراغؒ دلی کے مرید تھے اور یہی قاضی شہاب الدینؒ کے روحانی مرشد تھے۔ تیمور کے حملہ کی وجہ سے قاضی شہاب الدین مولانا خواجگیؒ کے ساتھ دہلی چھوڑ کر کالپی چلے گئے اور پھر وہاں سے جونپور جاکر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) نے قاضی شہاب الدینؒ کی بہت سرپرستی کی اور ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا۔ (۲۷)

۲۵رجب ۸۴۹ھ کو قاضی شہاب الدینؒ کا انتقال ہوا اور جونپور میں ابراہیم شرقیؒ کی مسجد کے قریب دفن کیے گئے۔ قاضی شہاب الدینؒ کی تصانیف میں ایک رسالہ سادات کی فضیلت کے بارے میں ہے جس کا نام مناقب السادات یا شرف السادات ہے۔ اس رسالہ میں مؤلف نے قرآنی آیات اور احادیث کے بکثرت حوالے دئے ہیں۔ یہ احادیث مشارق الانور، مصابیح السنۃ اور معانی الآثار سے لی گئی ہیں۔

شمس الدین خواجگی کڑاویؒ (م۸۷۸ھ)

شمس الدین خواجگی بن احمد بن شمس الدین ملتانیؒ، کڑاوی، اسماعیل بن جعفر صادقؒ (م۱۴۸ھ) کی اولاد میں ہیں۔ آپ ایک صوفی عالم تھے آپ نے مشارق الانوار میں سے احادیث منتخب کر کے ایک "اربعین" مرتب کیا تھا اور اسے حفظ بھی کر لیا تھا۔ مولانا شمس الدین خواجگیؒ نے اپنے وطن کڑا میں جو الہ آباد کے قریب ہے ۱۸ر محرم الحرام ۸۷۸ھ کو وفات پائی۔ (۲۸)

شرف الدین منیریؒ اور ان کا مکتب محدثین

مخدوم الملک شرف الدین منیری بہاریؒ (م۷۸۲ھ)

شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ شوال (۶۶۱ھ) میں بہار سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی "منیر" میں پیدا ہوئے اور سنار گاؤں میں اپنے استاد ابو توامہ حنبلیؒ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی۔ جن کی صاحبزادی سے شرف الدین کا رشتۂ زوجیت بھی استوار ہو گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شرف الدینؒ ۶۹۱ھ میں دہلی گئے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے ملاقات کی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے آپ کو استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق جب آپ دہلی پہنچے تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ انتقال فرما چکے تھے۔ دہلی سے شیخ شرف الدینؒ نے لاہور کا سفر کیا اور شیخ نجیب الدین فردوسیؒ (م۷۳۳ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد انہوں نے تیس سال خلوت کی زندگی گزاری اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے عبادت، ریاضت اور مراقبے کرتے رہے۔

Marfat.com

۷۲۰ھ کے بعد آپ نے خلوت کی زندگی ترک کر دی اور عوام کی اصلاح اور ارشاد کا کام شروع کیا۔ "منیر" میں آپ کی خانقاہ کی ابتدائی تعمیر آپ کے احباب اور مریدین نے کی تھی۔ جسے سلطان محمد تغلق نے وسعت دے کر دوبارہ تعمیر کیا اور اس کے اخراجات کے لیے راج گیر کا پرگنہ بھی وقف کر دیا۔ شرف الدین منیریؒ نے ۶/ شوال ۷۸۲ھ کو منیر میں وفات پائی۔ (۲۹)

شرف الدینؒ اور علم حدیث

شرف الدین منیریؒ علاقہ بہار کے ایک ممتاز محدّث تھے۔ آپ حدیث سے متعلق اکثر علوم مثلاً تاویل الحدیث، رجال الحدیث، اور مصطلحات الحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات اور تصوف سے متعلق کتابوں میں کثرت سے حدیث کی روایات نقل کی ہیں۔ اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بہت سے مواقع پر آپ نے علمِ حدیث کے مختلف پہلوؤں، مثلاً روایۃ بالمعنی شروط راوی وغیرہ پر اپنی تالیفات میں معقول بحثیں کی ہیں اور صحیحین، مسند ابو یعلیٰ موصلی، شرح المصابیح اور مشارق الانوار کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ امام نووی کی شرح صحیح مسلم کا ایک نسخہ آپ کے پاس موجود تھا اور آپ نے اس کا بھرپور مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہندوستان میں صحیحین کی تعلیم وتدریس شروع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کو احادیث نہ صرف زبانی یاد تھیں بلکہ آپ احادیث پر عمل بھی کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے خربوزہ محض اس وجہ سے کبھی نہیں کھایا کہ آپ کو اس کے کھانے کا مسنون طریقہ معلوم نہیں تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ شرف الدین منیری قرآن اور حدیث دونوں کی متصوفانہ تعلیمات پر بھی سند مانے جاتے تھے۔ (۳۰)

شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ شرف الدین منیریؒ دونوں کا تعلق تصوف سے تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے جس طرح دہلی میں ایک ممتاز روحانی مرشد کی حیثیت سے کام کیا اسی طرح شرف الدین منیری بھی بہار میں سرگرمِ عمل رہے۔ یہ دونوں بزرگ اسلامی علوم کے جید عالم تھے۔ علم حدیث کے مطالعہ میں شرف الدینؒ نے سبقت حاصل کر لی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ نظام الدینؒ نے حدیث کا مطالعہ بڑی عمر میں شروع کیا تھا اور اس موضوع پر صاغانی کی مشارق الانوار کے سوا کوئی مستند مجموعہ ان کے مطالعہ میں نہیں رہا۔ شرف الدین منیریؒ کی تعلیم ایک حنبلی عالم ابو توّامہ کی نگرانی میں ہوئی تھی اور انہوں نے قدرتی طور پر حدیث کی تعلیم کو بہت اہمیت دی۔ چنانچہ شرف الدینؒ نے علمِ حدیث پر زیادہ عبور حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ شیخ نظام الدینؒ کے برعکس شیخ شرف الدینؒ کو کافی تعداد میں علمِ حدیث کی مستند کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملا جو غالباً انہوں نے اپنے استاد اور احباب واصحاب سے حاصل کی تھیں اس قیاس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ شیخ زین الدینؒ ساکن دیوہ نے ان کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور ہدیہ دے دیا تھا۔ (۳۱)

شیخ مظفر بلخیؒ (م ۷۸۶ھ)

مظفر بن شمس الدین بلخیؒ، شیخ شرف الدین منیریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ شیخ مظفرؒ کی ولادت اور تعلیم دہلی میں ہوئی تھی اور سلطان فیروز تغلق (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) نے ان کو دہلی کے مدرسہ کوشک لال میں مدرّس مقرر کیا تھا۔ شیخ مظفر کے والد شیخ شمس الدینؒ بہار کے ایک ولی احمد چرم پوشؒ کے مرید تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ شیخ مظفرؒ بھی چرم پوشؒ کے مرید ہو جائیں۔ لیکن چرم پوش بالکل اَن پڑھ تھے اس لیے شیخ مظفر ان کی طرف مائل نہ ہوئے اور شیخ شرف الدینؒ سے بیعت کرنے کو ترجیح دی۔ لیکن دہلی میں سرکاری مصروفیات کی وجہ سے شیخ مظفرؒ مرید ہونے کے بعد پچیس برس تک شرف الدین منیریؒ کی خانقاہ میں شامل

Marfat.com

نہ ہو سکے اور مراسلت کر کے اپنے مرشد سے ہدایات حاصل کرتے رہے۔اس کے بعد وہ مع اہل وعیال کے دہلی سے "منیر" منتقل ہو گئے۔اسلامی علوم میں شیخ مظفر کو جو مہارت حاصل تھی اس کے اعتراف میں شیخ شرف الدینؒ نے ان کو امام کا لقب دیا تھا۔

شیخ مظفرؒ اور علم حدیث

شیخ مظفرؒ نے "مشارق الانور" کی ایک شرح لکھی تھی جو غالباً ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ضائع ہو گئی۔ان کو ایک محدّث کی حیثیت حاصل تھی جس کی شہادت اس سند سے ملتی ہے جو انہوں نے اپنے بھتیجے اور شاگرد حسین نوشائے توحیدؒ کو دی تھی۔سند کی عبارت یوں ہے:

" فرزند حسین سند حدیث برین فقیر کردہ صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ وآخرہ لفظا برین فقیر تحقیق کردہ۔"(۳۲)

اپنے محبوب مرشد شرف الدین منیریؒ کی وفات کے بعد شیخ مظفرؒ مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور جمادی الاول ۷۸۸ھ میں حجاز میں وفات پائی۔(۳۳)

حسین معز بہاریؒ (م ۸۴۴ھ)

حسین بہاری جو نوشائے توحیدؒ کے نام سے معروف ہیں۔شیخ مظفر بلخیؒ کے بھتیجے اور خلیفۂ مجاز تھے۔آپ سلسلۂ فردوسیہ سے تعلق رکھنے والے صوفی تھے اور محدّث بھی تھے۔ان کی پرورش مخدوم شرف الدینؒ نے کی تھی اور انہوں نے اپنے چچا مظفر بلخیؒ سے صحیحین کا درس لیا۔حسین بہاری کے والد شیخ الاسلام معز بہاریؒ بھی کافی معروف محدّث تھے اور علمِ حدیث سے حسین کی گہری دلچسپی کے پیشِ نظر انہوں نے حسین کو صحیح مسلم کا ایک نسخہ بطور تحفہ دیا جو ریشمی کپڑے پر عمدہ عربی خط میں لکھا گیا تھا۔حسین اپنے چچا مظفر بلخیؒ کے ساتھ حجاز گئے تھے اور عدن میں خطیب العدنی سے حدیث کا درس لیا تھا۔حسین نوشائے توحیدؒ نے منیر کی خانقاہ میں حدیث کی کئی کتابوں کا اضافہ کیا جو وہ حجاز سے لائے تھے۔انہوں نے تصوف پر کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں حضرات خمس اور فارسی میں ایک دیوان زیادہ مشہور ہوئے۔ان کے ایک رسالہ کا نام "اورادِ دہ فصل" ہے جس میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ سنن بیہقی اور مستدرک حاکم سے بھی کثیر تعداد میں احادیث نقل کی گئی ہیں۔حسین نوشائے توحیدؒ نے ذی الحجہ ۸۴۴ھ میں منیر میں وفات پائی۔(۳۴)

احمد لنگرِ دریا (م ۸۹۱ھ)

احمد لنگرِ دریا بن حسن مظفرؒ خانقاہ منیر میں اپنے والد کے جانشین ہوئے تھے۔اپنے دادا شیخ مظفر بلخیؒ کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے پوری مصابیح السنۃ حفظ کر لی تھی۔احمد لنگرِ دریاؒ نے اپنی تصنیف " مونس القلوب "میں، جو ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔صحیحین، مشارق الانوار اور حدیث کی دوسری کتابوں سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔آپ کا انتقال ۸۹۱ھ میں ہوا اور ان کے ساتھ خانوادۂ مظفر بلخی کے مشہور علماء کا سلسلہ ختم ہو گیا جو خانقاہ منیر میں شرف الدین منیریؒ کے جانشین ہوتے رہے۔(۳۵)

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) کشف الظنون۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج: ا۔ تذکرۃ الربیع بن صبیح

(۲) طبقات۔ ج: ا۔ تذکرۃ الربیع بن صبیح

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: رحمان علی۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۱۷۹

(۴) غلام سرور۔ خزینۃ الاصفیاء۔ ج: ۲۔ ص: ۲۳۰

(۵) تجلی نور۔ تذکرہ مشاہیر جونپور۔ ص: ۲۹

(۶) سمعانی۔ انساب الاشراف۔ معارف۔ ج: ۲۴، ص: ۲۴۸

(۷) سمعانی۔ انساب الاشراف۔ معارف۔ ج: ۲۴، ص: ۲۴۸

(۸) انساب الاشراف۔ ص: ۴۹۷

(۹) امیر حسن، فوائد الفواد (اردو ترجمہ)، ص: ۱۵۲

(۱۰) شیخ عبدالحق۔ اخبار الاخیار۔ ص: ۷۴

(۱۱) عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج: ا۔ تذکرہ برہان الدین محمود

(۱۲) غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ ج: اص: ۳۱۴

(۱۳) امیر حسن۔ فوائد الفواد (اردو ترجمہ)، ص: ۱۳۷

(۱۴) عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج: ۱ تذکرہ شرف الدین دہلوی

(۱۵) تاریخ فرشتہ، ج: ۲، ص: ۲۹۷

(۱۶) غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ ج: اص: ۲۹۹

(۱۷) امیر خورد، سیر الاولیاء، ص: ۱۰۵

(۱۸) شیخ عبدالحق۔ اخبار الاخیار۔ ص: ۹۱

(۱۹) سألت العلم من احياك حقاً، فقال العلم: شمس الدین یحییٰ

(۲۰) امیر خورد، سیر الاولیا۔ ص: ۲۷۳

(۲۱) رحمان علی۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص: ۹۷

(۲۲) سیر الاولیاء۔ ص: ۲۷۵

(۲۳) عبدالحی حسنی۔ نزہۃ الخواطر۔ ص: ۱۷۵

(۲۴) سیر الاولیاء۔ ص: ۲۳۶

(۲۵) اخبار الاخیار۔ ص: ۱۲۳

(۲۶) حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون۔ ج: ۲۔ ص: ۱۱

(۲۷) اخبار الاخیار۔ ص: ۱۶۹

(۲۸) نزہۃ الخواطر۔ ج: ۳، تذکرہ شمس الدین خواجگی

(۲۹) اخبار الاخیار۔ ص: ۱۰۹

(۳۰) نزہۃ الخواطر۔ ج: ۳، تذکرہ شرف الدین منیری

(۳۱) شاہ نجم الدین۔ معارف، ج: ۲۳۔ ش: ۴۔ ص: ۲۹۵ مضمون: شرف الدین بہاری اور علم حدیث

(۳۲) شاہ نجم الدین۔ معارف، ج: ۲۳۔ ش: ۴۔ ص: ۲۹۵ مضمون: شرف الدین بہاری اور علم حدیث

(۳۳) محمد سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ ص: ۲۹۹

(۳۴) اخبار الاخیار۔ ص: ۱۱۴

(۳۵) معارف۔ ج: ۲۳۔ ش: ۴۔ ص: ۲۹۹

Marfat.com

گیارہواں باب

برِصغیر میں علم حدیث (۲)

شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ شرف الدین منیریؒ کی طرح اس دور میں سید علی ہمدانیؒ نے بھی علم حدیث کی ترویج واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

امیر کبیر سیّد علی بن شہاب ہمدانیؒ (۷۱۴ھ تا ۷۸۶ھ)

کشمیر میں علم حدیث کا آغاز خراسان کے ایک درویش صفت عالم اور مشہور صوفی امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے کیا تھا۔ آپ ۷۷۳ھ میں اپنے سات سو مریدین کے ساتھ کشمیر آئے تھے اور انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سید علی ہمدانیؒ اور ان کے مریدوں کے سر ہے۔ اس علاقہ میں سید علی ہمدانیؒ کا اثر ورسوخ اس قدر زیادہ تھا کہ سلطان قطب الدین فرمانروائے کشمیر (۷۷۰ھ تا ۷۹۵ھ) سید علی ہمدانی کے مرید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ سید علی ہمدانی نے اپنی عمر کے آخری سال کشمیر میں گزارے۔ ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو ایران جاتے ہوئے راستہ میں وفات پائی اور ترکستان میں بمقام ختلان مدفون ہوئے۔[1] سید علی ہمدانیؒ نے حدیث کے حوالہ سے مندرجہ ذیل رسائل تالیف کیے۔

۱) السبعین فی فضائل امیر المؤمنین: یہ ستّر روایات کا مجموعہ ہے جن کا تعلق فضائل اہل بیت سے ہے۔ بیشتر روایات مسند فردوس الدیلمی سے ماخوذ ہیں۔ مسند فردوس میں چونکہ ہر قسم کی روایات آئی ہیں اس لیے اس رسالہ میں بھی جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری مستند اور صحیح نہیں ہیں۔

۲) اربعین امیریہ: یہ چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو انس بن مالکؓ سے مروی ہیں اور سید علی ہمدانیؒ نے شیخ نجم الدین الاذکانیؒ (م۷۷۸ھ) سے روایت کی ہیں۔

ان رسائل کے علاوہ سید علی ہمدانیؒ نے اپنے ایک اور رسالہ "ذخیرة الملوك" میں بکثرت روایات نقل کی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید ہمدانی کو علم حدیث سے تعلق تھا۔ ذخیرۃ الملوک کا موضوع سیاست ہے۔ مولانا صدر الدین الرفاعی مرحوم نے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اسے شائع کیا ہے۔

سید جمال الدینؒ

سید علی ہمدانیؒ کے ایک مرید سید جمال الدینؒ تھے۔ آپ اپنے دور کے محدّث تھے۔ سلطان قطب الدینؒ نے ان کو کشمیر میں بطور مدرس مقرر کیا تھا۔[2]

Marfat.com

قاضی حسین شیرازیؒ

قاضی حسین شیرازؒ کے رہنے والے تھے اور اپنے مرشد میر محمد ہمدانیؒ کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ میر محمد سید علی ہمدانیؒ کے صاحب زادے تھے۔ سلطان سکندر نے جو سلطان قطب الدین کا جانشین ہوا تھا حسین شیرازی کو قاضی مقرر کیا تھا۔ قاضی حسین شیرازیؒ نے وہ روایات جمع کیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک وضاع بابا رتن الہندیؒ نے وضع کی تھیں۔ یہ احادیث رتنیہ کہلاتی تھیں۔ (۳)

خانقاہ ہمدانی اور علم حدیث

یہ خانقاہ سید علی ہمدانیؒ کے فرزند میر محمد ہمدانیؒ (م ۸۰۹ھ) کے لیے سلطان قطب الدین کے جانشین سلطان سکندر نے ۷۹۹ھ میں تعمیر کروائی تھی۔ میر محمد ہمدانیؒ اپنے والد کی وفات کے بعد تین سو مریدوں کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ یہ خانقاہ ایک درسگاہ تھی۔ دسویں صدی ہجری کے محدّث حاجی کشمیریؒ نے اس کو بہت ترقی دی اور یہ اشاعتِ حدیث کا مرکز بن گئی۔

شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور ان کا مکتبِ محدثین

ملتان کے مشہور ولی شیخ بہاء الدین زکریاؒ (م ۶۶۶ھ) نے ملتان میں علم حدیث کی اشاعت کا مرکز قائم کیا اور ان کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے یہ کام جاری رکھا۔ جمال الدین محدّث اُچھیؒ اور مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ علمِ حدیث کے اسی مرکز کی پیداوار تھے۔

جمال الدین محدّثؒ

جمال الدینؒ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے فرزند اور جانشین شیخ صدر الدینؒ کے مرید تھے۔ کئی سال تک وہ اپنے وطن اُچھ میں مدرس رہے۔ آپ "مشارق الانوار" اور "مصابیح السنة" کا درس دیا کرتے تھے۔ سنتِ رسول ﷺ سے انہیں اتنی محبت تھی کہ ہمیشہ موٹا اور کھردرا لباس پہنا کرتے تھے۔ جمال الدینؒ آٹھویں صدی ہجری کے اول نصف میں بقید حیات رہے۔ (۴)

مخدوم جہانیاںؒ (۷۰۷ھ تا ۷۸۵ھ)

جلال الدین الحسین بن احمد الحسینی البخاریؒ ۷۰۷ھ میں اُچھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُچھ میں قاضی بہاء الدین اُچھیؒ اور جمال الدین محدّثؒ سے تعلیم حاصل کرنے گئے۔ اس وقت یہ درسگاہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پوتے شیخ ابو الفتح رکن الدین بن صدر الدینؒ (م ۷۳۵ھ) تعمیر کرا رہے تھے۔ یہاں جلال الدین بخاریؒ نے "مشارق الانوار" اور "مصابیح السنة" پر مشتمل ایک سال کے نصاب کی تکمیل کی اور پھر شیخ رکن الدینؒ کے مرید ہو گئے۔ بعد ازاں جلال الدینؒ نے تصوف کی تعلیم وتربیت دہلی میں شمس الدین اودھیؒ اور نصیر الدین چراغ دہلی سے لی اور مدینہ منورہ میں عفیف الدین عبداللہ المطریؒ سے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں عراق اور مصر کے بعض دوسرے مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔ سلطان محمد بن تغلق نے ان کو سندھ کا شیخ الاسلام مقرر کیا۔ اور اس کے جانشین فیروز تغلق نے ان کی مریدی اختیار کی۔ مشہور ومعروف عالم اور ولی ہونے کے علاوہ جلال الدین بخاریؒ اعلیٰ پایہ

Marfat.com

کے محدّث تھے۔احادیث پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی طرح انہوں نے بھی قرآت خلف الامام اور صلاۃ الجنازۃ علی الغائب پر عمل کیا۔ جلال الدین بخاریؒ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔چنانچہ ۷۵۷ھ میں جب آپ نے دہلی میں مختصر قیام کیا تو وہاں بھی مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ کا درس دیا۔ جلال الدین بخاری نے ۷۸۵ھ اُچھ میں وفات پائی۔(۵)

آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں دکن میں بہمنی سلطنت اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں گجرات میں مظفر شاہی سلطنت کے قیام سے ان علاقوں میں علم حدیث کی ترویج اور ترقی کے لیے نئے دور کا آغاز ہوا۔اور یہاں سے علم حدیث ترقی کر کے شمالی ہند میں بھی پھیلنے لگا۔ان قریبی اور ہمسایہ مسلم سلطنتوں کے اقتدار کے ۱۸۰ سال درحقیقت علمی اور ثقافتی ترقی کا شاندار دور ثابت ہوئے۔ان دونوں سلطنتوں کے روشن خیال اور علم دوست فرماں رواؤں نے اپنے ملک میں علوم وفنون کو فروغ دینے کے لیے حیرت انگیز توجہ اور انہماک کا مظاہرہ کیا۔اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انہوں نے دور ونزدیک تمام اطراف کے علماء کو اپنے دارالخلافہ آنے کی دعوت دی اور نہایت فیاضی سے ان کی سرپرستی کی۔ہندوستان میں مسلمانوں کے جو خاندان حکمران ہوئے ان میں فیروزشاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۳ھ) اور مظفر شاہ ثانی فرمانروائے گجرات (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) جیسی اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے حکمران چند ہی ہوئے ہیں۔فیروز شاہ بہمنی کئی زبانوں کا ماہر تھا۔اور وہ ہر سال مختلف ممالک میں بحری جہاز محض اس مقصد کے لیے بھیجتا تھا تاکہ وہاں سے ممتاز علماء اور دانشور لائے جائیں۔مظفر شاہ ثانیؒ نے علمی ترقی کے لیے بڑے جوش اور التفات کا ثبوت دیا۔اور ایران، عرب اور ترکی سے بہت سارے علماء، فضلاء اور ادباء اس حکمران کے عہد میں گجرات آئے۔اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔اس دور میں نہ صرف سلاطین بلکہ متعدد وزیر بھی تعلیم کے ماہر اور علوم کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔ان میں دکن کے محمود گاوانؒ اور گجرات کے آصف خانؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔یہ دونوں حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور اپنی بھاری بھرکم منصبی ذمہ داریوں کے باوجود انہوں نے علمی کاموں میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں غریب اور مستحق اہلِ علم کی پرورش پر صرف کر دیا۔حقیقت یہ ہے کہ بہمنیوں کے عہد میں دکن اور مظفر شاہیوں کے دور میں گجرات علماء، ادباء، شعراء اور اہلِ دانش کا مرکز بن گئے تھے۔

حجاز اور مصر کے محدثین ان دونوں سلطنتوں میں جمع ہونے لگے۔محدثین کی آمد کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان حکمرانوں نے حدیث اور سنتِ رسول ﷺ سے گہری محبت اور عقیدت کا اظہار کیا۔اور دوسرا یہ کہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے اب تک جس طویل اور خطرناک بری راستے سے سفر کیا جاتا تھا اس کے بجائے حاجیوں کے لیے بحیرۂ عرب میں سفر کرنے کا ایک آسان راستہ کھول دیا گیا تھا۔چنانچہ سلطان کے حکم سے حج کے موسم میں جنوبی ہند اور خاص کر گجرات کی بندرگاہوں سے جنہیں "بابِ مکہ" کہا جانے لگا تھا باقاعدہ طور پر جہاز چلانے کا انتظام کیا گیا تھا۔جنوبی ہند کی بندرگاہوں سے عربوں کی تجارت طویل مدت سے جاری تھی اب اس میں مزید اضافہ ہو گیا اور بحری جہاز باقاعدہ طور پر زیادہ تعداد میں چلائے جانے لگے۔اس طرح ہندوستان اور حجاز کے درمیان جو قریبی روابط قائم ہوئے اور بہمنی ومظفر شاہی خاندانوں کے سلاطین نے علمائے حدیث کی جو فیاضانہ سرپرستی کی اس سے برصغیر میں علمِ حدیث کی اشاعت میں بہت مدد ملی۔

جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز کب ہوا؟...... اور اس کی اشاعت کیسے ہوئی؟...... اس ضمن میں وضاحت کے

Marfat.com

ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔تاہم تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحلی علاقوں میں مساجد کی تعمیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں تبلیغِ دین کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت کا انتظام بھی ضرور کیا گیا ہو گا۔کیونکہ نو مسلموں کو بہرحال اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول وعبادات سے واقف کرانا ضروری تھا۔حقیقت یہ ہے کہ عرب، نو مسلموں کو اچھا مسلمان بنانے کے بھی ایسے ہی آرزو مند تھے جیسے کہ غیر مسلموں کو مسلمان کرنے کے۔اور اپنے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عربوں نے نو مسلموں کی بستیوں میں مسجدیں تعمیر کی تھیں۔مسجد سے عموماً دو مقاصد پورے ہوتے تھے۔اولاً تو یہ کہ یہاں نماز ادا کی جاتی تھی اور اس مقصد کے لیے مسلمان جمع ہوتے تھے اور دوسرے یہ کہ مسجد میں دینی تعلیم بھی دی جاتی تھی چنانچہ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی اشاعت بھی ہوتی رہتی تھی اور اس زمانہ میں مسجد تعمیر کرنے کا لازمی نتیجہ ایک دینی ادارہ کے قیام کی شکل میں نکلتا تھا۔اس لیے یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں مالابار کے ساحل میں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔بعد میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کی نوآبادیاں قائم ہو جانے کے باعث جب اس علاقہ میں عالیشان مسجدیں تعمیر کی گئیں تو انہوں نے اسلامی تعلیم کے مراکز کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ابن بطوطہ کے مطابق جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی نو آبادیوں میں اسلامی علوم کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا اور اس کے بعد یہ برابر ترقی کرتے گئے۔ابن بطوطہ کے عہد یعنی آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں اسلامی علوم کو اس قدر فروغ ہوگیا تھا اور طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں کی ایک نو آبادی ہنور (بمبئی) میں لڑکیوں کے لیے تیرہ اور لڑکوں کے لیے تینتیس مدرسے قائم کرنے پڑے تھے۔اس نو آبادی کی خواتین عام طور پر قرآن کی حافظ تھیں۔اور دینی علوم کی مقبولیت کا یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس کی مثال اس زمانہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

منگلور میں ابن بطوطہ کی ملاقات ایک شافعی قاضی بدر الدین معبریؒ سے ہوئی تھی جو اپنے منصبی فرائض انجام دینے کے علاوہ شہر کے مدرسہ میں درس بھی دیا کرتے تھے۔جامع ہیلی میں ایسے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے تھے جن کے لیے قیام وطعام کا انتظام مفت تھا۔ابن بطوطہ نے کلی کٹ میں ایسی مسجدیں بھی دیکھیں جہاں دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے برعکس جو فقہ حنفی کے پیروکار تھے جنوبی ہندوستان کے مسلمان شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔اول الذکر وسطی ایشیاء کے اسلامی علوم یعنی فقہ واصول فقہ کی تعلیم پر زور دیتے تھے اور مؤخر الذکر حجاز کے اسلامی علوم یعنی حدیث وعلوم الحدیث کی تعلیم پر توجہ دیتے تھے۔شمالی اور جنوبی ہندوستان میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے رواج کی وجہ سے برصغیر میں بیک وقت دونوں علوم کی اشاعت ہوئی۔

نویں صدی ہجری کے اوائل میں جب کہ ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کا آغاز ہو رہا تھا۔عالم اسلام کے ایک عظیم محدّث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) کی قیادت میں علم حدیث کا ایک مرکز مصر میں قائم ہو گیا تھا اس مرکز نے دیگر محدثین کے علاوہ اپنے دور کے دو نہایت ممتاز محدّث حافظ عبدالرحمن سخاویؒ (م۹۰۲ھ) اور زین الدین زکریا الانصاریؒ (م۹۲۵ھ) پیدا کئے۔ان میں سے امام سخاویؒ نے حرمین کو اور شیخ انصاریؒ نے قاہرہ کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔شیخ انصاریؒ کے شاگردِ رشید حافظ ابن حجر ہیثمی مکیؒ (م۹۷۴ھ) نے علمِ حدیث کے ایک مرکز کی حیثیت سے مکہ معظمہ کی شہرت میں بہت اضافہ کیا۔اس

Marfat.com

طرح نویں صدی ہجری کے اول ربع سے لے کر دسویں صدی ہجری کے تیسرے ربع تک مصر اور حرمین میں محدثین کے چار مراکز یکے بعد دیگرے برسرِ عمل رہے اور برصغیر میں علمِ حدیث کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنے۔

ان مراکز حدیث کے بانی علماء کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں مصر علمِ حدیث کا مرکز اور ممتاز محدثین کا گہوارہ تھا۔ شیخ زکریا الانصاریؒ اور حافظ ابن حجر مکیؒ کے علاوہ امام جلال الدین سیوطیؒ (م۹۱۱ھ) اور حافظ قسطلانیؒ (م۹۲۳ھ) کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ برصغیر میں جن محدثین نے علم حدیث کی اشاعت کی ان میں سے اکثر یا تو مصری تھے۔ یا مصر سے تعلق رکھنے والے محدثین کے شاگرد تھے۔ تاہم عرب علم حدیث کا ترسیلی مرکز بنا رہا۔ جہاں سے برصغیر میں اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حجاز اور ہند کئی حوالوں سے باہم مربوط تھے اور حجاز کے محدثین برصغیر کے محدثین سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چنانچہ ابن حجر العسقلانیؒ اور شیخ الانصاریؒ کے مصری مراکز حدیث برصغیر میں وہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے جو حافظ سخاویؒ اور حافظ ابن حجر مکیؒ کے حجازی مراکز حدیث کو حاصل ہوئی۔ برصغیر میں علمِ حدیث کی اشاعت میں حجاز کا جو حصہ ہے اس کی اپنی جگہ اہمیت ہے لیکن برصغیر میں علم حدیث کو جو فروغ ہوا اس میں مصر سے تعلق رکھنے والے محدثین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

برصغیر میں جن محدثین نے اپنی آمد کے بعد یہاں باقاعدہ قیام فرمایا ان میں سے دو حضرات ایسے ہیں جن کا تذکرہ کرنا یہاں بہت ضروری ہے۔

بدرالدین الدمامینیؒ

(۷۶۳ھ تا ۸۲۷ھ)

بدر الدین محمد بن ابوبکر المخزومی الاسکندری المالکی الدمامینیؒ ماہ شعبان ۸۲۰ھ میں سلطان احمد بن مظفر شاہ (۸۱۴ھ تا ۸۴۳ھ) کے عہدِ حکومت میں گجرات آئے تھے۔ گجرات آنے سے پہلے شیخ دمامینیؒ یمن کی جامع زبید میں استاد تھے۔ یہاں انہوں نے "مصابیح الجامع" کے نام سے صحیح البخاری کی ایک شرح لکھی تھی۔ زبید میں سکونت ترک کرنے سے پہلے ہی انہوں نے یہ کتاب احمد شاہؒ کے نام منسوب کی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ دمامینیؒ سلطان احمد شاہ کی علم دوستی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ گجرات میں رہتے ہوئے آپ نے "تعلیق الفرائض"، "تحفۃ الغریب شرح المغنی اللبیب" اور "عین الحیاۃ فی خلاصۃ حیاۃ الحیوان از دمیری" مرتب کیں۔ اور ان سب کتابوں کا انتخاب سلطان احمد شاہؒ کے نام کیا۔ اس دور میں دکن میں فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ) اور اس کا جانشین احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) علم کے دو نامور سرپرست حکمران ہوتے تھے۔ احمد شاہ بہمنی علم وتقویٰ کا بڑا قدر دان تھا اور اسی وجہ سے شیخ دمامینی نے بہمنیوں کے دارالسلطنت گلبرگہ کا رخ کیا اور زندگی کے آخری ایام وہیں بسر کئے۔ شعبان ۸۲۸ھ میں شیخ دمامینیؒ نے وفات پائی۔ (۶)

Marfat.com

شیخ دمامینیؒ ۷۶۳ھ میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے دادا شیخ بہاء الدین الدمامینیؒ، ابن خلدونؒ، قاہرہ، اور مکہ مکرمہ کے چند اور اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ جامع الازہر میں کئی سال تک مدرّس رہے۔ آپ عربی ادب اور صرف ونحو پر سند مانے جاتے تھے۔ حدیث میں مصابیح الجامع کے علاوہ آپ نے دو کتابیں اور بھی تالیف کیں۔ ایک "الفتح الربانی" کے نام سے اور دوسری "تعلیق المصابیح" کے نام سے۔

ابوالفتوح نورالدین احمد بن عبداللہ شیرازی طاوَسیؒ

ابوالفتوح نور الدین فارس میں بمقام "ابرقوہ" پیدا ہوئے تھے۔ اور وہاں کی درگاہ طاوٗس الحرمین سے نسبت کی بنا پر طاوٗسی کہلاتے تھے۔ آپ سلطان احمد شاہ کے عہد حکومت میں گجرات آئے۔ نور الدین، مجد الدین فیروز آبادی (م۸۱۷ھ) شمس الدین الجزریؒ (م۸۲۲ھ) اور بابا یوسف الہرویؒ کے شاگرد تھے۔ شیخ یوسف الہرویؒ سے آپ نے صحیح البخاری بالالتزام پڑھی تھی اور ان سے سند عالی حاصل کی تھی۔ اسے سند عالی اس لیے کہا جاتا تھا کہ: شیخ ہرویؒ اور امام بخاریؒ کے درمیان راویوں کی تعداد شیخ ہرویؒ کے کسی اور ہم عصر اور امام بخاری کے درمیان راویوں کی تعداد سے کم تھی۔ ابوالفتوح نور الدین نے مشکوٰۃ المصابیح کا درس شرف الدین عبدالرحیمؒ سے اور انہوں نے امام الدینؒ سے لیا تھا جو خطیب تبریزیؒ (م۷۴۳ھ) کے شاگرد تھے۔(۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد برِصغیر میں

حافظ ابن حجرؒ کے مرکزِ حدیث سے سینکڑوں کی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے۔ یہاں ان میں سے ان دو حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت کو نئی جہت ملی۔

یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابوالخیر الشافعیؒ (۷۸۹ھ تا ۸۴۳ھ)

شیخ یحییٰؒ کا تعلق مکہ مکرمہ کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ اپنے قبیلہ کی نسبت سے ابن فہد کہلاتے تھے۔ یحییٰ بن عبدالرحمنؒ ۸۳۰ھ میں کھمبایت آئے تھے اور وہاں قیام کرنے کے بعد گلبرگہ چلے گئے تاکہ سلطان احمد شاہؒ بہمنی کی سرپرستی سے فیضیاب ہوں۔

ابن فہدؒ نے علم حدیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور مصر، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دوسرے شیوخ سے حاصل کیا۔ شیخ زین الدین العراقیؒ (م۸۰۶ھ) اور حافظ نور الدین الہیثمیؒ (م۸۰۷ھ) سے بھی آپ نے استفادہ کیا اور اجازت لی۔ آپ نے ۸۴۳ھ میں جنوبی برار کے مقام مہر میں وفات پائی۔

محمود گاوانؒ (م۸۸۶ھ)

خواجہ عماد الدین محمود بن احمد الکیلانی جو تاریخ ہند میں محمود گاوان کے نام سے مشہور ہیں بہمنی سلاطین کے وزیر تھے۔ آپ علاء الدین شاہ بہمنی (۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ) کے عہد میں دکن آئے تھے۔ محمود گاوانؒ ۸۱۳ھ میں بحیرہ خضر کے ساحلی علاقہ

Marfat.com

کیلان کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بھائی احمد بن محمد کیلانیؒ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد تھے۔ علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے محمود گاوانؒ ۸۴۳ھ میں قاہرہ گئے اور حافظ ابن حجرؒ سے صحیح بخاری اور حافظ زین الدین زرکشیؒ (م ۸۴۵ھ) سے صحیح مسلم کا درس لیا۔ محمود گاوانؒ نے شام کے کئی ائمہ حدیث سے بھی استفادہ کیا۔ محمود گاوانؒ نے علمِ حدیث پر عبور حاصل کر لیا تھا اور اس کا ثبوت اس مجموعہ سے ملتا ہے جس کو روایت کرنے کی اجازت حافظ ابن حجرؒ نے آپ کو عطا کی تھی۔(۸)

محمود گاوانؒ نے غیر معمولی قابلیت سے پینتیس برس تک بہمنی سلطنت کی خدمات انجام دیں۔ وہ اپنی انتظامی اصلاحات کی وجہ سے جتنے مشہور تھے اتنے ہی علم کی وسیع سرپرستی اور قدردانی کی وجہ سے بھی مشہور ہوئے۔ وہ انسانیت کے محسن اور ذاتی جوہر اور فضیلت رکھنے والے غریب اہلِ علم کے سرپرست اور پشت پناہ تھے۔ چنانچہ شاہ بہمنی ثانی (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) نے ۵ رصفر ۸۸۶ھ کو جب بلاجواز ان کو قتل کروا دیا تو مکہ معظمہ کے علماء کو یہ خبر سن کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ محمود گاوانؒ نے اپنی وفات سے دو سال پہلے بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا جس کے لیے اپنے ذاتی کتب خانہ کی پینتیس ہزار (۳۵،۰۰۰) کتابیں بھی مہیا کی تھیں۔ محمود گاوانؒ کا تعلق شافعی مسلک سے تھا اس لیے ان کے پاس علمِ حدیث سے متعلق کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔(۹)

حافظ سخاویؒ کے مرکزِ حدیث کے اثرات

برصغیر میں علمِ حدیث کی اشاعت اور ترویج کے ضمن میں جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگردوں نے حصہ لیا اسی طرح حافظ سخاوی کے مرکزِ حدیث سے مستفید ہونے والے محدثین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ یہاں ان میں سے چند اہم اور مشہور محدثین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ابوالفتح بن رضی مکیؒ (م۔ ۸۸۶ھ)

ابوالفتح رضیؒ ۸۵۴ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۸۷۰ھ میں حجاز میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں وہ حافظ عبدالرحمن السخاویؒ (م ۹۰۲ھ) سے ملے۔ اور ان سے علمِ حدیث مین استفادہ کیا۔ اس کے بعد سلطنت مالوہ کے دارالحکومت مانڈو کے لیے روانہ ہو گئے اور یہاں تیرہ سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں آپ نے درسِ حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام مکہ مکرمہ میں گزرے۔ ۸۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۰)

شیخ احمد بن صالحؒ

حافظ سخاویؒ کے ایک اور شاگرد جنہوں نے مانڈو میں سکونت اختیار کی تھی احمد بن صالحؒ کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے اور ترکِ وطن کر کے ہندوستان آ گئے تھے۔ شیخ احمدؒ یہیں پیدا ہوئے تھے لیکن تعلیم و تربیت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور شیخ سخاویؒ سے علمِ حدیث میں بھرپور استفادہ کیا۔ مکہ مکرمہ میں حافظ سخاویؒ کے مرکزِ

Marfat.com

حدیث سے استفادہ کرنے کے بعد آپ سلطان غیاث الدین فرمانروائے مالوہ (۸۷۴ھ تا ۹۰۶ھ) کے عہد میں مانڈو آئے۔ اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ مانڈو میں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاریخ وفات کا علم نہیں۔ (۱۱)

عمر بن محمد دمشقیؒ (۸۲۹ھ تا ۹۰۰ھ)

عمر بن محمدؒ دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ حافظ سخاوی کے ہم مکتب بھی تھے اور شاگرد بھی۔ ۸۵۳ھ میں آپ نے مصر کی مشہور محدثہ سارہ بنت جماعہؒ (م ۸۵۵ھ) سے امام طبرانیؒ کی معجم الکبیر کا سماع کیا۔ ۸۵۷ھ میں تاجر کی حیثیت سے کھمبایت آئے اور کچھ عرصہ بعد وہاں کی حکومت نے ان کو شوافع کا قاضی مقرر کیا۔ صوبہ کھمبائیت کے گورنر کے نمائندہ کی حیثیت سے قاہرہ جاتے ہوئے آپ نے ۸۸۶ھ کے موسم سرما میں اپنا سفر روک دیا اور مکہ معظمہ میں قیام کر کے ایک سال تک حافظ سخاویؒ سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد قاہرہ گئے اور سفارتی فرائض انجام دیئے۔ ہندوستان واپس جانے سے قبل آپ نے دوبارہ حافظ سخاویؒ کی خدمت میں رہ کر مزید استفادہ کیا اور ان سے باقاعدہ سند حاصل کی۔ عمر بن محمدؒ نے کھمبائیت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی وجہ سے نزیل کنبایت کہے جانے لگے۔ عمر بن محمد دمشقیؒ نے کھمبائیت میں رہ کر حدیث کی اشاعت کے لیے کام کیا۔ (۱۲)

عبدالعزیز بن محمود طوسیؒ (۸۳۶ھ تا ۹۱۰ھ)

شیخ عبدالعزیز طوسیؒ خراسان کے شہر طوس میں ۸۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے محمد بن عبدالعزیز ابہریؒ سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ ۸۷۰ھ میں آپ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور وہاں حافظ سخاویؒ کے مرکزِ حدیث سے وابستہ ہوگئے۔ حافظ سخاویؒ سے آپ نے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا سماع کیا۔ لیکن مکہ مکرمہ میں آپ زیادہ عرصہ تک قیام نہیں کر سکے۔ محمود گاوانؒ کے آخری دور میں آپ دکن آئے۔ محمود گاوانؒ نے آپ کی سرپرستی کی اور اپنے داماد کا اتالیق مقرر کیا۔ (۱۳)

وجیہہ الدین محمد المالکیؒ (۸۵۶ھ تا ۹۱۹ھ)

وجیہہ الدینؒ کا تعلق مصر کے مالکی فقہاء کے ایک خاندان سے تھا۔ آپ ۸۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد سے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ ۸۵۶ھ میں آپ حافظ سخاویؒ کے مرکزِ حدیث کے ساتھ منسلک ہو گئے اور طویل عرصہ تک استفادہ کرنے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپ نے یمن کا سفر کیا اور وہاں جامع زبلع میں حدیث کا درس دینے لگے۔ اس کے بعد یمن سے احمد آباد جانے کے لیے کھمبائیت کا سفر کیا۔ گجرات سے انہوں نے اپنے ان احباب کے نام جو مکہ مکرمہ میں تھے، جو خطوط لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۸۹۸ھ سے پہلے گجرات پہنچ گئے تھے۔

کھمبائیت کے گورنر کے مشورہ سے شیخ وجیہہ الدینؒ نے حدیث کا حلقہ قائم کیا۔ آپ مصادرِ حدیث کے ساتھ ساتھ قاضی عیاضؒ کی الشفاء بھی پڑھاتے تھے۔ بہت جلد آپ کا حلقہ مشہور ہو گیا اور لوگ دور دور سے آکر آپ سے استفادہ کرنے لگے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان محمود (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) نے آپ کو ملک المحدثین کا خطاب عطا کیا۔ اس کے علاوہ سلطان نے آپ کو محاصل سلطنت کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا اور بڑی فیاضی سے آپ پر انعام واکرام کرتے رہے۔

Marfat.com

اپنے منصبی فرائض میں مصروف رہنے کے باوجود شیخ وجیہہ الدینؒ علم حدیث کی تعلیم دینے کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ حدیث پر کتابیں مرتب کرنے کے لیے آپ نے معقول معاوضہ دے کر ماہرین کا تقرر کیا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے ایک محدّث شیخ جار اللہ بن فہدؒ نے وجیہہ الدینؒ کے لیے فتح المبین کے نام سے ایک اربعین مرتب کی تھی۔ آپ کو علم حدیث سے اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ ہمیشہ اس موضوع پر نئی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری جیسے ہی منظر عام پر آئی شیخ وجیہہ الدینؒ نے اس کا ایک نسخہ اپنے لیے حاصل کر لیا اور پھر اسے اپنے ایک دوست مخاطب علی خان امیر گجرات کو بطور تحفہ پیش کر دیا۔ مخاطب علی خان نے یہ نسخہ سلطان مظفر شاہ (۹۱۷ھ تا ۹۳۲ھ) کے کتب خانہ کے لیے بھیج دیا۔ اس تحفہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے مخاطب علی کو بروچ بطور جاگیر عطا کر دیا۔ شیخ وجیہہ الدینؒ نے ۹۱۰ھ کو احمد آباد میں وفات پائی۔(۱۴)

حسین بن عبد اللہ بن اولیاء کرمانیؒ (م ۹۲۲ھ)

شیخ حسین کا نام اصیل الدینؒ تھا۔ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ حافظ سخاویؒ سے صحیح بخاری، مسند شافعی اور مشارق الانوار کا سماع کیا۔ آپ کو علم حدیث کے ساتھ حد درجہ شغف تھا۔ حافظ سخاویؒ سے آپ نے مصادرِ حدیث درساً درساً حاصل کیں۔ اور باقاعدہ سند حاصل کرنے کے بعد ۸۹۶ھ میں آپ بیجاپور آئے۔ بیجاپور میں آپ نے چار سال قیام کیا۔ اپنے قیام کے دوران میں شیخ حسینؒ نے حدیث کا حلقہ قائم کیا اور اس علاقہ میں حدیث کی اشاعت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ ۹۰۱ھ میں آپ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے۔(۱۵)

جمال الدین محمد بن عمر شافعیؒ (۸۶۹ھ تا ۹۳۰ھ)

جمال الدین محمد بن عمرؒ ۸۶۹ھ میں حضرموت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ ایک جیدّ عالم اور محدّث تھے۔ ۸۹۴ھ کے موسمِ حج میں آپ کی ملاقات حافظ سخاویؒ سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ حافظ سخاویؒ کے مرکزِ حدیث سے وابستہ ہو گئے اور مسلسل ان کی خدمت میں رہ کر علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ جمال الدین نے امام منذری کی کتاب "الترغیب والترھیب" کا خلاصہ "تقریب التھذیب" کے نام سے لکھا تھا۔ آپ ۹۲۸ھ میں گجرات آئے تھے۔ گجرات کے سلطان مظفر ثانی نے آپ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ سلطان مظفر شاہ کے دربار میں آپ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ سلطان مظفر کے ہاں رہتے ہوئے آپ نے حدیث کی ایک مجلس قائم کی جس کے ذریعہ اس علاقہ میں حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ ۹۳۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۱۶)

رفیع الدین صفویؒ (م ۹۵۴ھ)

رفیع الدین صفویؒ، حافظ سخاویؒ کے شاگرد تھے۔ آپ نے آگرہ میں علمِ حدیث کی اشاعت کے لیے بنیادی کام کیا۔ آپ ایران میں صفوی سلسلہ کے مشہور بانی صفی الدین کی اولاد میں سے تھے۔ اس سلسلہ نے شاہ اسماعیل (۹۰۵ھ تا ۹۳۰ھ) کی سربراہی میں ایک متشدد شیعی تنظیم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ رفیع الدینؒ نویں صدی ہجری کی تیسری چوتھائی میں شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ جلال الدین دوانیؒ (م ۹۲۸ھ) کی شاگردی کے زمانہ میں رفیع الدینؒ نے خط وکتابت کے ذریعہ حافظ سخاویؒ سے استفادہ

Marfat.com

کیا اور ان سے سند حاصل کی۔ نویں صدی کے آخر میں قزلباشوں کے ہاتھوں ایران میں سنیوں کے مذہب اور زندگی کے لیے روز افزوں خطرات پیدا ہو گئے تھے اس لیے رفیع الدینؒ کے والد ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔اس طرح رفیع الدینؒ کو حافظ سخاویؒ سے قریب ہونے اور ان کی رہنمائی میں علم حدیث پر عبور حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ۹۰۲ھ میں شیخ سخاویؒ کی وفات کے بعد رفیع الدین صفویؒ گجرات روانہ ہوئے جہاں وہ سلطان محمود اول (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے آخر عہدِ حکومت میں پہنچے۔ پھر وہاں سے آگرہ گئے جو سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ) کی فیاضی اور سرپرستی کی بدولت ایک اہم علمی مرکز بن گیا تھا۔ سلطان سکندر کو علم حدیث سے گہری دلچسپی تھی اور اس کے حکم سے صحیح مسلم کا ایک حصہ بہت خوبصورت خط کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ سلطان سکندر لودھی نے رفیع الدین صفویؒ کے لیے شہر کے ایک محلہ میں مکان بنوایا۔ اور اس محلہ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ یہاں شیخ رفیع الدینؒ چونتیس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ نے بہت اعزاز واکرام اور مقبولیت حاصل کی۔ ۹۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رفیع الدین صفویؒ کے شیر شاہ سوری (۹۴۶ھ تا ۹۵۲ھ) سے بھی گہرے مراسم تھے۔ شیر شاہ سوری کی بے وقت موت سے اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا کہ رفیع الدینؒ کو سلطان ترکی کے دربار میں اس مقصد سے متعین کیا جائے کہ ایران میں فرقہ واریت کے خطرہ کا سدباب کیا جائے۔ اور حاجیوں کے لیے ایک شاہراہ کے ذریعہ ہندوستان کو حجاز کے ساتھ مربوط کیا جائے۔[۱۷]

شیخ زکریا الانصاریؒ اور علم حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ سخاویؒ کے مراکز حدیث کی طرح شیخ زکریا الانصاریؒ کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی ترویج اور اشاعت کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عبد المعطی الحضرمیؒ (م ۹۸۹)

شیخ عبد المعطیؒ ۹۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد شیخ حسنؒ کے ساتھ قاہرہ میں شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ کے مرکزِ حدیث میں شریک ہوئے۔ اور دونوں نے شیخ انصاریؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ والد صحیح بخاری کی روایات پڑھتے تھے اور بیٹا ان روایات کو شیخ کی موجودگی میں سنتا تھا۔ ۹۶۳ھ کے لگ بھگ شیخ عبد المعطیؒ ہجرت کر کے احمد آباد آگئے۔ یہاں ایک علمی خاندان عیدروسی سے جو احمد آباد میں آباد تھا آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ گجرات میں رہ کر آپ نے درسِ حدیث کے لیے مرکز قائم کیا۔ آپ صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کے رجال پر بھی کام کیا تھا۔ صحیح بخاری کے علاوہ دوسرے مصادرِ حدیث بھی آپ اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے اور طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ ۹۸۹ھ میں احمد آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔[۱۸]

شہاب الدین عباسیؒ (م ۹۹۲ھ)

شیخ زکریا الانصاریؒ کے ایک اور شاگرد جن کو گجرات میں علم حدیث کی اشاعت سے گہرا اور دلی تعلق تھا شہاب الدین عباسیؒ تھے۔ آپ ۹۰۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے المقدسیؒ کی "عمدۃ فی الحدیث" اور امام نوویؒ کی اربعین حفظ کر لی تھیں۔ شہاب الدینؒ زندگی کے روزمرہ مشاغل میں بھی سنت کی پیروی سختی سے کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں محمد بن عبدالرحمنؒ بھی شامل تھے۔ جنہیں اپنے دور میں بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ ۹۹۲ھ میں شہاب الدین عباسیؒ نے وفات پائی۔

Marfat.com

ابن حجر ہیثمیؒ (م۹۷۴ھ) کا مرکز حدیث

ابن حجر ہیثمی مکیؒ کے مرکز حدیث نے بھی برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مرکز سے استفادہ کرنے والوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنے حلقے قائم کئے اور مصادرِ حدیث کا درس دیتے رہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شیخ عبداللہ العیدروسیؒ (م۹۹۰ھ)

شیخ عبداللہؒ "النور السافر" کے مؤلف شیخ عبدالقادر عیدروسیؒ کے والد تھے۔ آپ حضر موت میں ۹۱۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ مکہ معظمہ میں حافظ ابن حجر ہیثمیؒ کے مرکز حدیث سے وابستہ ہوئے اور ان سے استفادہ کرنے کے بعد سند حاصل کی۔ آپ نے عبدالرحمن الربیعؒ سے بھی حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ جو حافظ سخاویؒ کے شاگرد تھے۔ اور مشکوٰۃ المصابیح کے شارح تھے۔ ۹۵۸ھ میں عبداللہ العیدروسیؒ ہجرت کر کے احمد آباد آ گئے تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل کے حوالہ سے مشہور تھا۔ آپ کی قیام گاہ پر استفادہ کی غرض سے لوگ مسلسل آتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کا گھر تصوف اور علم حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔ علماء، فقہاء اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت میں آ کر بیٹھنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ علماء کے ہاں آپ اتنے ہر دل عزیز اور محترم تھے کہ ۹۸۱ھ میں جب آپ نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور ۹۸۵ھ میں صحیح بخاری کا درس ختم کیا تو شیخ عبدالمعطیؒ جیسے بلند پایہ عالم نے آپ کی تعریف میں قصیدہ کہا۔ آپ کو خواص اور عوام دونوں طبقات میں مقبولیت حاصل تھی۔ ۹۹۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی۔(۲۰)

ابوالسعادات محمد الفاکہی الحنبلیؒ (م۹۹۲ھ)

شیخ محمد الفاکہیؒ نے حافظ ابن حجر ہیثمیؒ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کے دوسرے شیوخ کی خدمت میں بھی رہے۔ علاوہ ازیں حضرموت اور زبید کے اساتذہ سے بھی آپ نے مصادرِ حدیث کا درس لیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ۹۵۷ھ میں ہجرت کر کے آپ احمد آباد آ گئے تھے۔ ۹۶۳ھ میں سورت منتقل ہو گئے۔ دونوں علاقوں میں آپ نے حدیث کی اشاعت کے لیے مجالس قائم کیں۔ ۹۹۲ھ میں سورت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔(۲۱)

میر مرتضی شریف شیرازیؒ (م۹۷۴ھ)

میر مرتضی شریفؒ، سید شریف جرجانیؒ (م۸۱۶ھ) کے پوتے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں ابن حجر ہیثمیؒ سے حدیث کے بنیادی مصادر کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ مکہ مکرمہ سے آپ نے دکن کا سفر کیا اور پھر ۹۷۲ھ میں اکبر آباد (آگرہ) آ گئے۔ جہاں اکبر کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز کئے گئے۔ زندگی بھر آپ کا تعلق درس و تدریس سے رہا۔ ۹۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میر کلاں محدّث اکبر آبادیؒ (م۹۸۳ھ)

محمد سعید بن مولانا خواجہؒ، جو میر کلاں محدّث اکبر آبادیؒ کے نام سے معروف ہیں ۹۸۱ھ میں خراسان سے اکبر آباد آئے تھے۔ اکبر نے ان کو شہزادہ سلیم (شہنشاہ جہانگیر) کا استاد مقرر کیا۔ میر کلاں محدّث، خراسان کے ایک مشہور ولی خواجہ کوہیؒ کے

Marfat.com

پوتے تھے۔انہوں نے شیراز میں نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین محدثؒ سے علم حدیث حاصل کیا۔ہندوستان آنے سے پہلے میر کلاں مکہ مکرمہ میں حدیث کا درس دیتے تھے۔اور اسی بناء پر وہ شیخ الحرم المکیؒ کہلاتے تھے۔مکہ مکرمہ میں ملاّ علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) اور غضنفر بن جعفر نہر والیؒ (م ۱۰۰۰ھ) نے آپ سے مشکوۃ المصابیح کا درس لیا تھا۔۹۸۳ھ میں اکبر آباد میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۲)

برصغیر میں مراکز حدیث کا ارتقاء

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کا آغاز اگرچہ ۸۲۰ھ میں ہو گیا تھا لیکن اس نے زیادہ ترقی نہیں کی اور نویں صدی ہجری میں محدثین کی بہت قلیل تعداد ترک وطن کر کے ہندوستان آئی تھی۔یہ صورت حال ۸۸۶ھ میں حرمین میں حافظ سخاوی کے مرکز حدیث کے قیام تک جاری رہی۔اس کے بعد محدثین کی متواتر آمد کا دور شروع ہوا اور یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری کے آخر تک جاری رہا۔علم حدیث کی اشاعت کا یہ دور جس کو برصغیر میں مراکز حدیث کے ارتقاء اور ترویج میں بہت اہمیت حاصل ہے تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱-	۸۲۰ھ تا ۸۸۶ھ	...	یہ حافظ سخاوی سے پہلے کا دور ہے۔
۲-	۸۸۶ھ تا ۹۵۴ھ	...	یہ حافظ سخاوی کا دور ہے۔
۳-	۹۵۴ھ تا ۹۹۲ھ	...	یہ حافظ سخاوی کے بعد کا دور ہے۔

ذیل میں ان چند مراکز کا تذکرہ کیا جاتا ہے جہاں علم حدیث کی اشاعت مختلف انداز اور اسلوب سے ہوئی۔

دکن

حافظ سخاویؒ سے پہلے دور میں کئی محدثین دکن آئے تھے لیکن یہاں کے حالات چونکہ آنے والوں کے لیے ناساز گار ہو گئے تھے۔اس لیے حافظ سخاویؒ کے دور میں مزید شیوخ یہاں نہیں آئے۔حقیقت یہ ہے کہ حافظ سخاویؒ کا دور دکن میں بہمنی سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا۔یہ زوال ۸۸۶ھ میں محمود گاوانؒ کے قتل کئے جانے کا نتیجہ تھا۔محمود گاوانؒ نہایت قابل، دیانت دار اور علم دوست وزیر تھا۔اس کی نظر ریاست کے تمام عناصر پر تھی اس لیے ہر طبقہ کی سرگرمیوں کے بارے میں اس کے پاس معلومات ہوتی تھیں۔وہ اپنے مطالعہ، مشاہدہ اور تجزیہ کی بنیاد پر معاشرہ کے تمام عناصر کو قابو میں رکھتا تھا۔لیکن اس کے بعد مختلف اطراف سے فتنے نمودار ہو گئے اور انتشار پھیل گیا۔بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔بیجاپور میں عادل شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی، گول کنڈہ میں قطب شاہی، برار میں عماد شاہی اور بیدر میں برید شاہی خاندانوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ان میں سے پہلی تین سلطنتیں زیادہ طاقت ور تھیں اور ان کے حکمرانوں نے شیعہ مسلک اختیار کر کے اس کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔برار پر ۹۸۲ھ میں احمد نگر نے قبضہ کر لیا اور بیدر پر ۱۰۲۸ھ میں بیجاپور نے قبضہ کیا۔اس طرح بہمنی سلطنت کے خاتمے سے دکن میں سنیوں کے عہدِ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔اور اس علاقہ میں علم حدیث کی اشاعت اور ترویج کا کام رک گیا۔

Marfat.com

حافظ سخاویؒ کے بعد کے دور میں جتنے شیوخ اور محدّث بیرون ہندوستان سے آئے وہ احوال وظروف کی وجہ سے دکن کے بجائے گجرات اور شمالی ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔اس طرح سندھ میں علم حدیث کی تاریخ دکن میں بھی دہرائی گئی۔ اس فرق کے ساتھ کہ سندھ میں سنیوں کا عہد حکومت اڑھائی سو برس سے زیادہ مدت تک رہا اور یہاں محدثین کی ایک بڑی جماعت کو تیار ہونے کا موقع مل سکا۔لیکن دکن میں سنیوں کی حکومت کا زمانہ صرف ڈیڑھ سو سال کا ہے اس لیے یہاں علم حدیث کی اشاعت وترقی کے لیے اتنا کام نہ کیا جا سکا جتنا سندھ میں ہوا۔

دکن میں سلطان محمود شاہ اول (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) پہلا ہندوستانی حکمران تھا جس نے محدثین کی سرپرستی کی۔اس نے محدثین کے لیے علم حدیث پر کام کرنے کی سہولتیں فراہم کیں چنانچہ گلبرگہ، بیدر، دولت آباد، ایلچ پور، جیول اور ذابل جیسے بڑے شہر محدثین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔سلطان محمود کے جانشین فیروز شاہ (۸۰۷ھ تا ۸۲۵ھ) کے عہد میں گلبرگہ علمائے حدیث کا مرکز بن گیا تھا۔سلطان احمد شاہ اول (۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ) سید محمد گیسودرازؒ کا بہت عقیدت مند مرید تھا اور سنت رسول ﷺ کی سختی سے پابندی کرنے کی وجہ سے لوگ انہیں ولی بہمنی کہتے تھے۔احمد شاہؒ کو فقہ اور علم الکلام کے علاوہ علم حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔۸۸۷ھ میں شیخ ابوسعید حسینؒ نے بیدر میں مشکوۃ المصابیح کی ایک کاپی تیار کی تھی۔جو سلطان محمود دوم (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کو اس کی تخت نشینی کے موقع پر پیش کی تھی۔حافظ سخاویؒ سے پہلے کے دور میں جو معروف محدثین ہندوستان آئے تھے ان میں سے چار شیوخ نے دکن میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ بہمنی سلاطین نے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔شیخ دمامینیؒ اور شیخ ابن فہدؒ گجرات کو چھوڑ کر دکن چلے گئے تھے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بہمنی سلاطین، مظفر شاہی سلاطین سے بھی زیادہ محدثین کی سرپرستی کرتے تھے۔یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ اگر بہمنی خاندان کچھ اور عرصہ تک حکمران رہتا تو دکن میں علم حدیث کی تاریخ اور زیادہ شاندار ہوتی۔[۲۳]

گجرات

یہ بات بالکل درست ہے کہ ۸۱۸ھ میں علم حدیث کے سرپرستوں کی حیثیت سے مظفر شاہی خاندان کے حکمرانوں کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔چنانچہ زبید میں شیخ دمامینیؒ نے اپنی شرح صحیح بخاری کو احمد شاہ اول (۸۱۴ھ تا ۸۴۳ھ) کے نام منسوب کیا۔تاہم حافظ سخاوی سے پہلے کے دور میں گجرات میں حدیث کی تعلیم کو کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔اس دور میں علماء ساری توجہ عربی ادب کی اشاعت اور تعلیم پر دیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ شیخ دمامینیؒ نے محدّث ہونے کے باوجود عربی صرف ونحو میں کئی مستند کتابوں کی شروح لکھیں۔حافظ سخاویؒ کے دور کی ابتداء میں جب دکن میں سنیوں کی حکومت ختم ہوگئی تو سلطان محمود بیگڑہ (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کی فیاضی اور قدر دانی کی وجہ سے گجرات نہ صرف بیرون ہند سے آنے والے محدثین بلکہ ہمسایہ شیعہ سلطنتوں میں رہنے والے محدثین کے لیے بھی مرجع بن گیا۔شیخ وجیہہ الدین مالکیؒ کو ملک المحدثین کا خطاب دے کر سلطان محمود نے اعلانیہ طور پر یہ تسلیم کر لیا کہ محدثین بھی اس کی ریاست کا ایک معزز اور محترم طبقہ ہیں۔اس کے بعد احمد آباد، کھمبائیت، مہاتم، سورت اور نہر والا جیسے مختلف مراکز میں حدیث کی تعلیم کو ترقی ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ حدیث کی مستند کتابیں گجرات میں منگوا لی گئیں۔سلطان محمود کا جانشین مظفر شاہ دوم خود بھی محدّث تھا اور اس نے فتح الباری کا ایک نسخہ

Marfat.com

پیش کرنے کے صلہ میں مخاطب علی خان کو بروچ کی جاگیر عطا کر دی تھی جس سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ سلطان کے دل میں حدیث رسول ﷺ کی کتنی زیادہ قدر ومنزلت تھی۔

گجرات میں علم حدیث کی اشاعت میں احوال وظروف کی وجہ سے رکاوٹیں بھی ہوتی رہیں۔ سلطان بہادر شاہ (۹۳۲ھ تا ۹۴۳ھ) کے عہدِ حکومت میں مغل شہنشاہ ہمایوں نے ۹۴۱-۹۴۲ھ میں گجرات پر فوج کشی کی جو تیرہ ماہ تک جاری رہی اور اس حملے کی وجہ سے شیخ علی متقی برہانپوریؒ (م ۹۷۵ھ) اور شیخ عبداللہ سندھیؒ (م۹۹۳ھ) جیسے کئی ممتاز محدّث ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ تاہم شیخ عبدالاول حسینیؒ (۹۶۸ھ) نے گجرات کو نہیں چھوڑا اور احمد آباد میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مشغول رہے۔ سلطان محمود سوم (۹۴۴ھ تا ۹۶۱ھ) کی فیاضی اور سرپرستی کی وجہ سے حجاز سے آنے والے کئی محدّثین گجرات میں آباد ہو گئے۔ سلطان محمود کی دعوت پر ہی شیخ علی متقیؒ نے دو مرتبہ احمد آباد میں مختصر قیام کر کے حدیث کا درس دیا۔ اس کے علاوہ سلطان محمود نے حرمین کے علماء کو وظائف دے کر ان کی مدد کی اور مکہ مکرمہ میں حدیث کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ بھی تعمیر کروایا۔ ۹۶۱ھ میں سلطان محمود اور اس کے دانشور وزیر آصف خان کے قتل کے بعد مظفر شاہی سلطنت بتدریج زوال پذیر ہو گئی اور آخر کار ۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر نے اس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ علم حدیث کی ترقی اور اشاعت کو مظفر شاہی خاندان کے خاتمے سے شدید نقصان پہنچا۔ اور گجرات میں اشاعتِ حدیث کے لیے محدّثین کی سرگرمیاں اتنی سرد پڑ گئیں کہ دسویں صدی ہجری کے بعد گجرات میں ممتاز محدّثین کے نام بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔

مالوہ

مالوہ کا دار السلطنت شادی آباد، مانڈو محمود خلجیؒ (۸۳۹ھ تا ۸۷۴ھ) کے عہد حکومت میں، جو علوم وفنون کا سرپرست تھا۔ علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا۔ حافظ سخاویؒ کے کئی شاگرد یہاں آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ ان میں شیخ المحدّثین سعد اللہ مانڈویؒ (م۹۰۲ھ) اور مولانا علیم الدین مانڈویؒ کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ محمود خلجی کو علم حدیث سے جو محبت، ارادت اور عقیدت تھی اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اس نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ قائم کر کے حدیث کا درس دینے کے لیے شمس الدین محدث بخاری کو مقرر کیا۔

خاندیش

برہان پور خاندیش کے فاروقی حکمرانوں کا دارالسلطنت تھا اس کا بانی نصیر خان فاروقی تھا جس نے ریاست کو علمی دنیا میں ایک اونچے درجہ پر پہنچا دیا۔ برہانپور میں اس کا قائم کردہ مدرسہ دو سو برس تک بہت کامیابی سے جاری رہا اور علم حدیث کی اشاعت میں بھی اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔

سندھ

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مخدوم عبدالعزیز ابہریؒ نے سندھ میں حدیث کی تعلیم کا اجراء کیا۔ مخدوم عبدالعزیزؒ ایک ممتاز محدّث تھے جو ایران میں صفوی حکمرانوں کے رویہ سے تنگ آ کر ۹۱۸ھ میں ہرات سے ہجرت کر کے کاہان کے علاقہ

Marfat.com

میں آباد ہو گئے تھے جو اس وقت سندھ میں تھا (اب بلوچستان میں شامل ہے)۔ ہندوستان آنے سے پہلے شیخ عبدالعزیز ابہریؒ ہرات میں مدرسۂ مرزا عرفی، مدرسۂ سلطانیہ اور خانقاہ اخلاصیہ میں استاد تھے۔ آپ نے شہزادہ نظام الدین علی شیر (م۹۰۶ھ) کے ایماء پر، جو ہرات میں علم وادب کا سرپرست تھا مشکوۃ المصابیح کی ایک شرح "منہاج المشکاۃ" کے نام سے تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ شیخ عبدالعزیز کاہانؒ میں دس سال تک حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔ ۹۲۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے دو بیٹے امیر الدینؒ اور محمدؒ بھی اہل علم وفضل تھے۔ انہوں نے اپنے والد کے سلسلہ کو جاری رکھا اور اسلامی علوم کی اشاعت میں مصروف رہے۔

لاہور

مولانا مفتی محمدؒ (م ۱۰۰۰ھ) کی سرگرمیوں کے باعث لاہور علمِ حدیث کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ مفتی محمدؒ شہر کے ایک ممتاز ترین عالم تھے۔ آپ نے لاہور شہر میں اپنا حلقہ قائم کیا۔ طویل عرصہ تک صحیح بخاری اور مشکوۃ المصابیح کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں بڑے بڑے علماء بھی شامل ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ درس کے اختتام پر حاضرین کی خاطر مدارت کرتے تھے۔

جھانسی اور کالپی

بغداد کے ایک محدّث سید محمد ابراہیمؒ دسویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے پہلے جھانسی میں اور پھر کالپی میں، جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے علم حدیث کی تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور لوگ جوق درجوق آپ کا درس سننے کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ مخدوم نظام الدین بھکاریؒ (م۹۸۱ھ) کا کورسے جو لکھنؤ سے بائیس کلو میٹر کے فاصلے پر شمالی سمت میں واقع ہے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے جھانسی آتے تھے۔ شیخ محمد ابراہیمؒ، معالم التنزیل، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد اور جامع الاصول کا درس دیا کرتے تھے۔

آگرہ

دسویں صدی ہجری میں آگرہ میں علمِ حدیث کی اشاعت وترویج کے لیے تین مراکز قائم ہو گئے تھے۔

۱) مدرسۂ رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ) -

۲) مدرسۂ حاجی ابراہیم محدّث اکبر آبادی (م ۱۰۱۰ھ)

۳) مدرسۂ سید شاہ میر (م ۱۰۰۰ھ)

آگرہ کے عین وسط میں شیخ رفیع الدین صفویؒ کا مکان واقع تھا جو علم حدیث کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ اسی مدرسہ میں رفیع الدین صفویؒ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد ابوالفتح خراسانی تھانیسریؒ (م۱۰۰۴ھ) پچاس برس تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ منتخب التواریخ کے مؤلف عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) اور کمال الدین حسین شیرازیؒ جیسے نامور اور معروف علماء اس مرکز سے مستفید ہوئے۔

Marfat.com

حاجی ابراہیم محدّث اکبر آبادیؒ نے حدیث کی تعلیم حجاز میں حاصل کی تھی اور آگرہ میں درسِ حدیث کے لیے اپنا حلقہ قائم کیا تھا۔ آپ کی شخصیت اور احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جلال الدین اکبر کے دربار میں درباری آداب و رسوم بجا لانے سے آپ نے انکار کر دیا تھا۔ آپ جہاں خواص میں مقبول تھے وہاں عوام میں بھی آپ کو بے پناہ پذیرائی حاصل تھی۔

شاہ میر کا مدرسہ، شیخ بہاء الدین مفتیؒ کے محلہ میں دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ سید شاہ میر صفویؒ کے بھتیجے تھے آپ مشارق الانوار کا درس دیتے تھے۔

لکھنؤ

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ کے ایک محدّث شیخ ضیاء الدینؒ کی آمد سے لکھنؤ میں علم حدیث کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔ شیخ ضیاء الدین اپنے شاگردوں کو چار سال تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مخدوم بھکاریؒ کا کوروی بھی شامل تھے جنہوں نے آپ سے صحیح بخاری اور جامع الاصول کا درس لیا تھا۔ شیخ ضیاء الدینؒ اپنی وفات تک کاکوری میں رہے۔ دسویں صدی کے آخر میں آپ کا انتقال ہوا۔

جون پور

شرقی سلاطین کا دارالسلطنت جون پور ایک مشہور و معروف علمی شہر بن گیا تھا اور اپنے عروج کے دور میں اس کی شہرت دہلی سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ یہاں مختلف علوم و فنون کا رواج تھا لیکن حدیث کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ برائے نام تھا۔ دسویں صدی ہجری تک یہاں کوئی قابلِ ذکر محدّث کا نام تاریخ میں نہیں ملتا تھا۔ البتہ دسویں صدی کے بعد بعض علماء کے نام کے ساتھ محدّث کا لقب ملتا ہے۔ مہذب الدین جونپوریؒ ان حضرات میں سے ہیں جن کا نام حافظ سخاوی کے شاگردوں کی فہرست میں ملتا ہے۔

بہار

نویں صدی ہجری کے اختتام تک "منیر" کے صوفیہ بہار میں علمِ حدیث کی اشاعت اور ترویج میں مصروف رہے۔ اس کے بعد "پھلواری" علم حدیث کا مرکز بن گیا۔ اگرچہ شرف الدین منیریؒ کے ایک مرید سید منہاج الدین راستیؒ نے آٹھویں صدی ہجری میں خانقاہ پھلواری میں حدیث کی تعلیم کا آغاز کر دیا تھا لیکن اسے یہاں دسویں صدی ہجری میں سید یاسین کی آمد تک کوئی قابل لحاظ ترقی نہیں ہوئی تھی۔ سید یاسینؒ، رفیع الدین صفویؒ کے بھتیجے تھے اور گجرات میں وجیہہ الدین علویؒ (م ۹۰۰ھ) اور حجاز کے چند ممتاز محدّثین سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ سید یاسین کی محنت سے یہ خانقاہ حدیث کی تعلیم و اشاعت کا ایک مرکز بن گئی جس کا اظہار اس سند سے ہوتا ہے جو سید یاسین نے شیخ عتیق بن عبدالسمیعؒ کو دی تھی۔ جس میں مسلسل تین واسطے محدّثین پھلواری یعنی عبدالمقتدرؒ، ان کے والد عبدالنبیؒ اور عبدالرزاقؒ کے نام درج ہیں۔ ان میں سے عبدالنبیؒ اور عبدالرزاقؒ کو علم حدیث پر زبردست عبور حاصل ہونے کی وجہ سے "شیخ الوقت" اور "حافظ الوقت" کا لقب دیا گیا تھا اور شیخ عتیق خود بھی نور الحق بن عبدالحق دہلوی کے شاگرد تھے۔

Marfat.com

بنگال

بنگال کا بادشاہ علاء الدین حسین شاہ بن سید اشرف المکی (۹۰۵ھ تا ۹۲۴ھ) بنگالی زبان وادب اور علوم و فنون کا اولین سرپرست قرار دیا گیا ہے۔اس بادشاہ کی وجہ سے بنگال میں تفسیر، حدیث اور فقہ کو ترقی ہوئی۔۹۰۵ھ میں بنگال کا بادشاہ ہونے کے بعد حسین شاہ نے دور ونزدیک کے علماء کو بنگال آنے اور یہاں سکونت پذیر ہونے کی دعوت دی اور ان کی سرپرستی کرنا شروع کی۔ رمضان ۹۰۷ھ کو اس نے غور میں بمقام غرّہ شہید دینی علوم کی تعلیم کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔اس نے پانڈوہ (ضلع مالدہ) میں بھی ایک مشہور ولی نور قطب عالم کی یادگار کے طور پر ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے زمین وقف کر دی تھی۔ان مدارس میں علم حدیث نصابِ تعلیم کا لازمی حصہ تھا جس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دارالسلطنت اکدالا میں حدیث کے بہت سارے عالم موجود تھے۔اور صحیح بخاری کے نسخے متداول تھے۔علم حدیث کی حوصلہ افزائی کرنے میں حسین شاہ اپنے ہم عصر سلاطین گجرات کا ہم پایہ تھا۔اس کے ایماء پر محمد بن یزدان بخش نے جو خواجگی شروانی کے نام سے مشہور ہیں، اکدالا کے شاہی خزانہ کے لیے ۹۱۱ھ میں صحیح بخاری کو تین جلدوں میں نقل کیا تھا جو کتب خانہ بانکی پورہ میں موجود ہے۔

سنار گاؤں

حنبلی فقیہ ابو توئمہ (م ۷۰۰ھ) کی وجہ سے سنار گاؤں سادات کے عہدِ حکومت (۹۰۰ھ تا ۹۴۵ھ) میں ایک علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔مشرقی بنگال کا مرکز ہونے کے باعث سنار گاؤں ایک خوشحال شہر تھا جہاں اسلامی مدارس اور علماء موجود تھے۔یہاں کے مدارس میں جو نصابِ تعلیم رائج تھا اس میں حدیث شامل تھی۔حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا رواج تھا۔ علماء کے القاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والے علماء کو باقی علماء کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) محمد سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ج:۲۔ص:۲۹۳
(۲) محمد سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ج:۲۔ص:۲۹۷
(۳) اعظم شاہ، تاریخ کشمیر۔ص:۳۹
(۴) محمد سرور، خزینۃ الاصفیاء۔ص:۱۱
(۵) شیخ عبد الحق۔اخبار الاخیار۔ص:۱۳۳
(۶) صدیق حسن خان۔اتحاف النبلاء۔ص:۴۱۔
(۷) عبد الحی حسنی، نزہۃ الخواطر۔ج:۳۔(تذکرۂ احمد بن عبد اللہ شیرازی)
(۸) عبد الحسنی، نزہۃ الخواطر۔ج:۳۔ (تذکرۂ عماد الدین گیلانی)
(۹) سخاوی، الضوء اللامع۔ج: ۱۰۔ص:۱۴۴
(۱۰) سخاوی، الضوء اللامع ۔ج:۱۱۔ص: ۱۲۵
(۱۱) سخاوی، الضوء اللامع۔ج:۱۱۔ص: ۳۱۶
(۱۲) سخاوی، الضوء اللامع ۔ج:۶۔ص:۷۳
(۱۳) سخاوی، الضوء اللامع۔ج:۴۔ص: ۲۳۴
(۱۴) ابن العماد۔شذرات۔ج: ۸۔ص:۹۴
(۱۵) سخاوی، الضوء اللامع ۔ج: ۳۔ص:۱۴۷
(۱۶) عبدروسی، نور السافر۔ص:۱۴۳
(۱۷) بدایوانی، منتخب التواریخ۔ص:۱۲۹
(۱۸) ابن العماد۔شذرات۔ج:۳۔ص:۴۱۷
(۱۹) ابن العماد۔شذرات۔ج: ۸۔ص: ۴۲۶
(۲۰) ابن العماد۔شذرات۔ج:۸۔ص:۴۲۳
(۲۱) شذرات۔ج:۸۔ص:۴۲۷
(۲۲) فقیر محمد۔حدائق ال
(۲۳) عبد الحی حسنی۔نزہۃ الخواطر۔ص:۱۷۵
(۲۴) سیر الاولیاء۔ص:۲۳۶
(۲۵) اخبار الاخیار۔ص:۱۲۳
(۲۶) حاجی خلیفہ۔کشف الظنون۔ج:۶۔ص:۱۱
(۲۷) اخبار الاخیار۔ص:۱۶۹
(۲۸) نزہۃ الخواطر۔ج:۳۔تذکرہ شمس الدین خواجگی
(۲۹) اخبار الاخیار۔ص:۱۰۹

Marfat.com

بارہواں باب

برصغیر میں علم حدیث (۳)

جلال الدین اکبر کے ابتدائی دور میں جب بیرم خان کا امور سلطنت میں بڑی حد تک عمل دخل تھا اس نے علوم و فنون کے دوسرے مشاہیر کے ساتھ علماء حدیث کو بھی گجرات سے دلّی اور آگرہ آنے کی دعوت دی۔ ان میں سب سے پہلے میر سید عبدالاوّل جونپوریؒ کو پورے اصرار کے ساتھ گجرات سے دلّی بلوایا۔ آپ یہاں حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کرتے رہے یہاں تک کہ ۹۶۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

میر سید عبدالاوّل جونپوریؒ کے شاگردوں میں ایک اہم شخصیت شیخ طیب محدّث سندھیؒ کی ہے جنھوں نے گجرات کے قیام کے دور میں شیخ جونپوریؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ شیخ طیب محدّثؒ نے پچاس برس تک ایلچ پور اور برہانپور میں بیٹھ کر علم حدیث کی خدمت کی۔

حافظ ابن حجر مکیؒ کے شاگردوں میں شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ بھی ہیں۔ آپ ۹۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ کی کتب مولانا شاہ محمد ائیؒ سے پڑھیں اور حدیث کی سند حافظ ابن حجر ہیثمیؒ سے حاصل کی۔ تفسیر قرآن کے علاوہ شرح صحیح بخاری اور مغازی النبوۃ کے نام سے آپ نے کتابیں لکھیں۔ اس دور میں ملا محمد شگرف محدّث کشمیریؒ بھی حرمین جا کر حافظ ابن حجر مکیؒ کے حلقہ میں شامل ہوئے۔ واپس آکر آپ نے اپنا حلقہ قائم کیا اور کشمیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مصروف ہو گئے۔ کشمیر کے ایک اور مشہور و معروف محدّث حاجی محمدؒ ہیں۔ آپ کے آباء واجداد ہمدان کے تھے اور سید علی ہمدانیؒ کے ساتھ کشمیر آئے تھے۔ حاجی محمدؒ کی ایک فارسی تالیف شرح شمائل ترمذی ہے۔ اس تالیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ چند بار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور حافظ ابن حجر مکیؒ اور میر جمال الدین محدّثؒ کے شاگرد مولانا محمد صادق محدّثؒ کے تلمذ سے فیض یاب ہوئے۔ ۱۰۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا عبدالرحمن محدّث سرہندیؒ کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ آپ شیخ مجدد الف ثانیؒ کے شیخ ہیں۔ شیخ مجددؒ نے حدیث کی کتب آپ سے پڑھیں۔

شیخ علی المتقی الہندیؒ (۸۸۵ھ تا ۹۷۵ھ)

دسویں صدی ہجری کے وسط میں برصغیر میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے پورے ہندوستان کے اطراف واکناف کو متاثر کیا اور علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے ایسی خدمات انجام دیں کہ عرب وعجم کے علماء نے ان کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ہر نوع کی پذیرائی سے نوازا۔ یہ شخصیت شیخ علی المتقی الہندیؒ کی ہے۔ شیخ علی متقیؒ کا آبائی علاقہ جونپور تھا۔ آپ برہان پور دکن میں ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں شیخ باجن برہانپوریؒ سے بیعت کی۔

Marfat.com

عالم شباب میں ملتان جاکر شیخ حسام الدین متقیؒ سے استفادہ کیا۔ اپنے مرشد اور مربی کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ کا میلان حجاز کی طرف ہوا۔ ۹۵۲ھ میں آپ نے حرمین کی طرف سفر شروع کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ شیخ علی متقیؒ نے حجاز پہنچ کر وہاں کے شیوخ واساتذہ سے استفادہ کرنا شروع کیا۔ ان شیوخ میں حافظ ابن حجر مکیؒ، شیخ ابو الحسن بکریؒ اور محمد بن محمد سخاویؒ کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ علی متقیؒ نے چند ہی سال میں اپنی فطری استعداد، روحانی ذوق اور توفیق خداوندی سے یہ مرتبہ حاصل کر لیا کہ استاد شاگرد اور شاگرد استاد کے مرتبہ میں آ گئے۔ اس دوران میں آپ نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا۔ ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک آپ نے حدیث کی روایات کو جمع کیا اور "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" کے نام سے اپنی مشہور تالیف مرتب کی۔ جو حدیث کی روایات کا انسائیکلو پیڈیا ہے اور علماء وطلبہ کے حلقوں میں مقبول ومتداول ہے۔

شیخ علی متقیؒ حجاز جانے کے بعد دو مرتبہ ہندوستان (گجرات) آئے اور سلطان محمود گجراتیؒ نے یہ قدر دانی کی کہ اپنی پوری سلطنت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔ آپ کے مدرسہ اور طلبہ کے لیے خطیر رقم کے وظائف مقرر کیے۔ ۹۷۵ھ میں پچانوے برس کی عمر میں شیخ کا انتقال ہوا۔ شیخ علی متقیؒ کے حلقہ سے بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے جن کو بہت زیادہ شہرت ملی ان میں شیخ عبدالوہاب متقی مانڈوی برہانپوریؒ، شیخ محمد طاہر پٹنیؒ (احمد آباد)، شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوریؒ، شیخ عبداللہؒ، شیخ سعد اللہ سندھیؒ اور شیخ برخوردار سندھیؒ زیادہ نمایاں ہیں۔ شیخ علی المتقیؒ کا انتقال ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ [1]

عبدالوہاب متقیؒ (م ۱۰۰۱ھ)

شیخ عبدالوہاب متقیؒ مانڈو (مالوہ) کے رہنے والے تھے۔ برہان پور میں پیدا ہوئے۔ بیس برس تک گجرات اور دکن کے علمی حلقوں سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد حجاز کا سفر کیا۔ ۹۶۳ھ میں شیخ علی متقیؒ کے حلقۂ درس کے ساتھ منسلک ہو گئے اور شیخ کی وفات تک بارہ برس مسلسل شیخ کے ہمراہ رہے۔ شیخ علی متقیؒ کے مسودات کی کتابت آپ کے ذمہ تھی۔ شیخ کے ساتھ اتنی طویل رفاقت کی وجہ سے آپ کو درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا ملکہ حاصل ہوا۔ آپ کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ شیخ کے انتقال کے بعد حرمین، مصر وشام اور یمن کے علماء نے آپ کو شیخ کا جانشین تسلیم کیا۔ شیخ عبدالوہاب متقیؒ حجاز جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ ہندوستان آئے۔ اور پھر اسی سال واپس چلے گئے۔ ۱۰۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ آپ کے حلقہ میں "صحاح ستہ" التزام اور اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔ [2]

شیخ محمد طاہر پٹنیؒ (۹۱۴ھ تا ۹۸۶ھ)

شیخ محمد بن طاہر پٹن کے رہنے والے تھے جو احمد آباد (گجرات) کے قریب واقع ہے۔ اس علاقہ کی طرف منسوب ہو کر آپ پٹنی کہلاتے ہیں۔ آپ شیخ علی متقیؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دو کتابیں تالیف کیں۔ ایک لغت حدیث میں "مجمع البحار" اور دوسری رجال میں "المغنی"۔ ان دونوں کتابوں میں اپنے شیخ کا جس ولولۂ شوق اور غلبۂ محبت کے ساتھ آپ نے ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاگرد کے دل میں شیخ کی کتنی قدر ومنزلت تھی۔ مجمع البحار، گویا ظاہراً حدیث کی ڈکشنری ہے لیکن علمائے حدیث کے اعتراف کے مطابق یہ کتاب درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ "تذکرۃ الموضوعات" اور "قانون الموضوعات" بھی آپ کی اہم تالیفات ہیں۔ حجاز سے واپس آکر آپ نے درس وتدریس اور تبلیغ

Marfat.com

کا سلسلہ شروع کیا۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ۹۸۶ھ میں اجین کے قریب قصبۂ سارنگ پور میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔ (۳)

شیخ علی متقیؒ کے شاگردوں میں شیخ عبداللہ بن سعد الدینؒ اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہؒ، دونوں کا تعلق سندھ سے تھا۔ ان کے بزرگ مدینہ منورہ ہجرت کر کے گئے تھے۔ شیخ علی متقیؒ کے شاگردانِ خاص اور خلفاء مجاز میں سے تھے۔ ۹۷۷ھ میں ہندوستان آئے اور احمد آباد (گجرات) میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انہوں نے اپنا حلقہ قائم کیا اور بہت بڑی تعداد میں طلبۂ حدیث نے ان سے استفادہ کیا۔ بڑھاپے میں حجاز واپس گئے اور وہیں وفات پائی۔ شیخ رحمت اللہؒ کے بھائی شیخ حمید سندھیؒ تھے جو تفسیر اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے حجاز گئے اور وہیں اپنا حلقہ قائم کیا۔ شیخ برخوردار سندھیؒ نے بھی حجاز میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ نے ان سے استفادہ کیا۔ شاہ محمد بن فضل اللہؒ کا آبائی علاقہ جونپور تھا۔ آپ احمد آباد، گجرات میں پیدا ہوئے جوان ہوئے تو حجاز چلے گئے۔ تقریباً بارہ سال تک شیخ علی متقیؒ کے حلقۂ درس میں داخل رہے۔ پھر ہندوستان واپس آ کر برہان پور میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کا مرکز قائم کیا۔ اتباعِ سنت میں ایسے کامل تھے کہ "نائب رسول اللہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے قائم کردہ مرکز میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے مصادر پڑھائے جاتے تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ بہلول دہلویؒ

شیخ عبداللہؒ اور شیخ رحمت اللہؒ جب گجرات میں تھے تو شیخ بہلول دہلویؒ گجرات جا کر ان کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے۔ ان دونوں شیوخ سے آپ نے حدیث میں استفادہ کیا۔ دلی واپس آئے تو طلبہ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ملّا بدایونیؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علم حدیث میں آپ نے خوب استفادہ کیا تھا۔ آپ اہلِ دنیا سے دور رہتے تھے اور طلبہ کے ہجوم میں رہتے تھے۔

شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ (م ۹۹۰ھ)

شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۹۵ھ) کے پوتے ہیں۔ جلال الدین اکبر کے عہدِ حکومت میں پورے ہندوستان کے صدر الصدور (شیخ الاسلام) تھے۔ ابتدا میں سارا میلان تصوف کی طرف تھا۔ بعد میں جب حجاز گئے اور حدیث کے حلقوں میں شریک ہو گئے تو رجحان حدیث کی طرف ہو گیا۔ بدایونیؒ لکھتے ہیں کہ:

> "آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کئی بار گئے۔ وہاں آپ نے حدیث کے شیوخ اور اساتذہ سے استفادہ کیا۔ واپس آئے تو آباء واجداد کی روش چھوڑ دی اور علماء حدیث کا مسلک اختیار کر لیا۔" (۴)

آپ نے حدیث کی تعلیم حافظ ابن حجر الہیثمیؒ سے حاصل کی۔ آپ جلال الدین اکبر کے استاد تھے۔ اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر ۹۸۶ھ تک فائز رکھا۔ "سنن الهدیٰ فی متابعة المصطفیٰ" اور "وظائف الیوم واللیل النبویہ" حدیث کے مجال میں آپ کی یادگار تالیفات ہیں۔

اکبر، شیخ عبدالنبیؒ کا اس درجہ ادب کرتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ دربار کے جاہ پرست اور نام نہاد علماء نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیضی اور ابوالفضل نے دربار اکبری پر قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

ملا علی قاریؒ(م۱۰۱۱ھ)

ملا علی قاریؒ اگرچہ ہرات کے رہنے والے تھے لیکن اس دور میں ہرات تیموری سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ ملا علی قاریؒ نے زیادہ تر استفادہ ہندوستان کے شیوخ اور اساتذہ سے کیا۔ اور ان کے علمی کام کو شہرت اور پذیرائی بھی ہندوستان میں ملی۔ آپ کے والد کا نام سلطان محمدؒ تھا۔ ابتدائی تعلیم ہرات میں حاصل کی۔ مشکوٰۃ المصابیح مولانا میر کلاں محدثؒ سے پڑھی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور ابو الحسن بکریؒ، سید زکریا حسینیؒ، حافظ ابن حجر مکیؒ، شیخ عبداللہ سندھیؒ، قطب الدین نہروالیؒ (گجرات) سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۰۱۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح شفاء لقاضی عیاض، شرح شمائل ترمذی، شرح نخبۃ الفکر، شرح ثلاثیات بخاری، تخریج احادیث، شرح حصن حصین، شرح اربعین نووی، شرح موطا امام محمد، المصنوع فی معرفۃ الموضوع اور تذکرۃ الموضوعات جیسی شاہکار کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ(۹۵۸ھ تا ۱۰۵۲ھ)

جلال الدین اکبر کے آخری عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شخصیت نمایاں ہو گئی۔ مولانا عبدالحقؒ کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانہ کو وقف عام کیا۔ اور اپنی عالمانہ تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ سے علماء ظاہر وباطن دونوں کے حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ نسلاً ترک تھے۔ ۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے حلقۂ درس سے وابستہ ہو گئے۔ شیخ عبدالوہابؒ کے ہاں رہ کر آپ نے صحاح ستہ پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ تکمیل کے بعد آپ نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے شیخ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت تھی اس کا اندازہ "اخبار الاخیار" کے صفحات سے ہو سکتا ہے۔ شیخ عبدالحقؒ نے ہندوستان آکر دلی میں اقامت اختیار کی اور تقریباً سو سے زیادہ کتابیں تالیف کیں جن میں سے مشکوٰۃ کی مشہور عربی شرح "لمعات" اور فارسی شرح "اشعۃ اللمعات" ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں "مدارج النبوۃ" تالیف کی اور فیروز آبادی کی "سفر السعادۃ" کی شرح لکھی۔ ۱۰۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

عالمگیر کے عہدِ حکومت میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے قابل اور لائق بیٹوں اور شاگردوں کا ایک بابرکت سلسلہ پیدا ہوا۔ جس نے شیخ کے فیض کو جاری کیا۔ شیخ عبدالحقؒ کے فرزند مولانا نور الحق محدث دہلویؒ نے والد کی علمی وراثت حاصل کی۔ آپ نے اپنے والد ہی سے حدیث میں استفادہ کیا اور ساری زندگی حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کر دی۔ آپ نے خواجہ محمد معصومؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور روحانی سلسلہ بھی جاری رکھا۔ صحیح بخاری کی فارسی میں "تیسیر القاری" کے نام سے ایک ضخیم شرح لکھی جو ۱۳۰۲ھ میں مطبع علوی لکھنؤ سے چھپ چکی ہے۔ آپ نے موطا امام مالک کی شرح بھی لکھی جو پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں موجود ہے۔ صحیح مسلم کی شرح شروع کی تھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔ شہاب الدینؒ شاہ جہان کے عہد میں آگرہ کے قاضی تھے۔ ۱۰۷۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ نور الحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے ایک اہم شخصیت شیخ حافظ فخر الدینؒ ہیں۔ آپ اپنے والد کے جانشین رہے اور والد کا علمی ترکہ آپ نے حاصل کیا۔ فارسی میں اپنے والد کی ناتمام شرح "منبع العلم" کی تکمیل کی۔ یہ شرح پٹنہ لائبریری

Marfat.com

میں موجود ہے۔حافظ فخر الدینؒ کے بیٹے شیخ الاسلامؒ ہیں جو محمد شاہ کے عہد حکومت میں تھے۔آپ نے صحیح بخاری کی فارسی زبان میں شرح مرتب کی۔اس شرح کا نام "تیسیر القاری" ہے۔شیخ الاسلامؒ کے بیٹے کا نام صاحب زادہ سلام اللہؒ ہے۔آپ نے اپنے والد سے بھرپور استفادہ کیا۔پہلے دلی میں تھے پھر رام پور چلے آئے اور محدّث رام پوریؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ نے موطأ امام مالک کی شرح "محلّٰی" مرتب کی۔اس کے علاوہ صحیح بخاری اور شمائل ترمذی کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔اور اصولِ حدیث پر عربی میں ایک کتابچہ لکھا۔آپ کا انتقال ۱۲۲۹ھ میں ہوا۔(۵)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے ایک ممتاز شاگرد خواجہ خواند معین الدینؒ ہیں جو خواجہ خواند محمودؒ کے صاحب زادہ ہیں۔ آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر تفسیر، حدیث اور علوم عقلیہ میں کمال حاصل کیا۔"کتاب رضوان" آپ کی مشہور تالیف ہے۔ خواجہ خواند معین الدین نے ۱۰۸۵ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔(۶)

شیخ محدّث دہلویؒ کے ایک اور معروف شاگرد ملا حیدر کشمیریؒ ہیں۔آپ نے ملا جواہر ناتھ محدّثؒ اور باباقطب الدینؒ سے کشمیر میں رہ کر استفادہ کیا۔پھر دلی آ کر شیخ دہلویؒ کے حلقہ سے وابستہ ہو گئے اور تفسیر وحدیث اور فقہ واصولِ فقہ میں مہارت حاصل کی۔دہلی سے واپس جا کر کشمیر میں آپ نے اپنا مرکز قائم کیا اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔۱۰۵۷ھ میں کشمیر میں آپ کا انتقال ہوا۔(۷)

مُلّا حیدر کشمیریؒ کے نامور شاگرد بابا داؤد مشکوتیؒ ہیں۔آپ کو مشکوٰۃ المصابیح کی ساری احادیث زبانی یاد تھیں اس لیے "مشکوتی" کہلائے۔۱۰۹۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔"اسرار الاسرار" آپ کی تالیف ہے جو بنیادی طور پر مشائخ کشمیر کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے صاحبزادے شیخ نور الحق دہلویؒ کے مرکزِ حدیث کے ایک نامور فاضل میر سید مبارک محدّث بلگرامیؒ ہیں۔آپ نے شیخ کے گھر میں رہ کر اور ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم حدیث میں وہ کمال پیدا کیا کہ آزاد بلگرامیؒ نے آپ کو قطب المحدّثین کا لقب دیا۔(۸)

۱۰۶۴ھ میں آپ نے سند فراغت حاصل کی اور ساری زندگی حدیث کی تدریس اور ترویج میں گزاری۔مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام بھی کیا۔بڑے بڑے امراء اور حکام بھی آپ کے احترام میں خاموش رہتے تھے۔۱۱۱۵ھ میں آپ نے وفات پائی۔

میر سید تبارکؒ کے شاگردوں میں میر عبدالجلیل بلگرامیؒ کو علماء اور طلبہ کے ہاں شہرت حاصل ہوئی۔اورنگزیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں آپ کی شہرت اور مقبولیت کا آغاز ہوا اور محمد شاہ کے دور تک مسلسل اس میں اضافہ ہوتا رہا۔بھکر (سندھ) میں رہتے ہوئے آپ نے صحیح بخاری کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔۱۱۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔میر عبدالجلیل بلگرامیؒ کے آغوشِ تربیت میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ نے پرورش پائی۔آپ نے اپنے نانا عبدالجلیل بلگرامیؒ سے حدیث وسیر میں بھرپور

Marfat.com

استفادہ کیا اور علومِ عقلیہ میں بھی کمال حاصل کیا۔

۱۱۵۱ھ میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ اور مولانا حیات سندھیؒ سے صحیح بخاری پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپ نے صحیح بخاری کی ایک ناتمام شرح "ضوء الدراری" کے نام سے تالیف کی۔ مولانا آزاد بلگرامیؒ نے ۱۱۵۱ھ میں جب مدینہ منورہ کا سفر کیا اور صحیح بخاری کا درس لیا اور ساتھ ہی علامہ قسطلانیؒ کی شرح ارشاد الساری نظر سے گزری تو روزانہ سبق کے برابر آپ قسطلانی کی تلخیص کرتے چلے گئے لیکن اس طرح آپ کتاب الزکوۃ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ میر عبد الجلیلؒ نے ربیع الاوّل ۱۱۳۸ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ (۹)

دورِ اکبری کے علمائے حدیث کی فہرست میں ایک اہم نام سید یاسین گجراتیؒ کا ہے۔ سید یاسین گجراتیؒ نے حجاز کے علماء اور اساتذہ سے حدیث کے اہم اور بنیادی مصادر کا درس لیا۔ حجاز سے واپس آ کر آپ پنجاب میں رہے۔ پھر بنگال کی طرف سفر کیا۔ پھلواری شریف میں سندِ حدیث کا جو مخطوطہ موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ یاسینؒ نے بہار میں اپنا مرکز قائم کیا تھا۔ اور یہیں رہ کر آپ نے حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے کام کیا۔ اس سند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا یاسین گجراتیؒ کے مرکزِ حدیث سے بہار کے "حافظ الوقت" مولانا شیخ عبدالرزاقؒ نے بھی استفادہ کیا۔ ان سے "شیخ الوقت" مولانا عبدالنبیؒ نے سند حاصل کی اور مولانا عبدالنبیؒ سے ان کے بیٹے مولانا عبدالمقتدر محدّثؒ نے اجازت لی۔ مولانا عبدالمقتدرؒ سے ان کے بھتیجے محمد عتیق بن عبدالسمیعؒ نے سند حاصل کی اور یہ سند پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔

مولانا محمد عتیق بہاریؒ کے شاگردوں شیخ محمد وجیہہ بن شیخ امان اللہ جعفری پھلورویؒ ہیں۔ انہی کو یہ سند دی گئی تھی۔ اس سند میں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے جن کی اجازت شیخ نے اپنے شاگرد کو دی تھی۔ شیخ محمد وجیہہؒ کے شاگرد، ان کے صاحب زادے ملا وحید الحق محدّث پھلورویؒ ہیں۔ انہوں نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ علمِ حدیث کی ترویج کی۔ ملا وحید الحق محدّثؒ کی اکثر تالیفات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی تالیفات سے ماخوذ ہیں۔

شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ)

شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدّد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں سلسلہ مجدّدیہ کے بانی ہیں۔ آپ شوال ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد سرہندیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر آپ سیالکوٹ اور وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیریؒ (م ۱۰۱۷ھ) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرفیؒ (م ۱۰۰۳ھ) سے منقولات کی اہم کتابیں پڑھیں۔ شیخ یعقوبؒ نے آپ کو صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ سیوطیؒ کی "الجامع الصغیر" پڑھانے کی اجازت دی۔ اس کے علاوہ شیخ احمدؒ نے قاضی بہلول بدخشیؒ سے صحاح ستہ کی بعض روایات پڑھ کر اجازت حاصل کی۔ قاضی بدخشیؒ، مکہ مکرمہ کے مشہور محدّث عبدالرحمن بن فہدؒ کے شاگرد تھے۔ ۱۰۰۷ھ میں شیخ نے خواجہ عبدالباقی نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے۔ شیخ احمدؒ نے تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ رصفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند میں وفات پائی۔ (۱۰)

Marfat.com

شیخ احمد سرہندیؒ حدیث کے متبحر عالم تھے۔ جس کا ثبوت آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ شیخ احمدؒ کا تعلق اگرچہ درس وتدریس کے ساتھ رہا لیکن آپ کا اصل کارنامہ تجدید اور اصلاح کے حوالہ سے ہے۔ آپ کے دور میں اکبری دربار پر ایسے علماء قبضہ کر چکے تھے جو بظاہر علماء تھے۔ لیکن ان کا میلان قرآن وسنت کی طرف نہیں تھا ان کی وجہ سے عوام کے عقائد میں نامناسب رسوم اور رواج داخل ہو گئے۔ بدعات اور خرافات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ احمد سرہندیؒ نے ان بدعات وخرافات کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر دیا۔ اور وعظ و تلقین، درس وتدریس اور رسائل و مکتوبات کے ذریعہ عوام کو صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ اس جہاد کے نتیجہ میں آپ کو حکومتِ وقت نے گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا۔ آپ دو سال تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن اپنا مشن اس حالت میں بھی جاری رکھا۔ شیخ احمدؒ کی خدا پرستی، اسلام کی صداقت پر کامل ایمان اور پاکیزہ زندگی سے بالآخر جہانگیر اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو شیخ کے روحانی فیضان سے مستفید ہونے کی ترغیب دی۔ آخر کار شیخ احمدؒ کے اس عظیم مقصد کو جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی شہنشاہ جہانگیر نے تسلیم کر لیا۔ اور اپنے عہد کے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی کوششوں میں بھی آپ برابر کامیاب ہوتے گئے۔ چنانچہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی اخلاقی اور روحانی زندگی درست کرنے کا راستہ اختیار کر لیا۔ شیخ مجددؒ نے اسلامی تعلیمات کی صحیح تاویل کر کے اور اپنی زندگی کو ایک بہترین عملی نمونہ بنا کر اسلام کو نہ صرف تفریق وانتشار سے بچالیا بلکہ شریعت اور طریقت میں وہ ربط وامتزاج بھی پیدا کر دیا جس کی بہت ضرورت تھی۔ شیخ مجددؒ کی کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا۔ اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی اصلاح وارشاد کا جو مبارک کام آپ نے شروع کیا تھا اسے آپ کی اولاد نے عرصۂ دراز تک جاری رکھا۔ ذیل میں ان چند حضرات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد ان کے سلسلہ کو جاری رکھا۔

شیخ سعید بن شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۷۰ھ)

شیخ سعیدؒ کا لقب "خازنِ رحمت" تھا۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم اپنے والد اور شیخ عبدالرحمن رومیؒ سے حاصل کی تھی۔ جب شیخ مجددؒ بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تو ان کی خانقاہ میں شیخ سعیدؒ حدیث اور دوسرے علوم کا درس دینے لگے اور انہوں نے یہ سلسلہ ۱۰۳۴ھ تک جاری رکھا۔ ۱۰۳۴ھ میں چونکہ آپ حرمین چلے گئے اس لیے درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۰۶۹ھ میں شیخ سعید سرہندؒ واپس آئے اور ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔ (۱۱)

فرخ شاہ بن شیخ سعیدؒ (م ۱۱۱۲ھ)

فرخ شاہؒ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ انہوں نے ستر ہزار احادیث زبانی یاد کر لی تھیں۔ اس لیے "حافظ" کے لقب سے مشہور ہوئے تھے۔ آپ نے جن احادیث کو زبانی یاد کیا تھا ان کی اسناد بھی آپ کو یاد تھیں۔ (۱۲)

سراج احمد مجدّدیؒ (۱۱۷۶ھ)

سراج احمد بن مرشد بن راشد بن فرخ شاہؒ ۱۱۷۶ ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۷۷ھ میں سکھوں نے سرہندؒ کو تیسری مرتبہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور سراج احمدؒ کے والد شیخ مرشدؒ (م ۱۲۰۱ھ) اپنے خاندان سمیت وطن چھوڑ کر رام پور چلے

Marfat.com

گئے۔ سراج احمدؒ نے حدیث کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو بہت بڑے عالم اور محدّث تھے۔ سراج احمدؒ نے ۱۲۳۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان کی میت رام پور لائی گئی جہاں اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ (۱۳)

سراج احمدؒ نے صحیح مسلم کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس ترجمے میں آپ نے تشریحی نوٹ بھی درج کیے ہیں۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ رام پور کی سرکاری لائبریری میں محفوظ ہے۔

شیخ سراجؒ نے جامع ترمذی کی شرح فارسی زبان میں مرتب کی۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن جامع ہے۔ نظامی پریس دہلی نے اسے مجموعہ شروح اربعہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ سراج احمدؒ نے ذوالحج ۱۲۲۰ھ میں اس شرح کا آغاز کیا تھا اور ذوالحج ۱۲۲۲ھ میں اس کو مکمل کیا تھا۔ شیخؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب لکھتے وقت جامع ترمذی کی کوئی شرح یا ترجمہ ان کے پیشِ نظر نہ تھا کہ وہ اس سے استفادہ کر سکتے۔ گویا کہ یہ تصنیف ان کی ذاتی محنت اور علم حدیث میں تبحر اور مہارت کا نتیجہ ہے۔ اس شرح کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ شیخ سراج احمدؒ ایسی کئی احادیث کی اسناد تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے متعلق امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں صرف اتنا حوالہ دیا تھا کہ: وفی الباب عن فلان، وفیہ فلان ...اس کے علاوہ مولف نے غیر مانوس ناموں اور نسبتوں کا صحیح تلفظ بھی درج کیا ہے جو جامع ترمذی میں پائے جاتے ہیں۔ شیخ سراج احمدؒ نے "رسالہ در ذکر طعام وشراب" کے نام سے بھی ایک کتابچہ مرتب کیا۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے اس میں کھانے پینے کے آداب اور ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو احادیث کے مطابق آپ ﷺ تناول فرماتے تھے۔

شیخ معصوم بن شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۸۰ھ)

شیخ معصوم حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے اور شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ (م ۱۱۱۹ھ) کے عہد میں آپ کو روحانی پیشوا کا مرتبہ حاصل تھا۔ شیخ معصومؒ کو علمِ حدیث پر کافی عبور حاصل تھا۔ جب آپ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے حرمین گئے تو وہاں کے شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے مصادرِ حدیث کا درس لیا اور واپس آتے ہوئے سند حاصل کی۔ (۱۴)

خواجہ سیف الدین سرہندیؒ (م ۱۰۹۸ھ)

خواجہ سیف الدینؒ، شیخ معصومؒ کے صاحب زادے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی علمِ حدیث کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردی تھی اور اپنی خدمات کے صلہ میں "محی السنة" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ شیخ معصومؒ نے اورنگزیب عالمگیرؒ کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ سیف الدینؒ کے ساتھ تعلق رکھیں اور ان کے حلقہ کے ساتھ وابستہ رہیں۔ خواجہ سیف الدینؒ نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔ (۱۵)

خواجہ اعظم بن سیف الدین سرہندیؒ (م ۱۱۱۴ھ)

خواجہ اعظمؒ ایک ممتاز محدّث تھے اور ان کا زمانہ اورنگزیب عالمگیرؒ کا عہدِ حکومت (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۹ھ) تھا۔ آپ نے اپنے والد سیف الدینؒ اور چچا فرخ شاہؒ (م ۱۱۱۲ھ) سے حدیث کے مصادر اور بنیادی کتب پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں۔ ۱۱۱۴ھ

Marfat.com

میں آپ کا انتقال ہوا اور سرہند میں اپنے والد کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔آپ نے صحیح بخاری کی شرح مرتب کی اور اس کا نام "فیض الباری" رکھا۔(۱۶)

شاہ ابوسعید بن صفی القدر مجددیؒ (م ۱۲۵۰ھ)

شاہ ابو سعیدؒ، خواجہ سیف الدینؒ کے پرپوتے اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ (م ۱۲۹۶ھ) کے والد تھے۔آپ ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔اپنے چچا شیخ سراج احمدؒ اور شاہ رفیع الدین دہلویؒ (م ۱۲۴۹ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) سے علم حدیث حاصل کیا۔اور مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ) کے سلسلۂ طریقت میں اپنے مرشد شیخ غلام علیؒ کے جانشین ہوئے۔شاہ ابو سعیدؒ نے زندگی بھر اصلاح وارشاد اور تعلیم وتدریس کا کام کیا۔شوال ۱۲۵۰ھ میں حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ٹونک میں آپ کا انتقال ہوا۔اور دہلی میں مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔(۱۷)

شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددیؒ (۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنی مجددیؒ علم حدیث میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) کے استاد تھے۔آپ نے حدیث کی چھ مشہور کتابیں (صحاحِ ستہ) اپنے والد شاہ ابو سعیدؒ سے پڑھیں۔عبدالغنی مجددیؒ نے صحیح بخاری کا کچھ حصہ شاہ اسحق دہلوی سے بھی پڑھا تھا۔۱۲۴۹ھ میں شاہ عبدالغنیؒ اپنے والد کے ہمراہ حجاز گئے اور وہاں شیخ عابد سندھیؒ سے صحاحِ ستہ پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران میں جب حالات پیچیدہ ہو گئے تو شاہ عبدالغنیؒ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں آخر وقت تک طلبہ کو حدیث کا درس دیتے رہے۔آپ کے حلقۂ درس میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔محرم ۱۲۹۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے سنن ابن ماجہ کی شرح مرتب کی جس کا نام آپ نے "انجاح الحاجة فی شرح ابن ماجة" رکھا۔یہ شرح اگرچہ مختصر ہے لیکن سنن ابن ماجہ کا مطالعہ کرنے والے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔علمی پریس دہلی نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ پر اسے طبع کیا ہے۔(۱۸)

شیخ مجدد الف ثانیؒ کے تلامذہ اور اولاد کے علاوہ اس دور میں جن محدثین کو مقبولیت حاصل ہوئی اور جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ان میں سے چند اہم اور نمایاں حیثیت رکھنے والے حضرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

محمد صدیق بن شریفؒ (م ۱۰۴۰ھ)

محمد صدیقؒ اپنے دور کے ممتاز محدّث تھے۔ آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔ آپ نے "مشکوۃ المصابیح" کی ایک شرح مرتب کی اور اس کا نام "نجوم المشکوۃ" رکھا۔ اس شرح میں آپ نے روایات پر مناسب تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خاص کر احکام سے متعلق روایات پر زیادہ توجہ دی ہے۔ ۱۰۳۲ھ کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ حسین الحسینی ہرویؒ (م ۱۰۴۵ھ)

شیخ حسینؒ گیارہویں صدی ہجری کے وسط تک بقید حیات تھے۔ آپ نے فارسی زبان میں "شمائل النبی ﷺ" کی شرحیں لکھیں جن میں سے ایک کا نام "شرح الشمائل" ہے۔ یہ شرح آپ نے شہزادہ سلیم کے لیے لکھی تھی۔ دوسری شرح جس کا نام "نظم الشمائل" ہے شہزادہ مراد بن جلال الدین اکبر کے لیے آپ نے مرتب کی تھی۔

سید جعفر بدرِ عالمؒ (م ۱۰۸۵ھ)

جعفر بن بلال بن محمد حسینی بخاریؒ جو بدر عالم کے لقب سے زیادہ معروف ہیں اچھ کے مشہور ولی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاریؒ (م ۷۸۵ھ) کی اولاد میں تھے۔ سید جعفرؒ کے والد سید جلال مقصودِ عالمؒ جن کو شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں چھ ہزار سوار کا منصب حاصل تھا، اسلامی علوم کے ایک ممتاز عالم تھے۔ سید جعفرؒ شعبان ۱۰۲۳ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد سے استفادہ کیا اور ایک قابل عالم بن گئے۔ آپ کا رجحان چونکہ تفسیر اور حدیث کی طرف تھا اس لیے آپ نے تفسیر وحدیث کے مصادر اور شروح کا بالالتزام مطالعہ کیا اور اس میدان میں مہارت حاصل کی۔ قلمی نسخوں کی نقلیں آپ خود لکھا کرتے تھے اور اتنی تیز رفتاری سے لکھتے تھے کہ دن میں بیسیوں صفحات لکھ لیتے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر نے آپ کو صوبہ دار بنانے کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ ۱۰۸۵ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ آپ نے "الفرید الطاری" کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ "الروضۃ" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو چوبیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اولیاء کرام، مفسرین اور محدثین کے حالات جمع کیے ہیں اور ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔[۲۰]

محبوب عالم بن جعفر بدرِ عالمؒ (م ۱۱۱۱ھ)

ابو المجد محبوب عالمؒ ۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۷ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد جعفر بدرِ عالمؒ اور گجرات کے دوسرے شیوخ واساتذہ سے استفادہ کیا۔ اپنے دور کے جتنے بھی ممتاز علماء اور محدثین تھے ان کی خدمت میں رہے اور ان سے کسب فیض کیا۔ آپ نے مشکوۃ المصابیح کی شرح لکھی جس کا نام "زینۃ النکات" رکھا۔ اس شرح میں آپ نے فقہی مذاہب کے

Marfat.com

مستدلات جمع کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی دو تفسیریں لکھیں ایک عربی میں اور دوسری فارسی میں۔ آپ نے اپنی فارسی تفسیر میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کے رواۃ اہل بیت ہیں۔ ۱۱۱۱ھ کو آپ نے احمد آباد میں وفات پائی۔ (۲۱)

شیخ یعقوب بنانی لاہوریؒ (م ۱۰۹۸ھ)

شیخ یعقوبؒ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت ابو یوسف کی نسبت سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ آپ کا میلان چونکہ بیک وقت منقولات اور معقولات کی طرف تھا اس لیے تفسیر وحدیث اور منطق وفلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ دہلی کے مدرسہ شاہجہان میں آپ مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ شاہ جہاں کے عہدِ حکومت میں آپ کو "میر عادل" کا منصب دیا گیا جو آپ نے قبول کیا۔ اورنگ زیبؒ کے عہدِ حکومت میں آپ کو ترقی دی گئی اور "ناظر محاکم" کا منصب عطا کیا گیا۔ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح "الخیر الجاری" کے نام سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم کی شرح "المعلم" کے نام سے لکھی اور موطأ امام مالک کی شرح "المصفی" کے نام سے ترتیب دی۔ ۱۰۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور دہلی میں دفن کیے گئے۔ (۲۲)

مولانا نعیم بن محمد فیض اودھی جونپوریؒ (م ۱۱۲۰ھ)

مولانا نعیمؒ کے دادا پیر حضرت سالارؒ سعود غازی کے ہمراہ اودھ آئے تھے۔ مولانا نعیمؒ کے والد نے بدوسرائے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اودھ کے مفتی بنا دیئے گئے تھے۔ نعیم اپنے دور کے مشہور عالم اور مصنف عبدالرشید جونپوریؒ کے شاگرد تھے۔ آپ نے سو برس سے زیادہ کی عمر پائی اور صفر ۱۱۲۰ھ میں انتقال کر گئے۔ جونپور میں دفن کر دیئے گئے۔ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح لکھی۔ (۲۳)

شیخ محمد اکرم بن عبدالرحمن حنفیؒ (م ۱۱۳۰ھ)

شیخ محمد اکرمؒ سندھ میں نصیر پور کے رہنے والے تھے۔ آپ اپنے دور کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی وابستہ رہے۔ آپ نے "نخبۃ الفکر" کی شرح "إمعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر" کے نام سے مرتب کی۔ اس کا مخطوطہ فرنگی محل، لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی مرحوم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (۲۴)

شیخ یحیٰی بن امین اللہ آبادیؒ (م ۱۱۴۴ھ)

شیخ یحیٰیؒ نے اپنے چچا شیخ افضل بن عبدالرحمن اللہ آبادیؒ (م ۱۱۲۴ھ) سے استفادہ کیا۔ آپ نے اپنے دور کے مشہور محدثین اور علماء کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا۔ اور اپنا مستقل حلقہ قائم کیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ جمادی الاول ۱۱۴۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ثلاثیات بخاری کی شرح "اعانۃ القاری فی شرح ثلاثیات البخاری" کے نام سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تالیفات بھی آپ سے یادگار ہیں۔

Marfat.com

۱- اربعین ۲- تذکرۃ الاصحاب

۳- ماخذ الاعتقاد فی شان الصحابۃ واہل البیت

۴- شرح حدیث صلاۃ التسبیح

۵- ترجمہ وظائف النبی ﷺ (۲۵)

شاہ محمد فاخر الٰہ آبادیؒ (م۱۱۶۴ھ)

شاہ محمد فاخرؒ شاہ یحییٰ الٰہ آبادیؒ کے بیٹے ہیں۔ آپ شاعر تھے اور "زائر" آپ کا تخلص تھا۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں شیخ حیات سندھی کے مرکزِ حدیث سے وابستہ رہے۔ پہلی بار ۱۱۵۰ھ اور اس کے بعد ۱۱۵۶ھ سے ۱۱۵۸ھ تک مسلسل شیخ محمد حیات سندھیؒ کی خدمت میں رہے۔ ۱۱۵۹ھ میں آپ الٰہ آباد واپس آئے اور اگلے سال ایک کشتی میں براستۂ عظیم آباد (پٹنہ) ومرشد آباد ہگلی پہنچے جہاں سے آپ حجاز جانے والے ایک جہاز میں سوار ہوئے لیکن خلیج بنگال میں زبردست طوفان آ گیا جس کی وجہ سے ۱۱۶۱ھ میں یہ جہاز چٹا گانگ کے ساحل سے جا لگا۔ یہاں آپ نے چار ماہ قیام کیا اور پھر وطن واپس آ گئے۔ شعبان ۱۱۶۴ھ میں آپ نے پھر حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ حالتِ سفر میں تھے کہ بیمار ہو گئے اور ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ کو برہان پور میں وفات پائی۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (م۱۱۷۶ھ) سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور علامہ آزاد بلگرامیؒ بھی آپ کے ہم مکتب تھے۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں۔

۱- قرۃ العین فی اثبات رفع الیدین

۲- رسالۃ نجاتیہ در عقائد حدیثیہ

اس رسالہ کے ایک نسخہ مولانا عبداللہ دیناج پوریؒ کی خاندانی لائبریری میں محفوظ ہے یہ فارسی میں ہے اور شاہ محمد فاخرؒ نے ۱۱۶۱ھ میں چٹا گانگ میں اپنے مختصر قیام کے دوران اسے مرتب کیا تھا۔ اس میں احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳- نظم عبارت سفر السعادۃ

۴- مثنوی در تعریف علم حدیث (۲۶)

مولانا امین الدین بن محمود عمری حنفی جونپوریؒ (م۱۱۴۵ھ)

مولانا امین الدینؒ جونپور میں پیدا ہوئے اور وہیں مولانا ارشد بن عبدالرشید جونپوریؒ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت ماہر اور باکمال مدرس تھے۔ اور نہ صرف حدیث، بلکہ اقلیدس، ریاضی، اصطرلاب اور قانونِ وراثت جیسے مختلف علوم پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ نے شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی کتاب "اشعۃ اللمعات" کا اختصار کیا۔ ۱۱۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۷)

مولانا نور الدین بن صالح احمد آبادیؒ (م۱۱۵۵ھ)

مولانا نور الدینؒ، احمد آباد کے مشہور ومعروف شیخ، استاذ اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے تقریباً ۱۵۰ کتابیں لکھیں جو زیادہ تر شروح اور حواشی پر مشتمل ہیں۔ علم حدیث میں آپ شیخ محبوب عالمؒ (م۱۱۱۱ھ) کے شاگرد تھے۔ اور ۱۱۴۳ھ میں جب

Marfat.com

حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تھے تو وہاں کے محدثین سے بھی حدیث کا درس لیا تھا۔احمد آباد میں آپ کا مدرسہ ہدایت بخش کے نام سے مشہور تھا۔یہ مدرسہ ایک شاندار عمارت میں قائم کیا گیا تھا جو شیخ نور الدینؒ کے ایک شاگرد نواب اکرام الدین صدر گجرات نے سوا لاکھ روپے کی خطیر رقم صرف کر کے تعمیر کرایا تھا۔اور یہ بہت بڑا تعلیمی مرکز بن گیا تھا۔شیخ نور الدینؒ کے اسی مرکز سے طلبہ کی بہت بڑی تعداد مستفید ہوئی۔اس مرکز میں علوم نقلیہ (تفسیر وحدیث وفقہ) اور علم عقلیہ (منطق، ریاضی، فلسفہ) دونوں پڑھائے جاتے تھے۔اور بہت منظم انداز میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔مولانا نور الدینؒ آخری عمر تک اپنے مدرسہ سے وابستہ رہے۔۱۱۵۵ھ کو ۹۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور احمد آباد میں اپنے مدرسے کی عمارت میں مدفون ہوئے۔آپ نے صحیح بخاری کی شرح "نور القاری" کے نام سے تالیف کی جسے طلبہ اور علماء کے حلقوں میں پذیرائی اور مقبولیت ملی۔(۲۸)

مرزا محمد بن رستم بدخشیؒ (م۱۱۹۵ھ)

محمد بن رستم بن قباد حارثیؒ، بدخشی ۲۱رجمادی الاول ۱۰۹۸ھ کو جلال آباد (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد مرزا رستم، جن کو معتمد خان کا لقب عطا کیا گیا تھا، اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے اور ۱۱۱۷ھ میں دکن کی جنگ میں مارے گئے۔صرف پندرہ سال کی عمر میں آپ نے "رسالہ رد البدعۃ وعقائد اهل السنة" لکھا اور اسی رسالہ کی وجہ سے روح اللہ خان نے ۱۱۱۵ھ میں آپ کو اورنگ زیب عالمگیرؒ سے متعارف کرایا۔اورنگ زیبؒ نے مرزا محمدؒ کو شش صدی منصب عطا کیا۔آپ نے اپنے آپ کو تصنیف وتالیف کے ساتھ وابستہ رکھا اور مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑیں:

۱- مفتاح النجاح فی مناقب العباد: یہ کتاب فضائل اہل بیت کے بارے میں ہے جو زیادہ تر احادیث وروایات پر مشتمل ہے اور اس میں اہل بیت کی ولادت ووفات اور زندگی کے اہم واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ہر ایک باب کو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔رمضان ۱۱۲۳ھ میں مرزا محمدؒ نے اسے لکھنا شروع کیا اور ۱۷رمحرم ۱۱۲۴ھ کو اسے لاہور میں مکمل کر لیا۔

۲- تراجم الحفاظ: یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔اس میں ممتاز محدثین کے حالات زندگی قلم بند کئے گئے ہیں۔اور ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔یہ کتاب امام سمعانی کی "کتاب الأنساب" پر مبنی ہے اور دہلی میں قیام کے دوران لکھی گئی ہے۔

۳- نزول الأبرار بما صح من مناقب أهل البيت الاطهار: یہ احادیث کا مجموعہ ہے جن سے آل رسول ﷺ کے اوصاف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔یہ رسالہ مؤلف نے امیر الامراء حسین علی خان الحسینی بارہویؒ کے لیے لکھا تھا۔

۴- تحفة المحبين فی مناقب الخلفاء الراشدين: یہ رسالہ چاروں خلفاء راشدینؓ کے مناقب وفضائل پر مشتمل ہے۔مؤلف نے ان روایات کو جمع کیا ہے جن سے خلفاء راشدینؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ مؤلف نے دو اہم کتابیں تالیف کیں۔ایک کا نام "تاریخ محمدی" ہے اور دوسری کا نام "عبرت نامہ" ہے۔مرزا محمد نے ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔(۲۹)

Marfat.com

مرزا جان برکیؒ (م ۱۱۰۰ھ)

اوحد الدین مرزا جان برکیؒ، جالندھری، مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے دور کے اہم مراکز حدیث سے استفادہ کیا اور حدیث و سیرت کے اہم اور بنیادی مصادر کا پورے التزام اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ کیا۔ سیرتِ نبوی ﷺ پر آپ نے "نظم الدرر والمرجان" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ بہت اہم اور جامع تالیف ہے اس میں آپ ﷺ کے حالات، معجزات، حقوق اور امتیازی اوصاف احادیث وروایات کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ سید علیم اللہ جالندھریؒ (م ۱۲۰۲ھ) نے "نثر الجواہر" کے نام سے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ (۳۰)

محمد صادق لاہوریؒ (م ۱۱۹۳ھ)

مولانا محمد صادقؒ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں شیخ یحییٰ بن صالح المکیؒ اور ابو الحسن سندھیؒ سے حدیث کے مصادر کا درس لیا۔ شیخ ابو الحسنؒ نے ۱۱۷۰ھ میں آپ کو سند عطا کی۔ شیخ محمد صادقؒ کا تعلق افغانستان سے تھا۔ آپ کے والد لاہور آئے تھے۔ اور یہاں مسجد وزیر خان کے امام مقرر ہوئے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۱۹۳ھ میں ہوا۔ آپ نے "ازالۃ الفسادات فی شرح مناقب السادات" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب دراصل دولت آبادی کی تالیف "مناقب السادات" کی شرح ہے۔ مولف نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ (۳۱)

مدراس اور اور کرناٹک کا علاقہ اسلامی جھنڈے کے تحت بہت دیر سے آیا یعنی عالمگیرؒ کے عہد میں۔ تاہم اس کا ساحلی حصہ مدتِ دراز سے عرب تاجروں کا جولانگاہ تھا۔ مالیبار میں ان کی بڑی آبادی تھی، مصر اور عرب سے ان کے براہِ راست بحری تعلقات تھے اس بنا پر یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں علم حدیث مصر اور عرب کے راستے سے براہِ راست داخل ہوا ہو گا۔ لیکن چونکہ اس علاقہ کی کوئی تفصیلی تاریخ موجود نہیں اس لیے کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ بہر حال اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب نظام دکن کی ملکی وسعت کے اندر کرناٹک کا علاقہ آیا اور ارکاٹ میں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اہلِ علم نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ اس عہد کے علماء میں شیخ محمد اسعد حنفی مکیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ موصوف، شیخ تاج الدین مکیؒ کے شاگرد تھے۔ شیخ عبداللہ بن سالم مصری نے "ضیاء الساری" کے نام سے صحیح بخاری کی جو شرح لکھی تھی اس کا اصل نسخہ شیخ اسعدؒ نے ان کے بیٹے سے خرید لیا تھا اور اس کو لے کر وہ مدراس میں آگئے تھے۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ نے ارکاٹ میں وہ نسخہ ان کے پاس دیکھا تھا۔ اس گرانقدر نسخہ کو ہندوستان لے آنے پر علامہ آزادؒ نے شیخ اسعدؒ کو ملامت کیا اور کہا کہ اس گراں قدر خزانہ کو اسلامی مرکز سے اتنی دور سفر میں لے آنا مناسب نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میری محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی اس کو اپنے سے جدا رکھوں۔ یہ وہ دَور تھا جب نظام الدولہ ناصر جنگ (والی حیدر آباد دکن) اور فوج کے افغانوں کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ اور ارکاٹ میں فتنوں کا طوفان برپا تھا۔ اس بنا پر شیخ نے "ضیاء الساری" کا یہ نسخہ اورنگ آباد دکن میں بھجوا دیا اور وہ خود ناصر جنگ کی شہادت کے بعد مظفر جنگ کے ساتھ ۱۱۶۶ھ میں شہید ہوئے۔

میر آزاد لکھتے ہیں کہ:

"وہ نسخہ اس وقت تک اورنگ آباد میں محفوظ ہے۔"

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے۔ عبد الحیّ حسنی، یادِ ایام۔ ص: ۳۵ تا ۴۴

(۲) مولانا عبد الحق محدّث دہلوی، اخبار الاخیار۔ ص: ۲۵۳

(۳) اخبار الاخیار۔ ص: ۲۶۴

(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: نزھۃ الخواطر، ج: ۴۔ تذکرۃ عبد النبی گنگوہیؒ

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: فقیر محمد، حدائق الحنفیۃ۔ ص: ۴۶۸

(۶) رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند۔ ص: ۲۹۹

(۷) فقیر محمد۔ حدائق الحنفیۃ۔ ص: ۴۰۸

(۸) رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند۔ ص: ۱۷۴

(۹) مقبول احمد صمدانی، حیات جلیل۔ ص: ۱۷۲

(۱۰) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج: ۵۔ تذکرۃ شیخ احمد سرہندیؒ

(۱۱) رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند۔ ص: ۱۹۰

(۱۲) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر۔ تذکرۃ فرخ بن سعید

(۱۳) احمد علی خان شوق، تذکرۂ کاملانِ رام پور۔ ص: ۳۸۹

(۱۴) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص: ۲۱۲

(۱۵) فقیر محمد، حدائق حنفیہ۔ ص: ۴۲۴

(۱۶) عبد الحیّ حسنی، معارف العوارف: شروح البخاری

(۱۷) احمد علی شوق، تذکرۂ کاملانِ رام پور۔ ص: ۳ تا ۵

(۱۸) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص: ۱۲۶

(۱۹) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج: ۶۔ تذکرۂ حسین ہروی

(۲۰) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص: ۲۱۶

(۲۱) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج: ۶۔ تذکرہ محمد بن جعفر گجراتی

(۲۲) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج: ۶۔ تذکرۂ شیخ یعقوب

Marfat.com

(۲۳) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج:۶۔ تذکرۂ نعیم بن فیض

(۲۴) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج:۶۔ تذکرۂ محمد اکرم بن عبد الرحمن سندھی

(۲۵) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج:۶۔ تذکرۂ یحیی بن امین عباسی

(۲۶) آزاد، سروآزاد۔ ص:۲۱۲

(۲۷) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر۔ تذکرۂ امین الدین

(۲۸) عبد الحیّ حسنی، یادِ ایام۔ ص:۳۳

(۲۹) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، تذکرۂ محمد بن رستم بدخشی

(۳۰) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص:۱۴۷

(۳۱) عبد الحیّ حسنی، نزھۃ الخواطر، ج:۶۔ تذکرۂ محمد صادق لاہوری

Marfat.com

تیرہواں باب

برصغیر میں علم حدیث (۴)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا وجود ایسے حالات میں نمایاں ہوا جب سلطنتِ مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ مسلمانوں میں رسوم وبدعات کا زور تھا۔نام نہاد فقراء اور مشائخ جا بجا اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں کو ذریعۂ روز گار بنائے بیٹھے تھے۔مدارس میں منطق، فلسفہ، حکمت اور معقولات کا زور تھا۔فقہ کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں لیکن ان کے فہم پر توجہ نہ ہونے کے برابر تھی۔عوام تو عوام خواص تک قرآنی آیات کی تلاوت اور احادیث کی عبارت محض تبرک کے لیے پڑھتے تھے۔آیات اور روایات کے معانی ومطالب سے علماء کو سروکار نہ تھا۔شاہ ولی اللہؒ نے امتِ مسلمہ کو ان کا بھولا ہوا راستہ یاد دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کو صحیح ہدایت اور رہنمائی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ملے گی۔ معقولات کی کتابوں سے نہیں۔شاہ ولی اللہ کا اصل نام احمد بن عبدالرحیمؒ ہے۔آپ عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔اورنگزیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے بروز ہفتہ، بتاریخ ۱۴رشوال ۱۱۱۴ھ کو دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی۔پانچ سال کی عمر میں باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔شاہ ولی اللہ نے جب اپنے دور کے مروجہ نصاب کی تکمیل کی تو آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔آپ نے مشکوٰۃ المصابیح، شمائل النبی ﷺ اور صحیح بخاری کے ایک حصہ کا درس مولانا افضل سیالکوٹیؒ (م ۱۱۴۶ھ) اور اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ (م ۱۱۳۱ھ) سے لیا جو فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔ ۱۱۴۳ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں چودہ ماہ تک مقیم رہے۔حرمین میں آپ نے ابوطاہر بن ابراہیم کردی شافعیؒ (م ۱۱۴۵ھ) سے صحاحِ ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور حصن حصین کا اور شیخ وفد اللہ المالکی المکیؒ سے موطا امام مالک کا درس لیا۔اس کے علاوہ تاج الدین المکیؒ اور شیخ عمر بن احمد المکیؒ سے بھی علمِ حدیث حاصل کیا۔۱۱۴۶ھ کو آپ واپس دہلی آئے اور اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا۔طلبہ کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا تھا اس لیے کچھ عرصہ کے بعد یہ جماعت ایک وسیع عمارت میں منتقل کر دی گئی جو محمد شاہ (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) نے اس مقصد کے لیے دی تھی۔یہاں مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کی تعلیم تقریباً پچیس سال تک دیتے رہے۔آپ کے درس دینے کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے طلبہ سے گزشتہ دن کا سبق سنتے تھے اور اس کے بارے میں طلبہ سے مختلف سوالات کرتے تھے۔اس کے بعد نئے موضوع سے متعلق گفتگو فرماتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو بھی موضوع ہو اس پر تفصیل کے ساتھ بحث وتمحیص ہو جائے۔مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت آپ کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہبِ اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی

Marfat.com

بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔خاص کر ایسے اختلافات کو جو احناف اور شوافع کے درمیان پائے جاتے ہیں۔اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ ایسے تمام فقہی مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔یہ ایک ایسا طریقۂ تعلیم تھا جس سے نوجوان طلبہ میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی اور ان کے دل میں چاروں ائمہ اجتہاد اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام ورواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا۔شاہ ولی اللہؒ نے اُمتِ مسلمہ کی دینی اور فکری راہنمائی کے لیے بہت کچھ کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنی ساری صلاحیتوں کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ذیل میں آپ کی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱) مغلیہ دربار پر شہنشاہ ہمایوں سے لے کر اب تک ایسے علماء کا قبضہ تھا جن کا تعلق اہلِ سنت والجماعت سے نہیں تھا۔ دربار میں ایرانی امراء کی کثرت ہمیشہ رہی اور اس کا اثر نیچے درجہ تک درجہ بدرجہ نمایاں تھا۔اور شاہ ولی اللہؒ کے عہد میں تو لکھنؤ کی نوابی کے سبب سے مسلمانوں پر اور زیادہ اثر پڑ رہا تھا۔علماء اہلِ سنت میں اس اثر کو روکنے کی ہمت اور جرأت نہ تھی۔شیخ مجدّد الف ثانیؒ جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تھے ان کے مکتوبات سے اس دور کی صورتِ حال ظاہر ہو رہی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نہایت تحقیق، کدوکاوش اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کام کو انجام دیا۔اور "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" جیسی عالمانہ اور محدّثانہ کتاب تالیف کی جس میں سینکڑوں، ہزاروں حدیثوں سے خلفائے راشدین کے مناقب وفضائل کے وہ رموز ونکات کھولے جواب تک نہیں کھلے تھے۔

۲) عقائد وکلام سے متعلق بے سروپا جزئیات وتفصیلات کا جن پر اب تک علم دین کا گویا مدار سمجھا جاتا تھا بھرم کھول کر رکھ دیا اور ان کے مقابلہ میں کتاب وسنت کے اسرار ومصالح منظر عام پر لائے اور ہندوستان کے علماء کو ان کی سات سو برس کی غلط تاویلات پر متنبہ کیا۔

۳) قرآن مجید، جو دینِ اسلام کا بنیادی ماخذ اور مرکز ومحور ہے اور جو ہندوستان میں اب تک صرف تبرکاً تلاوت کے لیے مخصوص تھا۔اس کے فہم وتعلیم کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تفسیر کے اصول لکھے۔قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔قرآن پاک کے درس کا حلقہ قائم کیا اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کتاب بنایا۔

۴) عربی زبان کی واقفیت، قرآن وحدیث کے سمجھنے میں عام لوگوں کے لیے رکاوٹ تھی۔اس کو دور کرنے کے لیے اپنے دور کی علمی زبان فارسی میں جہاں قرآن مجید کا ترجمہ کیا وہاں موطأ امام مالک کی شرح بھی مرتب کی۔

۵) اب تک ہندوستان میں جو فقہ حنفی مروّج تھی، وہ تمام تر فتاویٰ کی نقل در نقل اندھی تقلید تھی اور ہر وہ کتاب جس کو کسی حنفی فقیہ نے پہلے لکھ دیا ہو وہ استناد واعتماد کے قابل سمجھی جاتی تھی اور خاص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بن جاتی تھی۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اس تقلیدی فقہ کی جگہ تحقیقی فقہ کو رواج دیا۔ہر مسئلہ میں آپ ہر امام ومجتہد کی مختلف آراء، دلائل اور اسناد سے واقف تھے۔اس لیے آپ ان میں باہم تطبیق یا ترجیح دیتے تھے۔مجتہدین کے

Marfat.com

اختلافات کے اسباب پر آپ نے کام کیا اور اس ضمن میں بہت بنیادی مباحث علماء کے سامنے پیش کیے۔ اجتہاد اور تقلید کی تشریح کی اور کتاب وسنت کی اتباع اور پیروی کی عام دعوت دی۔

۶) شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے جو کام شروع کیا تھا آپ نے اس کی تکمیل کی۔ تالیف وتصنیف کے ذریعہ مصادر حدیث کو عام کیا۔ حدیث کی بہت اہم اور بنیادی کتاب موطأ امام مالک کی فارسی اور عربی میں دو شرحیں لکھیں۔ صحیح بخاری کے تراجم کی شرح کی اور "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبیّ الأمین" ایک رسالہ لکھا۔ فقہ، اصول فقہ اور احکام کے اسرار ورموز میں "حجۃ اللہ البالغۃ" جیسی گراں قدر کتاب مرتب کی۔

۷) آپ نے ہندوستان میں حدیث کے درس وتدریس کے باقاعدہ حلقے قائم کیے۔ آپ کے بعد آپ کے شاگردوں نے ان حلقوں کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ کرتے چلے گئے۔

۸) شاہ ولی اللہؒ کی اولاد نے اپنے والد بزرگوار کے ناتمام کاموں کی تکمیل کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو پیغام نبوی ﷺ کے آوازہ سے معمور کر دیا۔ آج برصغیر میں جہاں بھی "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی آواز سنائی دیتی ہے وہ اسی خانوادۂ فضل وکمال کی خیر وبرکت کی صدائے بازگشت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے مرکز حدیث سے جو لوگ مستفید ہوئے ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، اس لیے ان سب کا یک جا کرنا بہت مشکل کام ہے تاہم اس ضمن میں چند بزرگوں کے نام دستیاب ہیں۔ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک نہایت اہم نسخہ ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی درس گاہ میں زیرِ درس رہا ہے اور اس پر شاہ ولی اللہؒ کے دست خاص سے ایک تحریر ہے۔ اور ایک تحریر شاہ ولی اللہؒ صاحب کے اس شاگرد کی ہے جس نے آپ سے یہ نسخہ پڑھا۔ اس شاگرد کا نام محمد ابن پیر محمد بن شیخ ابو الفتح بلگرامی الٰہ آبادیؒ ہے۔ اس پر مولانا پیر محمدؒ کے ہاتھ سے جو عربی عبارت ہے اس کا اردو ترجمہ یوں ہے:

> "دلّی میں جمنا کے کنارے جامع فیروزی میں چہار شنبہ کے دن بتاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ جامع صحیح امام بخاری شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمری بلگرامیؒ ثم الٰہ آبادی کے ہاتھ سے تمام ہوئی۔ ساتھ ہی شروع سے آخر تک اس کی قرآۃ بھی شیخ ولی اللہ عمری کے درس میں تمام ہوئی۔"

پھر اس پر شاہ ولی اللہؒ کے دستِ مبارک سے عربی میں امام بخاری رحمہ اللہ تک ان کی اپنی سند اور اجازت درج ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے درس میں کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فرماتے ہیں:

> "شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح عمریؒ نسباً، بلگرامی اصلاً، الٰہ آبادی مولداً نے صحیح بخاری مجھ سے پڑھی۔ خواجہ محمد امینؒ پڑھتے تھے اور وہ سنتے تھے۔ نیز بقیہ کتب صحاح ستہ کے اطراف مجھ سے پڑھے اور مؤطا امام مالک اور مسند دارمی اور مشکوٰۃ المصابیح کے کچھ حصے پڑھے اور میں نے ان کو ان کی اجازت دی۔ میں نے یہ اجازت وسند شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنیؒ سے حاصل کی اس کو ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہہ الدین بن معظم بن منصور ابن احمد بن محمود رحمہم اللہ نے اپنے ہاتھ

سے لکھا جو نسباً عمری، وطناً دہلوی، عقیدۃً اشعری، طریقۃً صوفی، عملاً حنفی اور تدریساً حنفی وشافعی اور تفسیر و حدیث وفقہ وعربیت اور کلام کا خادم ہے۔سہ شنبہ ۲۳ شوال ۱۱۵۹ھ۔"

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ عبارت ہے:

"ایں خط والد بزرگوار است بے شبہ۔کتبہ الفقیر محمد رفیع"

اس نسخہ پر ایک اور عبارت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ عالم بادشاہ کی ہدایت پر ۱۱۸۴ھ میں محمد نامی کسی عالم نے اس میں شروع سے آخر تک اعراب لگائے اور کسی مصحح نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا۔(۱)

خواجہ محمد امینؒ جن کا شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر میں ذکر ہے شاہ صاحب کے مخصوص شاگردوں اور مریدوں میں ہیں۔آپ کے تلامذہ میں ایک بزرگ مولانا رفیع الدین مراد آبادیؒ ہیں۔مولانا رفیع الدینؒ نے شاہ صاحب کے علاوہ شیخ محمد حیات سندھیؒ کے شاگرد مولانا خیر الدین سواتیؒ سے بھی حدیث پڑھی۔امام نووی رحمہ اللہ کی اربعین کی شرح لکھی اور اپنے سفر حج کے حالات میں فارسی میں ایک رسالہ لکھاہے۔کشمیر کے ایک اور بزرگ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ معروف بہ بابا محمد عثمان کشمیری ابن شیخ محمد فاروقؒ، شاہ صاحبؒ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔انہوں نے حدیث اور فقہ کا درس شاہ صاحب کے مرکز میں رہ کر حاصل کیا۔

تالیفی خدمات

شاہ ولی اللہ دہلوی نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں۔ذیل میں آپ کی چند اہم تالیفات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے:

حجۃ اللہ البالغۃ

یہ شاہ صاحبؒ کی بہت جامع اور وقیع تالیف ہے۔جس میں فقہ، دینیات، طبیعیات، الٰہیات، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ اور علم الاسرار جیسے اہم علوم وفنون پر بحث کی گئی ہے۔اس کتاب میں جس جس موضوع پر بحث کی گئی ہے اس میں آیات اور روایات کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں۔"حجۃ اللہ البالغہ" ایک ایسی عظیم شاہکار ہے جس کی تعریف اور قدر دانی تمام اسلامی دنیا میں ہوئی۔نواب صدیق حسن خان کے بقول:

"یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک ایسی نادر تصنیف ہے جس کی کوئی نظیر عرب اور عجم کے علماء گزشتہ بارہ صدیوں میں کبھی پیش نہ کر سکے۔" (۲)

حجۃ اللہ البالغہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ھ میں صدیقی پریس، بریلی میں حسب فرمائش منشی جمال خان بھوپال طبع ہوئی تھی اور اس کا مصری ایڈیشن ۱۹۰۴ھ میں مطبع خیریہ قاہرہ نے شائع کیا تھا۔اس کتاب کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں اب تک کئی سکالرز اس پر پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھ چکے ہیں۔

Marfat.com

اربعین

یہ رسالہ چالیس احادیث کا انتخاب ہے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اور ان کے اخلاف کے توسط سے آنے والی نسلوں تک پہنچی ہیں۔ خرم علی بلہریؒ (م ۱۲۷۱ھ) نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا اور حواشی بھی لکھے تھے۔ جسے ۱۸۵۸ھ میں ہادی علی لکھنویؒ نے ایک منظوم شرح کی شکل میں قلم بند کیا۔ اور اس کا نام "تسخیر" رکھا جو ۱۸۶۶ھ میں مصطفائی پریس دہلی میں طبع کی گئی تھی۔

وثيقة الآخرة

یہ امام نووی رحمہ اللہ کی اربعین کی فارسی شرح ہے۔ جس میں بین السطور اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ عبدالحلیم کاکا خیل کی منظوم پشتو شرح کے ساتھ ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں طبع ہوا تھا۔

الدرّ الثمين فی مبشرات النبیّ الامين

یہ رسالہ ایسی چالیس احادیث کا مجموعہ ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے شیوخ نے عالمِ خواب میں خود رسول اکرم ﷺ سے سنیں۔ یہ رسالہ مع اُردو ترجمہ کے جو ظہیر الدین احمد نے کیا تھا ۱۸۹۰ھ میں دہلی میں شائع ہوا تھا۔

الفضل المبين فی المسلسل من حديث النبیّ الامين

یہ حدیثِ مسلسل کا مجموعہ ہے جو حفاظِ حدیث کے طبقات، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء، اہل بیت، محدثین اندلس، محدثین مشرق، شعراء محدثین اور علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے روایت کی ہیں۔ یہ بہت ہی نادر رسالہ صحیح بخاری کی جلد دوم کے اس ترجمہ کے آخر میں بطورِ ضمیمہ شامل کیا گیا تھا جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ایک شاگرد شیخ محمد اللہ آبادیؒ نے ۱۱۶۰ھ سے قبل کیا تھا اور یہ بانکی پور کی اورینٹل پبلک لائبریری میں محفوظ ہے۔

الإرشاد الی مہمّات الاسناد

یہ کتاب خود شاہ ولی اللہؒ کے شیوخ اور ان رواۃِ حدیث کا تذکرہ ہے جن کی سند سے احادیث، رسولِ اکرم ﷺ سے ان رواۃ تک پہنچی ہیں۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی تراجم البخاری کے ساتھ ۱۸۸۹ھ میں دہلی میں طبع کیا گیا تھا۔

تراجم البخاریؒ

یہ صحیح بخاری کی وسعت وغایت اور اصولِ ترتیب پر مختصر تبصرہ ہے۔

شرح تراجم ابواب البخاری

یہ رسالہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب (عنوانات) کی شرح ہے۔ جو دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے ۱۹۳۸ھ میں دوسری مرتبہ شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ رسالہ صحیح بخاری کے اس ایڈیشن میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا تھا جو ۱۹۴۰ھ میں

Marfat.com

اصح المطابع دہلی میں طبع ہوا تھا۔

مصفّی شرح موطاً

یہ کتاب امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) کی موطاً کی مختصر شرح ہے جو فارسی میں دو جلدوں میں لکھی گئی ہے اور ۱۸۷۶ھ میں فاروقی پریس، دہلی میں پہلی بار طبع کی گئی تھی۔ اس شرح میں شاہ ولی اللہؒ نے ہر ایک حدیث کا فارسی ترجمہ درج کیا ہے اور حسبِ ضرورت اس کا مفہوم بھی بیان کر دیا ہے نیز اس کے متعلق مذاہبِ اربعہ بالخصوص حنفی اور شافعی مکاتب کا نقطۂ نظر بھی بیان کر دیا ہے اور جگہ جگہ فقہی مسائل پر بحث کی ہے۔ مگر کسی مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح نہیں دی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بیس صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جو امام مالکؒ اور ان کی موطاً کے بارے میں ہے۔ جو شاہ ولی اللہؒ اور امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کے نزدیک حدیث کی سب سے مقدم اور مستند کتاب ہے اور "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" ہے۔

مسوّی شرح موطاً

یہ کتاب ۱۷۵۱ء میں لکھی گئی تھی اور ۱۸۷۹ء میں مطبع فاروقی دہلی نے اسے مصفّٰی کے حاشیہ پر طبع کیا تھا۔ یہ رسالہ امام مالکؒ کی "موطا" کی عربی میں شرح ہے جس میں زیادہ تر حنفی اور شافعی مکاتب کی آراء پر بحث کی گئی ہے۔

آثار المحدّثین

یہ معروف و مشہور محدّثین کا تذکرہ ہے اس کتاب کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔

مکتوبات مع مناقب امام البخاریؒ وابن تیمیہؒ

یہ کتاب فارسی میں ہے اور سیّد عبدالرؤف نے جن کا تعلق نذیریہ بزم ادب، دہلی سے تھا اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے مشہور تلامذہ

شاہ ولی اللہؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیاد ہے۔ یہاں ان میں سے چند حضرات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ شیخ جلال الدین کبیر اولیاء کی دسویں پشت میں تھے۔ آپ نے حدیث کا درس شاہ ولی اللہؒ سے لیا۔ اور علم تصوف مرزا مظہر جانِ جاناںؒ (م ۱۱۰۵ھ) سے حاصل کیا۔ علم حدیث میں آپ کی صلاحیت اور مہارت کی بنا پر آپ کو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے "بیہقیِٔ وقت" کا لقب دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی "تفسیر مظہری" میں احادیث بکثرت درج کی گئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو علمِ حدیث پر کتنا زیادہ عبور حاصل تھا۔[۳]

Marfat.com

تالیفی خدمات

قاضی صاحب نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ نے بہت اہم، مفید اور وقیع تالیفات مرتب کیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

اللباب

یہ کتاب شیخ شمس الدین صالحیؒ (م ۹۴۲ھ) کی تالیف "سبل الھدیٰ والرشاد" کی جلد سوم کا خلاصہ ہے۔ جس میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف عالیہ، معاملات اور معمولات بیان کئے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے منقول دعائیں، احکام اور فیصلے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مقدمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قاضی ثناء اللہؒ نے یہ کتاب اپنے مرشد مظہر جانِ جاناںؒ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اللباب میں جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے ان کے اختصارات یوں درج کئے گئے ہیں:

خ:	برائے صحیح بخاری
م:	برائے صحیح مسلم
د:	برائے سنن ابو داؤد
س:	برائے سنن نسائی
جہ:	برائے سنن ابن ماجہ
ک:	برائے موطأ امام مالک
فع:	برائے مسند امام الشافعی
کم:	برائے مستدرک حاکم
طب:	برائے معجم الطبرانی
می:	برائے سنن دارمی
قط:	برائے سنن دار قطنی ...... وغیرہ وغیرہ

اللباب کا ایک مخطوطہ مدرسہ جامع العلوم، کانپور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ

(م۱۲۳۹ھ)

شاہ عبدالعزیزؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ امینؒ اور خواجہ عاشق پھلتیؒ سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ شاہ ولی اللہ کے مدرسہ میں باقاعدہ داخل ہو گئے جہاں آپ نے بہت تفصیل اور اہتمام کے ساتھ "مصابیح السنۃ"، "مسوی فی شرح الموطأ"، "صحیحین" کا ایک حصہ اور "سنن اربعہ" کا درس لیا۔ ۱۱۷۴ھ میں جب

Marfat.com

شاہ عبدالعزیزؒ کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی آپ نے تعلیم مکمل کر لی اور ۱۱۷۶ھ میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد وہ مدرسہ رحیمیہ میں مدرس ہوئے وہاں علوم قرآن و حدیث کا درس ساٹھ برس سے زیادہ مدت تک دیتے رہے۔(۴)

شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان میں علمِ حدیث کی ترقی واشاعت کے لیے جو خدمات انجام دیں اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کئی شاگردوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں حدیث کی تعلیم واشاعت کے مراکز قائم کیے۔ ذیل میں آپ کے شاگردوں کے نام اور مراکز کے مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے:

۱-	شاہ رفیع الدین دہلویؒ (م ۱۲۴۹ھ)	بمقام دہلی
۲-	شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ)	بمقام دہلی
۳-	شاہ محمد مخصوص اللہؒ (م ۱۲۷۳ھ)	بمقام دہلی
۴-	مفتی صدر الدین دہلویؒ (م ۱۲۵۸ھ)	بمقام دہلی
۵-	حسن علی محدّث لکھنویؒ (م ۱۲۲۶ھ)	بمقام لکھنؤ
۶-	حسین احمد ملیح آبادیؒ (م ۱۲۷۵ھ)	بمقام ملیح آباد
۷-	شاہ رفیع احمد مجدّدیؒ (م ۱۲۴۹ھ)	بمقام بھوپال
۸-	شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ (م ۱۳۱۵ھ)	بمقام مراد آباد
۹-	خرّم علی بلہریؒ (م ۱۲۷۱ھ)	بمقام بلہر (لکھنؤ)
۱۰-	شاہ ابو سعیدؒ (م ۱۲۵۰ھ)	بمقام رام پور و دہلی
۱۱-	محمد شکور جعفریؒ (م ۱۳۰۰ھ)	بمقام مچھلی شہر (اعظم گڑھ)
۱۲-	شاہ ظہور الحق قلندریؒ	بمقام پھلواری شریف (پٹنہ)
۱۳-	اولاد حسینؒ (نواب صدیق حسن خان کے والد)	بمقام قنوج
۱۴-	کرم اللہ محدّثؒ (م ۱۲۵۸ھ)	بمقام دہلی
۱۵-	سلامت اللہ بدایونیؒ	بمقام کانپور

علمی اور تالیفی خدمات

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کو اللہ جل شانہ نے بہت رواں قلم عطا کیا تھا۔ آپ نے لکھا اور بہت خوب لکھا۔ آپ کی ہر ایک تالیف کو علماء اور عوام کے ہاں قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ حدیث کے حوالہ سے آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں مرتب کیں۔

Marfat.com

بستان المحدثین

یہ بہت وقیع اور مفید رسالہ ہے جس میں حدیث کی اہم کتب اور مصادر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موطأ امام مالک سے آغاز اور امام بغوی کی مصابیح پر اختتام ہوا ہے۔ اس میں ان کتب کے مؤلفین کے مختصر حالات بھی درج کیے گئے ہیں۔

عجالۂ نافعہ

یہ اصولِ حدیث پر فارسی میں بہت مفید رسالہ ہے۔ مطبوعہ ہے۔ کئی بار چھپا ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ

شاہ عبدالعزیزؒ نے اہل تشیع کے ردّ میں تحفۂ اثناء عشریہ لکھی۔ یہ کتاب اسم بامسمی ہے اور انتہائی مفید اور وقیع و مستند معلومات پر مشتمل ہے۔

شاہ اسحاق بن افضل فاروقی دہلویؒ

(م ۱۲۶۲ھ)

۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد ان کے مدرسہ کے استاد، ان کے مشہور شاگرد اور پوتے شاہ اسحٰقؒ ہوئے جو بہت قابلیت کے ساتھ بیس برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۲۵۰ھ میں شاہ اسحٰقؒ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے جہاں انہوں نے رجب، ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی۔(۵)

تراجم علمائے حدیث ہند کے مؤلف نے ہندوستان کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے ایسے اکتالیس محدثین کے نام درج کیے ہیں جو شاہ اسحاقؒ کے شاگرد تھے۔ ان میں مولانا مظہر نانوتویؒ اور مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، وہ اساتذہ ہیں جنہوں نے دارالعلوم سہارنپور میں حدیث کے مصادر پڑھانے کا آغاز کیا۔ شاہ عبدالغنی مجددیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ کے شیخ ہیں اور مولانا نذیر حسینؒ برصغیر میں اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے بانی ہیں۔

مولانا مظہر نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ)

مولانا مظہر نانوتویؒ نے شاہ اسحاقؒ کے علاوہ علم حدیث کی تعلیم رشید الدین دہلویؒ (م ۱۲۴۹ھ) اور مفتی صدر الدین دہلویؒ (م ۱۲۸۵ھ) سے حاصل کی۔ آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرّس اور شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ) ہیں۔(۶)

احمد علی بن لطف اللہ انصاری سہارنپوریؒ (م ۱۲۰۷ھ)

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ دہلی میں شاہ اسحٰق سے سند حاصل کرنے کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے

Marfat.com

جہاں انہوں نے حرمین شریفین کے محدّثین سے استفادہ کیا۔حجاز سے واپس آنے کے بعد آپ نے اپنی نگرانی میں اور اپنے مشہور شاگرد مولانا قاسمؒ کے تعاون سے دہلی میں مطبع احمدی قائم کیا جس نے حدیث کی مستند کتابیں طبع کر کے ہندوستان میں کئی سال تک قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔اس سلسلہ میں صحیح بخاری پر آپ کی تعلیقات کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح بخاری کے اسناد اور متون کے بارے میں وہ تمام معلومات قلم بند کر دی گئی ہیں جن کو جاننا ایک طالبِ علم کے لیے ضروری ہے۔اس کے علاوہ مولانا احمد علیؒ نے "جامع ترمذی" پر حواشی لکھے جو ۱۳۲۸ھ میں مجتبائی پریس، دہلی نے شائع کئے تھا۔

۱۸۵۷ھ میں جب حالات بہت بگڑ گئے تو مولانا احمد علیؒ نے مطبع بند کر دیا اور دہلی چھوڑ کر اپنے آبائی شہر سہارنپور چلے گئے۔جہاں کچھ عرصہ کے بعد آپ مظاہر العلوم کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔آپ ۱۲۹۷ھ تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔(۷)

شاہ عبدالغنی مجدّدی (م۱۲۹۶ھ)

شاہ عبدالغنیؒ نے موطأ امام مالک اپنے والد مولانا شاہ ابوسعیدؒ سے پڑھی۔مشکوٰۃ المصابیح شاہ رفیع الدینؒ کے صاحبزادے شاہ مخصوص اللہؒ سے اور بقیہ کتابیں شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھیں۔شاہ عبدالعزیزؒ کی مجلس درس میں روایاتِ حدیث کی قرآت آپ کے ذمہ تھی۔سنن ابن ماجہ پر آپ کا حاشیہ ہے جس کا نام "انجاح الحاجۃ" ہے۔انگریز استعمار کے تسلط کے بعد آپ نے ہجرت کی۔پہلے مکہ مکرمہ میں رہے پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں دو حضرات ایسے ہیں جنہیں اپنی علمی، عملی اور فکری خدمات کی بنا پر بہت زیادہ شہرت، مقبولیت اور محبوبیت حاصل ہوئی۔ایک دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور دوسرے شیخ رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔

مولانا قاسم بن اسد بن غلام شاہ نانوتویؒ (م۱۲۹۷ھ)

مولانا قاسم نانوتویؒ نے درسیات یعنی عربی وفارسی کے مروجہ نصاب کی تعلیم اپنے چچا مولانا مملوک علیؒ صاحب سے حاصل کی۔جو دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم کردہ مدرسہ میں مدرس تھے اور حدیث کا درس شاہ عبدالغنی مجدّدیؒ سے لیا۔آپ نے شروع میں تدریس اختیار کی۔لیکن بعد میں مطبع احمدی، دہلی سے منسلک ہو گئے اور اپنے استاد مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے ساتھ کتب حدیث کو مرتب کرنے اور ان پر حواشی وتعلیقات لکھنے کا کام ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی شروع ہونے تک انجام دیتے رہے۔۱۸۶۰ء میں آپ نے فریضۂ حج انجام دیا اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م۱۳۱۷ھ) کے مرید ہو گئے۔۱۸۶۶ء میں مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور شیخ شاہ عبدالغنی مجدّدیؒ کی ہدایت پر دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہو گیا۔اسی دارالعلوم میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، اور مولانا احمد حسین امروہویؒ نے مولانا قاسم نانوتویؒ سے حدیث کے مصادر کا درس لیا۔مولانا قاسم نانوتویؒ نے ۴ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ بمطابق فروری ۱۸۸۶ھ کو وفات پائی اور نانوتہ میں دفن کیے گئے۔(۸)

Marfat.com

میاں سیّد نذیر حسین بہاری دہلویؒ (م ۱۳۲۰ھ)

میاں نذیر حسین صاحبؒ بہار کے ضلع مونگیر میں بمقام بھوہ پیدا ہوئے۔ مشکوٰۃ المصابیح اور قرآن مجید کے ابتدائی پاروں کی تفسیر کی تعلیم شاہ محمد حسینؒ سے صادق پور میں حاصل کی جو پٹنہ کے قریب ہے۔ ۱۲۴۳ھ میں آپ دہلی گئے اور شاہ اسحٰق محدّث دہلویؒ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ جہاں آپ نے علم حدیث میں بھرپور استفادہ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں ایک مدرسہ قائم کیا جو کچھ عرصہ کے بعد پھاٹک حبش خان کی ایک عمارت میں منتقل کر دیا۔ یہ مدرسہ اور اس کا کتب خانہ جو میاں صاحب کے نام پر کتب خانہ نذیریہ کہلاتا ہے اب تک موجود ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی طرح میاں نذیر حسین صاحبؒ بھی ساٹھ برس تک علم حدیث کا درس دیتے رہے۔ محدّث کی حیثیت سے آپ کی شہرت تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئی چنانچہ افغانستان، بخارا، سمرقند، حجاز اور سوڈان جیسے دور دراز ممالک سے بھی شوقین طلبہ آپ سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی آتے تھے۔ میاں صاحب کی سوانح عمری "الحیاۃ بعد المماۃ" میں ایسے پانچ سو محدثین کی فہرست موجود ہے جو میاں صاحب کے شاگرد تھے۔ حافظ ابراہیم آرویؒ، بانی مدرسہ احمدیہ آرہ، شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادیؒ، (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد کے مشہور مؤلف) حافظ عبدالمنان پنجابیؒ، نواب وحید الزمان حیدرآبادیؒ، عبدالعزیز رحیم آبادی بہاریؒ، حافظ عبداللہ غازی پوریؒ اور عبدالرحمن مبارکپوریؒ (تحفۃ الاحوذی کے مؤلف) آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ یہ ایسے محدّث تھے جنہوں نے علمِ حدیث کی اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اپنے سینکڑوں شاگردوں کو بھی اس مقصد کے لیے ہندوستان کے تمام اطراف میں پھیلا دیا تھا۔ آپ نے سو برس کی طویل عمر پائی اور ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ انتقال کے بعد شیدی پورہ کے قبرستان میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

مولانا عبدالحئیؒ بڈھانویؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ

مولانا عبدالحئیؒ شاہ عبدالعزیزؒ کے دلماد اور شاگردِ خاص اور مولانا اسمعیل شہید شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پوتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے بھی درس وتدریس کی خدمات انجام دیں لیکن زبان وقلم سے آگے بڑھ کر اپنے زورِ بازو سے بھی کتاب وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کے خلاف جہاد کیا۔ بنگال سے لے کر افغانستان کی سرحد تک کا دورہ کیا۔ وعظ ونصیحت کی، مناظرے کئے۔ جمعہ وجماعت کا اہتمام کیا۔ غلط رسوم اور غلط رواج کا ابطال کیا۔ لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور ان مہمات کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مولانا سخاوت علی جون پوریؒ نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں رہ کر ان کے فیوض وبرکات کو حاصل کیا۔ مولانا سخاوت علیؒ کچھ عرصہ تک نواب ذوالفقار خان رئیس باندہ کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ جونپور آکر درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بہار، جونپور، اعظم گڑھ اور بنارس سے بکثرت طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان کے ذریعہ سے جاہلانہ رسوم کے ابطال اور مذہبی شعائر کے اجراء میں بڑی مدد ملی۔ "مشکوٰۃ المصابیح" کے اسلوب پر مولانا سخاوت علیؒ نے "القدیم فی احادیث النبی الکریم" ایک مفید کتاب لکھی جو

Marfat.com

یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خان آف ٹونک کی ہدایت پر ۱۳۱۳ھ میں مطبع صدیقی بنارس میں چھپی۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ نے حجاز کا سفر کیا۔ مکہ مکرمہ میں رہ کر حج کا فریضہ ادا کیا۔ اور ۱۲۷۴ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے جن کو شہرت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

مولانا کرامت علی جونپوریؒ، مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ، مولانا رجب علی جونپوریؒ، مولانا محمد شریف جونپوریؒ، مولانا غلام محمد جگدیش پوریؒ، مولانا شیخ محمد مچھلی شہریؒ، مولانا محمد عمر غازی پوریؒ، مولانا غلام جیلانی غازی پوریؒ، مولانا فیض اللہ مئوی عظم گڑھیؒ، مولانا رحیم اللہ بستویؒ، مولانا سید یعقوب بہاریؒ اور مولانا سید مصطفیٰ شیر صاحب بہاریؒ مدرس مدرسہ خانقاہ۔

فرنگی محل اور علم حدیث

لکھنؤ میں فرنگی محل کا علمی مرکز عالمگیرؒ کے عہد میں قائم ہوا۔ ملا قطب الدینؒ اور ملا نظام الدینؒ کے عہد سے لے کر مولانا عبدالحلیمؒ کے عہد تک اس خانوادۂ فضل و کمال کی علمی کوششوں کا محور منطق اور اصول کی کتابیں رہیں۔ اس طرح ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کی یہ مشرقی درسگاہ علوم حدیث سے نا آشنا رہی۔ یہاں کے مروجہ نصاب میں صرف مشکوٰۃ المصابیح شامل تھی اور یہی ایک کتاب حدیث میں پڑھائی جاتی تھی۔ علمائے فرنگی محل میں سب سے پہلی شخصیت جن کی تالیفات کتب حدیث کے حوالوں سے آراستہ ہیں وہ مولانا عبدالعلیؒ بحر العلوم خلف الصدق ملا نظام الدینؒ ہیں۔ مولانا عبدالعلیؒ نے حدیث کی کتابیں باقاعدہ کسی مرکز میں شیوخ و اساتذہ کی خدمت میں رہ کر نہیں پڑھی تھیں بلکہ خود حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ شروع میں آپ کا تعلق بھی معقولات سے تھا۔ آپ کی ابتدائی تالیفات جب دلی میں پھیل گئیں اور شاہ عبدالعزیزؒ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: عبدالعلی علوم نقلیہ (قرآن و حدیث) سے کورے ہیں۔ یہ بات جب مولانا عبدالعلیؒ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فقہ میں ارکانِ اربعہ کے نام سے کتاب لکھ کر شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں اس کا ایک نسخہ بھیجا۔ ارکانِ اربعہ کی اس کتاب میں مختلفہ مسائل پر بحث اور احادیث کے بکثرت حوالے موجود ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "ملا عبدالعلیؒ تو بحر العلوم ہیں۔"

شاہ عبدالعزیزؒ کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ اطراف و اکناف تک پھیل گیا اور اتنا مقبول ہوا کہ لوگ بحر العلوم کی شہرت کے مقابلہ میں عبدالعلیؒ نام کو بھول گئے اور زبانوں پر بحر العلوم رہ گیا۔ مولانا بحر العلومؒ کی دو تالیفات "ارکان اربعہ" فقہ میں اور "فواتح الرحموت" اصول میں ایسی کتابیں ہیں جن میں احادیث اور روایات کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ ارکانِ اربعہ میں جو مباحث ہیں ان کا ماخذ دو کتابیں ہیں اس کتاب کی اصل بنیاد تو علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر (شرح ھدایہ) پر ہے۔ فتح القدیر میں اہم اور بنیادی کتب حدیث کے اقتباسات اور حوالے موجود ہیں اور انہی کے مباحث اور حوالوں کا خلاصہ "ارکان اربعہ" ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا ماخذ مختلف احادیث کا ایک مشہور مجموعہ علامہ ابن اثیر الجزریؒ کی "جامع الاصول من احادیث الرسول" ہے جس کا مولانا عبدالعلیؒ نے بارہا حوالہ دیا ہے اور اسی سے روایات نقل کی ہیں۔ "فواتح الرحموت" کی تالیف کے وقت مولانا

Marfat.com

عبدالعلیؒ کی لائبریری میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے اس وقت "فتح القدیر" اور "جامع الاصول" کے علاوہ حافظ ابن حجر اور حافظ جلال الدین السیوطی کی کتابیں آپ کو مل گئی تھیں۔ چنانچہ "فتح الباری" تفسیر "در منثود" اور "الاتقان فی علوم القرآن" کے حوالے آپ کی اس کتاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تفسیر "درمنثود" اور "الاتقان" گو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں مگر ان میں تمام تر بنیاد احادیث اور روایات پر ہے اور ان میں نہ صرف صحاح ستہ بلکہ مصادر حدیث کی روایات بھی آئی ہیں۔ اس طرح ان دونوں کتابوں میں حدیث کی بیشتر کتابوں سے روایات آ گئی ہیں۔ مولانا بحر العلومؒ نے ان ضمنی روایات کو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس طریقہ سے آپ کی تالیف "فواتح الرحموت" میں درج ذیل کتبِ حدیث کے نام اور حوالے ملتے ہیں:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، موطأ امام مالک، مستدرک امام حاکم، مسند بزاز، صحیح ابن حبان، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، سنن بیہقی، شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ بھی آپ کے مطالعہ میں تھی۔ جس کا ذکر اس کتاب میں جرح وتعدیل کے ضمن میں آیا ہے اور خبرِ واحد کی حجیت کے مسئلہ میں بھی شیخ کا حوالہ دیا ہے۔

ان کے علاوہ تفاسیر اور شروح حدیث میں سے حسبِ ذیل کتابوں کے حوالے ہیں:

معالم التنزیل للامام بغوی، در منثور للامام السیوطیؒ، فتح الباری للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ، متاخرین محدّثین میں امام ابن ہمامؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نام بھی آئے ہیں۔

کتبِ حدیث اور ان کی روایات کے حوالے جس طرح فواتح الرحموت میں آئے ہیں ان سے بآسانی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحیحین مولانا کے مطالعہ میں تھیں اور دیگر کتب حدیث کی روایات بالواسطہ اور زیادہ تر درّ منثور اور اتقان سے ماخوذ ہیں اور مؤلف نے اکثر خود اس واسطہ کا ذکر کر دیا ہے۔

ملاّ مبینؒ اور ملا حیدرؒ

مولانا بحر العلومؒ کے علاوہ فرنگی محل کے علمائے متقدمین میں دو اور ایسے حضرات کے نام بھی ملتے ہیں جن کا تعلق حدیث سے تھا۔ ایک ملاّ مبینؒ ہیں جن کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں ہزاروں احادیث زبانی یاد تھیں اور جب آپ وعظ ونصیحت اور خطبہ ارشاد فرماتے تو احادیث کی بنیاد پر فرماتے تھے۔ دوسرے ملاّ مبینؒ کے بڑے بیٹے مولانا محمد حیدرؒ ہیں۔ ملاّ حیدرؒ اس خاندان میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے عرب جا کر وہاں کے شیوخ سے حدیث میں استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ ۱۲۴۰ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ پہلے مکہ مکرمہ میں رہے اور پھر مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ مکہ مکرمہ میں سید یوسف بطاح یمنیؒ اور شیخ ملا عمر مکیؒ سے صحیحین پڑھیں۔ حجاز میں قیام کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد آپ حیدر آباد واپس آئے۔ اور پھر اپنی وفات تک حیدر آباد ہی میں رہے۔

Marfat.com

مولانا عبدالرزاقؒ

فرنگی محل کے ایک اور مشہور شیخ مولانا عبدالرزاقؒ ہیں۔ آپ نے حدیث کی کتابیں اپنے خاندان سے باہر مولانا حسین احمد محدّث ملیح آبادیؒ اور مرزا حسن علی محدّث لکھنویؒ سے پڑھیں۔ اور پھر اپنے شیوخ کے ساتھ مل کر حدیث کی اہم کتابیں شیخ محمد محسن مدنیؒ سے اس طرح پڑھیں کہ مولانا عبدالرزاقؒ "قرآۃ" کرتے تھے اور باقی علماء سماعت کرتے تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں آپ نے سند حاصل کی۔ مولانا عبدالرزاقؒ کے دونوں بیٹوں، مولانا عبدالباسطؒ اور مولانا حافظ عبدالوہابؒ نے اپنے والد سے حدیث پڑھی۔

مولانا عبدالحلیمؒ

علمائے فرنگی محل میں علمِ حدیث کے درس وتدریس کا باقاعدہ نظام مولانا عبدالحلیمؒ (مولانا عبدالحیؒ کے والد) کے دور سے شروع ہوا۔ مولانا عبدالحلیمؒ نے مفتی محمد یوسفؒ اور دیگر علمائے فرنگی محل سے علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ ۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقادر بہادر رئیس باندہ (بندیل کھنڈ) کے مدرسے میں مدرّس مقرر ہوئے۔ پھر اپنے استاد مفتی محمد یوسف صاحبؒ فرنگی محل کی جگہ پر جونپور کے مدرسہ امامیہ حنفیہ کے مدرّس ہوئے۔ ۱۲۷۷ھ میں نواب سالارِ جنگ کی طلب پر حیدر آباد گئے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ کے مدرّس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں کے علماء وشیوخ سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی جن میں سب سے پہلے نام شیخ احمد بن زینی دحلان شافعیؒ کا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ محمد جمال حنفیؒ، محمد بن محمد العرب شافعیؒ مدرّس مسجد نبوی ﷺ اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددّیؒ سے فیوض وبرکات اور اجازت وسند حاصل کی۔ منطق، فلسفہ، کلام اور اصول کے علاوہ حدیث وسیر اور فقہ کے مسائل پر رسالے مرتب کیے۔ مثلاً:

- نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن
- برکات الحرمین
- خیر الکلام فی مسائل الصیام
- ایقاد المصابیح فی صلاۃ التراویح
- الأسماء فی تحقیق الدعا
- غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام
- القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن
- عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس الحریر۔

۱۲۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

Marfat.com

مولانا محمد نعیم صاحبؒ

مولانا محمد نعیمؒ، مولانا بحر العلومؒ کے پوتے اور عبدالحلیمؒ کے بیٹے ہیں۔ آپ نے اپنے والد ہی سے استفادہ کیا اور انہی کی آغوش میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ نہایت متقی اور عابد وزاہد تھے اور اسلاف کی زندہ یادگار تھے۔ تعلیم سے فراغت پاکر حجاز گئے اور وہاں کے شیوخ سے سند حاصل کی۔ آپ کو جہاں حدیث میں کمال حاصل تھا وہاں فقہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن ان میں جس شخصیت کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ مولانا سید عبدالحیٔ صاحبؒ ہیں جو ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے۔ مولانا محمد نعیمؒ کے بارے میں روایت ہے کہ انہیں حدیث کی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا انتہائی شوق تھا۔ جب معانی الآثار کی کتاب مارکیٹ میں آئی تو مولانا کے پاس اس کو خریدنے کے لیے رقم نہیں تھی چنانچہ انہوں نے اپنا ایک مکان بیچ دیا اور رقم لے کر کتاب خرید لی۔

مولانا عبدالحیٔؒ

فرنگی محل میں علمِ حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ کے عہد میں ہوئی۔ آپ نے تعلیم وتربیت اپنے والد مولانا عبدالحلیمؒ سے پائی۔ ساتھ ہی دو مرتبہ حجاز جاکر وہاں کے علماء اور شیوخ سے سندیں حاصل کیں۔ پہلی مرتبہ اپنے والد کے ساتھ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں شیخ احمد دحلانؒ اور شیخ عبدالغنی مجدّدی دہلویؒ سے حاصل کیں۔ مولانا عبدالحیٔؒ نے گو عمر بہت کم پائی۔ ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ کل چالیس برس کی عمر پائی مگر اس مختصر عمر میں آپ کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف واکناف سے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور استفادہ کرتے تھے۔ معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخرین لمحے تک ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درس گاہ میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کے جملہ اطراف کے طلبہ آپ کے وجود سے مستفید ہوئے۔ آپ نے حدیث اور متعلقاتِ حدیث کی متعدد کتابیں اپنے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کیں۔ حدیث اور فقہ حنفی کی جامعیت کے ساتھ بیسیوں رسالے تحریر کیے۔ مولانا عبدالحیٔ جس دور میں تھے یہ وہ دور تھا جب ہر طرف عدمِ تقلید کا قضیہ نیا نیا اُٹھ رہا تھا اور ہندوستان میں جگہ جگہ علم حدیث کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ بھوپال اور دہلی میں علمائے اہل حدیث کا مجمع تھا۔ رسالوں پر رسالے نکل رہے تھے۔ ادھر لکھنؤ میں ان کے مقابلہ میں مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کی ہستی تھی۔ نواب صدیق حسن خانؒ اس زمانہ میں اہلِ حدیث مکتبہ فکر کے امام اور مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ احناف کے سرکردہ تھے۔ دونوں طرف سے تقلید، عدم تقلید، اور مذاہب اربعہ کے متدلات کے حوالے سے لمبی لمبی بحثیں ہوئیں اور تحریری کام ہوا۔ متون کتب میں سے مولانا عبدالحیٔؒ نے مسندِ امام ابو حنیفہ، موطأ امام محمد اور کتاب الآثار پر مقدمہ اور حاشیہ لکھا اور ان کو چھپوا کر شائع کیا۔ متعلقاتِ حدیث میں سے موضوعاتِ سیوطی، المقاصد الحسنۃ للامام السخاوی، فتح المغیث اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابیں آپ کی ہدایت پر آپ کے متوسلین اور تلامذہ نے شائع کیں۔

Marfat.com

کتابوں پر حواشی لکھنے اور اشاعت میں مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ کو جو اہتمام تھا اس میں دو باتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سب سے پہلی بات مقدمہ نگاری کی ایجاد ہے۔ مولانا عبدالحئیؒ سے پہلے کسی شارح یا حاشیہ نگار نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یورپ میں مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس طرح وہاں کے محققین مختلف نسخوں کی فراہمی، مقابلہ اور تصحیح اور ساتھ ہی مصنف اور تصنیف کے متعلق ہر قسم کی معلومات مقدمہ میں فراہم کرتے ہیں مولانا عبدالحئیؒ نے علمائے یورپ کے طریق کار کے علم سے پہلے ہی اس اہم کام کی طرف توجہ دی اور بالکل اس طریق پر بلکہ اس سے بہتر طریقہ پر اس کام کو انجام دیا۔ آپ نے جس کتاب کو شائع کیا اس کے مختلف نسخوں کو فراہم اور ان کا مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ ترتیب دیا۔ پھر اس پر حواشی لکھے۔ شروع میں مقدمہ لکھا جس میں مصنف، شارح اور اس کے دیگر شارحین کے حالات لکھے۔ کتاب اور متعلقہ فن کی دوسری کتابوں کے بارے میں معلومات جمع کیں اور اس فن کی مختصر تاریخ بھی لکھی۔ دوسری قابلِ ذکر بات کتابوں کی صحت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ عربی کی ضخیم کتابیں اور ان پر باریک حاشیئے اور ان کی تصحیح اس طرح کی جاتی تھی کہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ مولانا کی خاص شائع کردہ کتابوں میں ایک نقطہ کی بھی غلطی نہیں ہے۔ آج جبکہ ہر قسم کی سہولیات موجود ہیں۔ کتابت کی بجائے کمپوزنگ ہے۔ طباعت کے نت نئے طریقے ہیں۔ پروف ریڈنگ جتنی بار کی جائے کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے باوجود بھی کتابوں میں غلطیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ کے ساتھ آپ کے شاگرد مولانا خادم حسین عظیم آبادیؒ اور مولانا عبدالعلی مدراسیؒ کے اہتمام کو بھی دخل تھا۔ مولانا لکھنویؒ کے شاگردوں میں اس فن کے بڑے بڑے ماہرین پیدا ہوئے جن میں قابلِ ذکر مولانا ظہیر احسنؒ، مولانا حکیم عبدالباری عظیم آبادیؒ، مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ، مولانا قادر بخش سہسرامیؒ، مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاریؒ، مولانا عبدالکریم پنجابیؒ، اور مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوریؒ ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ کر علم وفن کی خدمت کی۔ مولانا لکھنوی کے شاگردوں میں مولانا ابوالفضل محمد حفیظ اللہ صاحبؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے صدر مدرس رہے اور مولانا شاہ محمد سلیمان چشتی پھلوارویؒ کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔

مولانا عبدالباریؒ

سب سے آخر میں فرنگی محل کے علم وفضل کا دائرہ جناب مولانا عبدالباریؒ کے نقطۂ کمال میں سمٹ کر آ گیا تھا۔ مولانا عبدالباریؒ نے فرنگی محل میں جناب مولانا عین القضاۃ صاحبؒ (مولانا عبدالحئیؒ کے شاگرد) سے کتابیں پڑھیں اس کے بعد حجاز جا کر علم حدیث کی تکمیل کی۔ مدینہ منورہ میں قیام کیا اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے تلامذہ میں سے سید محمد علی اثریؒ اور شیخ رحمت اللہؒ سے سندیں حاصل کیں۔ مولانا عبدالباریؒ کو فقہ حنفی کے ساتھ والہانہ تعلق تھا اور اس کی نادر وکمیاب اورائمہ احناف کی اصل کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور ساتھ ہی ایسی حدیثوں کی بھی آپ کو بڑی تلاش رہتی تھی جن سے کسی بھی مسئلہ میں حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ مولانا عبدالباریؒ کی مجالس میں اکثر وبیشتر فقہ حنفی کے مصادر واعلام اور تحقیقات سے متعلق بحث ہوتی تھی۔ حدیث وفقہ کی نادر مخطوطات کی بہم رسانی کا بھی آپ کو شوق تھا۔ امام محمد کی "السیر الکبیر" کے نسخہ پر آپ نے کام کیا۔ کتاب الآثار للامام محمدؒ کے رجال کی تحقیق پر رسالہ مرتب کیا۔ احادیث متواترہ جمع کیں۔ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب

Marfat.com

"مصنف" میں ایک خاص باب امام ابو حنیفہؒ کے رد میں لکھا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں چھپ بھی گیا ہے۔ مولانا عبدالباریؒ نے امام ابن ابی شیبہؒ کے اس رد کا جواب لکھا۔ اس کے علاوہ بھی مختصر رسالے آپ نے مرتب کئے جن میں سے ایک مجموعہ گیارہ مقالات پر مشتمل ہے۔

آپ نے اب تک ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ان محدثین کے بارے میں مطالعہ کیا ہے جن کا تعلق شیخ احمد سرہندیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مراکز سے رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مدرسہ دہلی میں بارہویں صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا۔ پھر شیخ سلام اللہ محدثؒ نے اس کو رام پور منتقل کر دیا اور وہ خود اس کے سربراہ رہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کا مکتب سرہند تھا جو ۱۷۱۰ء سے سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا شکار بن گیا۔ اس لیے ۱۷۶۲ء میں یہ بھی رام پور منتقل کر دیا گیا۔ ریاست رام پور کے نوابوں کی شاہانہ فیاضی کی بدولت سرہند اور دہلی کے یہ دونوں مدارس بہت اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ تیرہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی تک علمِ حدیث کی ترویج وترقی کا فرض انجام دیتے رہے۔ لیکن ۱۲۲۹ھ میں شیخ سلام اللہؒ کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مدرسہ بند ہو گیا اور دوسرے مدرسہ کے سربراہ شاہ ابو سعید مجددیؒ (م ۱۲۵۰ھ) رام پور چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ اس طرح سرہند کا مدرسہ بھی شاہ ولی اللہؒ کے مرکز میں ضم ہو گیا۔ شاہ عبدالغنی مجددیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ کے شیخ ہیں اس متحدہ مکتبِ محدثین کی ممتاز ترین شخصیت ہیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ دونوں بزرگوں کے مکاتبِ حدیث کا خلاصہ اور ما حصل ہے اور اس میں ان دونوں اداروں کی روح کارفرما ہے۔

مظاہر علوم سہارنپور اپنے قیام اور ترقی کے لیے مولانا مظہر نانوتویؒ کا مرہونِ منت ہے جو شاہ اسحٰق دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ جب سے یہ ادارے قائم ہوئے ہیں یہ اپنے قابل اور باصلاحیت علماء کی سرکردگی میں منجملہ دیگر علوم اسلامیہ، ہندوستان میں علمِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ اور نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں، بلکہ اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد یہاں تحصیل علم کے لیے آتی ہے۔ چنانچہ علم حدیث میں خصوصی مہارت وقابلیت حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کے طلبہ، جو پہلے حجاز جاتے تھے اب وہاں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ دونوں ادارے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اب بھی شیخ مجددؒ الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زندہ یادگار کی حیثیت سے برقرار ہیں۔

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) رحمان علی، تذکرۂ علمائے ہند۔ ص:۶۶
(۲) صدیق حسن خان، اتحاف، ص:۷۱
(۳) تذکرۂ علمائے ہند۔ ص:۳۸
(۴) تذکرۂ علمائے ہند۔ ص:۱۲۲
(۵) تذکرۂ علمائے ہند۔ ص:۱۷۸
(۶) اوجز المسالک۔ ج:۱۔ ص:۴۳
(۷) فقیر محمد۔ حدائق الحنفیہ۔ ص:۴۹۳
(۸) فقیر محمد۔ حدائق الحنفیہ۔ ص:۴۹۱
(۹) نوشہروی، تذکرہ علمائے حدیث۔ ص:۱۳۲

Marfat.com

چودھواں باب

مستشرقین

اہداف ــــ اور طریقہ کار

ہمارے ہاں کے علمی اور دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور ہو چکا ہے اور اب ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی جدوجہد، ان کی تحقیقی کارناموں اور ان کے اثرات ولوازمات سے واقف نہ ہوں۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالہ سے بالعموم اور مطالعۂ حدیث وسیرت کے حوالہ سے بالخصوص، مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کے رویہ اور سلوک اور ان کی کیفیت وکمیّت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ آگاہی رکھتے ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے بارے میں صورتِ حال اب پہلے سے مختلف ہو چکی ہے۔ ایک دور تھا کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مستشرقین کا تعصب اپنے انتہاء پر تھا اور ان کی تحریروں میں بے باکی وگستاخی فحاشی کی حد تک پائی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ بحیثیت مجبوری، مختلف عوامل کے نتیجے میں شدت کم ہوتی چلی گئی۔ مختلف فرقے وجود میں آئے اور انکشافِ حقیقت کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی جماعت میں کچھ معتدل مزاج مصنفین بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ عہدِ جدید میں استشراق (Orientalism) اور مستشرقین (Orientalists) مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور دنیائے اسلام کو بہت غلط طور پر پیش کیا ہے۔ نتیجتاً یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جو کچھ نظریات پہلے قائم کئے گئے تھے ان کو بالکل بدلنا ممکن نہ ہو تو ان پر نظر ثانی بہر حال کی جانی چاہئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب بعض مستشرقین نے اپنے نظریات واقعتا تبدیل کر لیے ہیں۔ مثلاً عہد جدید کے عظیم ترین مستشرق گب کے نظریات، یا دورِ حاضر کے مستشرق اسمتھ وغیرہ۔ اسمتھ لکھتے ہیں:

> "جدید سائنسی تحقیقات نے بہت سے مفروضات کو باطل قرار دے دیا ہے اور جدید مغرب اب اسلام کے معاملے میں نرم (Soft) پڑ گیا ہے اور معاملہ میں نفی (No) سے رجوع کر لیا ہے۔"

اسمتھ نے H.A.R. Gibb کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ وہ قرآن کو وحی الٰہی اور تنزیل ماننے لگا تھا۔ ایک اور مسیحی عالم Kenete Cragg کے متعلق اس کی شہادت ہے کہ وہ قرآن کو مذہبی اعتبار سے مسترد کرنے سے انکاری ہے۔ آگے چل کر اسمتھ نے توقع ظاہر کی ہے کہ آئندہ دور میں غالبا مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوال وجواب میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔(۱)

مستشرقین سے متعلق عربی مصادر

اب الحمد للہ صورتحال ایسی ہو گئی ہے کہ مستشرق مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے ہیں۔ مثلاً مارٹن (Martin Lings)، شن (Schun) اور حامد الگر (Hamid Algar) وغیرہ۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور عربی میں بالخصوص مستشرقین کے بارے

Marfat.com

میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم و تحقیق کی نوعیت اپنے پرایوں سب پر کھلتی جا رہی ہے بلکہ گزشتہ تین چار عشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ان کتابوں میں خاص طور پر ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب قابلِ ذکر ہے۔ مصنف نے استشراق کے تمام مسائل پر مفصل بحث اور جرأت مندانہ تجزیہ کیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی، معاشرتی، اور ثقافتی حالات، دنیا کے ہر حصہ میں بہت حد تک الٹ پلٹ ہو چکے ہیں۔ علم و تحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہو چکی ہیں اور پرانی نسل کے مقابلہ میں نوجوان نسل فکر و نظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔ انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصہ شہود پر آ چکی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ نجیب العقیقی

المستشرقون (۳ جلد)، دار المعارف مصر، ۱۹۶۴ء

۲۔ احمد، ابراہم خلیل

المستشرقون والمبشّرون فی العالم الاسلامی، قاہرہ، ۱۹۶۴ء

۳۔ زکریا، ہاشم زکریا

المستشرقون والاسلام، لجنۃ التعریف بالاسلام جمہوریۃ العربیۃ المتحدۃ، ۱۹۶۵ء

۴۔ محمد البہی

المبشّرون والمستشرقون فی موقفھم عن الاسلام، الازہر

۵۔ حسین الہراوی

المستشرقون والاسلام، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ، ۱۹۶۵ء

۶۔ محمد الدسوقی

الاسلام والمستشرقون، قاہرہ، ۱۹۷۲ء

۷۔ عبد الجلیل شلبی

الاسلام والمستشرقون، قاہرہ، ۱۹۷۷ء

۸۔ دکتورہ عفاف صبرہ

المستشرقون ومشکلات الحضارۃ، دار النہضۃ العربیۃ، ۱۹۸۰ء

ان کتابوں میں سے نجیب العقیقی کی کتاب اہم اور مفصل ترین ہے۔ جو اسم بامسمّٰی ہے اور اس موضوع پر واقعی ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے بڑی جامعیت کے ساتھ دنیائے مغرب کے تمام اہم علاقوں، فرانس، اٹلی، برطانیہ، اندلس، سویڈن، روس اور امریکہ وغیرہ کے تمام قابلِ ذکر مستشرقین کے احوال و آثار کو جمع کر دیا ہے۔

Marfat.com

مستشرقین سے متعلق اردو مصادر

جہاں تک اردو زبان میں مستشرقین کی تحقیقات اور اس کے جواب میں تحقیقی کام کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے کوئی منظم اور باقاعدہ کام اب تک سامنے نہیں آیا۔ہاں انفرادی طور پر بعض حضرات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً:

۱) ڈاکٹر محمد حسین — "دام ہمرنگ زمین"

۲) پروفیسر احمد رابت — "مستشرقین کی بے خبری"
اردو ترجمہ خلیل احمد حامدی

۳) عبدالوہاب حمودی — "مستشرقین اور احادیث رسول"

۴) مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی — "مستشرقین اور تحقیقات اسلامی"

مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے یہ مقالہ شام ہمدرد راولپنڈی میں ۱۹۶۹ء میں پیش کیا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔

۵) ڈاکٹر پیر محمد حسن — "مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت"
مجلہ "فکر ونظر" اسلام آباد۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء

۶) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی — "مستشرقین کے تصورِ اسلام کا تاریخی پس منظر"
ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ء

۷) محمد اسد شہاب — "روسی استشراق"
ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ۔ شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء

۸) پروفیسر حبیب الحق ندوی — "اسلام اور مستشرقین"
ماہنامہ "معارف"، شمارہ، مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء

۹) فلپ کے حطی — "اسلام اور محمد مغربی لٹریچر میں"
اردو ترجمہ: وحید الدین خان، ماہنامہ "محدّث"۔ رسول نمبر ج ۲، ص: ۳۴)

۱۰) ہندوستان کے مقتدر علمی ادارہ "دارالمصنفین" کے تحت "اسلام اور مستشرقین" کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار ۲۱ تا ۲۳ر فروری ۱۹۸۲ء میں منعقد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے منتخب مسلمان علماء اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ اور بہت ہی خیالات انگیز مقالات پیش کیے۔ سیمینار میں مستشرقین کے سلسلہ میں جوابی کام کے لیے لائحہ عمل پر بھی غور وفکر کیا گیا۔ اجلاس کی روئیداد ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ میں برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کی آخری آٹھویں قسط اکتوبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریک استشراق کا جواب، اردو زبان وادب میں اب تک نہیں دیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس صدی کی ابتداء میں اس موضوع پر جو اکا دکا کام شروع ہوا تھا اور پھر جسے علامہ شبلی نعمانی نے مؤثر بنانے کی کوشش کی تھی اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدہم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب

Marfat.com

صورتحال بہت ہی مختلف ہو گئی ہے۔اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ادھر مغربی، یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب ولہجہ کے فرق کے ساتھ تاحال جاری وساری ہیں اور ان کے عزائم ومقاصد میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔لیکن ادھر ہماری طرف انتظام واہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔علامہ شبلی نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اور ان کے معیار کی جو نشاندہی کی ہے اور ان کی تصانیف کو جس طرح جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کنگھالا جاتا اور تمام علومِ اسلام یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخِ اسلامی اور سیرت کے باب میں واقفیت تامہ حاصل کر کے، ان کی غلطیوں، بددیانتی اور تلبیس وتحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا اور اس ضمن میں بڑے پیمانہ پر ایک منظم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر ایسا نہیں ہو سکا بلکہ المیہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت وشدت کو سمجھا نہیں گیا۔نہ ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم وتحقیق کی سرپرستی کر سکیں اور ان کی کوششوں کو متحد ومنظم کر سکیں جو انفرادی واجتماعی اور نجی وسرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اس معیار کی علمی وفنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے اس تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی۔مثلاً علم وتحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسّس وتفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت، ادب وثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم وفنون سے دلچسپی، مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت وریاضت وغیرہ۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ مستشرقین کی تحریک کو بڑی حد تک تقویت خود ان مسلمان محققین وعلماء کے رویہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصولِ تعلیم وتحقیق کے لیے جاتے ہیں تو وہاں کے احوال ومناظر سے اس درجہ متاثر ومرعوب ہو جاتے ہیں کہ انہی کے ہم آواز ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ اپنی فکر، اپنی روایات واقدار اور معمولات واعمال سے بھی ہاتھ دھو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

مولانا ندوی اس ضمن میں کہتے ہیں کہ:

> "ادھر دنیائے مشرق کے علماء، مغربی علماء اور مستشرقین پر اپنا علمی رعب قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ مشرق میں مستشرقین اور علمائے مغرب کو اعزاز واستناد حاصل ہے اور اس درجہ حاصل ہے کہ شام، عراق، مصر وغیرہ میں علمی وتحقیقی اداروں کی رکنیت انہیں پیش کی جاتی ہے۔ان کے مشورے اور آراء کو خاص وقعت دی جاتی ہے اور عربی واسلامی دنیا کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ خود مستشرقین کی تحقیقات ومطالعات اور تجزیات پر اندھا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان کی دریافت کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔"

Marfat.com

استشراق

لفظی اور اصطلاحی مفہوم

استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لفظی لحاظ سے بہت زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبان وادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارہویں صدی کے آواخر میں شروع ہوا۔ چنانچہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں الفاظ Orient سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں "شرق، یا مشرق یا مشرقی سمت جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔"

پھر اس سے Oriental ہے یعنی مشرقی، جو تمام معنوں میں مغربی Occidental کا ضد ہے۔ اس لحاظ سے مستشرق سے مراد وہ شخص ہے جو مشرقی زبانوں، علوم وفنون، آداب وثقافت اور تہذیب وتمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔

عربی میں "استشراق" کے لغوی معنی ہیں بہ تکلف مشرقی بننا اور مستشرق کا مطلب ہو گا وہ شخص جس نے بہ تکلف مشرقیت اختیار کی۔ اردو زبان میں بھی مستشرق کا مفہوم یہی ہے یعنی وہ یورپین اور امریکن سکالر، جو مشرقی زبان یا علوم کا ماہر ہو۔ مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر ان غیر مسلم مصنفین کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن زیادہ وسیع مفہوم میں وہ تمام غیر مسلم مصنفین بھی آتے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور حدیث وسیرت کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔[۲]

زبان ولغت کی بحث سے استشراق اور مستشرق کا مفہوم اگرچہ ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ تاہم استشراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جبکہ استشراق السنۂ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض وعناد پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری اور بنیادی مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی دورِ جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبرِ اسلام کے اقوال وافعال اور سیرت وکردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں۔ اور ان کے لائے ہوئے متن کو ناقابل توجہ اور غیر اہم گردانا جائے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی

Marfat.com

عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے۔ مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب "Islam & Western Orientalists" میں اس موضوع کے بعض اہم نکات کی وضاحت کی ہے۔

مستشرقین اور پیغمبر اسلام

ان تمام تجزیات و مطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، علمیت، اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہّ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی و انسلاک کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے ان کے فکر و فن اور تحقیق و تالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے مصنفین یورپ کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> " ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل مآخذ سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان اور علم، ادب، تاریخ، فلسفہ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر مثلاً تفسیر، حدیث اور سیرت واصول کے فن سے ناآشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن جب حدیث اور سیرتِ رسول ﷺ پر قلم اٹھایا تو کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی بھرمار کر دی۔" (۴)

زبان و لغت کی بحث سے استشراق اور مستشرق کی نوعیت و ماہیت اگرچہ کسی قدر واضح ہو جاتی ہے تاہم استشراق، السنۂ شرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے یک رخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض و عناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا۔ پھر یہی بغض و عناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے متعین مقاصد کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اب مستشرقین کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کریں۔ اسلام کی حقانیت اور اسلام کے ساتھ اہلِ اسلام کی جذباتی لگاؤ کو کم کرنے کے لیے مناسب دلائل تلاش کریں۔ مسیحیت کو عالم اسلام میں ایسی شکل و صورت دے کر پیش کریں کہ اس میں کشش اور جاذبیت ہو۔ مشنری سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کریں اور خاص کر عالمِ اسلام میں مشنریز کا مربوط جال (Network) پھیلانے کے لیے مالی اور مادی وسائل جمع کریں اور انہیں بروئے کار لائیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویہ اور سلوک کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس رویہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوع سخن بنایا گیا۔ مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم تہذیبوں اور قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور

Marfat.com

دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا۔ تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے چیلنج بن سکیں۔ عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہدِ جدید کی ضروریات وحالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہئے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہئے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت و کردار کے بارے میں ان نکات کو اچھالا گیا جن سے عام ذہن کے لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابل التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب وثقافت کی تعمیر وترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے۔ ان تمام مطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور مرور ایام کے ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت، عملیت اور استدلال کے اوزان وپیمانے استعمال کرنے لگے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر انہوں نے خود نظر ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت اور مخاصمت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصّب کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے فکر وفن اور تحقیق وتالیف کا معیار بھی جدا جدا ہے۔

تحریکِ استشراق کا آغاز

تحریکِ استشراق کو اگر خلافِ اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل پہلی صدی ہجری کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔ اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہلِ مغرب کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض وعداوت کا اظہار موقع بہ موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور وفورِ جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایات صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ افواہوں کی شکل میں اڑتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر وتصنیف کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی آئندہ نسلوں کا سرمایۂ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانیٔ اسلام کے حوالہ سے ان کی مخالفت ومخاصمت کا عام انداز یہی رہااور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق وواقعات کا صحیح ادارک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ وثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا ایک بظاہر سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں اور ان کی تعلیمات وارشادات اور ہدایات کو سمجھ سکیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ تصادم وکشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے۔ اس تصادم کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے لیے پروفیسر ظفر علی قریشی کا مقالہ بہت مفید ہے جو ماہنامہ "اسلامک لٹریچر" (اپریل تا اکتوبر ۱۹۶۸ء) میں طبع ہوا ہے۔ تصادم اور کشمکش کے واقعات کے علاوہ بعد کے دور میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ دشمنی اور عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری کر گیا ہے جو آج تک نہیں اترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل مہمات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا سبب بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی اور فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو نقصان پہنچایا جائے۔ (صلیبی جنگوں میں پہل خود مسیحیت کی طرف سے ہوئی

Marfat.com

اور پوپ اربن ثانی کے خطبۂ جنگ ۱۰۹۵ء کے بعد ہی میدان جنگ گرم ہوا۔ یہ جنگیں ۱۰۹۹ء سے ۱۴۶۴ء تک جاری رہیں۔(۴) فکری محاذ پر دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، شریعت کے بنیادی مصادر، پیغمبر اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدفِ تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا۔ پھر لاطینی آباد کار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم اور معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی بے بنیاد اور ناکارہ سہی، بہرحال مفید مطلب تھیں۔ جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا سکتا تھا اور سیرت رسول اللہ ﷺ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جا سکتا تھا۔

اس پورے عرصہ میں بحیثیت مجموعی، اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں، مغرب کے پاس معلومات انتہائی ناقص اور مبہم تھیں اور اس خلاء کو افسانہ طرازی اور دیومالائی کہانیوں سے پر کیا گیا۔ اس افسانوی اور دیومالائی مواد کے بھی دو حصے تھے ایک حصہ تو وہ تھا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ کے واقعاتِ سیرت کو پیکر خیال میں پیش کیا گیا۔ اور دوسرا حصہ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد اور کذب وافتراء سے عبارت تھا۔(۵)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ تو کئی مستشرقین نے کیا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر جان آف دمشق ہے۔ جان آف دمشق کا زمانہ ۷۰۰ء تا ۷۵۴ء تھا۔ جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل، راہب اور پادری تھا۔ جان کو بازنطینی روایات کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ پہلے اسی نے بھڑکائی۔ جان آف دمشق اور اس کے پیروکاروں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی نامناسب رویہ اپنایا اور آپ ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ وکلمات استعمال کئے جن کے استعمال کی توقع عام طور پر شائستہ، مہذب اور پڑھے لکھے افراد سے نہیں کی جاتی۔ جان ہی وہ پہلا مشنری تھا جس نے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر جنسی الزامات لگائے۔ جان کے بعد آنے والے قرونِ وسطیٰ کے بیشتر مستشرقین نے بھی جان کا تتبع کرتے ہوئے تصویر رسول ﷺ کو خوب بگاڑا۔ گھسے پٹے الزامات عائد کیے اور چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ اسلام کے بعد کئی صدیوں تک بھی مسیحی نفرت وعداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور اہلِ مغرب رسول اکرم ﷺ کو بدستور جھوٹا اور مکار قرار دیتے رہے تھے کہ اتنے میں صلیبی جنگوں کے طویل سلسلہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ صلیبی جنگوں میں صلیب کو شکست ہوئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہوا۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ میدانِ جنگ میں رسد، کمک اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود وہ مسلمانوں کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تو پھر انہوں نے کمالِ عیاری سے اسباب، وسائل اور تدبیر وحکمتِ عملی کو یک سر بدل ڈالا اور گویا یہ فیصلہ کر لیا کہ جنگ جیتنے کے لیے نیا ترکش، نئے تیر استعمال کئے جائیں۔ اور "گرم جنگ" نہ سہی، "سرد جنگ" میں مسلمانوں کو زیر کیا جائے۔ اور یہ سرد جنگ مادی ہتھیاروں سے نہیں، علم وتحقیق کے معنوی ہتھیاروں سے لڑی جائے۔ شائد اس لیے رائمنڈ لل (Raymond Luli) نے اہل مغرب کو سب سے پہلے مشرقی علوم کی تحصیل پر آمادہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"ایک پر امن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے جس کا اسلحہ اور سازوسامان خالص روحانی ہو۔"(۶)

Marfat.com

نوٹ: اس بحث کی تفصیل کے لیے بارکر، اینسٹ کی کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہو گا۔اس کتاب کا ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک نے "حروبِ صلیبیہ" کے نام سے کیا ہے۔یہ کتاب مجلس ترقیِ ادب، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

گیام پوسٹل کا کردار

سولہویں صدی عیسوی میں بالآخر وہ مرحلہ آ گیا جبکہ ایک طرف تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کا اتحاد ہوا سب نے مل کر اسلام کو اپنا واحد مشترک دشمن قرار دیا۔اور ایک متحدہ رومن کیتھولک چرچ کی بنیاد رکھی گئی اور دوسری طرف یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس محاذ پر پہلے صرف عیسائی، یہودی، راہب، پادری، قصہ گو، مناظر اور شاعر وغیرہ ڈٹے ہوئے تھے اب ان کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء، علماء اور فضلاء لیں گے جو کلاہ علمی سے آراستہ ہوں گے اور درس وتدریس کی مسندوں پر فائز ہو کر دادِ تحقیق دیں گے۔تاکہ ادھر ان کے ان دیکھے جذباتِ نفرت وعداوت بھی تسکین پائیں اور ادھر علم و تحقیق کے حوالے سے ان کا رعب ودبدبہ قائم ہو جائے۔چنانچہ یہی ضرورتیں گیام پوسٹل (Guillaume Postal) کو سامنے لائیں۔(گیام پوسٹل فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۸۱ء ہے۔پوسٹل کا اصل کام ابجدیات پر ہے یہ اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوسٹل اور ارپی نیوس دونوں کا شمار یورپی نشاۃِ ثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔پوسٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیا سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے۔) پوسٹل، جو عام طور پر مستشرقینِ یورپ کا باوا آدم شمار ہوتا ہے۔وہ پہلا اصولی مستشرق تھا جس نے تحریک استشراق کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور بطورِ خاص لغت ولسانیات کے حوالہ سے اہم خدمات انجام دیں۔پوسٹل ہی کے لیے ۱۵۳۹ء میں کلیۂ فرانس (College de France) قائم کیا گیا۔اور وہ عربی کی پہلی کرسیٔ صدارت پر فائز ہوا۔گیام پوسٹل کے کام کو لغت ولسانیات کے ہی مکرر حوالے سے اس کے لائق وفائق شاگرد جوزف سکالیجر (Joseph Scaliger) نے آگے بڑھایا۔بہرحال کم وبیش پینتالیس سال کی تیاری کے بعد ۱۵۸۶ء میں عربی مطبوعات کا سلسلہ یورپ میں شروع ہوا۔جس کا سہرا بڑی حد تک ڈیوک آف یسکانی (Duke of yuscany) کے سر ہے۔(۷)

استشراق کا دورِ عروج

تحریک استشراق کے حوالہ سے سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ یہ زمانہ اس تحریک کے ارتقاء اور اس کے پھلنے پھولنے کا عہد ثابت ہوا۔جہاں تک سترھویں صدی کا تعلق ہے تو یہ یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے اور یورپ کی جدوجہد، سعی وکشش اور حریت وآزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔پھر یہ عروجِ استعمار کی صدی ہے جس کے پنجۂ استبداد میں رفتہ رفتہ عالم اسلام آتا چلا گیا۔یورپ کے متمول افراد کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔عربی زبان کی ماہیت اور خاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔یہاں تک کہ ارپی نیس (Erpeinuss, ۱۵۸۴-۱۶۲۴) نے پہلی عربی کی قواعد شائع کی جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔پھر اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Goluis, ۱۵۹۶-۱۶۶۷) نے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

Marfat.com

ایڈورڈ پوکاک (Edward Pocoke)

پھر ۱۶۳۸ء میں ایڈورڈ پوکاک (Edward Pocoke, ۱۶۹۱-۱۶۰۴) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ میں شعبۂ عربی کا صدر نشین بنایا گیا۔(پوکاک انگلستان کا ایک مشہور عربی دان مستشرق تھا جو بلادِ مغرب میں سترھویں صدی کے مستشرقین میں ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا وہ ایک پادری کا بیٹا تھا جو ۱۶۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۴۱ء میں واپس آکسفورڈ آیا اور باقی عمر وہیں صرف کر دی۔اس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔پوکاک کے علمی کارناموں نے یورپ میں عربی علوم کی تحقیقات کے لیے ایک نیا باب کھول دیا)۔ (۸)

پوکاک کے علاوہ عربی زبان کے قواعد اور لغت کا کام آسٹریا کے میرنسکی(Loniuner Franz Meurnski) نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب وتمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک ادارہ ہربیلوٹ(Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوتی تھیں ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی۔سترہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عامیانہ خیالات اور سنی سنائی باتوں کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام اور مصادرِ شریعت کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔گو مصادر کے اقتباسات میں اپنے تجزیات اور خیالات کو بھی شامل کیا گیا۔اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ بدل جانے میں مضمر تھی۔ازمنۂ وسطیٰ کی روایتی لاطینی اور بیزنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انہوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا۔ (۹)

ولیم بیڈول(Bedwell. W)

انگریز مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء ہے۔اس نے دو کتابیں لکھیں۔ایک عربی لغت جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور ۱۶۱۰ء سے پہلے شائع ہوئی۔دوسری سیرتِ رسول پر کتاب، جو لندن سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کا مواد گستاخانہ ہے۔

واٹیئر(Vattier. P)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۱۳ء تا ۱۶۶۱ء ہے۔عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے کئی کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

ہاٹنجر(Hottinger D.H)

سوئٹزر لینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۶۲۰ء تا ۱۶۶۷ ء ہے۔اس نے مشرقی تصانیف کی ایک فہرست تیار کی جو ہائیڈلبرگ سے ۱۶۵۸ء میں شائع ہوئی۔

Marfat.com

ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe)

سترہویں صدی کا مشہور مستشرق (۱۶۳۱ء تا ۱۶۷۶ء) ہے۔ ڈاکٹر اسٹب پہلا مستشرق ہے جس کے رویہ میں ایک حد تک اعتدال نظر آتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب:

"An account of the rise and progress of Mohammetanism"

میں ان مستشرقین کے رویہ اور سلوک پر تنقید کی ہے جو انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق اپنایا ہے۔

جین بررڈ (Genebrard)

جین بررڈ (Genebrard) کا زمانہ اگرچہ ۱۵۳۵ء تا ۱۵۹۷ء تھا۔ لیکن اس کا موقف سترہویں صدی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا۔ اس نے عربی زبان کو وحشیانہ زبان قرار دیا ہے اور قرآن مجید کو زبان کے پہلو سے ہدف تنقید بنایا ہے۔

۱۶۳۵ء میں الیگزینڈر روس (Alexender Ross) نے اپنی کتاب "Pandeblis" شائع کی۔ اس کتاب کا تعلق اگرچہ تقابلِ ادیان سے ہے۔ تاہم اس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کچھ مواد پایا جاتا ہے۔

لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison)

لینسلوٹ ایڈیسن (Lancelot Addison) نے ۱۶۷۹ء میں اپنی کتاب "The life and death of Muhammad" شائع کی۔ اس کتاب کے مصادر مستشرقین کے خیالات اور خرافات تھے۔

ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux)

ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pridcaux) نے رسول اللہ ﷺ کی سوانح لکھی۔ لیکن اپنے دامن کو وہ بھی خرافات سے نہ بچا سکا اور دوسرے مستشرقین کی طرح اس نے بھی آپ ﷺ کی ذات پر بے بنیاد الزامات لگائے۔ اس کتاب کو یورپ میں بڑی مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔ ایک ہی سال ۱۶۹۷ء میں اس کے دو ایڈیشن چھپ گئے تھے اور فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۸ء میں ہو گیا۔

تحریک استشراق اور اٹھارہویں صدی عیسوی

اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریک استشراق منازلِ ارتقاء طے کرتی رہی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کو اپنے مال واسباب کی قیمت اور ساز وسامان کی حقیقت معلوم ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے باوجود مستشرقین کے رویہ میں کچھ لچک اور نرمی پیدا ہو گئی۔ اس نرمی اور لچک کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان میں سے چند کا رویہ، اسلوب اور اندازِ بیان بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ولندیزی مستشرق ریلان (H. Reland) ہے۔ جس نے ۱۷۰۴ء میں اپنی کتاب (Pe Religone Mohammdica) کے نام سے لکھی۔ اپنی

Marfat.com

تالیف میں ریلان نے اپنے ہم مشربوں سے مطالبہ کیا کہ:

"ہم مشرق کو اس کے اپنے اصل ماخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔"

اور یہ بھی کہا کہ:

"ہمیں اسلام کو بھی "تاریخی انصاف" کی ترازو میں تولنا چاہیے۔"

پیر بائل (Pierie Bayle) اور بولین ولیرز (Baulonillars) نے بھی ریلان کی آواز میں آواز ملائی۔ بولین ولیرز کی کتاب فرانسیسی زبان میں Vie de Mohamet کے نام سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اندازِ بیان بہت معذرت خواہانہ ہے۔ بقول مولانا عبدالحق ندوی، یہ کتاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب پہلی دوستانہ کاوش تھی جو مسیحی یورپ میں ظاہر ہوئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مستشرقین کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں کے علاوہ، سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی سرگرمیاں منظم کی گئیں۔ خاص کر اس صدی کے اواخر میں ان رجحانات نے زیادہ زور پکڑا۔ مولانا شبلی نعمانی کہتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ جس نے "اورینٹلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی۔ جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ شرقیہ کے مدارس کھولے۔ مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں۔ ایشیاٹک سوسائیٹیاں قائم کیں۔ مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کئے۔ اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔ اور آخر کار ان مدارس اور سوسائیٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درس گاہیں اور انجمنیں جاری ہو گئیں۔ عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسرز اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔[(۱۰)]

السنۂ شرقیہ کے علاوہ مسلمانوں کے سائنسی علوم پر علمی وتحقیقی کام کی غرض سے پیرس میں ۱۷۹۵ء میں ایک ادارہ "Eco le des Langues Orientals Vivanless" قائم کیا گیا۔ اس کے تحت اضافی طور پر مشرقی زبانوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔

اٹھارہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحوں کا رواج اسی زمانے میں شروع ہوا۔ چنانچہ انگلستان میں ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب "مستشرق" کی اصطلاح رائج ہوئی۔ اور پھر جلد ہی "استشراق" نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اس لغت میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictionnairo del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں مندرج ہوا: (Orientalism)۔[(۱۱)]

اس اصطلاح کے استعمال اور رائج ہونے کے ساتھ ایک مخصوص تصور اور مخصوص سلوک اور رویہ (Discipline) نے بھی جنم لیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور مستشرقین میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

Marfat.com

سائمن اوکلے (Oklay S)

اوکلے انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۸ء تا ۱۷۲۰ء ہے۔ اس کی کتاب مسلمانوں کی تاریخ پر "History of the Saracens" کے نام سے ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۸ء شائع ہوئی۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ مستشرقین کے نتائج تحقیق کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔

ایڈورڈ پوکاک (Pococke, E)

انگریز مستشرق تھا جس کا دور ۱۶۴۸ء سے ۱۷۲۷ء تک ہے۔ اس کا ایک ہم نام مستشرق سترہویں صدی میں بھی رہا۔ جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

جارج سیل (Sale G)

انگریز مستشرق، جس کا زمانہ ۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء تھا۔ اس نے ۱۷۳۴ء میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا۔ اسلام کے بارے میں بہت متعصب تھا۔ اس نے اسلام کو فاسد مذہب قرار دیا۔

جین گیجنیئر (Gagnier, J)

گیجنیئر انگریز مستشرق تھا جس کا زمانہ ۱۶۷۰ء سے ۱۷۴۰ء تک تھا۔ اس نے دو کتابیں شائع کیں۔ ان دونوں کتابوں کا مقصد بولین ولیر کی اس تنقید کو رد کرنا تھا جو اس نے مستشرقین پر کی تھی۔ بولین ولیئر چونکہ معتدل مزاج اور انصاف پسند مستشرق تھا اس لیے گیجنیئر اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔

رسک ــــــ (Reiske, J. J)

رسک جرمن مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۷۴ء تک تھا۔ وہ جرمنی کا کلاسیکی لغوی اور عربی سکالر تھا۔ اور یونانی زبان وادب پر سند مانا جاتا تھا۔

ایڈورڈ گبن (Gibbern, E)

انگریز مؤرخ تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء تھا۔ اپنی کتاب تاریخ زوال رومہ کے لیے خاص شہرت کا حامل ہے۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے۔ اس نے ۱۷۵۰ء میں کتابِ مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت دل سوز رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور رواداری کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت ہی نامناسب الفاظ اور زبان استعمال کی ہے۔

والٹیئر (Voltaire Fr)

والٹیئر فرانسیسی مصنف تھا اس کا دور ۱۶۹۴ء سے ۱۷۸۷ء تک تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا: "Le Famatisme on Mohammaticv Prophete" یہ ڈرامہ اگرچہ تاریخی لحاظ سے بے بنیاد تھا تاہم یہ امر ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ اس وقت تک مستشرقین شریعتِ اسلامی کی باریکیوں سے واقف نہ ہوئے تھے۔ یہ ڈرامہ ۱۷۴۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے ان تمام مستشرقین کی شدت

Marfat.com

کے ساتھ مذمت کی جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جانب نرمی اور لچک کا رویہ اختیار کیا۔ یا انصاف کا مطالبہ کیا۔ والٹیئر نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی۔ اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔ اس نے اس ڈرامہ کو پوپ (چہاردہم) کے نام سے منسوب کیا۔ اور اس کے مقدمہ میں اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا اور دل کی بھڑاس نکالی۔ پھر اپنے مقالات کے مجموعے میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ یہ مجموعہ ۱۷۵۶ھ میں شائع ہوا۔

والٹیئر کی شخصیت اور تالیفات کا اثر دوسرے مستشرقین پر بھی پڑا۔ چنانچہ ڈیدی روٹ نے اسلام کے خلاف اپنی تحریروں میں وہ انداز اختیار کیا کہ والٹیئر کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) (Smith, W.C. an understanding Islam, Selected Studies, Mounton Publishers, Hague.) ۱۹۸۱ (P ۲۹۶-۲۹۹)

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: عفاف صبرہ، ڈاکٹر۔ المستشرقون و مشکلات الحضارہ۔ ص:۹

(۳) مولانا شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ ج:۱۔ ص:۹۵تا۹۷

(۴) اس موضوع پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے مقالہ کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ یہ مقالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور کی جلد نمبر ۱۲ میں طبع ہوا ہے۔ ص:۲۰۹ تا ۲۲۱

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا۔ ج:۱۲۔ ص:۶۰۵ تا ۶۰۹

(۶) اس موضوع پر عبد المجید سالک کی تالیف ''حروب صلیبیہ'' کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ یہ دراصل بارکر، لینسٹ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے۔

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: نجیب العقیقی۔ ج:۱۔ ص:۱۶۰

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۵۔ ص:۷۰۷۔ دانش گاہ پنجاب لاہور

(۹) ندوی، عبد الحق۔ اسلام اور مستشرقین۔ ص:۳۴۶

(۱۰) شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ ج:۱۔ ص:۹۰

(۱۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: روڈنسن۔ ص:۴۷

Marfat.com

پندرہواں باب

تاریخِ مستشرقین

مسلم ممالک کا سقوط وانحطاط

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اول تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالم اسلام کو دنیا کے مختلف حصوں میں سقوط وانحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا اس ضمن میں زکریا ہاشم لکھتے ہیں:

> "سقوط وانحطاط کی یہ داستان تو بہت طویل ہے لیکن بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ مثلاً اگر ایک طرف اندلس (سپین) میں بنو امیہ کے بعد مسلم سپین روبہ زوال ہوا اور رفتہ رفتہ عملاً عیسائیوں کا باجگزار بن گیا اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا مسلمان وہاں سے نکل کر بکھر بکھر کررہ گئے تو دوسری طرف صقلیہ کی باری آئی اور نارمنوں نے ۱۰۷۱ء میں اس کے پایۂ تخت پر قبضہ کرلیا۔ اور پھر ۱۰۸۱ء تک پورا سسلی چھین لیا گیا۔ پھر بارھویں صدی میں نارمن حملے افریقہ پر ہونے لگے۔ بحر روم میں طاقت کا توازن درہم برہم ہوگیا اور اسی صدی کے اواخر تک بحر روم پر نارمنوں اور اطالیوں کی برتری قائم ہوگئی۔ یہ گہرے اور گیرے زخم اسی طرح پہنچتے رہے یہاں تک کہ سولھویں صدی عیسوی کا زمانہ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کا آخری دور ثابت ہوا اور اہل یورپ کے اعزاز کا یہی اوّلین دور ہے۔ عالم اسلام اس کے بعد بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ تحریک استشراق کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا۔" (۱)

انحطاط کے اثرات

سقوط وانحطاط کی یہ منازل طے کرنے کے سبب ایک تو مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے پرانے حریف "مغرب" کو زمانۂ بیداری کے بعد سے سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق وبالادستی حاصل ہوتی چلی جارہی تھی اور اس کی سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے ادھر عالم اسلام کمزور اور بے زور ہوا اور ادھر مغرب کا پرچم استعمار اور بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوام مغرب کے لیے بہرحال خوش آئند تھی اور اس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ یہ دور (۱۹۰۰ء تا ۱۹۲۵ء) تحریک استشراق کے عروج وکمال سے عبارت ہے اس عہد میں تحریکِ استشراق کو بھرپور فروغ

Marfat.com

حاصل ہوا۔ مستشرقین کے انداز واطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت اور کمیّت دونوں اعتبار سے ان کے اخلاف اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ چنانچہ:

۱) کمیت(Quantity) کا اندازہ تو اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی۔ اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً: فرانس، اٹلی، انگلستان، سپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزر لینڈ، ہنگری، روس، بیلجیئم، چیکو سلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ۔ اس فہرست میں امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔[۲] (استاد نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان تمام علاقوں کے زیر عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات پر بحث کی ہے)۔

۲) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف وتالیف کے ڈھیر لگا دیئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق وتدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائد اسلام، قرآن، حدیث، سنت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہلِ عرب واحوال عرب، ترکوں عربوں کے تعلقات، اسلام کی اصلیت، اسلام تہذیب وتمدن اور پیغمبر اسلام کی سیرت وسوانح پر کثرت سے لکھا گیا ہے۔ اس دور میں مستشرقین کا معیار تحقیق واستدلال بھی بلند ہوا۔ اور تحقیق وجستجو اور تلاش وطلب میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو باعثِ حیرت ہے۔ قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار واکتشافات قدیمہ کا مطالعہ، کتابوں کی تصحیح واشاعت، اسلامی تاریخ کے مآخذ کی ترتیب وتدوین، فہارس، اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں، ان کی محنت وریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں۔ اس ضمن میں کچھ تفصیل علامہ شبلیؒ نے بھی دی ہے اور بطورِ خاص ان مستشرقین کا تذکرہ کیا ہے جن کی محنت وریاضت کے نتیجہ میں قدیم مآخذ ومصادر سامنے آئے۔[۳]

۳) مستشرقین کے گروہ میں حسبِ سابق دونوں قسم کے افراد نے تصنیف وتالیف میں حصہ لیا۔ ایک طرف اگر روایتی قسم کے متشدد اور متعصب علمائے استشراق تھے مثلاً: اسپرنگر (۱۸۱۳ء تا ۱۸۹۳ء)، سر ولیم میور (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۵ء)، ڈوزی (۱۸۲۰ء تا ۱۸۸۳ء)، ڈی گوجے (۱۸۳۶ء تا ۱۹۰۹ء) تو دوسری طرف حقیقت بین، انصاف پسند، معتدل مزاج اور نرم رو قسم کے مصنفین بھی تھے۔

معتدل مزاج مستشرقین

گاڈفرے ہگنز

اس کا زمانہ ۱۷۷۳ء تا ۱۸۳۳ء تھا۔ اس کی کتاب "Apology for Muhammad" کے زیر عنوان لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ پریمیئر بک ہاؤس لاہور نے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ سرسید احمد خان بھی اس سے متاثر تھے اور انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

Marfat.com

کاسن دی پر سیوال

کاسن فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۷۱ء تک تھا۔ اس کے آثار میں ایک تاریخ العرب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری کتاب کا تعلق قبل از اسلام اور عہد رسالت سے متعلق ہے۔ سید امیر علی نے اپنی کتاب "A Critical Examination of the life and teachings of Muahammad" کے مقدمہ میں کاسن کے کام کو عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔

ویل

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔ ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ عہدِ رسالت پر جو کتاب لکھی اس کی تین جلدیں ہیں۔ "سیرت ابن ہشام" کا جرمنی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس پر حواشی لکھے اور فٹ نوٹس بھی لکھے۔ "لیالی العرب" کا بھی ترجمہ کیا۔ تاریخ الخلفاء اور مسلمانوں کی تاریخ پر پانچ جلدوں میں کتاب مرتب کی۔ [(۴)]

نیان

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۹۲ء تک حیات رہا۔ اس نے مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مثلاً "تاریخ الادیان" مطبوعہ ۱۸۵۷ء، "کتاب الرسل" مطبوعہ ۱۸۶۶ء، "کتاب تقدم الآداب الشرقیہ" مطبوعہ ۱۸۶۶ء۔ نیان کا تعلق فلسفہ، لغت اور تاریخ سے تھا۔

گوئٹے

بنیادی طور پر جرمن شاعر تھا۔ ۱۷۴۹ء سے ۱۸۳۲ء تک بقید حیات رہا۔ اس کی اصل شہرت اس کی مشہور نظم "Le Mohamet's Gesan" کے سبب ہوئی۔ [(۵)]

ان کے علاوہ شول، کارلائل اور درمنگھم وغیرہ نے بھی عموماً افراط و تفریط سے گریز کیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دوران میں مستشرقین کے سلوک اور رویہ میں نکھار پیدا ہوا۔ اور بحیثیت مجموعی اس دور میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ ان کا رویہ پہلے جیسا نہ رہا، بلکہ مختلف عوامل کے نتیجہ میں نرم، حقیقت پسندانہ اور معقول ہوتا چلا گیا۔ اس کی بظاہر ایک وجہ تو مشرقی مصادر تک ان کی رسائی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں سے واقفیت تھی کہ جس کے نتیجہ میں محض تخمین وظن کے بجائے وہ عقل و استدلال اور علم کی روشنی میں بات کرنے لگے۔ مشرقی ممالک کے مشاہدات واسفار نے ان کے اپنے اسلاف کی لاعلمی اور افکار وخیالات کی بے بنیادی ثابت کر دی اور بیان واقع کا تضاد ثابت ہو گیا۔ دوسری بڑی وجہ خود یورپ کی بدلتی ہوئی فضا تھی۔ نیز جدت پسندی، سائنسی ایجادات، تعصب کے خلاف عام بے چینی، رومانی تحریک، کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت، تاریخ تنقید کی تحریک وغیرہ بھی مؤثر عوامل ثابت ہوئے۔ ان باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہو گا کہ مستشرقین کی اس فکری تبدیلی کی تہہ میں نہ تو اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت ونفرت پر

Marfat.com

محبت کے جذبات غالب آ گئے تھے۔بلکہ درحقیقت حالات کی ستم ظریفی نے انہیں نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کیا تھا۔ورنہ ان کے اصل مقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔بہرحال اصل وجہ کسی کو قرار دیا جائے، واقعہ عملاً یہ پیش آیا کہ: اس دور میں مستشرقین کے ہاں فضول اور بے بنیاد روایات کم ہو گئیں۔الزامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہو گیا اور صورتِ حال نے کلیسا کا طلسم توڑ کر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیے جنہوں نے جرأت سے کام لے کر اپنے پیش رو مصنفین کے خیالات اور تجزیات کو غلط قرار دیا اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا۔

اپنی سرگرمیوں کو منظم ومرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی وعلمی ادارے قائم کئے۔ مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ ۱۸۲۳ء اور امریکن اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء وغیرہ... ان تمام اداروں نے جلد ہی اپنے اپنے جریدے نکالنا شروع کر دیئے۔جن سے ان کی تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔لوگوں کے دل ودماغ کو متاثر کرنے میں رسائل وجرائد کو چونکہ ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے محض ان اداروں کے مجلات کی اشاعت کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اپنی حکمتِ عملی کا مستقل حصہ بناتے ہوئے مستشرقین نے دوسرے متعدد رسائل وجرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔چنانچہ ہندوستان سے "The Muslim World" کا اجراء، پیرس سے ۱۸۹۵ء میں "Revaed-el-Isalm" کا اجراء۔روس سے ۱۹۱۲ء میں "Mis Islam" کا اجراء وغیرہ۔(۶)

رسائل اور مجلات کی ان اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات اور تجزیات سے دوسروں کو آگاہ کرا سکیں۔لیکن اصل ہدف اور مقصد اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔رفتہ رفتہ وہ مرحلہ بھی آیا کہ مستشرقین نے اپنی پہلی عالمی کانگریس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔اور ۱۸۷۳ء میں اسے پہلی بار عملی جامہ پہنا دیا گیا۔عالمی کانگریسوں کا انعقاد بھی مستشرقین کے لیے بڑا مفید مطلب تھا۔مختلف اداروں کی سرگرمیاں، کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، بڑے بڑے علماء وفضلاء کی شرکت، مقالات، خطبات، صلاح مشورے اور قراردادیں وغیرہ۔یہ سب باتیں تحریک استشراق کو فعال اور سرگرم بنانے کے لیے بہرحال ضروری تھیں اور مستشرقین نے اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا اور انیسویں صدی کے اواخر سے ہی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کر دیا۔(۷)

Marfat.com

انیسویں صدی عیسوی اور مستشرقین

استاد نجیب العقیقی نے اس دور کے مستشرقین پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہاں چند مشہور و معروف مستشرقین کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ قارئین کے ذہن میں تسلسل قائم رہے۔ اور تفصیلی مطالعہ کرتے وقت تاریخی ترتیب ان کے ذہن میں رہے:

جان جاک سیدیلو (Sedillo, J.J)

مشہور فرانسیسی مستشرق جس کا زمانہ ۱۷۷۷ء تا ۱۸۳۲ء تھا۔ اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تاریخ عرب پر انہوں نے مستقل کتاب لکھی۔

دیورجے (Desvergers)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۰۵ء سے ۱۸۶۷ء تک رہا۔ اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں۔ "البدایہ والنہایہ" سے سیرۃ النبی ﷺ کے حصہ کا خلاصہ متن و ترجمہ کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ بلادِ عرب پر کتاب لکھی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ خلافت پر بھی لکھا۔

ڈاکٹر پیرون (Dr. Perron A.)

پیرون فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۶ء کو انتقال ہوا۔ اس نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک "نساء العرب قبل الاسلام وبعد"، مطبوعہ ۱۸۵۸ء اور دوسری کتاب "الطب النبوی" کا ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۰ء۔ اس کتاب کے مؤلف جلال الدین ابو سلیمان ہیں۔

گارسن دی تاسی (Tassy, Garsin, De)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ ۱۷۹۴ء سے ۱۸۸۷ء تک حیات رہا۔ گارسن نے دینِ اسلام، قرآن، مذہبی تعلیمات و فرائض کو اپنی کتابوں کا موضوع بنایا۔

جوزف وہائیٹ (White, J.)

انگریز مستشرق تھا۔ ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۱۴ء تک بقیدِ حیات رہا۔ جوزف وہائیٹ نے اسلام اور نصرانیت کے تقابلی مطالعہ پر مقالات لکھے اور لیکچرز تیار کئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے موضوع پر مقالات اور خطبات مرتب کئے۔

Marfat.com

ولیم رائیٹ (Wright, W.)

برطانوی مستشرق اور مصنف تھا۔ ۱۸۳۰ء میں پیدائش ہوئی۔ ۱۸۸۹ء تک زندہ رہا۔

ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E. H.)

برطانوی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۸۴۰ء تا ۱۸۸۳ء تھا۔ پامر نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو ۱۸۸۰ء میں آکسفورڈ سے طبع ہوا۔

ڈی جونگ (Jong, P. De)

ہالینڈ کا مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۹۰ء تک تھا۔ اپنے ہم وطن اور ہم عصر مستشرق ڈی جوجے (Goeje, M.d.D.J) کے ساتھ مل کر "سیرت ابن ہشام" پر کام کیا۔ متن اور لاطینی زبان میں ترجمہ لیدن سے ۱۸۸۱ء میں شائع کرایا۔

ڈی جوجے (Goeje, M.d. D.)

ڈی جوجے، ڈی جونگ کا ہم عصر مستشرق تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸۳۶ء میں ہوئی اور انتقال ۱۹۰۹ء میں ہوا۔ جوجے نے "وفیات الاعیان" مؤلفہ ابن خلکان پر کام کیا۔

فلایشر (Fleischer H. C.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۸۸ء تک بقیدِ حیات رہا۔ فلایشر نے کئی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے "البدایہ والنہایہ" کو متن وترجمہ کے ساتھ تعلیقات وحواشی سے آراستہ کر کے لیبزگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا۔ ایک اور کتاب تاریخ عرب قبل از اسلام کے موضوع پر لکھی جو ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی۔

وستنفیلڈ (Wustenfild, F.)

جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۹ء تک بقیدِ حیات رہا۔ وستنفیلڈ نے بہت کچھ لکھا۔ تاریخ مکہ مکرمہ، سیرت ابن ہشام مع تعلیقات وحواشی (تین جلدیں)، اراضی مدینہ منورہ اور تاریخ اشراف مکہ آپ کی تالیفات ہیں۔

بیریزین (Beresin, N.)

مشہور روسی مستشرق تھا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۹۶ء تک بقیدِ حیات رہا۔ بیریزین روسی مستشرقین کے زمرۂ اساتذہ میں شامل ہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصادر اسلامی، تہذیب وتمدن اور اسلام کے درمیان تعلق پر کئی کتابیں لکھیں۔ روسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم وآداب پر متعدد مقالات اسی مستشرق کے قلم سے ہیں۔

بلانکو (White Joseph Blanco)

مشہور برطانوی مستشرق تھا۔ بلانکو مذہبی مصنف اور پادری تھا۔ ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۱ء میں وفات پائی۔ بلانکو نے

Marfat.com

سپین کی تاریخ اور معاشرت وثقافت کا مطالعہ کیا اور اس موضوع میں تالیفات کیں۔

ایڈورڈ سخاؤ (Sachau Edward)

ایڈورڈ سخاؤ معروف ومشہور جرمن مستشرق تھا۔برلن میں مشرقی زبانوں کی فیکلٹی کا سربراہ، خود بڑا سکالر اور زبان دان تھا۔مولانا شبلی نعمانیؒ کہتے ہیں کہ:

"پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود "طبقات" جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبوی ﷺ میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوئی۔" (۸)

سلیم نوفل (Salim Nofel)

روسی استشراق کی تاریخ میں اہم اور معروف نام، استادوں کا استاد، مستشرقین روس کا سرخیل تھا۔۱۸۲۸ء کی پیدائش ہے اور ۱۹۰۲ء میں انتقال کر گیا۔بنیادی طور پر لبنانی تھا۔کام فرانسیسی میں کیا۔اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھایا اور سیرتِ نبوی ﷺ کو بھی موضوع بحث بنایا۔

فان کریمر (Van Kremer)

آسٹریا کا مشہور مستشرق تھا۔ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔وزارت خارجہ اور دوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا۔خود بھی وزیر رہا۔کریمر نے اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کر کے شائع کیا۔ان میں سے واقدی کی "المغازی"، ماوردی کی "الاحکام السلطانیہ"، نشوان کا "قصیدۃ الحمیریہ" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔فان کریمر نے اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔یہ ساری کتابیں جرمن زبان میں ہیں۔

سر ولیم میور (Sir Villiam Meur)

ولیم میور مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاسی، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔اس کا بھائی جان میور بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ولیم میور نے "The life of Muhammad" کے نام سے کتاب لکھی۔جو چار جلدوں میں پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔یہ کتاب بہت دل آزار ہے۔سرسید احمد خان نے اس کے جواب میں خطباتِ احمدیہ کے نام سے کتاب لکھی۔

مینارڈ (Meynard, Barbieide)

فرانسیسی مستشرق تھا اس کا زمانہ ۱۸۲۷ء سے ۱۹۰۸ء تک تھا۔مینارڈ نے استشراق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کروایا۔جغرافیائی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔مسعودی کی تاریخ "مروج الذہب" کا متن وترجمہ شائع کیا۔

رینی باسے (Basset Rene)

فرانسیسی مستشرق تھا۔اس کا زمانہ ۱۸۵۵ء سے ۱۹۲۴ء تک تھا۔بے شمار کتابوں کا مصنف ہے۔مثلاً: "الشعر العربی قبل الاسلام"، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔امام بوصیری کے "قصیدۂ بردہ" کی شرح وغیرہ۔

Marfat.com

ڈاکٹر لیبان (Labon Dr. G.)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ مشہور عالم، طبیب اور مشرقی روایات وثقافت کا ماہر تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ تمدّن مصر، تمدّن عرب اور سپین میں عربی تمدن کے حوالہ سے ان کا کام قابلِ ذکر ہے۔ لیبان کا تعلق مستشرقین کے اس گروہ سے ہے جو انصاف پسند، معتدل مزاج اور اسلامی خوبیوں کے معترف تھے۔

گولڈ زیہر (Goldziher, Y.)

ہنگری کا مشہور ومعروف مستشرق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء تک بقیدِ حیات رہا۔ گولڈ زیہر نے بہت کچھ لکھا اور کئی موضوعات پر لکھا۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور سیرت پر بے شمار مقالات شائع کئے۔ گولڈ زیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے نالدیکے کے نقدِ حدیث سے آگے بڑھ کر انکارِ حدیث کے مکتبِ فکر کی داغ بیل ڈالی اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکارِ حدیث میں اس کا ہمنوا بن گیا۔ انکار حدیث کے بعد گولڈ زیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔[۹]

نوٹ: (گولڈ زیہر پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ایک مقالہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں موجود ہے، بہت مفید اور معلوماتی ہے۔)

ولہازن (Wellhausen, J.)

ولہازن جرمن مستشرق تھا۔ ۱۸۴۴ء میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۹۱۸ء تک حیات رہا۔ ولہازن نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا اور بہت لکھا۔ تاریخ یہود، محمد ﷺ مدینہ میں، دین اسلام کے مطالعات، عہدِ نبوی ﷺ میں دستورِ مدینہ، مکاتیب نبوی اور وفود پر ان کی تالیفات قابلِ ذکر ہیں۔

واشنگٹن ارونگ (Irving Washington)

معروف امریکی سکالر اور مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۷۸۳ء تا ۱۸۵۹ء تھا۔ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ خلفاء راشدین اور سیرت پر اس کی کتاب قابلِ ذکر ہے جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔

یوجین یونگ (Eugene Young)

فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس نے کئی ضخیم کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ "نور اسلام کی خاص کرن" اور دوسرا "مشرق، مغرب کی نظر میں" شائع ہوا۔ ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا۔

مستشرقین کی مذکورہ فہرست ان طلبہ اور اساتذہ کے لیے مد ومعاون ثابت ہو سکتی ہے جو ان کے بارے میں تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر علمی اور تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

مستشرقین بیسویں صدی عیسوی میں

تحریک استشراق کا دورِ عروج وکمال بیسویں صدی کے اوائل تک رہا۔ اس دور میں ہر پہلو سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ بیسویں صدی کے ربع اول سے تحریکِ استشراق ایک نئے دور میں داخل ہوئی اس دور کو اصطلاح میں "عہدِ جدید" کہا جاتا ہے۔

عہدِ جدید آیا تو اپنے ساتھ نت نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی، فوجی، معاشی اور معاشرتی سطح پر پچھلی بہت سی باتوں کو درہم برہم کر گیا۔ چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی ومغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نو آبادیاتی علاقوں کی بیداری، ظلم واستحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت وآزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست وریخت، ایجادات واختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کی نشوونما اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔ ادھر استشراق کے حوالہ سے یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ تحریکِ استشراق پچھلے دور میں جس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی تھی اب اس کے لیے مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی۔ اس لیے یہ سوال خود بخود پیدا ہوا کہ کیا تحریک استشراق روبہ زوال ہو گئی ہے؟... بہر حال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اسے بہر طور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، مصادرِ شریعت، اور عالمِ اسلام کے اوضاع واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعانِ نظر برتا جانے لگا۔ جز وقتی علماء کے بجائے کل وقتی علماء نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دوسرے اسلامی ومشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں۔

اسلام اور ادب اسلامی کے حوالہ سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوئٹے، اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا اس عہدِ جدید میں بھی جاری وساری ہے۔ اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی، بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیّت کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق ودریافت، ان کی تبویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت وریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریک استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر وماخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان وقلوب میں تردد وتذبذب کے بیج بوئے جاسکتے تھے۔ اس ضمن میں قرآن، حدیث اور دوسرے مصادر کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔

اس دور میں قرآن اور حدیث کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول وترتیب کو زیر بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہم عصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرتِ رسول ﷺ کا مستند ومعتبر ذریعۂ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلہ میں انکار کے لیے حدیث کے کذب وافتراء اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا۔ نالد یکے، گولڈ زیہر وغیرہ نے تو انکارِ حدیث کے مکتبِ فکر کو بطورِ خاص فروغ دیا۔

Marfat.com

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے ان میں سے چند قابلِ ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ طبی نقطۂ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور معاشرتی عوامل سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی اور کچھ نے ان سب سے مرکب و مرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی اور فکری پس منظر کی پیداوار تھے۔

عہدِ جدید کے مستشرق گولڈ زیہر نے علمِ حدیث اور اسناد کو موضوع بحث بنایا اور اس نے اس میدان میں مختلف مقالے تحریر کئے اور ایک ضخیم کتاب "دراساتِ اسلامیہ" "۱۸۹۰-۱۸۸۹ Muhammadenish Studies" کے عنوان سے ترتیب دی۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ گولڈ زیہر نے اپنے جرمن پیشرو سپر نگر کی پیروی کی ہے اور اس کے نتائج پر ایک گمراہ کن عمارت کھڑی کر دی ہے جس کی ظاہری چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔

گولڈزیہر نے اپنی بحث کا آغاز تو یہ کہہ کر کیا ہے کہ سپر نگر نے اس باطل نظریئے پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے کہ کتبِ حدیث کا انحصار زبانی ذرائع پر تھا۔ تاہم گولڈ زیہر کے خیال میں دینی احتیاط پسندی نیز اسلامی فرقوں کی پابندئ مسلک کے سبب بعد کے زمانے میں تدوینِ حدیث کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا۔ گولڈ زیہر کے اس قول سے وہی باطل نظریہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ سپر نگر نے مستند مصادر سے جو معلوماتِ فراہم کی تھیں ان کی بنیاد پر تو گولڈ زیہر نے یہ رائے قائم کی کہ صحیفوں اور اجزاء میں احادیث کو قلمبند کرنے کا کام عملاً اسلام کے دَورِ اوّل میں انجام پا گیا تھا۔ تاہم ذاتی مطالعہ کے نتیجہ میں اس کے ہاں اس موضوع پر جس خیال نے شکل پکڑی وہ کچھ یوں تھا:

> "یہ تصور کرنے سے کوئی شے مانع نہیں کہ صحابہؓ و تابعینؒ نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور آپ سے مروی روایات کی حفاظت کرنی چاہی۔ لہٰذا ضائع ہوجانے کے خوف سے انہیں قلم بند کیا۔ بھلا یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اقوالِ رسول ﷺ کو ایک ایسے معاشرہ میں، محض سینہ بہ سینہ حفظ رہنے کے اتفاقات کے حوالے کر دیا جائے۔ جس میں عام لوگوں کے اقوال بھی ضبطِ تحریر میں لانے کا دستور تھا؟"

گولڈ زیہر مزید کہتا ہے:

> "بہر حال اسلام کے دَورِ اوّل تک کے حوالے سے یہ رائے درست ہے۔"

تاہم اس کے بعد جو مفروضہ سامنے آتا ہے وہ کچھ زیادہ صحیح نہیں، وہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں حدیث کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کرنے کے بارے میں ایک طرح کا تامل پیدا ہو گیا۔ گولڈ زیہر نے جو رائے قائم کی اس کی بناء پر اس نے بعد میں لکھے جانے والے مجموعہ ہائے حدیث سے متعلق روایات کو رَد کر دیا اور اس تصور پر اکتفا کر لیا کہ حدیث کی جمع و تدوین کی کوششوں کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔ اس اعتبار سے گولڈ زیہر کی رائے کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتبِ حدیث کی ترتیب بھی ناقدانہ علمی طریق کار یا ایسے دقیق اور باقاعدہ طریق تصنیف کے مطابق نہیں ہوئی جس کی بنیاد مرتبین نے اسلاف کی ان تحریروں کے انتخاب پر رکھی ہو، جو ان تک پہنچیں۔ گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ اس صورتِ حال نے ان لوگوں کو اپنے طویل سفروں میں، زبانی احادیث جمع کرنے اور انہیں روایت کے مقابل روایت کی صورت میں رکھتے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ اور یہی حال کتبِ فقہ کا بھی ہے۔

Marfat.com

اس ساری بحث سے گولڈ زیہر کا مقصود یہ سوال پیش کرنا تھا کہ محض زبانی روایات کی بنا پر مدون کیے جانے والے ان مجموعوں کی تاریخی قدر وقیمت کیا ہے نیز ان کی صحت کو کہاں تک تسلیم کیا جا سکتا ہے۔اس کے نزدیک ان روایات کی کوئی تاریخی قدر وقیمت نہیں اور ان کی حیثیت ان ہنگامی اور عصری رجحانات کی بازگشت سے زیادہ کچھ نہیں جن میں ان کا مرتب کرنے والا محصور تھا۔گولڈ زیہر نے یہ بھی کہا کہ ہم ہالینڈ کے عالم ڈوزی (R. Dozy) کی اس رجائیت میں شریک نہیں ہو سکتے جس کی رُو سے اس نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ طویل زبانی روایت سے گزر کر ہم تک پہنچنے کے باوجود بہت سی احادیث نبویہ کی صحت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔(۱۰)

عہدِ جدید میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطۂ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقۂ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت اور فروغ دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم "Hubret Crimme"کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔اس کی تحقیقات کا نچوڑ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے۔سیاسی، سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔مارگولیتھ نے اپنے مقالات اور تالیفات میں انتہائی نامناسب زبان اور غیر شائستہ رویہ اختیار کیا۔ اطالوی مستشرق پرنس لیون کتانی (Prince Leone Cactain) نے اپنے ضخیم تحقیقی کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ بس ایک سیاست دان تھے اور انہوں نے معاشی وسیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔

مستشرق کیتانی کا زمانہ ۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۶ء ہے۔اس کے آثار میں اسلام کی اشاعت اور تمدن، اور تاریخ اسلام از ۱ھ تا ۹۲۲ھ بہت مشہور ہیں(۱۱) (کیتانی پر ایک مفصل مقالہ ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلہ "ہمدرد اسلامیکس" ج:۵، ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے، مفید اور معلوماتی ہے) عہدِ جدید سے تعلق رکھنے والے ان مستشرقین کی یہ انتہا پسندی خلافِ حقیقت بھی تھی اور خود گروہ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔مثلاً باسورتھ اسمتھ نے اپنی کتاب "Muhammad and Muahmmansm" میں اپنے مخصوص طرزِ تحریر میں اعتذاری رویہ اختیار کیا۔اسی انداز کا کام الفانسواتینی ڈینٹ اور سلیمان بن ابراہیم کے قلم سے "حیاتِ محمد" کے عنوان سے سامنے آیا۔اسی طرح جے۔سی آرچر نے اسپر نگر کے طبی ومرضیاتی نقطۂ نظر کی تردید کی۔(۱۲)

تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔مثلاً عہد جدید کا مشہور مؤرخ ٹائن بی اپنی تصنیف "مطالعۂ تاریخ" میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے۔ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب "Le Proleme Mohamet" میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے زیادہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے مصادر سے بحث کرتا ہے اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث وسیر کے ذخیرہ میں بہرحال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔(۱۳)

اسی قسم کا نقطۂ نظر ولیم منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔واٹ کی تصنیفات کو بہرحال آخری جدید ترین کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔واٹ کے

Marfat.com

کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران "علمیت" نے جو ترقی کی ہے اس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے۔ اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح وتنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ واٹ کا مؤقف ٹائن بی سے زیادہ مختلف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی رسول اکرم ﷺ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے[۱۴]۔ (واٹ اور اس کی تصانیف پر ڈاکٹر سید عبداللہ نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے جو "فکر ونظر" اسلام آباد کی اشاعت اپریل ۱۹۷۶ء میں چھپا ہے)۔

عہدِ جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہدِ جدید کے مستشرقین اگرچہ اپنے انداز تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے باوجود تحریکِ استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہدِ جدید کا ایک مصنف، اطالوی مستشرق فرانسکو جبریئلی (Gabrieli Francesco) اپنی زبان قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ:

"پرانی دشمنی عہدِ جدید میں بھی جاری وساری ہے۔" [۱۵]

اس صورتِ حال میں ایڈورڈ ڈبلیو سعید (Edward W. Saeed) کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام وانضباط بنیادی طور پر اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا اور استشراق کو جہانِ مشرق پر اس وقت مسلّط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں مغلوب تھا اور پھر "قوت وضعف" کے اسی تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔ استشراق کے درحقیقت دو چہرے، دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری، خارجی رخ (Manifist)۔ پہلا داخلی، پوشیدہ رخ تو ہمیشہ سے ایک ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھُوا گیا۔ جب کہ دوسرا ظاہری پہلو (Manifest Orientalism) متغیر ہوتا رہا۔ یعنی مشرقی معاشرہ وتہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات وافکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالہ سے آتی رہی لیکن داخلی جذبۂ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم ومستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ مؤثر علمی روایت ہے۔[۱۶]

ذیل میں عہدِ جدید سے تعلق رکھنے والے چند معروف ومشہور مستشرقین کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ جو طلبہ اور اساتذہ عہدِ جدید سے متعلق تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں انہیں رہنمائی مل سکے۔ یہ فہرست استاذ نجیب العقیقی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

مونٹے(Monfit,ed)

فرانسیسی مستشرق، ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۷ء میں انتقال کر گیا۔ علمی آثار میں اسلام، حال ومستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۰۱ء)، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء)، تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۱۳ء) اور فرانسیسی میں ترجمۂ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں۔

گاڈفرے ڈی ممبائن(Goudefroy Demombyne)

فرانسیسی مستشرق ۱۸۶۲ء سے ۱۹۵۷ء تک بقیدِ حیات رہا۔ پیرس میں "الننہ شرقیہ" کے شعبہ میں عربی کا استاذ رہا۔ متعدد کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً اسلام میں نظم (مطبوعہ ۱۹۳۱ء)، مکہ ومدینہ (مطبوعہ ۱۹۱۸ء)، عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبیوں تک (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) وغیرہ۔

Marfat.com

کارلو الفانسو نل لینو (Nallino, Carlo Alfanso)

اطالوی مستشرق، ولادت: ۱۸۷۲ء، انتقال: ۱۹۳۸ء بے شمار تالیفات ومطبوعات اس سے منسوب ہیں۔ مثلاً: منتخبات القرآن (مطبوعہ لیبزگ ۱۸۹۳ء)، اسلام سے پہلے قبائل عرب کی تکوین وترتیب (۱۸۹۳ء)، تاریخ یمن قبل از اسلام (۱۹۲۷ء)، ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصر حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء، قبائل وتراجم رجال، فہرستِ مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیاتِ محمد جو اس کے انتقال کے بعد رومن سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔

سر تھامس آرنلڈ (Arneld, Sir Thomas) ۱۸۶۴ء تا ۱۹۳۰ء

برطانوی مستشرق، اس کی مشہور ترین کتاب دعوتِ اسلام "The Preaching of Islam" ہے۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔

رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Staphen)

برطانوی مستشرق، بنیادی تعلق ناول سے تھا۔ مشہور ترین کتاب "The Making of Humanity" ہے۔

مارماڈیوک پکتھال (Pickthall, M.W.) ۱۸۷۵ء تا ۱۹۳۶ء

مشہور برطانوی شخصیت پکتھال نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور اسلامی تہذیب پر مقالات مرتب کئے اور خطبات دیئے۔

اسٹینلے لین پول (Stanlay Lane Poole) ۱۸۵۴ء تا ۱۹۳۱ء

مشہور برطانوی مستشرق، مؤرخ، ماہر آثاریات، تاریخ مسلمانانِ اندلس پر آپ کا کام قابلِ ذکر ہے۔

نکلسن (Nicholson, R.A.) ۱۸۶۸ء تا ۱۹۴۵ء

مشہور برطانوی مستشرق، نکلسن نے کئی کتابیں لکھیں لیکن خاص الخاص کتابیں عرب کی ادبی تاریخ مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء اور اس کا مضمون "محمد اور قرآن" اس کے علاوہ "محمد کی ایک نامعلوم سوانح" ہیں۔

نولدیکے (Noldeke, Th.) ۱۸۳۶ء تا ۱۹۳۰ء

مشہور جرمن مستشرق، نولدیکے نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ لیکن جس کام کی وجہ سے اس کو شہرت ملی وہ نقدِ حدیث کے مکتبِ فکر کا قیام ہے۔ نولدیکے نے قرآن کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث کی۔ سامی زبانوں پر کام کیا اور تاریخِ اسلام پر مقالات لکھے۔

ہر گرونج (Snouck Hergrenje) ۱۸۵۷ء تا ۱۹۳۶ء

ہالینڈ کا مستشرق تھا۔ اس کے آثار میں مکہ کا حج، فقہ اسلامی اور سیاستِ نبوی شامل ہے۔ مذہباً عیسائی تھا۔ زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں کیا۔ ماہر اسلامیات سمجھا جاتا تھا اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتداء سے ہی سیاسی مذہب تھا۔ بہرحال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا۔

Marfat.com

ونسنک (Wensink, A.J.) ۱۸۸۱ء تا ۱۹۳۹ء

ولندیزی مستشرق تھا۔ اس کی علمی یادگاروں میں "یہودِ مدینہ کے بارے میں رسول اللہ کا موقف" جو اس کے پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ اور لیدن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ اس کی کتاب "محمد اور یہود" اور الاسلام (مطبوعہ ۱۹۱۱ء) بھی قابلِ ذکر ہیں۔

پروفیسر زخاؤ (Sahau, E) ۱۸۴۵ء تا ۱۹۳۰ء

جرمن مستشرق تھا۔ کئی تالیفات اور مقالات مرتب کئے۔ زخاؤ کا اہم ترین کام طبقات ابن سعد پر ہے۔

جوزف ہورووز (Horovitz, J) ۱۸۷۴ء تا ۱۹۳۱ء

جرمن مستشرق تھا۔ اس کا اہم کام واقدی کی مغازی پر ہے۔ واقدی کی مغازی پر اس نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

جوزف ہیل (Hell, Joseph) ۱۸۷۵ء تا ۱۹۵۰ء

جرمن مستشرق تھا۔ عربی تہذیب پر کام کیا۔ کتاب لکھی اور مقالات مرتب کئے۔

کارل بروکلمان (Brockelman, C.) ۱۸۶۸ء تا ۱۹۵۶ء

بروکلمان مشہور مستشرق ہے۔ تاریخ علوم پر ضخیم کام کیا۔ اس کی مشہور ترین تصنیف "تاریخ اقوامِ مسلم" ہے۔

بار تھولڈ (Barthold, V.V.) ۱۸۶۹ء تا ۱۹۳۰ء

روسی مستشرق تھا۔ بنیادی تعلق تاریخ سے تھا۔ بار تھولڈ نے بہت کچھ لکھا۔ مثلاً: اسلامی تہذیب، تاریخ ترکستان، عالمِ اسلام، خلفائے راشدینؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ۔

سموئیل زویمر

امریکی مستشرق ہے اس کی تصانیف بہت ہیں۔ خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر، اس کی کتابوں میں اسلام سے پہلے بلادِ عرب، دنیا میں اسلام، حیاتِ محمد، اسلام صحرائے عرب میں اور ورثۂ نبوی قابلِ ذکر ہیں۔

ایچ.جی.ویلز (Wells, Herbert Grogs) ۱۸۸۶ء تا ۱۹۴۶ء

ویلز، انگریز مستشرق تھا۔ افسانہ نگار، ماہر عمرانیات اور مؤرخ تھا۔ اس کی کتابوں میں "Outline of History" قابلِ ذکر ہے۔

گب (Gibb. Sir Hamilton A.R.)

مشہورترین برطانوی مستشرق ہے۔ گب کی تصانیف اگرچہ بہت سی ہیں۔ تاہم اصل شہرت کتاب "Muhammadanism" سے ہوئی۔ جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلہ میں گب نے خود توجیہات پیش کیں۔ لیکن یہ نام وتوجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت وحالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جس کا ثبوت اس کی مختلف

Marfat.com

تحریروں سے ملتا ہے۔اپنی عمر کے آخری ایام میں بہرحال اس نے اسلام کے بارے میں اعتدال کا مظاہرہ کیا۔

ولفریڈ کینٹول اسمتھ (Smith, W.C.)

اسمتھ گب کا شاگرد رہا۔اس نے پی ایچ ڈی کا مقالہ مشہور مستشرق فلپ کے حطی کی نگرانی میں لکھا۔مقالہ کا عنوان تھا: "مجلۃ الازہر، تجزیہ وتنقید۔" ڈلہوزی یونیورسٹی کینیڈا میں Religion کا پروفیسر رہا۔

جوزف شاخت (Schacht, J)

مشہور جرمنی مستشرق خالص یہودی، اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد کتابیں لکھیں۔لیکن اصل کام قانون اور اصولِ فقہ اسلامی پر کیا۔(جوزف شاخت پر محمد طفیل کا مقالہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ اپریل ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں طبع ہوا ہے مفید اور معلوماتی ہے۔)

برنارڈ لویس (Levis, Bernord)

عہدِ جدید کا مشہور انگریز مستشرق بہت سی کتابیں لکھیں۔لیکن مشہور کتابیں "Islam in History" اور "Arabs in History" ہیں۔کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا ایڈیٹر رہا۔اسلام دشمنی کے لیے مشہور ومعروف ہے۔

عہدِ جدید کے مشہور ومعروف مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریکِ استشراق کے کم وکیف کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔اور بطورِ ماحصل یہ کہا جا سکتا ہے کہ تحریک استشراق، اپنے آغاز اور عروج وارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد انتشار (Crisis) سے دوچار ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہرحال نظر نہیں آتی۔جو پہلے ان کا خاصہ تھا۔جانسن نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب برطانیہ اور فرانس مسلمان ممالک کے قابو میں تھے اور اسلامی مخالفت کا سامنا کر رہے تھے تو برطانوی اور فرانسیسی Islamists ان ممالک کے مخالف اور غیر ہمدرد تھے جبکہ امریکی مصنفین عام طور پر ہمدرد تھے۔لیکن حالیہ برسوں میں امریکی مصنفین اسلام کے بارے میں کم ہمدرد ہو گئے ہیں۔یورپی مستشرقین اب غیر متعلق اور بے پروا نظر آتے ہیں۔کرداروں کا یہ تفاوت غالباً ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ اختیار کیا گیا۔[۱۷]

مستشرقین کی نوجوان نسل، زمانے کے حالات ومسائل کے پیشِ نظر ذہن وفکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہو رہی ہے۔ ادھر اسلامی دنیا میں سوچ کی نئی لہریں پیدا ہورہی ہیں۔اور بعض جدید مفکرین ومصنفینِ مشرق کی تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مدوجزر پیدا کر دیا ہے۔پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت وقوت کے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں۔استعمار اور استحصال کی لغات الٹ ہو گئی ہیں۔علمی وذہنی مرعوبیت کا عالم پہلے جیسا نہیں رہا اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک، فضا اور زمین دیکھ رہا ہے۔اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریک استشراق کے کوچ کا بگل بجا دے اس لیے بقول جانسن ، وقت آگیا ہے کہ اسلامی مفکرین وعلماء اپنے حریفوں کے مدمقابل آئیں اور مخالفین اسلام کے خلاف، علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آراء ہو جائیں البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت فریبِ نظر (Myth) ہے۔[۱۷]

Marfat.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) زکریا ہاشم۔ المستشرقون و الاسلام۔ ص: ۱۹۸

(۲) اُستاذ نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان تمام ممالک کے زیر عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات پر بحث کی ہے۔ المستشرقون۔ ج: ۱،۲،۳،۴

(۳) شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ ج:۱۔ ص:۹۱تا۹۲

(۴) المستشرقون۔ ج:۲۔ ص:۷۰۷

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: اسلام اور مستشرقین۔ ص:۴۰۶

(۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: آکسفورڈ انگلش

(۷) المستشرقون والإسلام۔ ص:۱۶۸

(۸) شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ﷺ۔ ج:۱۔ ص:۹۲

(۹) گولڈ زیہر پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ایک مقالہ ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ۔ اگست ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں موجود ہے بہت مفید اور معلوماتی ہے۔

(۱۰) تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام۔ ص: ۱۷۴

(۱۱) مستشرق کیتانی پر ایک مفصل مقالہ ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلہ "ہمدرد اسلامیکس" ج:۵۔ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے۔ مفید اور معلوماتی ہے۔

(۱۲) اسلام اور مستشرقین۔ ص:۴۲۱

(۱۳) اسلام اور مستشرقین۔ ص:۴۲۳

(۱۴) منٹگمری واٹ اور اس کی تصانیف پر ڈاکٹر سید عبد اللہ نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے جو "فکر و نظر" اسلام آباد کی اشاعت ۱۹۷۶ء میں چھپا ہے۔

(۱۵) Muhammad and the conques of Islam, Newyork-۱۹۶۸. P-۱۵

(۱۶) Edward. W. Saeed, P-۲۰۳, ۲۰۶

(۱۷) (Militant Islam, PanBook, London, ۱۹۷۹. P-۸۵)

(۱۸) Militant Islam, P-۸۵

Marfat.com

سولھواں باب

فتنۂ انکارِ حدیث

اسلام میں تقریباً پہلی صدی ہجری تک صحیح احادیث کو بلاتفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر ونشر، رؤیۃ باری تعالیٰ، صراط ومیزان، جنت وجہنم اور اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا۔ اوراپنے مخصوص مزاج اوررویہ کی وجہ سے اخبار متواترہ کے علاوہ بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا۔ اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے ذوق و مذاق کے خلاف دیکھیں، تاویلیں کر ڈالیں۔ حافظ ابن حزم اندلسی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ اور دیگر تمام فرقے رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔" (۱)

علامہ طاہر بن صالح الجزائریؒ لکھتے ہیں کہ

> " اگر چہ علماء کے ہاں یہ بات بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں توغل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ مگر یہ خیال بے اصل ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں ظاہر ہو چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک فلسفہ کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا۔"

علامہ جزائریؒ کا یہ دعویٰ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے جب بھی فلسفی اثرات کے لئے کتابی توغل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے عقائد، طرز استدلال، انداز شبہات سب اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ خارجی یا داخلی کسی نہ کسی طور پر ان کے دماغوں پر فلسفہ کا تسلط ضرور ہو چکا تھا۔

انکار حدیث کی فکر جب عام ہونے لگی تو سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" اور "کتاب الأم" کی ساتویں جلد میں اس کی تردید کی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اطاعت رسول ﷺ کے اثبات میں مستقل ایک جزو تصنیف کیا۔ اور آیات اور روایات سے اپنے مخالفین کی تردید کی۔ جس کا ایک حصہ حافظ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "المستصفیٰ" میں، امام ابن حزمؒ نے "الإحکام فی اصول الأحکام" میں اور حافظ

Marfat.com

محمد بن ابراہیم الوزیرؒ نے "الروض الباسم" میں اس کے خلاف مقالات لکھے۔ یہاں تک کہ پھر اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کا یہ ایک مستقل موضوع بن گیا۔ متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ایک مستقل جزء اس پر تالیف کیا۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا، اس لیے انکارِ حدیث میں انہیں بہت کچھ پس وپیش کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک گروہ نے یہ تصریح کر دی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (اس کے راوی اول سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دو رہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی روایت قابل استدلال ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابو علی جبائی معتزلی سے نقل کیا ہے کہ حدیث کی صحت کے لئے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ ابو الحسین بصری معتزلی نے اپنی کتاب "المعتمد" میں مراسیل کو قابل استدلال بتایا ہے۔ اور اس اصول میں جمہور فقہاء کے موقف کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکارِ حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی۔ لیکن موجودہ دور میں انکارِ حدیث کا جو فتنہ پایا جاتا ہے، اس فتنہ کی بنیاد علم وفہم پر نہیں بلکہ جہل وعناد پر ہے۔ اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ اس لئے اب انکارِ حدیث کے لئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کر دیا گیا۔

قرآن نے تو شریعت موسویہ کے صرف چند احکام ہی کو اصر و اغلال سے تعبیر فرمایا تھا، مگر یہاں بعض منکرین حدیث نے آپ ﷺ کی تمام احادیث، احکام وہدایات کو اصر واغلال کہہ ڈالا۔ اس جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اطاعت صرف کتاب اللہ کی واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت منصبِ رسالت کے لحاظ سے کوئی ضروری امر نہیں۔ اس کا فریضہ صرف تبلیغ قرآن سے ادا ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ تمام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوتا ہے، گویا اس کے کسی قول وفعل کو تشریعی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے تو ایسے ہی جیسے اپنے زمانے کے ہر امیر اور حاکم کی لازم ہوا کرتی ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد درحقیقت مقام نبوت اور حقوق نبوت سے تمام تر ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ باطل ہے اور اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے اس خیال کی اصلاح کر کے انکارِ حدیث کی ایک تیسری صورت پیدا کی گئی، اور وہ یہ کہ دین میں کتاب اللہ کے سوا "اسوۂ رسول ﷺ" کا اتباع اور پیروی لازم ہے۔ "اسوۂ رسول ﷺ" رسول ﷺ کا وہ عمل ہے جو اس نے امت کو کتاب اللہ کے مطابق کر کے دکھایا ہے، اس کے علاوہ دوسرے امور میں اس کی حیثیت پھر وہی امیر کی حیثیت رہ جاتی ہے، جس کی اطاعت صرف اس کے زمانۂ حیات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس خیال وفکر کے حامل جناب اسلم جیراج پوری اور ان کی جماعت ہے۔ مولانا جیراج پوری کے نزدیک حدیث کو کوئی تشریعی حیثیت حاصل نہیں، زیادہ سے زیادہ صرف تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

مولانا اسلم جیراج پوری

مولانا جیراج پوری ۱۳۹۹ھ میں جیراج پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں بطور لیکچرر کام شروع کیا۔ بعد میں جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر

Marfat.com

تصانیف میں سے تاریخ القرآن، تاریخ امت (آٹھ جلدوں میں) اور "الوراثۃ فی الاسلام" قابل ذکر ہیں۔ منکرین حدیث کی جماعت میں آپ کی حیثیت اس پہلو سے زیادہ مسلمہ ہے کہ اس فکر کو تقویت دینے اور غذا فراہم کرنے میں آپ کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ غلام احمد پرویز نے آپ ہی کی افکار سے فیض حاصل کیا ہے۔ مولانا جیراج پوری کی نظر میں حدیث کی اہمیت تاریخ سے کچھ زیادہ نہیں۔ بالفاظ دیگر، اگر کوئی شخص بھی موجودہ مجموعہ ہائے حدیث میں سے اگر کوئی حدیث قبول کرنا چاہے تو وہ محض اس کی مرضی اور پسند پر منحصر ہے، اور اگر رد کر دیتا ہے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ {اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ} کی تفسیر کرتے ہوئے آپ احادیث پر ان الفاظ کے ساتھ تبصرہ کرتے ہیں:

"اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایات سے پوری کی جائے، اس لیے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے جو عمل کر کے دکھایا اور امت کو سکھایا اور جو سلسلہ بہ سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے۔ وہ یقینی اور دینی ہے، کیونکہ تواتر یقینیات کی اقسام میں داخل ہے اور اس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ {وَلَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ}" (۲)

اشتراکیت اور روس میں مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوئے ہیں۔ لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ رکھتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب وضرب، شورش وانقلاب اور تغیر وتبدل ہو رہا ہے وہ سب تکمیل دین اور اتمام نور کے لئے ہو رہا ہے۔ اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے، کیونکہ انسانیت کو ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔" (۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی تاریخ میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم (خون بہانا) اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے، اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی لا ہے۔" (۴)

آپ کی اس فکر کو بنیاد بنا کر غلام احمد پرویز صاحب نے "قرآنی نظام ربوبیت" ایجاد کیا۔ اور تمام منکرین حدیث پر آپ کا احسان یہ ہے کہ آپ نے مرکز ملت کا تصور اختراع کر کے ان حضرات کو ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دلائی۔

مرکز ملت کے تصور کا پس منظر

مرکز ملت کے تصور کا پس منظر یہ ہے کہ منکرین حدیث نے حدیث سے انکار تو کر دیا مگر اب قرآن کے احکام کی

Marfat.com

تعمیل کا طریقہ کار کا مسئلہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ انکار سنت تک تو ان سب کی راہ ایک تھی مگر آگے چل کر اس سے کئی راہیں پیدا ہو گئیں اور یہ لوگ کسی ایک مسئلہ میں بھی متحد نہ رہ سکے، اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ بالآخر حافظ اسلم جیراج پوری نے اس "امت" کے سامنے مرکز ملت کا نظریہ پیش کیا، اس پر عملدرآمد کی تو کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ تاہم آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کی اور نظریہ پیش کر دیا۔ آپ نے یہ تصور جن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہو بہو اسے نقل کیا جاتا ہے۔

نظریہ مرکز ملت

"چوتھی دلیل جو بڑی شدومد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، یہ ہے کہ بیسیوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیثیں دینی حجت نہ ہوں تو یہ اطاعت کس طرح ہو گی؟ دراصل یہی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو حدیثوں کو دین بنانے کا موجب ہوتی ہے۔ میں نے اس مبحث پر ایک مفصل مقالہ "اسلامی نظام" کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہاں مختصراً صرف اس قدر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں:

۱) پیغمبری، یعنی پیغامات کو بلاکم وکاست لوگوں تک پہنچادینا۔ اس حیثیت سے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ ﷺ کی ذات پر ختم ہو گئی۔

۲) امامت، یعنی امت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم قرار دی گئی۔

مرکز ملت کی وضاحت

یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کے لئے قائم ہوئی، قیامت تک کے لئے مستمر (جاری وساری) ہے، جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ ہمیشہ رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعت رسول ﷺ کے جو احکام ہیں، آپ ﷺ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں، بلکہ منصب امامت کے لئے ہیں۔ جس میں آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے، اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت تھی۔ (اور یہ امت ہمیشہ آپ کی ہی امت رہے گی کیونکہ آپ ﷺ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہو گی۔ اطاعت رسول کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے جو کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں گے۔ دین کی ضروریات، قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں۔ امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے، جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب

Marfat.com

اقتضاء زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور اس میں وحدت مرکز قائم رکھے گا، اور متفرق نہ ہونے دے گا۔" (۵)

مولانا جیراج پوری کے پیش کردہ تصور کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) رسول اللہ ﷺ کی صرف دو حیثیتیں تھیں، ایک بحیثیت رسول ﷺ، دوسرے بحیثیت حاکم۔ حالاں کہ قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی کئی حیثیتیں بیان کی ہیں۔

۲) پیغمبری والی حیثیت ختم ہو گئی ہے، حاکیت والی باقی ہے۔ بعد میں آنے والا ہر حاکم چونکہ رسول ﷺ کا قائم مقام ہے، لہٰذا اس کی اطاعت، رسول ﷺ کی اطاعت، اور رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ گویا بعد میں آنے والے حاکم یا مرکز ملت کی اطاعت، اللہ اور رسول ﷺ دونوں کی اطاعت ہے۔

۳) یہ کہ مرکز ملت قرآن کو سامنے رکھ کر حسب اقتضائے زمانہ شریعت سازی کرے گا۔

۴) اس مرکز ملت کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ وحدت مرکزی کو بھی قائم رکھے گا۔

کیا مرکز ملت کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے؟

مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ مرکز ملت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے، درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر غلط ہے:

۱) رسول مامور من اللہ ہوتا ہے، جبکہ دوسرے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ مرکز ملت یا تو منتخب شدہ ہو گا، یا بزور بازو برسر اقتدار آئے گا اور ان دونوں صورتوں میں غلطی کا امکان ہے۔

۲) رسول تمام امت کے لیے اُسوہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کی سیرت و کردار میں کوئی جھول رہ جائے تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ مگر مرکز ملت کے لئے اصلاح کی یہ صورت ممکن نہیں۔

۳) قرآن اور نبی کی سیرت و کردار یہ دو چیزیں مل کر شریعت بنتی ہے۔ اور یہ دوسری چیز بھی یا تو منزل من اللہ ہوتی ہے یا منشائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا}

"تم میں سے ہر امت کے لئے ہم نے شریعت اور طریقہ مقرر کیا۔"

اور رسول اللہ کے لئے خاص کر فرمایا:

{جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا}

"پھر ہم نے آپ کو امر (اقامت دینی) میں ایک شریعت پر قائم کیا، سو اسی کی پیروی کرو۔

نوٹ: مولانا جیراج پوری کا یہ کہنا کہ اگر مرکز ملت قائم ہو جائے تو امت میں اختلاف ختم ہو جائیں گے اور مرکز ملت کے ساتھ مرکزی وحدت بھی قائم ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی "خیالی جنت" ہے جس کا عملی دنیا میں وقوع پذیر ہونا ناممکنات میں سے ہے، اس لئے کہ:

Marfat.com

۱) آج کے دور میں بھی مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کی شرعی حیثیت اور اسے شرعی قانون کا ماخذ تسلیم کرتی ہے۔ان حالات میں نہ ایسا مرکز ملت قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس خیالی مرکزی وحدت کا امکان ہے۔

۲) اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ سارے مسلمان سنت کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت پچاس پچپن ممالک میں مسلمان حکمران ہیں وہ ایک مرکز ملت قائم کرنے پر کیسے رضامند ہو جائیں گے؟ بہ صورت دیگر وہ اپنے اپنے ممالک میں الگ الگ مراکز ملت قائم کریں گے اور قرآن کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے ملک کے لئے الگ الگ شریعتیں تیار کریں گے۔اور پھر یہ سلسلہ صرف ایک دور تک محدود نہیں تا قیامت جاری رہے گا۔تو اندازہ کیجیے کہ اس طرح تیار شدہ شریعتوں کی تعداد کتنی ہو گی؟ پھر چوں کہ ہر ملک شریعت سازی کے وقت اپنے ملک کے حالات اور تقاضوں کو بھی مد نظر رکھے گا، اس لئے ان شریعتوں میں اختلاف ناگزیر ہوں گے اور بحث وجدال و انتشار کے کئی نئے میدان کھل جائیں گے۔

۳) مسلمانوں کی پچانوے فیصد آبادی سنت کو شرعی حجت تسلیم کرتی ہے اور سنت نے ہر فریضہ کی بجا آوری کے لئے ایک متعین شکل سامنے رکھ دی ہے، لیکن اس کے باوجود قرآنِ کریم کی آیات کی تفسیر وتاویل میں جو کچھ اختلافات ہیں وہ معلوم ومشہور ہیں۔اب اگر سنت کو چھوڑ کر محض لغت کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر وتاویل کی جائے گی تو اس میں جس قدر اختلافات ممکن ہیں، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔پھر اگر لغوی تفسیر میں حالات وزمانے کے تقاضوں کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو قرآن بچوں کا کھیل بن جائے گا۔یہ سنت کو شرعی حجت ماننے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے اربوں افراد اصولی احکام ومسائل میں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع نظر آتے ہیں۔ (۶)

عبداللہ چکڑالوی

حدیث وسنت کو حجت نہ ماننے والوں میں ایک اہم نام عبد اللہ چکڑالوی کا بھی ہے۔عبد اللہ چکڑالوی، ضلع گورداسپور کی ایک بستی چکڑالہ میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔آپ کا تعلق ابتداء میں اہل حدیث مکتب فکر سے رہا، لیکن بعد میں حجیت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے۔آپ کہتے ہیں کہ:

"پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے، اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔جس طرح شرک موجب عذاب ہے، اسی طرح مطابق {اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ} اور {اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ} اور {لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا} کے شرک فی الحکم یعنی دین میں اللہ تعالٰی کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کر دینے والا باعثِ ابدی ودائمی عذاب ہے۔افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔" (۷)

Marfat.com

نوٹ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چکڑالوی صاحب نے جن تین آیات کا حوالہ دیا ہے ان سب کا مفہوم یہ ہے کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔اب اگر اللہ تعالیٰ ہی بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب (قرآن) میں اپنے رسول کی اطاعت اور اتباع کا حکم دے تو یہ شرک فی الحکم یا شرک فی الکتاب کیسے بن گیا؟

انکارِ حدیث کی بناء پر چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث کی طرح معجزات،شفاعت، عذابِ قبر، ایصالِ ثواب اور تعدد ازواج کے بھی قائل نہ تھے البتہ ایک بات ایسی ہے جس میں چکڑالوی صاحب دوسرے منکرین حدیث سے ممتاز نظر آتے ہیں وہ یہ کہ آپ رسول ﷺ کے سید الانبیاء ہونے کے قائل بھی نہ تھے۔آپ ایک سائل کو جواب یا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آپ نے اپنے مسلمہ قرآن اور بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیم علیہ السلام کا خصوصاً، لقب مرحمت فرمایا ہے۔ اور پھر آپ نے ان کو نبیوں کا سردار بنا کر دوسرے انبیاء اور رسل کی تحقیروتذلیل کر کے "لانفرق بین احد من رسلہ" کا کفر کیا یا نہیں؟" (۸)

نوٹ: چکڑالوی صاحب کو {لَا نُفَرِّقُ} والی آیت تو قرآن میں نظر آگئی مگر {تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ} کہیں نظر نہیں آیا۔پہلی آیت میں مقام رسالت کا ذکر ہے، رسول ہونے کی حیثیت سے تمام انبیاء برابر ہیں۔ دوسری آیت میں انبیاء کے درجات کا بیان ہے، اس پہلو سے انبیاء میں فرق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سابقہ انبیاء کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کی ہدایت کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔{فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ} اور یہ ہدایت منزل من اللہ اور سب انبیاء پر ایک جیسی ہی نازل ہوئی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کا ذکر فرمایا ہے اور ملّت سے مراد وہ نظام دین ہے۔جو ابراہیم نے تو قائم فرمایا تھا۔نظام دین کے قیام میں پیش آمدہ مشکلات میں اگر سابقہ انبیاء کی ایسی ہی مشکلات اور صبر وثبات کا حوالہ دے کر آپ ﷺ کو بھی ان کے طریق کار کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے تو اس سے آپ ﷺ کا درجہ کیسے کم ہو گیا؟ درجہ کی فضیلت تو یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس نظام دین کو قائم کرنے میں کون سا رسول سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے؟ اور قرآن وحدیث اور تاریخ شاہد ہے کہ اس پہلو سے آپ ﷺ سب سے بلند درجہ پر ہیں۔

چکڑالوی صاحب کو صحیح بخاری اور صحاح کی دیگر کتابوں میں یہ حدیث ((انا سید ولد آدم ولا فخر)) بھی کہیں نظر نہ آئی، اس حدیث کی رو سے آپ ﷺ تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ جن میں یہ تمام انبیاء اور رسل بھی شامل ہیں۔نہ ہی چکڑالوی صاحب کو کہیں یہ حدیث نظر آئی کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

Marfat.com

حافظ عنایت اللہ اثری (م ۱۹۸۰ء)

حافظ عنایت اللہ اثری کا تعلق مکتب اہل حدیث سے تھا لیکن بعد میں انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ آپ بھی تمام منکرین حدیث کی طرح معجزات انبیاء کے منکر تھے۔حافظ اثری صاحب نے تمام امت مسلمہ کے مسلمہ عقیدہ کے برعکس "عیون زمزم فی ولادۃ عیسیٰ بن مریم" نامی کتاب لکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدائش کی تردید کی۔علاوہ ازیں دو کتابیں "بیان المختار" اور "قول المختار" لکھ کر تمام انبیاء کے معجزات کا انکار کیا ہے۔حافظ صاحب اور دوسرے منکرین حدیث میں مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ تمام منکرین حدیث کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے احادیث کا انکار کرتے ہیں، پھر بعد میں قرآن مجید کی من مانی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ حافظ صاحب نے پہلے قرآنی آیات کی من مانی تاویلات کیں، اور پھر احادیث کا انکار کیا۔حقیقت یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کی من مانی اور من گھڑت تاویلات میں حافظ اثری نے باقی تمام منکرین حدیث کو مات دی ہے۔حافظ اثری نے جب واقعہ اسراء کی تاویل کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ سے مراد "دور کی مسجد" اور مدینہ منورہ نیز واقعہ اسراء سے مراد ہجرت نبوی کا تصور پیش کیا، تو غلام احمد پرویز صاحب نے انہیں درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

> "اگلے دنوں ایک صاحب کی وساطت سے مجھے عنایت اللہ اثری (وزیر آبادی ثم گجراتی) کی کتاب "حصول تیسیر البیان علی اصول تفسیر القرآن" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی مسجدِ اقصیٰ کا وہی مفہوم لیا ہے جسے میں نے "مفہوم القرآن" میں لکھا تھا۔ایک اہل حدیث عالم کی طرف سے اس آیت کا وہ مفہوم جو روایاتی مفہوم سے ہٹا ہوا ہو، واقعی باعث تعجب ہے۔(اور چونکہ وہ مفہوم میرے نزدیک قرآن کی منشاء کے مطابق ہے، اس لئے وجہ حیرت ہے) مولانا صاحب اگر بقید حیات ہوں (خدا کرے ایسا ہی ہو اور خدا ان کی عمر دراز کرے) تو وہ میری طرف سے اس تحقیق اور حق گوئی کی جرات پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں۔"(۹)

غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ھ)

غلام احمد پرویز، حافظ اسلم جیراج پوری کے فیض یافتہ ہیں۔آپ نے عمر کا بیشتر حصہ سرکاری ملازمت میں گزارا۔ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن آفیسر کے طور پر خدمات سر انجام دیں۔آپ علامہ اقبال کے شیدائیوں میں سے تھے اور علامہ کے کلام کا بیشتر حصہ آپ کو ازبر تھا۔۱۹۳۸ھ میں علامہ اقبال نے وفات پائی تو ان کی یادگار کے طور پر سیّد نذیر نیازی صاحب نے ایک ماہنامہ بنام طلوعِ اسلام جاری کیا۔ تھوڑی مدت کے بعد غلام احمد پرویز اس ماہنامہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔اور پھر اس کی سرپرستی سنبھال لی۔شروع میں علامہ اقبال کی تعلیمات اور افکار کے حوالہ سے لکھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اس پرچہ کو اپنے افکار و نظریات کی نشرواشاعت کا ذریعہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے۔کراچی آکر آپ نے اس ماہنامہ کو اب محض اپنے افکار کی اشاعت کے لئے مختص کر لیا۔اس ماہنامہ کا جلد نمبر بھی ۱۹۴۷ء سے ہی شروع کیا

Marfat.com

گیا۔ماہنامہ طلوعِ اسلام پرویز صاحب، ان کی پارٹی اور دوسرے منکرین حدیث کا ترجمان بن کر سامنے آیا۔۱۹۵۵ء میں غلام احمد پرویز نے قبل ازوقت ریٹائرمنٹ لے لی۔اس کے بعد لاہور منتقل ہوگئے اور گلبرگ میں رہنے لگے۔فروری ۱۹۸۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔غلام احمد پرویز مغربی مفکرین کے افکار ونظریات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کی تشریح کے لیے بکثرت ان کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔بعد میں قرآنی آیات لکھ کر ان افکار پر فٹ کر دیتے ہیں۔آپ نے اپنے افکار ونظریات کی مکمل وضاحت کے لئے طلوعِ اسلام کو ادارہ کی شکل دی جس کے مدیر آپ خود رہے اس ادارہ نے آپ کی بہت سی تصانیف کو بھی شائع کیا۔اور آپ کے افکار ونظریات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔غلام احمد پرویز نے اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے کے لئے وسیع لٹریچر تخلیق کیا۔ذیل میں آپ کے افکار کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ

امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت فرض اور واجب ولازم ہے۔لیکن غلام احمد پرویز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "مقلد ائمہ ہوں یا مقلد روایات، تقلید کی تائید میں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ یا صحابہؓ کبار یا ائمہ فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔وہ یہ کہتے وقت اتنا نہیں سوچتے کہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کبار یا ائمہ فقہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔آپ بھی اپنے مسائل زندگی کا حل خود تلاش کیجیے۔" (۱۰)

اس اقتباس میں غلام احمد پرویز صاحب نے تقلید کا لفظ ائمہ اجتہاد وفقہاء کے ساتھ صحابہؓ کبار اور اس سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت پر بھی استعمال کر کے، مسلمانوں کو اطاعت رسول سے برگشتہ کرنے کی جسارت کی ہے۔اور اس سے بھی زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا خود سوچنے میں سارے مسائل کا حل موجود ہے؟اگر خود سوچنے کی بات تھی تو رسول اکرم ﷺ نے "افک" کے معاملہ میں مہینہ بھر کیوں سوچا؟ اور اتنی پریشانی برداشت کی؟ جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والوں پر پورے پچاس دن کیوں سختی کی جاتی رہی۔آپ نے خود سوچ کر اس کا حل کیوں نہ پیش فرما دیا۔

غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے کروڑوں افراد قرآن اور لغت کے ماہر ہیں اور ان میں سے ہر شخص اتنا ذی استعداد اور باصلاحیت ہے کہ خود سوچ کر اپنے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔اللہ جل شانہ نے سب لوگوں کو ایک جیسی صلاحیت نہیں دی ہے۔جہاں تک قرآن و حدیث کی آیات وروایات کے فہم صحیح کا تعلق ہے تو اس کا انحصار لغت کی مہارت اور مطالعہ کی وسعت پر نہیں بلکہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق اور ارادت وعقیدت پر ہے۔اگر ہر شخص اپنی سوچ اور فکر سے اپنے مسائل حل کر سکتا تو اللہ جل شانہ ہدایت ورہنمائی کا یہ سارا نظام کیوں قائم فرماتا؟ کتاب کیوں نازل فرماتا؟ اور انبیاء کیوں مبعوث فرماتا؟ جہاں تک ائمہ اجتہاد کا تعلق ہے تو یہ حضرات بھی ہر معاملہ میں کتاب وسنت کو اپنے اجتہاد کا ماخذ قرار دیتے تھے۔اگر کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ

Marfat.com

کو بھی ماخذ قانون بنانے کو "تقلید" کا نام دیا جائے تو بلاشبہ یہ سارے حضرات مقلد تھے۔اور سنت کی تقلید واتباع ظاہر ہے کہ لازمی اور ضروری ہے۔

مقام رسالت

سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد غلام احمد پرویز صاحب مقامِ رسالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"توحید کے بعد رسالت حضور ختم المرسلین پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن رسول پر ایمان لانے سے مفہوم اس کی ذات پر ایمان نہیں کیونکہ اس کی ذات تو مکان و زمان کے حدود کی پابند ہوتی ہے اور ملتِ اسلامیہ جیسا کہ ابھی ابھی کہا جا چکا ہے، ابدیت سے ہمکنار ہے۔رسالت محمدیہ پر ایمان سے مقصود اس کتاب پر ایمان ہے جو حضور ﷺ کی وساطت سے امت کو ملی۔" (۱۱)

جمہور علماء امت کے نزدیک نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے لیکن غلام احمد پرویز صاحب کی تعلیمات کے مطابق نبی اور رسول میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔جو نبی ہے وہ رسول بھی ہے اور جو رسول ہے وہ نبی بھی۔اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں:

"نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ایک قوت ہے، دوسری اس کی عملی تفسیر، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایک ہی شخصیت کو کہیں نبی کہا گیا ہے اور کہیں رسول۔" (۱۲)

رسالت بدستور جاری ہے

ایک طرف تو غلام احمد پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ نبوت اور رسالت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں لیکن دوسری طرف آپ اس "ایک ہی حقیقت" کے دونوں رخوں کو جدا جدا کرنا چاہتے ہیں۔یعنی نبوت کو تو حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں اور رسالت کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔اس بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"نبوت شخصیت کی مظہر ہوتی ہے اور رسالت آئیڈیالوجی کی نقیب۔نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت ختم ہو گئی مگر رسالت باقی رہ گئی۔اس لیے کہ اب انقلاب کا مدار رسالت پر تھا نہ کہ شخصیتوں پر۔آئیڈیالوجی حروف ونقوش کی شکل میں محض مجرد تصور ہوتی ہے۔اس کی عملی صورت نظام کہلاتی ہے۔لہٰذا یوں سمجھئے کہ ختم نبوت کے بعد اشخاص کی جگہ نظام نے لی۔مگر رسالتِ محمدیہ قیامت تک کے لیے باقی ہے۔لیکن مسلمان اس سے دور ہی نہیں بلکہ اس کی راہ میں روک بنا کھڑا ہے۔ختم نبوت تومدت ہوئی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے۔اس لیے اس نے رسالت کو ایک عرصہ سے پس پشت ڈال رکھا ہے۔" (۱۳)

Marfat.com

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد

غلام احمد پرویز صاحب اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بارے میں اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چوں کہ نظامِ دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لیے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا۔لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظامِ دین (Centeral Authority) ہے جہاں سے احکامِ قرآنی نافذ ہوں۔" (۱۴)

اب ظاہر ہے کہ یہ مرکز ملت بھی کوئی شخص یا اشخاص کا گروہ ہو گا جن کو اللہ اور رسول دونوں کے جملہ حقوق تفویض کئے جا رہے ہیں۔اس ضمن میں ادارۂ طلوعِ اسلام کے ایک اہم رکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب کہتے ہیں:

"عملی انتظام کی سہولت کے لیے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو نمائندہ بنا کر ((فیکم رسول)) کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد ((فیکم رسول)) سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے۔جو رسول کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے۔اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکزِ ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے۔" (۱۵)

الگ الگ اطاعت کا تصور

غلام احمد پرویز نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد قرآن کی اطاعت لیتے ہیں اور رسول کی اطاعت سے مراد احادیث کی اتباع ہے۔یہ ایک ایسی بات ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی الگ الگ اطاعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔اور رسول ﷺ کی اطاعت عبارت ہے قرآن اور اسوۂ حسنہ سے۔اس طریقِ اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی تصور مسلمانوں میں موجود نہیں۔غلام احمد پرویز صاحب {أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ} کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولی الامر سے مراد لیے جاتے ہیں اربابِ حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کی حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔ذرا غور فرمایئے کہ دنیا میں نظامِ حکومت اس طرح سے قائم رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے، اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن وحدیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے دے۔اس آیتِ مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے جس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکزِ ملت ہے اور اولی الامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت۔اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ

Marfat.com

وہیں مناقشات شروع کر دو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو، اسے مرکزی حکومت کی طرف Refer کر دو۔ مرکز کا فیصلہ سب کے لیے واجب التسلیم ہو گا۔یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف عدالتِ عالیہ میں مرافعہ (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے۔" (۱۶)

نظامِ ربوبیت

غلام احمد پرویز نے اپنے لٹریچر میں نظامِ ربوبیت کی اصطلاح کا بہت کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ جس طرح مولانا اسلم جیراج پوری نے مرکزِ ملت کی خیالی جنت کا تصور پیش کیا ہے اسی طرح پرویز صاحب نے نظام ربوبیت کو بنیاد بنایا ہے۔اس ضمن میں آپ کہتے ہیں:

"میں نے جو گزشتہ صفحات میں لکھا ہے (اور جو کچھ بعد میں آئے گا) اسی میں آپ نے ایک چیز کو نمایاں طور پر محسوس کیا ہو گا اور وہ یہ کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی سند میں صرف قرآن کی آیات پیش کی ہیں۔ تاریخ اور روایات سے کچھ نہیں لکھا۔ حتیٰ کہ میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے جس نظامِ ربوبیت کو متشکل فرمایا ہے اس کے خدوخال کیا تھے؟... اور وہ کب تک علی حالہ قائم رہا؟... ایک بات بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کو یہ تسلیم ہے کہ جو کچھ ان صفحات میں لکھا گیا ہے وہ قرآن کی رُو سے صحیح ہے تو اس کے بعد ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے مطابق معاشرہ کی تشکیل فرمائی ہو گی۔" (۱۷)

دورِ نبوی ﷺ اور نظامِ ربوبیت

غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں نظام ربوبیت کے قیام کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ جس زمانہ (چھٹی صدی عیسوی) میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ذہن انسان ابھی پختگی تک نہیں پہنچ چکا تھا۔ اس نے فقط اپنے عہدِ طفولیت کو چھوا تھا۔ اب اسے رفتہ رفتہ پختگی تک پہنچنا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی فقید المثال تعلیم اور سیرت سے قرآنی اصولوں کو معاشرہ میں نافذ العمل کر کے دکھایا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اصول ناممکن نہیں۔ لیکن اس زمانہ کی دنیا ہنوز ذہنی طور پر اس سطح پر نہیں آ چکی تھی کہ وہ ان اصولوں کو یا ان کی بنیادوں پر قائم کردہ معاشرہ کو شعوری طور پر اپنا سکے۔ یہ چیز ابھی ان کے شعور میں سما ہی نہیں سکتی تھیں۔ اگر مسلمان اسے اسی "ایمان بالغیب" کے انداز سے جس سے یہ معاشرہ قائم ہوا تھا آگے چلاتے رہتے تو یہ آگے بڑھتا رہتا لیکن انہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا اور شعوری طور پر دنیا ہنوز اس قابل نہ تھی کہ اسے اختیار کر سکتی۔ لہٰذا یہ نظام ختم ہو گیا۔" (۱۸)

Marfat.com

روایتِ حدیث

روایت حدیث کے عنوان کے تحت مولانا اسلم جیراج پوری صاحب لکھتے ہیں:

"روایت کا آغاز عہدِ نبوی ﷺ میں ہی ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن اوقات میں صحبت مبارک میں موجود نہیں رہتے تھے۔ان اوقات کے احوال و اقوال نبوی ﷺ کو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو حاضر رہتے تھے، سنتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غرض کے لیے اپنے ایک پڑوسی انصاری نوجوان سے باری مقرر کر رکھی تھی اور یہ حضرات سنتے اسی سے تھے جس پر انہیں اعتماد ہوتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں منافقین بھی موجود تھے۔ علاوہ بریں رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی تھی کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے بچو (ابن ماجہ) اس لیے عہدِ رسالت میں روایتیں بہت تھوڑی تھیں اور وہ بھی اخباری حیثیت رکھتی تھیں۔"(۱۹)

نوٹ: اس اقتباس میں مولانا جیراج پوری صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کثرتِ روایت سے منع فرمایا تھا۔ اور آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کی طرف منسوب اقوال وافعال کا تذکرہ کریں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احتیاط کے ساتھ روایت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اصل حدیث یوں ہے:

((إياكم وكثرة الحديث عني، فمن قال عليّ ما لم اقل فليتبوأ مقعده من النار)) (سنن ابن ماجہ: التغليظ فی تعمد الكذب)

"کثرتِ حدیث سے بچو اور جو کوئی میرے متعلق کوئی بات کہے تو اسے چاہئے کہ سچ اور حق بات کہے اور جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات بتائی جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔"

روایات سے جی بہلانا

عہدِ نبوی ﷺ میں روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے غلام احمد پرویز کے استاد مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہؓ چونکہ اپنی محبوب ترین شخصیت سے محروم ہو گئے تھے اس لیے فرصت کے اوقات میں دو چار جب مل کر بیٹھتے تو آپ کے زمانے کے تذکرے درمیان میں لا کر آپ کی یاد تازہ کرتے تھے۔" (۲۰)

Marfat.com

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امتناع روایت

مولانا جیراج پوری صاحب لکھتے ہیں:

"مگر ان بیانات میں اختلاف ہونے لگا اس وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روایت کی یک قلم ممانعت کر دی اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: "تم جب آج اختلاف کرتے ہو تو آئندہ نسلیں اور بھی اختلاف کریں گی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور اگر کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے جو اس نے جائز کیا ہے اس کو جائز اور جو اس نے ناجائز کیا ہے اس کو ناجائز سمجھو۔" مگر باوجود اس ممانعت کے بھی روایت کا سلسلہ جاری رہا۔" (۲۱)

نوٹ: اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روایات بیان کرنے کی "یک قلم ممانعت" کر دی تھی تو روایات کا سلسلہ کیسے جاری رہا؟... کیا صحابہؓ کی جماعت جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سمع واطاعت پر کی تھی ایسی ہی نافرمان ہوگئی کہ آپ کی "یک قلم ممانعت" کے باوجود بھی وہ روایات کا سلسلہ قائم رکھنے پر مصر رہی؟

مولانا جیراج پوری یہ روایت اس خلیفہ کے متعلق بیان کر رہے ہیں جس کی خلافت کا فیصلہ ایک حدیث "الائمة من قریش" کی بنیاد پر طے ہوا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ حدیث بھی اس نے خود پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں دادی کی میراث کا فیصلہ آپ نے حدیث ہی کی بنا پر کیا اور یہ حدیث حافظ اسلم صاحب بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امتناعِ روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

"خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانے میں روایات کو روکتے رہے۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ عراق کو روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقام صرار تک ہم کو رخصت کرنے کے لیے ہمارے ساتھ آئے وہاں پہنچ کر فرمایا: "تم جانتے ہو میں کیوں آیا ہوں؟... ہم نے کہا: ہماری مشایعت اور تکریم کی غرض سے۔ فرمایا: ہاں اور اس لیے بھی کہ تم سے کہوں کہ تم وہاں جا رہے ہو جہاں لوگوں کی تلاوت قرآن کی آواز شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح گونجتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کو حدیثوں میں پھنسا کر قرآن سے نہ روکنا اور روایتیں نہ سنانا" قرظہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس دن کے بعد سے پھر میں نے کبھی حدیث بیان نہیں کی۔" (۲۲)

نوٹ: یہ روایت حافظ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم سے لی گئی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس نوعیت کی تین روایات نقل کی ہیں۔ اس کے بعد ان تینوں روایتوں پر اپنا تبصرہ پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایات سے بعض جاہل اہل بدعت نے احادیث سے بے نیاز ہونے کا مطلب نکالا ہے۔ حالاں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت محض اس لیے

Marfat.com

تھی کہ جن لوگوں کے پاس قرظہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت جارہی تھی وہ نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی قرآن کی تعلیم سے نابلد تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس ضمن میں اور واقعات بھی پیش کیے ہیں اور آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول درج کیا ہے:

((سيأتي قوم يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله عزوجل)) (۲۳)

"عنقریب ایک ایسی جماعت پیدا ہو گی جو تم سے قرآن کی متشابہ آیات کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ تم ان پر سنن (احادیث) کے ذریعہ گرفت کرنا۔ کیونکہ اہل سنن ہی اللہ عز وجل کی کتاب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حدیثِ رسول ﷺ

مولانا اسلم جیراجپوری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایتوں کے قبول کرنے میں توقف ثابت ہے جس سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیثوں کو دینی حجت نہیں مانتے۔" (۲۴)

مولانا جیراجپوری نے یہ اقتباس شیخ طاہر بن صالح الجزائری کی کتاب توجیہہ النظر سے نقل کیا ہے۔ لیکن پوری عبات پیش نہیں کی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

"وقد استدل بذلك من يقول بعدم الاعتماد في أمر الدين، وقد رد عليهم الجمهور" (۲۵)

"ان باتوں سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو حدیث کو دینی حجت نہیں مانتے اور جمہور علماء نے ان کے اس نظریئے کو مردود قرار دیا ہے۔"

مولانا جیراج پوری مزید لکھتے ہیں:

"وجوہات مذکورہ کے باعث عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں روایات کا ذخیرہ بہت قلیل تھا۔ علاوہ بریں وہ عملی زندگی میں منہمک تھے اور اعلائے کلمۃ الحق اور حروب و فتوحات کی مشغولیت سے ان کے لیے موقع بھی کم تھا کہ بیٹھ کر روایتیں کرتے۔ اس لیے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے ناموں سے جو بے شمار روایتیں منسوب کی گئی ہیں وہ زمانۂ ما بعد کے رواۃ کا کارنامہ ہو جب کہ حدیثوں نے فن کی صورت اختیار کر لی اور ہر روایت کے ساتھ سلسلہ سند کی ضرورت پڑی جو بلا کسی صحابی کے آنحضرت ﷺ تک منتہی نہیں ہو سکتا تھا۔" (۲۶)

نوٹ: عہدِ صحابہ میں روایات کا ذخیرہ اتنا قلیل نہ تھا جتنا کہ مولانا جیراج پوری بتا رہے ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے وقت مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر تھی جنہیں یہ ترغیب دی گئی تھی کہ وہ حضور ﷺ کے

Marfat.com

ارشادات کو ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔حافظ ابن الجوزی کی تحقیق یہ ہے کہ موجودہ کتب احادیث میں دس ہزار کے قریب صحیح روایات موجود ہیں۔روایات کی یہ تعداد متون کے حوالہ سے ہے۔دوسری اور تیسری صدی ہجری میں روایات کی تعداد جو لاکھوں میں بتائی جاتی ہے تووہ اسناد کے لحاظ سے ہے یہ درست ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جہادی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔لیکن جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔مجاہد اپنا کام کر رہے تھے اور معلم ومبلغ اپنا کام کر رہے تھے۔جہاد کی وجہ سے وہ درس گاہیں بند نہیں ہو گئی تھیں جو دورِ رسالت میں اور عہدِ صحابہ میں قائم ہو گئی تھیں۔ان درس گاہوں میں کتاب وسنت کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔انہی مراکز سے حدیث کی روایات پھیلیں اور دوسرے مراکز تک پہنچیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی مرویات

مولانا جیراج پوری سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابن مخلد کا بیان ہے کہ ان (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کی مرویات کی تعداد ۵،۳۷۴ حالاں کہ وہ عام خیبر میں اسلام لائے اور صرف تین سال رسول اللہ ﷺ کی حضوری کا شرف پایا۔پھر یہ کیوں کر یقین کیا جائے کہ ان کی روایتیں اس قدر ہو سکتی ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں جن پر عقل وعلم کی رو سے گرفت کی گئی ہے، اور کی جا سکتی ہے اس لیے ہمارا ضمیر قبول نہیں کر سکتا کہ اس قسم کی روایتیں انہوں نے بیان کی ہوں گی۔" (۲۷)

نوٹ: مرویات کی یہ تعداد وہ ہے جس کو تمام محدثین نے مختلف طرق واسناد سے ذکر کیا ہے۔اگر صرف متونِ احادیث کا لحاظ رکھا جائے تو وہ اس کا تیسرا حصہ بھی نہیں رہتا۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷ ہے۔اور یہ مختلف طرق کے لحاظ سے ہے۔لیکن جب متون کا شمار کیا گیا تو یہ تعداد دو سو تک بھی نہیں پہنچی۔اس لحاظ سے بھی اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو تصور کیا جائے تو یہ تعداد دو ہزار تک بھی نہ پہنچے گی۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد سینتالیس سال تک حیات رہے اور مختلف مراکزِ حدیث میں درس دیتے رہے۔آپ نے اس دوران میں دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوا چار سال مسلسل آپ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ سوا چار سال کے عرصہ میں ۵۳۷۴ روایات زبانی یاد کر لینا کون سی ایسی بات جسے ناممکن کہا جائے۔دو اڑھائی سال میں تو لوگ پورا قرآن یاد کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن اور فقہ

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

"ضحاک بن مزاحم (م ۱۰۵ھ) نے فرمایا کہ زمانہ آنے والا ہے جب قرآن لٹکا دیا جائے گا اور اس کے اوپر مکڑیاں جالا تنیں گی۔ کوئی کام اس سے نہیں لیا جائے گا اور لوگوں کا عملِ حدیث وروایت پر ہو گا۔ سلیمان بن حیان ازدی (م ۱۹۶ھ) نے بھی جن کی کنیت ابو خالد الاحمر ہے کہا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مصاحف کو بے کار چھوڑ دیں گے اور صرف حدیث وفقہ ان کا مشغلہ ہو گا۔" (۲۸)

نوٹ: مولانا جیراج پوری نے اپنی کتاب مقامِ حدیث کے ص ۲۴۹ سے لے کر ۲۶۴ تک امام ابوحنیفہؒ کی تدوین فقہ پر بحث کرتے ہوئے یہ تاثر پیش کیا ہے کہ امام موصوف نے تدوین فقہ کے دوران حدیث کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور صرف قرآن کو مد نظر رکھ کر فقہ کو مرتب کیا۔ اگر اس بیان میں کچھ صداقت ہے تو مولانا جیراج پوری کی پیش کردہ روایت غلط قرار پاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ کی تدوین کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ اسے کتاب وسنت دونوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔

امام داؤد طائیؒ اور روایتِ حدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

"امام داؤد طائیؒ نے روایت ترک کر دی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ حدیث کی تعلیم چھوڑ کر کب تک گھر میں بیٹھے رہو گے۔ جواب دیا: میں پسند نہیں کرتا کہ ایسے راستے میں ایک قدم بھی رکھوں جو حق کے خلاف ہے۔"

نوٹ: یہ روایت مولانا جیراج پوری نے جامع بیان العلم سے نقل کی ہے۔ اس کی وضاحت جس عبارت سے ہوئی ہے اسے مولانا نے جان بوجھ کر نقل نہیں کیا۔ اصل روایت یوں ہے:

"داؤد طائیؒ سے پوچھا گیا: آپ حدیث بیان نہیں کرتے؟... کہنے لگے: ایسے کام میں مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ میں بچوں کو املاء کرواؤں اور وہ پھر صرف میری لغزشوں پر نظر رکھیں۔ پھر جب وہ میرے ہاں سے چلے جاتے ہیں تو ایک کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ خطا کی۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ غلط بات کہی۔ دیکھو آخر میرے پاس وہ کون سی چیز ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔"

Marfat.com

امام ابن قتیبہؒ اور تاویل مختلف الحدیث

مولانا جیراج پوری لکھتے ہیں:

"اسی قسم کی باہم متعارض روایات کو دیکھ کر جو ہر بات اور ہر شعبہ میں ہیں معتزلہ نے محدثین پر سخت حملے کئے کہ تم نے مکذوب روایات سے دین کو فاسد کر ڈالا اور علماء میں اختلاف پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی مخالفت بلکہ تکفیر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ امت فرقوں میں بٹ گئی۔ امام ابن قتیبہؒ نے کتاب مختلف الحدیث لکھ کر ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی۔ مگر ان میں سوائے محدثانہ تاویلات اور توجیہات کے اور کیا ہے؟۔" (۲۹)

نوٹ: امام ابن قتیبہؒ کی کتاب مختلف الحدیث معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ امام موصوف نے ایسی تمام حدیثوں کی تطبیق کر کے ان تمام احادیث کا حل پیش کر دیا ہے جن کو معتزلہ متعارض قرار دیتے ہیں۔ البتہ ایک اور کام آپ نے ایسا کیا ہے جو منکرینِ حدیث کو پسند نہ آیا اور وہ یہ کہ امام موصوف نے گھر کا بھیدی بن کر لنکا ڈھائی ہے۔ امام ابن قتیبہؒ پہلے خود معتزلہ سے متاثر اور ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ پھر جب انہیں معتزلہ کی جسارت اور احادیث صحیحہ کو بھی رد کرنے کا علم ہوا اور دیکھا کہ وہ قرآن کی تفسیر دوسری قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر کے اپنے عقائدِ باطلہ کے ہم آہنگ بنا لینے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ ان سے الگ ہو گئے۔ اس کتاب میں ابن قتیبہؒ نے معتزلہ کے پوشیدہ عیوب ونقائص کو طشت از بام کیا ہے۔ سب سے پہلے نظام معتزلی کا ذکر کیا ہے جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ پھر ان اعتراضات کا ازالہ کیا ہے۔ اس کے بعد مشہور معتزلین ابو ہذیل علاف، عبیداللہ بن حسن اور ہشام بن حکم کا ذکر کر کے ان کی یاوہ گوئی اور تناقضات پر تبصرہ کیا ہے۔ بعد ازاں معتزلین کے خطیب جاحظ کا ذکر کیا ہے کہ جھوٹا آدمی تھا۔ خود حدیثیں وضع کرتا تھا اور صحیح حدیثوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ پھر اس کے بعد معتزلہ کے دیگر مزعوماتِ باطلہ اور عجیب وغریب اقوال درج کئے ہیں۔

امام ابن قتیبہؒ کی یہ کتاب مستشرقین کے لیے بہت کار آمد ثابت ہوئی۔ وہ اس کتاب سے حدیث پر اعتراضات تو بعینہٖ نقل کر دیتے ہیں مگر ان کے جو جوابات ابن قتیبہ نے دیئے ہیں یا ان پر جو جرح یا تبصرہ کیا ہے اسے مطلقاً نظر انداز کر جاتے ہیں اور اعتراضات بھی اس انداز سے پیش کرتے ہیں گویا یہ صحابہ اور علماء حدیث کے بارے میں ابن قتیبہ کے ذاتی افکار اور آراء ہیں۔ بالکل اسی انداز پر مولانا جیراجپوری اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات نے کام کیا ہے۔ انہیں حافظ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم کے ۱۸۳ ابواب میں مندرجہ ذیل چار باب بہت پسند ہیں:

۱- کراھیۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی المصحف: اجزاء اور صحائف کی شکل میں معلومات وروایات کو لکھ کر محفوظ کرنا پسندیدہ نہیں۔

Marfat.com

۲- اختلاف العلماء فی بعض الفروع: بعض فروعی مسائل میں علماء کا اختلاف

۳- من ذم الاکثار من الحدیث بغیر تفهیم وتفقه: ان علماء کے اقوال جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے روایات بیان کرنے کی مذمت کی ہے۔

۴- لا یقبل قول بعض العلماء فی بعض إلا ببینة: ایک عالم کے بارے میں دوسرے عالم کی بلا دلیل جرح ناقابلِ قبول ہے۔

منکرینِ حدیث کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر میں سے توڑ مروڑ کر اقتباسات اور روایات پیش کرتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو روایت کی اصل حقیقت کا پتہ نہ چل سکے۔ ہمارے ہاں عام پڑھے لکھے لوگ چونکہ علومِ اسلامیہ سے عام طور پر اور حدیث اور علوم الحدیث سے خاص طور پر ناواقف ہوتے ہیں اس لیے منکرینِ حدیث کی گفتگو سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ منکرینِ حدیث زیادہ تر ان لوگوں کا شکار کرتے ہیں جو سیدھے سادھے اور خالی الذہن ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو علومِ اسلامیہ کے ساتھ تھوڑی بہت مناسبت ہوتی ہے اور وہ رسول اکرم ﷺ کے مقام ومرتبہ سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ منکرینِ حدیث کے جھانسہ میں نہیں آتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ ترویج دی جائے۔ اور معاشرہ کے افراد کو بتایا جائے کہ رسول کی حیثیت محض ایک پیغام لانے والے کی نہیں بلکہ نبی اور رسول کی ہے جس کی پیروی اور اطاعت لازمی ہے جس کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہے اور جس کی تعلیمات پر عمل کیے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) ابن حزم الأندلسی۔ الإحکام فی أصول الأحکام۔ ج:۱۔ ص:۱۱۴

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: طلوعِ اسلام۔ ستمبر ۱۹۵۵ء

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: نوادرات۔ ص:۱۱۴

(۴) ایضاً

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: مقامِ حدیث۔ ص:۱۳۰

(۶) تفصیل کے لیے دیکھیے: آئینہ پرویزیت از عبد الرحمن گیلانی۔ ص:۲۴۱

(۷) ترجمۃ القرآن۔ ص: ۹۸

Marfat.com

(۸) اشاعۃ القرآن۔ مئی ۱۹۲۲ء
(۹) طلوعِ اسلام۔ جنوری ۱۹۷۵ء
(۱۰) اسباب زوالِ اُمت۔ ص:۱۰۱
(۱۱) فردوس گم گشتہ۔ ص:۳۸۳
(۱۲) سلیم کے نام سولھواں خط۔ ص:۲۶۴
(۱۳) سلیم کے نام چودھواں خط۔ ص: ۲۳۱
(۱۴) معراجِ انسانیت۔ ص:۶۱۶
(۱۵) طلوعِ اسلام۔ جون ۱۹۵۹ء
(۱۶) معراجِ انسانیت۔ ص: ۲۲۵
(۱۷) نظام ربوبیت۔ ص:۲۲۳
(۱۸) ایضاً۔ ص: ۲۳۴
(۱۹) مقامِ حدیث۔ ص:۷۵
(۲۰) ایضاً۔ ص:۷۶
(۲۱) ایضاً۔ ص:۷۶
(۲۲) ایضاً: ص: ۲۲
(۲۳) جامع بیان العلم۔ ج: ۲۔ ص:۱۲۳
(۲۴) مقامِ حدیث۔ ص:۲۹
(۲۵) توجیہ النظر۔ ص:۱۵
(۲۶) مقامِ حدیث۔ ص:۸۱
(۲۷) ایضاً۔ ص:۸۲
(۲۸) مقامِ حدیث۔ ص:۸۴
(۲۹) ایضاً۔ ص: ۸۹

Marfat.com

ستارہواں باب

منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

علمِ حدیث سے متعلق منکرینِ حدیث کے موقف اور نقطۂ نظر کے بارے میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس باب میں ان اعتراضات پر بحث کی جائے گی جنہیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ذیل میں ترتیب کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱- احادیثِ نبوی ﷺ کا موجودہ ذخیرہ ناقابل اعتبار ہے اس لیے کہ اس ذخیرے میں موضوع احادیث بہت کثرت سے شامل ہیں اور صحیح وغیر صحیح اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ جھوٹی احادیث کا سلسلہ عہدِ رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا جعلی اور جھوٹی حدیثوں کا انبار لگتا چلا گیا۔ موضوع احادیث کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔

۲- بعض احادیث خلاف عقل و درایت ہیں لیکن اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے۔

۳- بعض صحیح احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں۔

۴- بعض صحیح احادیث علم اور تجربہ کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

۵- اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ اور متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں لہٰذا احادیث بھی تعارض کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہوئیں۔

۶- اکثر احادیث کی روایۃ بالمعنی ہے۔ یعنی راوی نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے جب نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہی محفوظ نہیں تو مفہوم کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ محفوظ ہے۔

۷- سب سے زیادہ احادیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اور ابوہریرہؓ کا حال یہ ہے کہ خود صحابہ کے درمیان ان کو ناقابلِ اعتماد تصور کیا جاتا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فقہی مسائل کے استنباط کے لیے صرف سترہ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے ورنہ جتنے احکام و مسائل کا بھی انہوں نے استنباط کیا ہے ان سب کی بنیاد قرآن کی مکتوب ہدایات پر رکھی ہے۔ اگر امام ابوحنیفہؒ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر اس وقت کے حالات کی روشنی میں کریں تو بعد میں آنے والوں کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ قرآن کی تعبیر اپنے وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر حدیث کی مدد کے بغیر کر سکیں۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حدیث کی اہمیت کو کم کرنے اور حدیث پر عام مسلمانوں کا اعتماد مجروح کرنے کی خاطر منکرینِ حدیث کی جانب سے بار بار مختلف انداز میں بدل بدل کر بڑے شد و مد سے اچھالے جاتے ہیں۔ اب ہم اجمال کے ساتھ ان تمام

Marfat.com

اعتراضات کا تجزیہ کریں گے۔

موضوع احادیث

منکرینِ حدیث کا پہلا اعتراض وضع حدیث سے متعلق ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ موضوع احادیث بہت کثرت سے ہیں اس لیے احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابلِ اعتماد ہو گیا ہے۔اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ موضوع احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں مگر منکرینِ حدیث کی یہ منطق کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کی موجودگی احادیث کے تمام ذخیرے کو ساقط الاعتبار بنا دیتی ہے۔یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ دنیا میں جھوٹ کی موجودگی سچ کو ناقابلِ اعتبار بنا دینے کی موجب ہے۔کیا کسی معاشرہ میں جھوٹ بولنے والوں کا وجود اس معاشرہ کے سچے لوگوں کو بھی جھوٹا بنا دیتا ہے۔دنیا میں کون سا ملک یا کون سا شہر ایسا ہے جہاں جھوٹے افراد نہیں بستے تو کیا ان جھوٹوں کی وجہ سے یہ حکم لگا دینا صحیح ہے کہ اس ملک یا اس شہر کے تمام باشندے جھوٹے ہیں۔ہر زمانے میں سچ کے ساتھ ساتھ جھوٹ کا سلسلہ برابر لگا چلا آ رہا ہے مگر آج تک جھوٹ کی وجہ سے سچ کو کسی نے نہیں چھوڑا۔منکرینِ حدیث کی یہ نرالی منطق ہے کہ چونکہ جھوٹی احادیث کا وجود پایا جاتا ہے اس لیے سچی اور صحیح احادیث پر بھی اعتماد نہ کیا جائے۔بعض احادیث کے موضوع اور مبنی بر کذب ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ کُل ذخیرۂ حدیث موضوع اور ناقابلِ اعتبار بن گیا۔یہ بعض کا حکم کل پر لگانا کون سا اصول ہے؟

دراصل منکرین حدیث کی اس منطق کی بنیاد اس غلط مفروضے پر ہے کہ احادیث کے ذخیروں میں صحیح وغیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔یہ بات بالکل خلافِ واقعہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے جعلی اور موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہوا اسی وقت سے علماء حدیث اور ائمہ مجتہدین نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ موضوعات کا یہ ذخیرہ کسی راہ سے بھی احادیث کے معتبر اور قابلِ اعتماد ذخیروں میں نفوذ نہ کر پائے۔حضرات محدثین نے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے سے ممیز اور الگ تھلگ کرنے کے لیے باقاعدہ قواعد وضوابط بنائے، جھوٹے اور سچے راویوں کی پہچان کے لیے علم "اسماء الرجال" ایجاد کیا۔کھرے کھوٹے میں تمیز کے لیے علم "جرح وتعدیل" مدوّن کیا۔پھر ایک ایک حدیث کو جانچا اور ایک ایک راوی کو پرکھا۔موضوعات کو الگ کر دیا اور معتبر روایات کو علیحدہ کر دیا۔ہر روایت کی سند متعین کی اور ہر راوی کا نام ونسب اور زندگی کا بنیادی خاکہ منضبط کر دیا۔

علماء حدیث نے حدیث کی صحت اور تنقید کا معیار بھی بتلایا اور موضوعات پر باقاعدہ کتابیں بھی لکھیں۔انہوں نے ایک ایک واضع حدیث کا پتہ لگا کر اس کا نام رجال کی کتابوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ایک ایک جھوٹی اور موضوع حدیث کا کھوج لگا کر احادیثِ موضوعہ کے مجموعے مرتب کر دیئے۔جن میں خوب واضح طور پر یہ بتایا کہ یہ حدیثیں جعلی ہیں ان کو کوئی اصل حدیث نہ سمجھے۔جس حدیث پر بھی کلام کیا پہلے اس کی سند بتائی پھر اس کے راویوں کے صدق وکذب اور ان کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے نیز ان کے حافظے کی قوت وضعف پر بحث کر کے نتائج مرتب کئے۔پھر کسی حدیث پر کوئی حکم لگایا۔اگر کسی حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے میں علمائے حدیث کا اختلاف ہوا تو وہ تمام اختلاف بھی من وعن بیان کر دیا تاکہ ہر

Marfat.com

کوئی خود دیکھ لے اور کھرا کھوٹا الگ کر لے۔ اس قدر جدوجہد کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح وغیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط ہیں تو اس پر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ روزِ روشن میں سورج کے وجود سے انکاری ہے۔

علماء حدیث نے قبولِ حدیث کے لیے جو اصول ابتداء ہی سے مقرر کر دیئے تھے ان کی موجودگی میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی جھوٹ نے مجموعہ ہائے حدیث میں اس طرح راہ پالی ہو کہ محدثین اس کی نشاندہی کرنے سے قاصر رہ گئے ہوں۔

رُواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال

راویانِ حدیث پر نقد وجرح فنِ حدیث کا ایک اہم باب ہے اس کے ذریعہ علمائے حدیث نے احادیث صحیحہ وضعیفہ کو باہم ممیز وممتاز کرنے کا ایک ایسا عظیم الشان کام انجام دیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محدثین نے اس سلسلہ میں جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے تمام رواۃِ حدیث کو جانچا پرکھا ان کی زندگی، ان کی سیرت حتیٰ کہ ان کی عادات کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے ان کے تمام ظاہری اور باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس راہ میں انہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف دامن گیر ہوا نہ کسی لالچ نے ان کا راستہ روکا۔

نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کئے جانے والے جھوٹ کے قبول کرنے کا تو خیر سوال ہی کیا، محدثین نے تو یہاں تک کیا کہ جس راوی کو کسی ایک حدیث میں انہوں نے غلط بیانی کرنے کا مرتکب پایا اس راوی کی باقی حدیث کو بھی انہوں نے مردود قرار دے دیا۔ یہی نہیں محدثین نے اس شخص کی حدیث کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کا حدیث رسول کی روایت میں تو جھوٹ ثابت نہ ہو لیکن دیگر باتوں میں وہ جھوٹ بولنے کا عادی ہو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر محدثین نے تو احتیاط کی انتہا کر دی اس سے زیادہ احتیاط عقل تصور کرنے سے قاصر ہے۔ انہوں نے ایک اصول کی حیثیت سے یہ طے کر دیا کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ بولنے کا ارتکاب کیا ہو اس کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

اس بات سے بچنے کے لیے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کوئی غلط بات کہیں حدیث کا درجہ حاصل نہ کرے محدثین نے یہاں تک اہتمام کیا کہ اس راوی کی روایت بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے بارے میں یہ گمان ہی پیدا ہو گیا ہو کہ شاید بھولے سے کسی غلطی کی بنا پر یا کم فہمی کے نتیجہ میں وہ روایت کی صحت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ چنانچہ بالاتفاق سلسلۂ سند کے ہر راوی کے لیے انہوں نے یہ اصول قرار دے دیا کہ حدیث اس راوی کی قبول کی جائے گی جو:

۱- صحیح الفہم ہو۔ غبی، کم عقل اور کم فہم نہ ہو یعنی جو حدیث کے سمجھنے میں غلطی نہ کرتا ہو۔

۲- صحیح الحافظہ ہو۔ یعنی جس پر بھول چوک اور وہم کا غلبہ نہ ہو۔

۳- محتاط ہو۔ یعنی روایت میں تساہل سے کام نہ لیتا ہو۔

اور تو اور محدثین نے اس راوی کی روایت کو بھی قابلِ قبول نہیں سمجھا جو فاسق وفاجر اور بدکار ہو۔ حالانکہ ہر بدکردار شخص کا جھوٹا ہونا ضروری نہیں لیکن چونکہ بدکردار شخص کے بارے میں احتمال موجود ہے کہ فسق وفجور کی بنا پر اس کی نگاہ میں حدیثِ رسول کی روایت میں احتیاط کی اہمیت جس قدر کہ لازم ہے نہ رہی ہو اس لیے اس کی روایت کو بھی معتبر نہیں جانا اور یہ شرط لگا دی کہ روایت اس راوی کی قبول کی جائے جو ثقہ، عادل اور متقی ہو نیز معروف ہو۔ مجہول الحال نہ ہو یعنی اہلِ علم اس کے نام ونسب،

Marfat.com

سیرت و کردار اور اس کے علم، حفظ اور ثقاہت سے واقف ہوں اور ان کی نظر میں اس کی رفتار و گفتار، اس کے حال احوال اور اس کا عام کردار قابلِ اعتراض نہ ہو۔

غرض ایک طرف اگر واضعین حدیث تھے تو دوسری طرف محدثین کی مقرر کردہ نقد رواۃ و رجال کی کسوٹی تھی جس نے کھرے اور کھوٹے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں ایسا محیّر العقول کارنامہ انجام دیا کہ علم سیر و سوانح کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

متن حدیث

رُواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال کے ساتھ ساتھ محدثین نے متن حدیث میں بھی ایسی علامات کی نشاندہی کر دی جن سے صاف معلوم ہو جائے کہ کون سی حدیث موضوع ہے اور کون سی موضوع نہیں۔ چنانچہ امورِ ذیل میں سے کوئی امر اگر کسی حدیث میں پایا جائے تو علماء حدیث کا اصول یہ ہے کہ وہ موضوع ہے۔

۱- جو حدیثِ قرآن کی عبارۃ النص کے خلاف ہو اور قابلِ تاویل نہ ہو۔

۲- جو حدیث کسی سنتِ متواترہ کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

۳- جو حدیث قرآن و سنت سے ماخوذ اصولِ عامہ کے صریحاً خلاف ہو۔

۴- جو حدیث اجماع قطعی یعنی اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف ہو اور کسی طرح اس کی توجیہہ و تاویل نہ کی جا سکتی ہو۔

۵- جو حدیث عہدِ رسالت کے معروف تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔

۶- جو حدیث کسی معمولی کام کے صلہ میں مبالغہ آمیز اجر و ثواب کا پتہ دیتی ہو یا اس میں معمولی کام کے مرتکب ہونے پر شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہو۔

۷- جو حدیث کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہو جو بہت لوگوں کے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو اور اس بنا پر اس کا متقاضی ہو کہ بکثرت لوگ اس کو روایت کریں مگر بایں ہمہ صرف ایک ہی راوی اسے روایت کرے یا اس واقعہ میں شریک ہونے والے اس کے خلاف اس قدر کثرت سے روایت کریں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔

۸- جو حدیث کسی ایسے مضمون پر مشتمل ہو جس کو عقل بداہۃً رد کرتی ہو۔ لیکن اس میں عامۃ الناس کی عقل معیار نہیں بلکہ علماء اور ماہرین فنِ حدیث اس کو خلافِ عقل قرار دیں۔ محاورات عرب سے ناواقف اور حدیث کے علوم سے بے بہرہ افراد کی رائے اس باب میں قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتی۔

۹- جو حدیث ایسے علوم متعارفہ کے مخالف ہو کہ جن کے اصول مشاہدات اور بے شمار تجربات کے بعد قائم کئے گئے ہوں اور ان سے ہمیشہ ایک ہی جیسے نتائج برآمد ہوتے ہوں جن میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

۱۰- جو حدیث ایسے مضمون کی حامل ہو جس کا جاننا تمام مکلف افراد پر فرض ہو اور نہ جاننے کے لیے کوئی عذر بھی نہ ہو مگر بایں ہمہ اس کا روایت کرنے والا سوائے اس ایک راوی کے کوئی نہ ہو۔

۱۱- جو حدیث ایسے رکیک اور گھٹیا الفاظ پر مشتمل ہو جن کا صدور کسی عام فصیح و بلیغ شخص کی ذات سے متوقع نہ ہو چہ جائیکہ نبی کریم ﷺ جیسی فصیح و بلیغ شخصیت کی ذاتِ مبارکہ سے ان کا صدور ہو۔

Marfat.com

۱۲- جو حدیث فساد معنی کی حامل ہو یعنی جس میں ایسا مضمون بیان کیا گیا ہو جو عقلی بدیہیات کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو مثلاً ایسی حدیث جو حکم واخلاق کے قواعد عامہ کے منافی ہو یا ایسی حدیث جو شہوت وفساد کی موجب ہو۔

۱۳- جو حدیث خود اپنے راوی کے اقرار کے مطابق موضوع ہو۔

اب منکرین حدیث بتائیں کہ ان اساسی واصولی قواعد وضوابط کے بعد جو محدثین نے متنِ حدیث کی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کے لیے وضع کئے، کیا کوئی امکان اس بات کا رہ جاتا ہے کہ صحیح وغیر صحیح احادیث باہم اس طرح خلط ملط ہو گئی ہوں کہ ان میں باہم امتیاز کرنا دشوار ہو۔ حق یہ ہے کہ نقد رواۃ ورجال کی ان کڑی شرائط کی موجودگی میں جن کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا اور متن حدیث سے متعلق ان مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے موضوع احادیث کی جو تعداد موجود ہے اس سے دگنی چگنی بھی ہوتی تو بھی کسی اندیشے اور خطرے کی بات نہ ہوتی۔ (۱)

موضوع احادیث کی موجودگی کی بنیاد پر منکرین حدیث کا احادیث نبوی ﷺ کے پورے ذخیرہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا ایک ایسی نرالی منطق ہے جو عقل کی کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ منکرین حدیث کا منشا تو یہ ہے کہ وضع حدیث کے بہانے حدیث کی حجیّت کو مشکوک بنا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وضع حدیث خود حجیّت حدیث کی بڑی زبردست اور بنیادی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو وضع حدیث کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ وضاعین وکذابین اپنے دل ودماغ سے گھڑی ہوئی باتوں کو حدیث کا نام اس لیے تو دیتے تھے کہ وہ حدیث کے نام پر قبول کر لی جائیں۔ یوں تو ان کی بات کوئی بھی قبول نہ کرتا مگر لوگوں کے درمیان حدیث کی حجیّت چونکہ مسلّم تھی اس لیے وضاعین خیال کرتے تھے کہ ہم حدیث کا نام لیں گے تو ہماری بات بھی حجت کے طور پر تسلیم کر لی جائے گی۔ نقل اُس سکّے کی گھڑی جاتی ہے جو بازار میں چلتا ہو، جس سکے کو بازار میں کوئی قبول ہی نہ کرتا ہو بھلا اس کی نقل بنانے سے کسی کو کیا فائدہ۔ حدیث کا سکّہ بازار علم میں چلتا تھا تو موضوع احادیث کے نقلی سکّے گھڑے جا رہے تھے۔ مگر جہاں نقلی سکے گھڑنے والے موجود تھے وہاں ایسے ماہر صراف بھی موجود تھے جو جعلی اور اصلی سکوں کی خوب پہچان رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف جعلی سکے بنانے والوں کے نام طشت از بام کر دیئے بلکہ ان کے بنائے ہوئے تمام جعلی سکے بھی الگ کر کے رکھ دیئے اور آئندہ آنے والوں کے لیے اس سلسلہ میں تمام ضروری معلومات مہیا کر گئے۔ تاکہ کسی بھی مرحلے پر یہ جعلی اور نقلی سکے دوبارہ رواج نہ پا سکیں۔ غرض موضوع احادیث کی موجودگی ذخیرۂ احادیث کو مشکوک بنانے کے بجائے اس کے اور زیادہ محفوظ ہونے کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ نیز اس کو وقیع تر بنانے کا موجب ہے۔

Marfat.com

خلافِ عقل و درایۃ روایات

منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ بعض احادیث خلافِ عقل ودرایت ہیں اس کے باوجود محدثین کے یہاں انہیں صحت کا درجہ حاصل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا رسول کوئی ایسی بات کہے جو عقل اور درایت کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔اپنے اس دعویٰ کی تائید میں وہ چند ایسی احادیث بھی پیش کرتے ہیں جو انہیں خلافِ عقل نظر آتی ہیں۔

جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے کوئی بھی صحیح حدیث خلاف عقل ہے ہی نہیں۔اتنی بات تو معترض بھی مانیں گے کہ خلافِ عقل وہ چیز ہوا کرتی ہے جس سے کوئی محال (ناممکن) لازم آئے تو پورے ذخیرۂ حدیث میں پوری تحقیق وجستجو کے بعد بھی کوئی ایک صحیح حدیث بھی خواہ وہ صحت کے نچلے درجہ میں ہی کیوں نہ ہو ایسی نہیں ملے گی جس سے کوئی محال لازم آتا ہو البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے عقل کی سلامتی ایک شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے وہ عقل جو مریض اور بیمار نہ ہو جو نفسانی ظلمتوں اور عامیہ نجاستوں سے آلودہ نہ ہو اور وہ عقل جو حق کی متلاشی ہو کسی تعصب کا شکار نہ ہو حدیث کی جانچ پرکھ کے لیے ایسی ہی عقل کی ضرورت ہے۔مریض اور بیمار عقل یا وہ عقل جو کسی تعصب کے زیرِ اثر ہو حدیث کی جانچ پرکھ کی صلاحیتوں سے محروم ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مخصوص جذبات واحساسات سے مغلوب ہوتی ہے۔نتیجۃً اپنے نظریات وافکار کی بنیاد ایسے شکوک وشبہات پر رکھتی ہے جو کوتاہیٔ فکرونظر اور غفلت پر مبنی ہوتے ہیں۔ایسی عقل شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے۔ایسی عقل کو نقد حدیث کی اجازت دے دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے خود اس بات کا سامان مہیا کر دیا ہے کہ سنت صحیحہ کے لیے سرے سے کوئی مضبوط اساس ہی باقی نہ رہے۔علاوہ ازیں ہر ایرے غیرے کی عقل کو نقد حدیث کے لیے حکم ٹھہرانا یوں بھی خود خلافِ عقل ہے۔کون نہیں جانتا کہ مختلف اشخاص کے اعتبار سے عقل کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو ایک شخص درست اور صحیح سمجھتا ہے جبکہ اسی چیز کو دوسرا شخص غلط اور غیر صحیح خیال کرتا ہے۔عین ممکن ہے کہ ایک چیز ایک شخص کی سمجھ سے بالاتر ہو مگر دوسرے شخص کے لیے وہی چیز اس کے فہم وادراک کے بہت قریب نظر آتی ہو۔یہی وجہ ہے کہ تمام امور میں رائے وہی وقیع خیال کی جاتی ہے۔جو متعلقہ امور کے ماہرین کی جانب سے دی گئی ہو۔اس لیے کہ وہ ان امور کے ہر پہلو سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔نقد حدیث کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے۔اس کے لیے بھی اگرچہ ماہرینِ حدیث ہی کی رائے کو وقعت حاصل ہے تاہم معترضین اگر ماہرانہ صلاحیتوں سے محروم ہوں تو کم از کم اپنی آنکھوں پر سے تعصب کی عینک اتار کر احادیث نبوی ﷺ میں غور کریں۔ان شاء اللہ ان کو کوئی ایک حدیث خلافِ عقل ودرایت نظر نہ آئے گی۔

سورج کی سجدہ ریزی

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے کتاب "بدأ الخلق" میں "باب صفة الشمس والقمر" میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

((قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لأبی ذرّ حین غربت الشمس: تدری أین تذھب؟ قلت: اللہ ورسولہ أعلم۔ قال: فإنھا تذھب حتی تسجد تحت العرش، فتستأذن، فیؤذن لھا، وتوشك ان تسجد فلا یقبل منھا، وتستأذن فلا یؤذن لھا، یقال لھا إرجعی من حیث جئتِ، فتطلع من مغربھا، فذلك قولہ تعالی: {وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ)) (۲)

"نبی کریم نے ایک دن سورج غروب ہوتے وقت ابوذرؓ کو مخاطب کر کے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے؟ ابوذرؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ وہ سجدہ کرے گا۔ مگر قبول نہ ہو گا اور اجازت مانگے گا مگر اسے اجازت نہ ملے گی اسے حکم ہو گا کہ پلٹ جا جہاں سے آیا ہے اور پھر وہ مغرب سے طلوع ہو گا۔ اور یہی مطلب ہے اللہ جل شانہ کے اس قول: {وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ} کا"۔

اس حدیث میں منکرین حدیث کو جو باتیں خلافِ عقل نظر آتی ہیں وہ مختصراً کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ سورج بھلا سجدہ کس طرح کر سکتا ہے۔ سورج کا سجدہ میں گر پڑنا کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں۔

۲۔ اس حدیث میں طلوع و غروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ حالانکہ آج ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ طلوع و غروب سورج کی گردش کا نہیں زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

۳۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی سراسر خلافِ عقل ہے۔

جہاں تک سورج کے سجدے میں گر پڑنے کا تعلق ہے تو حیرت ہے منکرینِ حدیث کی عقل اتنی سی بات نہ سمجھ سکی کہ سورج کا سجدہ وہ سجدہ نہیں جو زمین پر سر ٹیک کر کر لیا جاتا ہے بلکہ وہ سجدہ ہے جو اظہارِ عبودیت کے لیے اس کائنات کا ذرہ ذرہ ہمہ وقت اپنے رب کے سامنے کرتے رہنے پر مجبور ہے۔ قرآن، زمین و آسمان کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز قرار دیتا ہے:

{وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ} (۳)

اسی طرح قرآن کریم ستاروں اور درختوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے: {وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ} (۴)

تو اب کیا قرآنی آیات کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ چونکہ فلاں فلاں آیت میں خلافِ عقل مضمون بیان ہوا ہے جس کا صدور اللہ تعالیٰ سے ممکن نہیں اس لیے اس قسم کی تمام آیات معاذ اللہ موضوع اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ منکرینِ حدیث بتائیں کہ مذکورہ آیات میں سجدہ سے کون سا سجدہ مراد ہے؟... جو مراد وہ ان آیات کی بیان کریں گے وہی مراد مذکورہ بالا حدیث نبوی ﷺ کے بارے میں سمجھ لیجئے۔ ظاہر ہے اس قسم کی آیات میں سجدہ سے مراد سجدۂ تسخیری ہے یعنی کلیتاً امر رب کا تابع

Marfat.com

ہونا۔بس یہی سجدۂ تسخیری نبی کریم ﷺ کے الفاظ: ((تسجد تحت العرش)) سے بھی مراد ہے۔نبی کریم ﷺ اپنے مخاطب کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سورج ہر آن اللہ جل شانہ کے حکم کا تابع ہے۔اس کا طلوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کا غروب بھی۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ چونکہ سورج کا مغرب ایک نہیں ہے بلکہ قرآن کی رو سے بہت سے مغرب ہیں جیسے قرآن کہتا ہے: {رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ} (۵)

اور سورج ہر آن ایک خطۂ زمین میں غروب اور ہر آن دوسرے خطہ میں طلوع ہوتا رہتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث میں سجدہ ریز ہو کر طلوع وغروب کی اجازت مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ سورج ہر آن اور ہر لحہ امر الٰہی کا تابع ہے۔

رہا منکرینِ حدیث کا دوسرا شبہ کہ اس حدیث میں طلوع وغروب کو سورج کی گردش کا نتیجہ سمجھا گیا ہے جب کہ سائنسی تحقیق بتاتی ہے کہ طلوع و غروب زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات کو جن کا ہمیشہ بدلتے رہنا تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے قرآنی آیات یا احادیث نبوی ﷺ کے لیے معیار ٹھہرانا خود خلافِ عقل ہے۔عین ممکن ہے کہ جو سائنس آج سورج کو ساکن اور زمین کو متحرک قرار دیتی ہے کل اس کی تحقیق بدل جائے اور وہ زمین کو ساکن اور سورج کو متحرک قرار دینا شروع کر دے۔چنانچہ اس رخ پر سائنس نے سوچنا شروع کر بھی دیا ہے۔تو اوّل تو یہ معیار ہی غلط ہے۔دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اتنی بات تو معترضین کو بھی تسلیم ہے کہ نبی کریم ﷺ طبیعیات یا ہیئت اور کیمیاء کے مسائل بنی نوع انسان کو سکھانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عرفان حقیقت بخشنے اور فکر وعمل کی اصلاح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔آپ ﷺ نے زمین یا سورج کا ذکر کیا ہے تو یہ بتانے کے لیے نہیں کیا کہ ان میں سے کون متحرک ہے اور کون ساکن۔ بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کیا ہے کہ زمین اور سورج دونوں کا مالک وخالق صرف ایک ذات ہے جس کا نام اللہ ہے۔اب اس حقیقت کی تعلیم دینے کے لیے عقل کیا کہتی ہے۔نبی کریم ﷺ کو اس علم اشیاء سے مدد لینی چاہئے تھی جو آپ کے زمانے میں موجود تھا یا اس کو چھوڑ کر ہزار ڈیڑھ ہزار سال بعد کے علم اشیاء کو اس حقیقت کی تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہئے تھا۔ظاہر ہے عقل کا فیصلہ یہی ہو گا کہ اپنے ہی زمانے کے علم اشیاء سے کام لینا حکمتِ تبلیغ کے عین مطابق ہے۔اگر نبی کریم ﷺ ان حقائق کو ذریعۂ تعلیم بناتے جو صدیوں بعد انسان کے علم میں آنے والے تھے تو آپ ﷺ کی تعلیم آپ ﷺ کے عہد کے لوگوں میں مقبول تو کیا ہوتی سمجھ ہی میں نہ آتی۔لوگ اصل تعلیم کو چھوڑ کر اس بحث میں پڑ جاتے کہ آخر وہ کون سی ایسی عجیب وغریب دنیا ہے جس کی ایسی عجیب وغریب باتیں آپ ﷺ سنا رہے ہیں۔ذرا سوچئے تو سہی اگر زیرِ بحث حدیث کا مضمون اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس انداز سے بیان کیا جاتا کہ سننے والا طلوع وغروب کا سبب سورج کی بجائے زمین کی حرکت کو سمجھتا تو آج کی دنیا کی نظر میں تو بے شک وہ ایک علمی معجزہ ہوتا مگر خود آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے بارے میں معترضین کا کیا خیال ہے وہ اس علمی معجزے کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے؟ اور پھر اس علمی معجزے کے معمہ کی بھول بھلیوں میں پھنس جانے کی بنا پر وہ مضمون ان کے دل ودماغ میں کہاں تک اترتا جو فی الحقیقت سمجھانا مقصود تھا؟... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کوئی ایک شخص بھی شاید نبی کریم ﷺ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر نہ دیتا اور جب آپ ﷺ کے زمانے کے لوگ ہی ایسے علمی معجزوں کی بدولت ایمان لانے سے

Marfat.com

محروم رہ جاتے تو یہ علمی معجزے بعد کی نسلوں تک پہنچتے ہی کیا ان سے داد وصول کرتے۔ غرض حکمتِ تبلیغ اسی طرزِ عمل کا متقاضی تھی جو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے علم وفہم کے مطابق ان سے کلام کیا اور جن حقائق کو آپ ﷺ لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے ان کی تفہیم کے لیے ان معلومات سے کام نہیں لیا جو صدیوں بعد ظہور میں آئیں۔

رہی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی بات تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ جو ذات اس سورج کی خالق ہے اس کو تھامے ہوئے ہے اور جو ذات زمین کو ایک منضبط گردش میں رکھے ہوئے ہے وہی ذات اس پر بھی قادر ہے کہ اس سارے نظام کو الٹا چلا دے اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلتا ہوا نظر آئے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے بھی اس امر کا امکان موجود ہے کہ دنیا کا قانون جذب وکشش یکایک ایک پلٹی کھائے اور تمام سیارے موجودہ رفتار کے مقابلہ میں بالکل الٹ رفتار سے چلنا شروع کر دیں۔ طبیعیات اور ہیئت کے موجودہ قوانین کو کوئی بھی اٹل نہیں مانتا۔ ان قوانین میں تغیر واقع ہونے یا بالکلیہ اس کے درہم برہم ہو جانے کے امکانات کی موجودگی کا ہر کوئی قائل ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ سورج کے طلوع وغروب کا موجودہ قانون یکایک بدل جائے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو۔

موسم سرما اور موسم گرما کی تبدیلی

دوسری حدیث جو منکرین حدیث کو خلاف عقل نظر آتی ہے وہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے کتاب مواقیت الصلاۃ میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث کا متن یوں ہے:

((عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إذا اشتد الحر فابردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم، فاشتكت النار إلى ربها فقالت: يا رب! أكل بعضي بعضاً فأذن لها بنفسين، نفس في الشتاء، ونفس في الصيف، وهو اشد ما تجدون من الحر، وهو اشد ما تجدون من الزمهرير)) (٦)

"ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب گرمی زوروں پر ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے (ٹھنڈے وقت) میں پڑھو کیوں کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا: اے رب! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی۔ ایک سانس کی جاڑے میں اور ایک سانس کی گرمی کے موسم میں اور وہ (گرمی کا سانس) اس سخت گرمی جیسا ہے جو تم محسوس کرتے ہو اور وہ سردی کا سانس اس سخت سردی جیسا ہوتا ہے جو تم محسوس کرتے ہو"۔

منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوئی ہے نیز سردی اور گرمی کے موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ موسموں کا تغیر زمین کی مداری گردش اور سورج کے قرب وبعد کی بنا پر ہے۔

Marfat.com

اس حدیث کے بارے میں بھی بنیادی بات یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقصود ایک عالم طبیعیات کی حیثیت سے موسمی تغیرات کی وجوہ بیان فرمانا نہیں ہے بلکہ آپ ایک نبی کی حیثیت سے گرمی کی تکلیف محسوس کرنے والوں کو جہنم کا تصور دلانا چاہتے ہیں۔ دوپہر کے وقت صحرائے عرب کی گرمی کا جو حال ہوتا ہو گا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے ایسی گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے نکلنا واقعی بڑا شاق گزرتا ہو گا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول ہے کہ ظہر کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز صحابہ کرامؓ پر شاق نہ تھی۔ اس پس منظر میں دیکھیے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کا مقصود دوزخ سے ڈرانا اور ان کاموں سے روکنا تھا جو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد قرآن کریم کے اس ارشاد سے ملتا جلتا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کے لیے جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر نکلنے سے جی چرا رہے تھے فرمایا گیا تھا:

{قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا} (۷)

جس طرح قرآن دنیا کی گرمی کا جہنم کی گرمی سے مقابلہ اس لیے کر رہا ہے کہ پس منظر میں وہ لوگ ہیں جو گرمی سے گھبرا کر جہاد پر جانے سے ہچکچا رہے ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی دنیا کی شدید گرمی اور شدید سردی کو دوزخ کی محض دو پھونکوں کے برابر اس لیے بتا رہے ہیں کہ پسِ منظر میں وہ لوگ موجود ہیں جو جاڑے میں صبح کی اور گرمی میں ظہر کی نماز کے لیے گھروں سے نکلنا شاق سمجھ رہے ہیں۔ ((فان شدّة الحرّ من فيح جهنّم)) کہنے سے نبی کریم ﷺ کی مراد لازماً یہی نہیں ہے کہ دنیا میں گرمی جہنم کی پھونک کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ جہنم کی پھونک کی قسم یا جنس سے ہے اس لیے کہ عربی زبان میں لفظ "من" بیانِ جنس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمی اور سردی کے موسموں کے بارے میں آپ ﷺ کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ یہ دونوں موسم جہنم کی دو پھونکوں کے سبب سے آتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دو سانسوں کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک سانس گرمی کے موسم میں اور یہ جو تم گرمی سردی محسوس کرتے ہو اس کو دوزخ کے انہی دو سانسوں پر قیاس کر لو۔ غرض جس شخص نے بھی قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ میں کچھ بھی غور کیا ہو گا وہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث سن کر بلا تامل کہہ اٹھے گا کہ اس میں آپ ﷺ نے طبیعیات کے کسی مسئلہ کو نہیں بلکہ جہنم کی شدتِ گرمی کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے۔

گرگٹ کی پھونکیں

ایک اور حدیث جس کا مضمون منکرین حدیث کو خلافِ عقل نظر آتا ہے۔ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت ہے:

((عن امّ شريك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الوزغ، وقال: كان ينفخ على ابراهيم عليه السلام)) (۸)

"حضرت ام شریکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ وسلم پر آگ پھونکتا تھا۔"

اس حدیث کے بارے میں منکرین حدیث کو عقلی مشکل یہ پیش آئی کہ آخر ایک گرگٹ کی پھونکوں میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی اور پھر ایک گرگٹ کے بدلے میں گرگٹوں کی ساری نسل کو سزا دینا کہاں کا انصاف ہے؟

Marfat.com

منکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر ان احادیث پر بھی نظر ڈال لیتے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وزغ یعنی گرگٹ کو فویسق یعنی موذی جانوروں میں سے قرار دیا ہے تو ان کو مذکوہ بالا حدیث میں کوئی عقلی استحالہ پیش نہ آتا اور بات بخوبی سمجھ میں آ جاتی۔

دراصل نبی کریم ﷺ نے چند جانوروں کو فواسق (موذی) قرار دے کر یہ فرمایا تھا کہ انہیں حرم میں اور حالتِ احرام میں بھی مار دینے کی اجازت ہے۔ ان میں بچھو، باؤلا کتا اور چوہا وغیرہ شامل ہیں۔ ادھر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے گرگٹ کو بھی موذی قرار دیا تھا۔ اب اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم میں غور کیجئے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ گرگٹ کی پوری نسل کو اس لیے مارڈالا جائے کہ اس کے ایک فرد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ بھڑکائی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک موذی جانور ہے اور اس کو دوسرے موذی جانوروں کی طرح انسان سے دشمنی ہے۔ چنانچہ اس کی انسان دشمنی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سارے جانوروں میں سے یہی ایک جانور تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔ رہی یہ بات کہ گرگٹ کی پھونک میں آگ بھڑکانے کی طاقت کہاں سے آگئی تو حدیث میں یہ کہا ہی کب گیا ہے؟ کہ وہ آگ گرگٹ کی پھونکوں سے بھڑک اٹھی تھی۔ حدیث میں تو صرف گرگٹ کی انسان دشمنی کی مثال دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی یہ دشمنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا۔ اگرچہ اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ تھا لیکن جانور نے اپنی انسان دشمنی کے اظہار میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

احادیث نبوی ﷺ اور نامناسب مضامین

منکرینِ حدیث کا ایک اعتراض ان احادیث کے بارے میں ہے جو بقول ان کے نامناسب مضامین پر مشتمل ہیں ان کا کہنا ہے کہ بعض احادیث تو ایسے مضامین پر مشتمل ہیں جو اخلاقی لحاظ سے معیوب خیال کیے جاتے ہیں جب کہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے درمیان خالصتاً ازدواجی تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی اکثر وبیشتر خود ازواجِ مطہرات کی زبانی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کی زندگی کے ایسے معاملات بھی لوگوں کو بتا دیں اور بتانے میں کوئی شرم محسوس نہ کریں جن کو عام طور پر میاں بیوی کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی دوسرے کو اس پر مطلع کرنا کوئی گوارا کرتا ہے۔

منکرینِ حدیث کا یہ اعتراض ان کی کج فہمی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے تاہم اتمامِ حجت کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جو اس ضمن میں معترضین کی تختۂ مشق بنی ہیں ان میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کر کے یہ دکھایا جائے کہ اس قسم کی تمام احادیث دراصل ان مسائل پر مشتمل ہیں جو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا انسان کے علم میں آنا اس کی اپنی صحیح تعلیم وتربیت کے لیے از بس ضروری ہے۔ اس سلسلہ کی جتنی احادیث منکرینِ حدیث کی جانب سے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان کو راویوں کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک وہ احادیث جو نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ سے مروی ہیں۔

Marfat.com

دوسرے وہ احادیث جو ازواجِ مطہرات کے علاوہ دیگر صحابہ وصحابیات سے منقول ہیں۔

یہاں ان دونوں قسموں میں سے چند احادیث کا نمونے کے طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ منکرینِ حدیث کی سوچ کس قدر منفی اثرات کی حامل ہے۔

ازواجِ مطہراتؓ کی مرویات

۱- ((عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم قبل بعض نسائه، ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا پھر نماز کے لیے تشریف لے گئے اور وضو نہیں کیا۔"

۲- ((حدثني ابو بكر بن حفص، قال: سمعت أبا سلمة يقول: دخلت أنا و أخو عائشة على عائشة، فسألها أخوه، عن غسل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فدعت بإناء نحو من صاع، فاغتسلت، وافاضت على رأسها وبيننا حجاب)) (۱۰)

"ابوبکر بن حفص کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہؓ کے بھائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے تقریباً ایک صاع پانی منگایا۔ پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا، اس حال میں کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔"

۳- ((عن أم سلمة، قالت: جاءت أم سليم إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن الله عزوجل لا يستحيي من الحق، فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم، إذا رأت الماء، فقالت أم سلمة: يا رسول الله! أوتحتلم المرأة؟ فقال: تربت يداك، فبم يشبهها ولدها)) (۱۱)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالی حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں جب کہ وہ پانی (منی) دیکھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! بالکل ہوتا ہے۔ احتلام نہیں ہوتا تو پھر بچہ عورت کے مشابہہ کیوں کر ہوتا ہے۔"

۴- عن عائشة، قالت: كنت اغتسل أنا والنبي صلى الله عليه وسلم من إناء واحد كلانا جنب، وكان يأمرني، فأتزر، فيباشرني، وأنا حائض، وكان يخرج رأسه إلي وهو معتكف فأغسله وأنا حائض)) (۱۲)

Marfat.com

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن سے نہاتے تھے اور ہم دونوں حالتِ جنابت میں ہوتے تھے۔اور آپ ﷺ مجھے حالت حیض میں ازار اچھی طرح باندھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔اس کے بعد ہم بستر میں ایک ساتھ رہتے تھے۔اور آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر (مسجد سے باہر) میرے حجرہ کی طرف نکال دیتے تھے اور میں بحالت حیض آپ کا سر دھوتی تھی۔"

۵- ((عن عائشة، قالت: كنت أشرب وأنا حائض ثم أناوله، النبيّ صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فيّ فيشرب، وأتعرّق بالعرق وأنا حائض، ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فيّ)) (۱۳)

"حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں (برتن سے) پانی پیتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کی جانب بڑھا دیتی۔ آپ ﷺ اسی جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھ کر پانی پیا ہوتا تھا حالاں کہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی۔اور اسی طرح میں حیض کی حالت میں ہڈی پر سے گوشت کھاتی تھی اور پھر اسے نبی کریم ﷺ کو دے دیتی تھی اور آپ ﷺ اس جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا۔"

یہ احادیث نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہّرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں ان میں سے ہر ایک حدیث میں کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ بیان ہوا ہے جو یا تو انسانی زندگی کے مخفی شعبوں سے تعلق رکھتا ہے اس کا تعلق جسمانی طہارت ونفاست سے ہے۔آیئے ان احادیث کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کیسے کیسے اہم مسائل کا حل بیان ہوا ہے۔

بوسہ ناقضِ وضو نہیں

پہلی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے ایک عمل کی خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا بحالت وضو بوسہ لیا اور اس کے بعد بغیر وضو کیے نما پڑھی۔نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی اطلاع دینے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ بوسہ بجائے خود وض توڑنے والی چیز نہیں ہے۔دراصل بعض لوگ محض بوسہ لینے کو ناقضِ وضو سمجھنے لگے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اس سے اگر وضو ٹو نہیں ہے تو کم از کم طہارت میں فرق ضرور آ جاتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا شک دور کرنے کے لیے اس عمل نبوی ﷺ کی خبر دینا پڑی تاکہ ثابت ہو جائے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے خود بوسہ لینے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھی اس لیے بوسہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔

غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہے؟

•دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے متعلق ہے اس میں ذکر ہے کہ غسل کے متعلق استفسار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پانی منگوا کر اور پردہ لٹکا کر حضرت ابو سلمہ اور اپنے بھائی کی موجودگی میں غسل فرمایا۔اس حدی

Marfat.com

کے راوی حضرت ابو سلمہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے۔ جنہیں حضرت ام کلثوم بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا تھا اس لحاظ سے اس حدیث میں مذکورہ دونوں شخص جن کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ لٹکا کر غسل فرمایا آپ کے محرم ہی تھے۔ ان میں سے غیر محرم کوئی نہ تھا۔

منکرین حدیث حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں کے سامنے اس حدیث پر تبصرہ کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ کوئی غیر شخص تھے۔ اس کے علاوہ پھر ایک زیادتی یہ کرتے ہیں کہ روایت میں تو صرف "حجاب" یعنی پردے کا ذکر ہے مگر ان لوگوں کے تبصرے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ گویا پردہ باریک تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر پردہ باریک نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہاتی ہوئی نظر نہ آ سکتیں۔ اور اس طرح غسل کے عمل کا جو مظاہرہ کرنا مقصود تھا وہ پورا نہ ہوتا۔ حالانکہ اگر انہیں اس مسئلہ کا علم ہوتا جو اس وقت درپیش تھا اور جس کی تحقیق کے لیے یہ دونوں حضرات اپنی خالہ اور بہن کے پاس گئے تھے تو انہیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ پردہ باریک ہونا چاہئے تھا۔ دراصل صحابہ کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہو سکتا ہے۔ بعض صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع بھر پانی سے غسل کر لیتے تھے جب کہ اتنے پانی کو لوگ غسل کے لیے ناکافی سمجھتے تھے۔ غلط فہمی کی بنیاد دراصل یہ تھی کہ وہ غسل جنابت اور غسل بغرض صفائی بدن کا فرق نہیں سمجھ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں سوال کرنے والوں کو مسئلہ کی نوعیت سمجھانے کے لیے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈالا۔ پھر ایک صاع پانی منگوا کر اپنے اوپر بہایا۔ اس طریقہ سے سوال کرنے والوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو باتیں سمجھانا چاہتی تھیں: ایک یہ کہ غسلِ جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے صاع بھر پانی کفایت کرتا ہے۔

عورتوں سے مخصوص ایک شرعی حکم

تیسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ یہ حدیث خواتین کو ایک اہم شرعی حکم سے واقفیت مہیا کرتی ہے۔ مسئلہ جس سے ایک عرب خاتون کو سابقہ پیش آ گیا تھا یہ تھا کہ اگر ایک خاتون اسی طرح کا خواب دیکھے جیسا عام طور پر بالغ مرد دیکھا کرتے ہیں تو وہ کیا کرے؟ اسے پاک ہونے کے لیے مردوں کی طرح غسل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟... چونکہ یہ صورت خواتین کو بہت کم پیش آتی ہے اس لیے خواتین اس کے شرعی حکم سے ناواقف تھیں۔ چنانچہ وہ خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں اور نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ بتا کر کہ عورت کو بھی مرد ہی کی طرح غسل کرنا چاہئے نہ صرف ان کو بلکہ تمام خواتین کو ایک ضروری تعلیم دے دی۔ اب بتایا جائے کہ اس میں کون سی بات اخلاقی لحاظ سے معیوب تھی۔ کیا اس عرب خاتون کا مسئلہ پوچھنا کوئی عیب کی بات تھی؟!!......... کیا انہیں مسئلہ پوچھنے کے بجائے شرم کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کی اپنی سمجھ میں آتا وہی کر لینا چاہئے تھا؟!!..... معلوم نہیں معترضین کو اس میں کون سی بات غیر اخلاقی نظر آتی ہے۔

جنابت اور حیض کے بارے میں قدیم توہمات کا ازالہ

چوتھی اور پانچویں احادیث میں جو مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان ہوا ہے اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا جاننا ضروری ہے۔ جو ان احادیث کو روایت کرتے وقت حضرت عائشہؓ کے پیشِ نظر تھا۔ دراصل جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے ناپاک ہونے کا تصور شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کی طرح قدیم شریعتوں میں بھی تھا۔ لیکن قدیم شریعتوں میں اس قدر بڑھا دیا تھا کہ وہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے وجود ہی کو ناپاک خیال کرنے لگے تھے۔ ان کے زیرِ اثر اہل حجاز میں بھی یہ تصور حدِ مبالغہ کو پہنچ گیا تھا خصوصاً حائضہ عورت کے ساتھ تو رہنا سہنا بھی گناہ خیال کیا

Marfat.com

جانے لگا تھا چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب عورت کو حیض آتا تھا تو یہودی اس کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بتایا کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ میل جول، رہن سہن، کھانا پینا غرض ہر قسم کی معاشرت حائضہ عورت کے ساتھ اسی طرح رہتی ہے جیسی اس کے پاک ہونے کی حالت میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اس سلسلہ میں بنیادی غلط فہمی رفع ہو گئی تھی تاہم قدیم توہمات وتعصبات کے زیرِ اثر ایک عرصہ تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کا وجود کچھ نہ کچھ گندا رہتا ہی ہے۔ اس لیے اس حالت میں اس کا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے وہ بھی کم از کم مکروہ تو ضرور ہو جاتی ہو گی۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں زیرِ بحث دونوں حدیث اور اسی قسم کی دوسری احادیث روایت ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا مبالغہ آمیز تصورات کو اعتدال پر لانے کے لیے ازواج مطہرات کو یہ بتانا پڑا کہ نبی کریم ﷺ خود اس حالت میں کوئی اجتناب نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حائضہ یا جنبی عورت کے ہاتھ لگانے سے جب پانی جیسی سیّال اور تر چیز گندی نہیں ہوتی تھی تو کسی برتن یا کپڑے وغیرہ کے گندے ہو جانے کا تو سوال ہی کیا۔ بلکہ پانچویں حدیث میں تو یہ بتایا گیا کہ حائضہ عورت کا ہاتھ تو ہاتھ ہے، منہ بھی لگ جائے تو کوئی چیز گندی نہیں ہوتی۔ نیز اس قسم کی احادیث میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حائضہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر صرف مباشرت کا مخصوص فعل نہیں کر سکتا باقی ہر قسم کا میل جول جائز ہے۔

اب ذرا سوچئے!... اگر ازواج مطہرات نے نبی کریم ﷺ کے ان افعال پر ہمیں مطلع نہ کیا ہوتا تو قدیم تعصبات اور توہمات کے زیر اثر ہمیں اپنی عائلی زندگی میں کیسی کیسی مشکلات سے سابقہ پیش آتا۔

خلافِ علم وتجربہ روایات

منکرینِ حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں بعض روایات ایسے دعاوی پر مشتمل ہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ظاہر ہے نبی کے دعاوی کبھی غلط نہیں ہوتے۔ بنا بریں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ان تمام دعاوی کی نسبت غلط ہے منکرین حدیث اگر اپنی سوچ کا رخ درست کر لیں تو خود اس بات کا اقرار کرتے نظر آئیں گے کہ کوئی ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جو انسانی علم وتجربہ کے خلاف ہو ان کی جانب سے جتنی بھی روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں اگر ذرا بھی بنظر غور ان کا جائزہ لیا جائے تو کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں رہتی جس پر خلاف علم وتجربہ ہونے کا اعتراض صادق آ سکے۔ مثال کے طور پر ان کی طرف سے پیش کی جانے والی مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ کیجئے۔

سو سال بعد دنیا کا خاتمہ

اس روایت میں ذکر ہے کہ سو سال کے بعد زمین پر کوئی جاندار زندہ نہیں رہے گا۔ یہ روایت دراصل اس حدیث کا ایک جزو ہے جس کو امام بخاریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کتاب العلم میں نقل کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

((قال: صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته، فلما سلّم، قام، فقال: أرأيتم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممّن هو على ظهر الأرض أحد))[۱۴]

Marfat.com

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اخیر عمر میں ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی۔جب سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے اس رات کو دیکھا (اسے یاد رکھنا)۔اب سے سو برس کے بعد جتنے لوگ اس وقت زمین پر ہیں ان میں سے کوئی بھی (زندہ) نہیں رہے گا۔"

منکرینِ حدیث نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا کہ دنیا سو سال کے بعد ختم ہو جائے گی اور پھر اسی بنیاد پر اسے موضوع ٹھہرایا ہے کہ یہ تاریخی حقائق اور حس ومشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہاں منکرینِ حدیث سے پوچھنا چاہئے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب الصلاۃ میں بھی لیا ہے۔کیا وجہ ہے اس کو اختیار کرنے کی بجائے منکرینِ حدیث کی نظر انتخاب اسی کتاب العلم والی روایت پر کیوں پڑی۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ کتاب الصلاۃ والی روایت انہوں نے صرف اس لیے نہیں لی کہ اس میں ان کے اعتراض کا جواب موجود تھا۔اس روایت میں چونکہ "الیوم" کا لفظ اس ارشاد نبوی ﷺ کا صحیح مفہوم متعین کر دیتا تھا جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔اس لیے منکرینِ حدیث کا فائدہ اسی میں تھا کہ اس روایت سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔

دراصل نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت جبکہ میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں دنیا میں جتنے لوگ ہیں سو سال کے اندر اندر سب مر جائیں گے۔یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سو سال کے بعد دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔اگرچہ کتاب العلم والی روایت میں بھی لیلتکم ھذہ کے الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔تاہم کتاب الصلاۃ والی روایت تو اس مفہوم کی تعیین میں بالکل ہی صریح ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((فقال: أرأيتكم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة منها، لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد)) (۱۵)

اس ارشاد سے نبی کریم ﷺ کا مقصود اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہاری عمریں پہلی امتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے عبادت کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔نیز اس کے ساتھ ہی ان الفاظ میں معجزانہ طور پر ایک پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ پوری ایک صدی گزرنے پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری بھی ہوئی۔صحابہ کرامؓ میں سے جس کی موت سب کے بعد واقع ہوئی وہ حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہؓ تھے۔جنہوں نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔جب کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔اس طرح اس ارشاد کے دن سے لے کر آخری صحابی حضرت ابو طفیلؓ کی وفات تک پورے سو سال بنتے ہیں۔

عجوہ کھجور کی تاثیر

ایک اور حدیث جسے منکرینِ حدیث اپنے موقف کے استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الطب میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے۔حدیث کا متن یہ ہے:

((من اصطبح كل يوم تمرات عجوة لم يضره سمٌّ ولا سحر ذلك اليوم إلى الليل وقال غيره سبع مرات)) (۱۶)

"جس نے ہر روز علی الصبح عجوہ نامی کھجوریں کھائیں اس پر اس رات تک زہر اور جادو اثر انداز نہ ہو گا۔ایک دوسری روایت میں سات کھجوروں (کے الفاظ) ہیں۔"

Marfat.com

منکرین حدیث کو عجوہ نامی کھجور کی اس تاثیر سے انکار ہے۔ان کا کہنا ہے کہ طبِ جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہو اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

"عجوہ" نامی کھجور کے بارے میں طب جدید کیا رائے رکھتا ہے کیا نہیں۔اس سے پہلے یہ بات قابلِ غور ہے کہ: کیا طبِ جدید نے دنیا کے تمام ماکولات و مشروبات، نباتات اور میوہ جات کی خاصیات کا احاطہ کر لیا ہے ؟یا دوسری صورت میں طبِ جدید نے کہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے "عجوہ" کی تمام تاثیرات اور تمام خاصیات معلوم کر لی ہیں؟ اگر ایسا کوئی دعویٰ طب کی دنیا میں موجود نہیں تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کہ عجوہ میں فلاں تاثیر سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔اگر عجوہ میں ابھی تک جادو اور زہر کے لیے مفید خواص کا سراغ نہیں لگایا جا سکا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ: مستقبل میں جب اس کھجور پر باقاعدہ طبی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے خواص کا پتہ چلے جو مفید زہر یا مفید سحر ہوں۔علاوہ ازیں تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجئے کہ: طبِ جدید نے عجوہ نامی کھجور پر پوری طبی تحقیق کے بعد یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں مذکورہ تاثیرات میں سے کوئی تاثیر موجود نہیں ہے۔تو اس کے بعد یہ امکان پھر بھی باقی رہے گا کہ آئندہ طب کا علم مزید ترقی کرے اور تحلیل و تجزیہ کا کوئی ایسا نیا طریقہ دریافت ہو جائے جس کی مدد سے عجوہ کی کچھ مزید تاثیرات وخاصیات کا انکشاف ہو۔کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ طب کا علم اپنی آخری حد تک پہنچ گیا ہے ؟ اور اب اس پر مزید کسی اضافے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تو تھی ایک اصولی بات، رہا عجوہ کے بارے میں طبِ جدید کی رائے کا معاملہ، تو یہ کہنا سرے سے ہی غلط ہے کہ طبِ جدید نے اس مخصوص کھجور میں کوئی ایسی تاثیر یا خاصیت نہیں پائی جو زہر یا جادو کے علاج میں مفید ہوتی ہے۔اس لیے کہ طبِ جدید میں یہ امر ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ عجوہ غذا بخش اور ملین معدہ ہوتی ہے۔یہ کھجور جسم میں حرارت کے ساتھ ساتھ فرحت اور نشاط پیدا کرتی ہے۔ نتیجتاً اس کو اگر نہار منہ کھانا معمول بنالیا جائے تو جس مادے سے معدہ میں کیڑے بنتے ہیں وہ کمزور پڑ جاتا ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اندرونی امراض کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ انتڑیوں میں بدبو اور کیڑوں کا پیدا ہو جانا ہی ہے۔جب یہ معاملہ بڑھ جاتا ہے تو جسم میں زہر پیدا ہو جاتا ہے جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔بنابریں حدیث میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ عجوہ زہریلے اثرات کو ختم کر دیتی ہے معلوم ہوا کہ بالکل درست ہے۔

اسی طرح عجوہ سے جادو کے اثرات کا زائل ہو جانا بھی کوئی ایسی بات نہیں جو بعید از عقل وقیاس ہو۔اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ جادو ایک نفسیاتی مرض ہے۔طبِ جدید نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ تخیلات و توہمات بعض امراض میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں تو نفسیاتی مرض ہونے کی بنا پر ظاہر ہے جادو کا علاج بھی نفسیاتی ہی ہونا چاہئے۔اب ذرا تجزیہ کیجئے کہ جب ایک سحر زدہ شخص عجوہ کے ان پہلوؤں پر غور کرے گا کہ یہ جسم انسانی کو حرارت بخشتی ہے اور فرحت ونشاط بہم پہنچاتی ہے۔بدن کو تقویت دیتی ہے۔کیڑوں کو مار ڈالتی ہے اور فضلات کے تعفن کو دور کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب وہ اس حقیقت میں غور کرے گا کہ عجوہ کھجور کو اللہ کے رسول ﷺ نے جس کی بات ہمیشہ قطعی اور حتمی ہوتی ہے جادو کے مرض کے لیے مفید بتایا ہے تو نفسیاتی طور پر اس کے اندر قوت مدافعت بڑھے گی جو جادو کے ازالہ میں مؤثر ہو گی۔

کھمب کی خاصیت

طب ہی کی بنیاد پر منکرین حدیث نے اس حدیث کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں ذکر ہے کہ کھمب (جس کو سانپ کی چھتری بھی کہا جاتا ہے اور جو برسات کے زمانے میں عموماً کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر از خود اگ آتی ہے) کا پانی آنکھ

Marfat.com

کے لیے باعثِ شفا ہے۔اس حدیث کا متن یہ ہے:

((الكمأة من المنّ وماءها شفاء للعين)) (۱۷)

”کھمب (سانپ کی چھتری) ترنجبین کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے باعثِ شفا ہے۔“

اس حدیث کے بارے میں بھی اول تو اصولی بات یہی ہے کہ آج اگر انسان کی تحقیق میں کھمب کی یہ تاثیر نہیں آئی جو مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوئی ہے تو اس کا امکان ختم نہیں ہوتا کہ کل انسانی تحقیق میں اس تاثیر کا وجود ثابت ہو جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث ایک طرف تو اخبارِ آحاد کے پورے ذخیرہ کو صرف اس بنیاد پر بے کار اور ناقابلِ اعتماد ٹھہراتے ہیں کہ ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے جو کہ فی الحقیقت یقین ہی کی ایک قسم ہے۔ دوسری طرف محض اندازوں اور تخمینوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ان کو احادیث نبوی ﷺ کے صحیح وغیر صحیح ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ کسی چیز کی کوئی خاصیت جو اطباء بیان کرتے ہیں وہ سب ان کے اندازے اور تخمینے ہی تو ہوتے ہیں۔ ان اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو جو وحی وبرہان پر مبنی ہونے کی وجہ سے یقینا قطعی اور حتمی ہیں مشکوک اور غلط قرار دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ آج اگر ایک حدیث اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ وہ طب کی تحقیق کے خلاف ہے تو کل اگر طب کی تحقیق اس کے حق میں ہوگئی تو یقیناً وہ قابلِ قبول بن جائے گی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ طبیب کی بات تو قابلِ قبول ہے جو ایک عام انسان سے زیادہ کچھ نہیں مگر نبی کریم ﷺ کی بات قابلِ قبول نہیں ہے جو معترضین کے نزدیک بھی اللہ کے رسول ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کھمب میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی جو حدیث میں بیان ہوئی ہے اس لیے کہ ابو سہیل مسیحی اور بو علی سینا جیسے مسلّم اور مشہور اطباء کی تحقیق تو یہ ہے کہ کھمب کا پانی بصارت کو تیز کر دیتا ہے۔ نیز اگر اس کو سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے ظلمتِ بصر دور ہوتی ہے اور دکھتی آنکھ ٹھیک ہو جاتی ہے۔حافظ ابنِ قیم نے ”زاد المعاد“ میں ان دونوں اطباء کی اس تحقیق کو زیرِ بحث حدیث کی صداقت پر گفتگو کرتے ہوئے دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔انہوں نے مشہور طبیب غافقی کا بھی حوالہ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طبیب کی مفردات میں لکھا ہے کہ:

”اگر کھمب کے پانی کو مشہور دوا اثمد کے پانی میں گوندھ کر سرمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس سے آنکھ کی پلکوں کو تقویت پہنچتی ہے اور قوتِ بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔“ (۱۸)

باہم متعارض روایات

منکرینِ حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اکثر صحیح احادیث باہم متعارض ہیں اور یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ متعارض اشیاء ساقط الاعتبار ہوتی ہیں۔ اس لیے احادیث بھی باہم متعارض ہونے کی بناء پر ساقط الاعتبار قرار پائیں۔

یہ اعتراض دراصل معترضین کی کم علمی اور کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ منکرینِ حدیث کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ کتبِ حدیث کا تقابلی مطالعہ انہیں حاصل نہیں۔ وہ احادیث کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں اپنے محدود مطالعہ کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کبھی نہ کہتے کہ اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث کے پورے ذخیرہ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ احادیث کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔ مثلاً احادیثِ صفات وفضائل میں کوئی تعارض نہیں۔ احادیث اخلاق ورقاق میں بھی کہیں تعارض نظر نہیں آتا۔ اسی طرح احادیث معجزات تعارض سے پاک ہیں۔ نیز احوالِ جنت

Marfat.com

وجہنم کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں بھی ننانوے فی صد احادیث ایسی ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ لے دے کے وہ احادیث رہ جاتی ہیں جو یا تو بعض واقعات پر مشتمل ہیں اور یا پھر ان کا تعلق احکام سے ہے۔

جہاں تک احادیث وواقعات کا تعلق ہے تو ان میں اگرچہ ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ضرور ملتی ہے جو باہم متعارض تو نہیں البتہ باہم مختلف دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان کا باہمی تعارض واختلاف صرف ظاہر نظر میں ہی محسوس ہوتا ہے۔ غور وفکر کے بعد اور احادیث نبوی ﷺ کے تقابلی مطالعہ کے بعد اکثر وبیشتر رفع ہو جاتا ہے۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ یا تو مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہوتا ہے جو بہ ظاہر باہم متعارض ومختلف نظر آنے لگتا ہے۔ حالانکہ معانی ومفہوم کے لحاظ سے ان کے درمیان کوئی تعارض واختلاف نہیں ہوتا۔ یا پھر مختلف راویوں نے ایک ہی واقعہ کے مختلف اجزاء بیان کیے ہوتے ہیں۔ ناواقف سمجھتا ہے کہ ان کے بیانوں میں اختلاف ہے۔ جب کہ احادیث کے ذخیرے سے واقف اس واقعہ کے تمام اجزاء کو یک جا کر کے ان کے باہمی تطابق کو پالیتا ہے۔

یہی حال احادیثِ احکام کا ہے جو احادیث باہم متعارض نظر آتی ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ غیر متعارض احادیث کی نسبت وہ شاید ایک فیصد بھی نہیں۔ ان میں سے بھی اکثر کا حال یہ ہے کہ ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے اور تحقیق وجستجو کی جائے تو تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ ان احادیث کے ساتھ بھی صورتِ حال یہ ہے کہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہوتا ہے اور جس راوی نے جو طریقہ مشاہدہ کیا اسے روایت کر دیا یا پھر ہوتا یہ ہے کہ احادیث میں باہم تقدّم وتاخّر زمانی موجود ہوتا ہے جن لوگوں کو علومِ حدیث پر عبور حاصل ہوتا ہے وہ اس تقدم وتاخر زمانی کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر پہلی حدیث کو "منسوخ" اور بعد والی کو "ناسخ" قرار دیتے ہیں۔

احادیثِ احکام کا مطالعہ کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ بہت سے اعمال وافعال کی تشریح دفعتاً نہیں ہوتی بلکہ بتدریج ہوتی ہے۔ مثلاً نماز ابتدا میں دو رکعت فرض ہوئی۔ بعد میں رکعات کی تعداد چار ہو گئی۔ یا مثلاً ابتداءِ اسلام میں صرف دو ہی وقت صبح اور عصر کی نماز فرض تھی بعد میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو احکام پر مشتمل احادیث کے معاملے میں اس تدریج کے عمل کا لحاظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس تدریج کے عمل سے پیدا ہونے والے اختلاف کو تعارض یا تناقض کا درجہ دینا غلط ہو گا۔

غرض ایسی احادیث جن کا باہمی تعارض واختلاف رفع کرنا مشکل ہو تعداد میں اتنی کم ہیں کہ ان کو غیر متعارض و غیر مختلف احادیث سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کے عدد کو ہزار کے عدد سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدر اقل قلیل احادیث متعارضہ کی بنیاد پر پورے ذخیرہ حدیث کو غیر معتبر قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟!!...... احادیثِ نبویہ کسی ایک ناقابلِ تقسیم کل کا نام تو ہے نہیں کہ اس کا ایک جزء ساقط ہوا تو کل کے کل کا ساقط ہونا لازم آ گیا۔ ہر حدیث اپنے اپنے مقام پر اپنی ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اور ہر ایک اپنی جداگانہ سند کے ساتھ روایت ہوتی ہے۔ بنا بریں دوچار روایات کیا دو چار سو روایات بھی ساقط ہو جائیں تو بقیہ ہزاروں روایات کا سقوط لازم نہیں آ سکتا اوّل تو ایسی روایات کے بارے میں جن کا باہمی تعارض واختلاف رفع کرنا مشکل ہو درست اور صحیح طریقۂ عمل یہ ہے کہ راجح اور احوط پر عمل کیا جائے۔ لیکن اگر ترک ہی کرنا ہوں تو ظاہر ہے صرف انہی روایات کو ترک کیا جائے گا جو باہم متعارض ہوں گی ان کی وجہ سے غیر متعارض روایات کو ترک کرنے والا نامعقول ہی کہلائے گا۔

Marfat.com

حواشی و حوالہ جات

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے۔ مؤلف کی کتاب "مطالعہ حدیث" ص: ۱۲۳، ۱۳۵

(۲) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب صفة الشمس والقمر

(۳) سورۃ الرعد۔ آیۃ: ۵

(۴) سورۃ الرحمن۔ آیۃ: ۶

(۵) سورۃ المعارج۔ آیۃ: ۴۰

(۶) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ: باب ابراد الظھر

(۷) سورۃ التوبۃ۔ آیۃ: ۸۱

(۸) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب الانبیاء باب قول اللّٰہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔

(۹) السنن للامام الترمذی۔ الطھارۃ۔ باب ترك الوضوء من القبلة

(۱۰) الصحیح للامام البخاری۔ الغسل۔ باب بالصاع ونحوہ

(۱۱) الصحیح للامام البخاری۔ الطھارۃ۔ باب وجوب الغسل علی المرآۃ

(۱۲) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب الحیض۔ باب مباشرۃ الحائض

(۱۳) الصحیح للامام مسلم۔ کتاب الطھارۃ۔ باب جواز غسل الحائض رآس زوجھا

(۱۴) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب العلم۔ باب السمر فی العلم

(۱۵) الصحیح للامام البخاری۔ کتاب الصلاۃ۔ باب ذکر العشاء والعتمة

(۱۶) الصحیح للامام البخاری: کتاب الطب، باب الدواء بالعجوۃ

(۱۷) الصحیح للامام البخاری: کتاب الطھارۃ، باب المن شفاء للعین

(۱۸) ابن قیم الجوزیۃ۔ زاد المعاد۔ ج: ۲۔ ص: ۱۸۱

Marfat.com

اٹھارہواں باب

پاکستان میں علم حدیث کا جائزہ

استعمار کی منصوبہ بندی کا ردعمل

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب برصغیر پر استعمار کا باقاعدہ قبضہ ہوا اور استعمار نے مختلف اسباب و عوامل اور تجزیات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا کہ برصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کو ہر پہلو اور ہر جانب سے زیر کر دیا جائے، ان کی ظاہری قوت کے ساتھ ساتھ ان کی فکری اور باطنی قوت کو بھی پارہ پارہ کر دیا جائے، تو ان حالات میں اس وقت کے علماء نے استعمار کی اس سازش اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے علمی اور فکری اداروں کے قیام کی طرف توجہ دی۔ حکومت وقت نے جو سب سے مؤثر اور بنیادی وار کیا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے نصابِ تعلیم کو ناقابلِ قبول قرار دیا۔ عربی اور فارسی زبانوں کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے انگریزی زبان کو رائج کر دیا۔ سرکاری اداروں کے دروازے ان لوگوں کے لیے کھول دیے جو انگریزی جانتے تھے اور ان لوگوں کے لیے بند کر دیے جو عربی، فارسی اور اردو زبان سے تعلق رکھتے تھے۔

اس دور میں مسلمانوں کے اندر دو قسم کے مصلحین نمایاں ہو گئے۔ ایک طبقہ ان حضرات کا تھا جو مسلمانوں کو انگریزی نصابِ تعلیم پڑھنے کی ترغیب دے رہا تھا۔

اس طبقہ کی خواہش یہ تھی کہ مسلمان جدید نصاب پڑھ کر سرکاری ملازمتوں میں اپنا حصہ حاصل کریں اور اس طرح معاشی اور معاشرتی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن بہتر بنا سکیں۔ اس طبقہ کے سرخیل سرسید احمد خان تھے جنہوں نے علی گڑھ میں جدید خطوط پر ایک کالج قائم کیا۔

دوسرا طبقہ ان علماء کا تھا جن کا مدعا یہ تھا کہ مسلمان اپنی روایات، ثقافت، تشخص اور علوم وفنون کے ساتھ منسلک رہیں۔ اگر جدید نصاب تعلیم کے ظاہری اور عارضی مفادات کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے علوم وفنون کو نظر انداز کر دیا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سارا ورثہ مٹ جائے گا اور آنے والی نسلوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ہو گا کہ ان کے آباء واجداد مسلمان تھے، ہندو تھے یا کچھ اور تھے۔ ان علماء کے سامنے اندلس کی ان نسلوں کی مثال تھی جن کے آباء واجداد نے سات سو سال اندلس میں حکومت کی اور جنہوں نے قرطبہ، غرناطہ، شاطبہ، اور اشبیلہ کے کتب خانوں کو علومِ دینیہ کی لاکھوں تالیفات وتصنیفات سے بھر دیا۔ لیکن اب ان نسلوں کو عربی زبان کی "ا" اور "ب" تک نہیں آتی۔ علماء کے اس طبقہ نے نجی طور پر عوام کے تعاون سے علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے لئے "دارالعلوم" قائم کیے۔ ان اداروں نے ایسے افراد پیدا کیے جنہوں نے بغیر کسی لالچ اور بغیر مفاد کے علومِ اسلامیہ کی ترویج کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اور پوری دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے

Marfat.com

اسلاف کے علوم وفنون کو آگے منتقل کرنا شروع کر دیا۔ برصغیر میں ان علماء کی جد وجہد کی وجہ سے چھوٹے بڑے سینکڑوں مراکز قائم ہوئے۔ ان میں جن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور جامعہ امینیہ دہلی کے مدارس ہیں۔ فتح اللہ انطاکی اپنی کتاب "الھند کما رأیتُھا" میں لکھتے ہیں:

((وفی بلاد الھند عدد کبیر من الکلیات العلمیة، مثل کلیة دیوبند'' وھی اکبر کلیة لتدریس اللغة العربیه فی وسط الھند، وکلیة کلکوتا، والکلیة العثمانیة فی حیدر آباد دکن، وکلیة لکھنوء، والکلیة الاسلامیة فی دلھی، وکلیة علیکرہ))

"ہندوستان میں تعلیمی اداروں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ یہاں دارالعلوم دیوبند ہے جو علومِ عربیہ اور دینیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اسی طرح کلکتہ میں ایک کالج ہے۔ حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ ہے، لکھنؤ میں ایک کالج ہے اور دہلی میں بھی ایک اسلامی علوم کا مرکز ہے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایک کالج قائم ہے"۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے چھ سال بعد ۱۸۷۲ء میں صوبہ یوپی میں بریلی کے مقام پر "مصباح التہذیب" کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہوا جو "مصباح العلوم" کے نام سے مشہور ہوا تھا۔

ان اداروں میں عام طور پر وہ نصاب جو درسِ نظامی کہلاتا ہے رائج اور متداول رہا۔ درسِ نظامی میں آخری دو سالوں میں حدیث کے بنیادی مصادر کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اور خاص کر "کتب ستہ" پڑھائی جاتی ہیں۔ جو طالب علم درسِ نظامی کا نصاب شروع سے آخر تک اہتمام کے ساتھ پڑھ لیتا ہے اسے باقی علوم وفنون کے علاوہ حدیث کا اچھا خاصا ذخیرہ مل جاتا ہے۔ دینی مدارس میں وہ اساتذہ جو حدیث پڑھاتے ہیں انہیں باقی اساتذہ کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو استاذ "صحیح البخاری" اور "جامع الترمذی" پڑھاتا ہے وہ "شیخ الحدیث" کہلاتا ہے۔

تقسیم ہند کے اثرات

برصغیر کے دینی مدارس میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور دو ایسے مراکز ہیں جن میں حدیث اور علوم الحدیث پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اطراف واکناف کے طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے ان دو مراکز کا رخ کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں افغانستان، ترکستان، انڈونیشیا، ملائیشیا، مصر، الجزائر، شام، افریقہ اور دنیا بھر کے ممالک سے ہر سال ہزاروں طلبہ حدیث پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ ان دونوں مراکز کے قیام کی وجہ سے برصغیر کے طلبہ نے حجاز جانا چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ حجاز کے طلبہ خود یہاں سے مستفید ہونے کے لیے آتے تھے۔ جب تک ہندوستان متحد رہا تب تک یہ مراکز پوری آب وتاب سے کام کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۷ھ میں جب تقسیمِ ہند عمل میں آئی تو یہ سارے مراکز ہندوستان کے حصہ میں آئے۔ اور پاکستان کے موجودہ خطہ میں کوئی قابلِ ذکر مدرسہ نہیں تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے قیام کے بعد حکومت ایسا نصابِ تعلیم وضع کرتی جو یہاں کے مسلمانوں کی ظاہری اور باطنی ضروریات کو پورا کرتی۔ لیکن تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان کی صورتِ حال وہی ہوئی جو ایک سو سال پہلے ہندوستان کی تھی۔ یہاں بھی انگریزی نصابِ تعلیم کو فوقیت دی گئی اور علومِ اسلامیہ کو

Marfat.com

نظر انداز کر دیا گیا۔ عربی، فارسی اور اردو کو انگریزی کے مقابلہ میں کمتر قرار دیا گیا۔ قومی زبان اردو قرار دی گئی لیکن سرکاری زبان انگریزی ہے۔ اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ امیدوار کسی جدید یونیورسٹی سے گریجویٹ ہو۔ اس صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد علماء نے پھر اپنی ذمہ داریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دینی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے نجی مراکز قائم کرنا شروع کر دیئے۔ اس ضمن میں پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں علوم اسلامیہ کے ادارے قائم کر دیے گئے۔ کراچی میں مفتی محمد شفیعؒ نے دارالعلوم قائم کیا۔ علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے "جامعۃ العلوم الاسلامیۃ" قائم کیا۔ مولانا منتخب الحق قادریؒ اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے دارالعلوم امجدیہ قائم ہوا۔ ٹنڈو الہ یار میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ملتان میں خیر المدارس تعمیر کرایا۔ مولانا سعید احمد کاظمیؒ نے انوار العلوم کے نام سے ملتان میں مدرسہ قائم کیا۔ ٹیڑھی (سندھ) میں دارالہدیٰ کے نام سے ایک بہت بڑا مرکز نمایاں ہوا۔ مولانا عبدالحقؒ نے اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ اوکاڑہ میں مولانا لکھویؒ نے جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ ان دینی مدارس کے نصابِ تعلیم کے مطابق صرف ان طلبہ کو سند دی جاتی ہے جنہوں نے دورہ حدیث کا امتحان پاس کر لیا ہو۔ شروع شروع میں ہر مدرسہ کا اپنا داخلی امتحان ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں مختلف مکتب ہائے فکر کے مدارس نے اپنی اپنی تنظیم قائم کی۔ اور اس تنظیم کے تحت اجتماعی امتحانات کا انعقاد شروع ہوا۔ اب الحمد للہ پاکستان میں دینی مدارس کا ایک مربوط نیٹ ورک ہے جو علوم دینیہ کی ترویج واشاعت میں مصروف ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ابتدائی تین دہائیوں تک یہاں کے دینی مدارس میں حدیث اور علومِ حدیث کی خدمت وہ علماء اور شیوخ کرتے رہے جنہوں نے تقسیم ہند سے پہلے دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ڈابھیل، اور مظاہر العلوم سہارنپور کے شیوخ الحدیث سے استفادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اسلوب اور اندازِ تدریس وہی رہا جو تقسیم ہند سے پہلے کے شیوخ کا تھا بعد میں رفتہ رفتہ وہ اساتذہ حدیث کی مسند پر آ گئے جنہوں نے تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں قائم دینی جامعات کے شیوخ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے اساتذہ بھی جامعات میں آ گئے جنہوں نے بین الاقوامی جامعات مثلاً جامعۃ الازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ ان شیوخ نے جدید اسلوب اور اندازِ تدریس کے ذریعہ اپنے تلامذہ کو مستفید کیا۔ مثلاً پیر کرم شاہ الازہریؒ نے اپنے جامعہ میں درسِ نظامی کے نصاب کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں مفید ترامیم کیں۔ اور حدیث کی ان تالیفات کو بھی متعارف کروایا جو پہلے غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے متداول نہیں تھیں۔ علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کراچی میں جامعہ کے ساتھ ساتھ ادارۂ تحقیق وتالیف بھی قائم کیا۔ اور اس ادارہ کی لائبریری میں ہر علم وفن کی امہات الکتب جمع کیں۔ اور سینئر طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ نصابی کتب کے علاوہ مختلف فنون کے مصادر ومراجع کا بھی مطالعہ کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک باقاعدہ سکیم کے تحت ہر سال جامعہ کے پوزیشن ہولڈرز طلبہ اور اساتذہ کو ترتیب کے ساتھ باہر کی جامعات میں بھیجنا شروع کیا اور جامعہ کے اندر ابتدائی درجات کے طلبہ کو عربی زبان سکھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کیے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کا علمی معیار باقی تمام جامعات کے مقابلہ میں اعلیٰ رہا اور خاص کر دورۂ حدیث کے طلبہ نے جوق در جوق اس میں داخلہ لینا شروع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علمِ حدیث کی ترویج واشاعت

Marfat.com

میں اس ادارہ کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔خود علامہ بنوریؒ نے جامع الترمذی کی شرح "معارف السنن" کے نام سے مرتب کی جو اس وقت بین الاقوامی جامعات میں مصدر ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے "سنن ابن ماجہ" پر کام کیا۔ان کے اس کام کی وجہ سے سنن ابن ماجہ کی طرف طلبہ اور اساتذہ نے بھرپور توجہ دی اور اس کے مطالعہ میں دلچسپی لینا شروع کی۔ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی نے مسند ابو عوانہ پر بہت جامع، وقیع اور مفید مقدمہ لکھا اور اس کا اردو ترجمہ کیا۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب قابلِ استفادہ ہو گئی۔ آپ نے حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کو مرتب کیااوراس کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ نے بھی جامع الترمذی پر بہت مفید اور معلوماتی کام کیا۔ مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے تراجم بخاری اور مقدمہ صحیح مسلم پر تعلیق و تحقیق کی۔ ادارۂ تحقیق وتالیف کے محققین اور اساتذہ کی زیرِ نگرانی علمی مقالات لکھوانے کا بھی سلسلہ رہا۔وہ طلبہ جو دورۂ حدیث کے بعد تخصص فی الحدیث میں داخلہ لیتے ہیں انہیں حدیث اور علوم الحدیث سے متعلق علمی مقالہ لکھنا پڑتا ہے۔طلبہ اور اساتذہ کی علمی مصروفیات بڑھانے کے لیے جامعہ سے ایک علمی مجلہ ماہنامہ "بیّنات" کے نام سے شروع کرایا گیا۔اس مجلہ میں چھپنے والے مقالات اس معیار کے ہوتے ہیں کہ پاکستان کی جدید جامعات میں انہیں قبول کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم کراچی

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کی طرح کراچی میں "دارالعلوم کراچی" بھی ایک بہت بڑا علمی مرکز ہے۔اس مرکز کے بانی مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ ہیں۔ مفتی صاحب جب تک حیات رہے ان کی زندگی کا ہر لمحہ علمی مشاغل ہی میں صرف ہوتا رہا۔آپ کا رجحان اور میلان اگرچہ فقہ کی طرف تھا لیکن آپ حدیث کے بہت ماہر شیخ تھے۔ "صحیح بخاری" اور" جامع الترمذی" دونوں کتابیں آپ خود پڑھاتے تھے۔آپ نے دارالعلوم میں شعبۂ تصنیف وتالیف قائم کیا اور ماہنامہ 'البلاغ' کے نام سے علمی مجلہ جاری کیا۔ مفتی محمد شفیعؒ کے پاس علامہ انور شاہ کشمیری کے وہ سارے علمی ذخائر موجود تھے جن کا تعلق فقہ اور حدیث سے تھا۔آپ کے درسِ حدیث سے یوں لگتا تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیری کا درس ہو رہا ہے۔مفتی صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے صاحب زادوں نے دارالعلوم کا نظم ونسق سنبھال لیا۔ان حضرات نے دارالعلوم کو بالکل جدید انداز میں استوار کر لیا۔نصاب میں بہت مفید ترامیم کیں جدید علوم کو بھی متعارف کرایا۔اور ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی جس کے لیے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی۔اس لائبریری میں ہر علم وفن کی امہات الکتب دستیاب ہیں۔شروح، حواشی اور ضمنی وذیلی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دونوں بالترتیب اس دارالعلوم کے ذمہ دار ہیں۔اس وقت پاکستان میں جن علماء کی معلومات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جنہیں علمی حلقوں میں وقعت و اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک مولانا تقی عثمانیؒ ہیں۔مولانا تقی عثمانیؒ نے "درسِ ترمذی" کے نام سے اردو میں اپنے درس حدیث کو مرتب کرایا۔یہ ایک بہت مفید اور علمی کام ہے جس کی وجہ سے "جامع ترمذی" کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔اس درس ترمذی کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا تقی عثمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس مجال میں کتنا نوازا ہے۔مولانا تقی عثمانی نے صحیح مسلم کی شرح "فتح الملہم" کی تکمیل کی۔یہ شرح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے شروع کی تھی لیکن مکمل نہیں کر سکے تھے۔اس شرح کا مقدمہ بہت مفید اور پر از معلومات ہے۔

Marfat.com

جامعہ فاروقیہ

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ، جو شروع میں دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے بعد میں انہوں نے جامعہ فاروقیہ کے نام سے اپنا الگ مرکز قائم کیا اس مرکز کے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کے طلبہ نے جوق درجوق یہاں کا رخ کر لیا۔ ابتدائی درجات طلبہ جہاں بھی پڑھتے لیکن آخری دو درجات پڑھنے کے لیے جامعہ فاروقیہ کا انتخاب کرتے تھے۔ مولانا سلیم اللہ خانؒ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جس طالب علم نے ان سے مشکوٰۃ پڑھ لی اس کے لیے کتب ستہ کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔ مولانا سلیم اللہ خانؒ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ایران میں آپ کے تلامذہ کا ایک مضبوط نیٹ ورک ہے جو وہاں علمی اور فکری کام کر رہے ہیں۔ حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے مولانا کی خدمات آنے والی نسلیں نہیں بھلا سکیں گی۔ مولانا کے دروس اب مطبوعہ شکل میں بھی آگئی ہیں۔ جو حدیث کے طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہی ہیں۔

جامعہ حنفیہ

کراچی شہر میں مولانا محمد شفیع اوکاڑویؒ نے بھی جامعہ حنفیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ میں درسِ نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی لیکن تعلیم وتدریس کا کام یہاں ضمنی تھا۔ مولانا کا اصل ہدف یہ تھا کہ ایک ایسی لائبریری قائم کی جائے جس میں ہر علم وفن سے متعلق کتابیں ہوں اور خاص کر وہ کتابیں جو مصر، حجاز، بیروت اور دمشق میں محقق ہو کر شائع ہو رہی ہیں۔ مولانا کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ دینی مدارس کے طلبہ محض نصاب کی کتابیں پڑھتے ہیں اس کے علاوہ بہت کم مطالعہ کرتے ہیں حالانکہ دینی مدارس کے طلبہ کو نصاب کے علاوہ متعلقہ کتب کو پڑھنا چاہیے۔ آپ فرماتے تھے کہ محض صحیح بخاری پڑھنے سے صحیح بخاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے لیے عمدۃ القاری کو بھی پڑھنا چاہیے۔ اس منصوبہ کا آغاز آپ نے پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تجویز پر کیا تھا۔ لیکن مولانا چونکہ بنیادی طور پر خطیب تھے اس لیے ان کا بیشتر وقت سفر میں گزرتا تھا۔ اس منصوبہ کا آغاز تو آپ نے کر لیا لیکن اس کے لیے جتنی توجہ اور انہماک کی ضرورت تھی وہ آپ کے پاس نہیں تھی۔ اگر یہ منصوبہ مولانا کی زندگی میں معقول حد تک چل جاتا تو بعد میں پیش رفت بھی ہو جاتی لیکن ہوا یہ کہ ابتدائی مراحل میں رُک گیا۔

دارالعلوم امجدیہ

حدیث کی ترویج واشاعت میں دارالعلوم امجدیہ روایتی انداز میں چل رہا ہے۔ دارالعلوم نے اب ایک بہت اہم علمی مرکزی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ یہاں حدیث کے مصادر ومراجع پر مشتمل بہت معقول لائبریری قائم ہے اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ دورۂ حدیث میں طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے، ہر سال سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوتا ہے۔

جامعہ ابو بکر

کراچی میں جب جامعۃ ابو بکر کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تو بہت سارے طلبہ نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ جامعہ کا ظاہری معیار بہت عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ عمارت بہت خوبصورت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ

Marfat.com

نصاب بالکل جدید تھا۔ عربی پڑھانے کے لیے عرب اساتذہ مقرر کیے گئے تھے۔ جامعہ کے اندر عربی زبان بولی جاتی تھی۔ ترتیب اور نظم ونسق میں بہت کشش تھی۔ جامعہ ابوبکر شروع میں بہت منظم اور مرتب انداز میں چلا۔ اس جامعہ میں جو نصاب رائج کیا گیا وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کے مطابق تھا۔ پڑھانے والوں میں بھی اکثریت ان اساتذہ کی تھی جو باہر کی جامعات سے فارغ التحصیل تھے۔ اس ادارہ میں لائبریری بھی معقول تھی اور طلبہ کے لیے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ لائبریری سے استفادہ کریں۔ اس نظم ونسق کی وجہ سے ادارہ کے فارغ التحصیل طلبہ باقی جامعات کے مقابلہ میں زیادہ پر اعتماد ہوتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بھی یہاں کے ماحول میں رنگتا چلا گیا اور وہ سنجیدگی، توجہ اور انہماک جو اس جامعہ کا خاصہ تھی رفتہ رفتہ اس میں کمی آتی گئی۔ بہر حال اس ادارہ کا وجود دینی جامعات کے سلسلہ میں ایک بہت قیمتی اور مفید اضافہ ہے۔ اور اس جامعہ کی خدمات حدیث اور علوم حدیث کی ترویج واشاعت کے میدان میں قابل ذکر ہیں۔

مظہر العلوم

کراچی میں دینی علوم کی ترویج واشاعت میں مدرسہ مظہر العلوم (شاہ ولی اللہ روڈ نزد لی مارکیٹ) نے بھی بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ مدرسہ اپنے عروج کے دور میں دیوبند ثانی کہلاتا تھا۔ اس کے بانی مولانا محمد صادقؒ جہاں صاحب علم وفضل اور حامل قرطاس وقلم تھے وہاں صاحب سیف وسنان بھی تھے۔ اس مدرسہ میں زیادہ تر اندرونِ سندھ اور بلوچستان کے طلبہ آتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔ مولانا محمد صادقؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے مولانا محمد اسماعیلؒ اس ادارہ کے مہتمم رہے۔ مولانا اسماعیلؒ کے دور میں بھی مدرسہ میں طلبہ کی تعداد معقول ہوتی تھی اور نظم ونسق مناسب تھا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اور مولانا اسماعیلؒ کے انتقال کے بعد اس ادارہ کی حالت وہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ اس مدرسہ میں بڑے بڑے شیوخ الحدیث رہے۔ دورہ حدیث کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ مدرسہ اتنا معیاری تھا کہ حکومت نے اس کی سند کو وفاق المدارس کے علاوہ تسلیم کر لیا تھا۔ اس مرکز سے ہزاروں طلبہ نے دورۂ حدیث کیا اور اسناد حاصل کیں۔

دارالہدیٰ

مظہر العلوم کی طرح اندرون سندھ میں جس دینی مدرسہ کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ 'دارالہدیٰ' ہے۔ یہ مدرسہ ٹیڑھی خیرپور میں واقع ہے۔ اس مدرسہ کو بھی اپنے عروج وکمال کے دنوں میں دارالعلوم دیوبند سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ دارالہدی نے اندرون سندھ اور بلوچستان کے طلبہ کو مستفید کیا۔ یہاں باقاعدہ دورۂ حدیث ہوتا ہے۔ دارالافتاء بھی قائم ہے۔ طلبہ کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ حدیث کی اشاعت میں اس مدرسہ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

انوار العلوم

ملتان میں مولانا سعید احمد کاظمیؒ نے انوار العلوم کے نام سے جو مدرسہ قائم کیا وہ خالصتاً روایتی انداز کا مدرسہ تھا۔ مولانا کاظمی چونکہ معقولات کی طرف بھی میلان رکھتے تھے اس لیے انہوں نے درس نظامی کے نصاب کو جوں کا توں رکھا۔ اور اس میں وہ تمام فنون برقرار رکھے جو دیگر جامعات میں تخفیف کا شکار ہو گئے تھے۔ مولانا کاظمیؒ اپنے دور کے بہت بڑے عالم، مفسّر، محدّث اور فقیہ تھے۔ ان کی شخصیت اور علمیت کی وجہ سے اس مدرسہ نے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے

Marfat.com

صاحب زادوں مولانا مظہر سعید کاظمی اور مولانا حامد سعید کاظمی نے اس ادارے کا نظم ونسق سنبھالا اور اسے جدید خطوط پر استوار کیا۔ ملتان میں علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے ضمن میں اس مدرسہ کا بہت اہم کردار ہے۔

خیر المدارس

ملتان ہی میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے بھی "خیر المدارس" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ نے یہ مدرسہ ۱۹۳۱ء میں جالندھر کے مقام پر قائم کیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب آپ نے ہجرت کی تو مدرسہ بھی آپ کے ساتھ منتقل ہو گیا۔ خیر المدارس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ اس مدرسہ سے جو بھی طالب علم فارغ التحصیل ہوا وہ اپنے علم وفضل اور عمل کے ذریعہ پہچانا گیا۔ مولانا خیر محمدؒ ذاتی طور پر نمونۂ اسلاف تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انتہائی سادہ لباس زیبِ تن فرماتے تھے۔ اور بہت معمولی غذا تناول فرماتے تھے۔ عوام میں گھل مل کر رہتے تھے اور یہ تاثر بالکل نہیں دیتے تھے کہ وہ کوئی بڑی اور بھاری بھر کم شخصیت ہیں۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے خلوص اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ اب تک رواں دواں ہے اور اپنا علمی سفر طے کر رہا ہے۔ مولانا اپنے دَور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جن میں سے اکثر درس و تدریس کے ساتھ وابستہ رہے۔ یہ ادارہ اب مولانا جالندھری کے پوتے قاری محمد حنیف جالندھریؒ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ ادارہ سے ایک ماہنامہ ''الخیر'' کے نام سے بھی نکل رہا ہے۔ لائبریری کا معقول انتظام ہے۔ دارالافتاء بھی ہے۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے صحیح بخاری پر ایک مختصر شرح تالیف کی۔

قاسم العلوم

ملتان میں ایک اور مرکز "قاسم العلوم" کے نام سے قائم ہے۔ اس مرکز کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب مولانا مفتی محمودؒ نے شیخ الحدیث کی حیثیت سے یہاں تدریس کا کام شروع کیا۔ مولانا مفتی محمودؒ جہاں سیاسی قائد، عوامی خطیب، اور ہمہ وقت مصروف رہنما تھے وہاں اپنے دَور کے ممتاز محدّث اور فقیہ تھے۔ مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

"ان کی سیاسی بصیرت حدیث اور فقہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر ہے اور مقبولیت تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے۔"

مفتی صاحبؒ جہاں بہت بڑے عالم، فاضل اور یگانۂ روزگار شخصیت تھے وہاں انتہائی متقی، عابد، متواضع اور زاہد تھے۔ نماز پڑھتے وقت ان کی کیفیت دیکھنے والی ہوتی تھی۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے اس کیفیت کو باقاعدہ محسوس کرتے تھے۔ مفتی صاحب حدیث کا درس بہت اہتمام اور انہماک کے ساتھ دیتے تھے۔ آپ جب مسند پر بیٹھ جاتے تو ادب کی وجہ سے شروع سے آخر تک ایک ہی کیفیت میں بیٹھے رہتے۔ اپنی عام گفتگو میں آپ ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے تھے لیکن حدیث کا درس اتنے سکون کے ساتھ دیتے تھے کہ ہاتھوں کو بالکل بھی حرکت نہیں دیتے تھے۔ دو دو گھنٹے تک ایک ہی حالت میں بیٹھے رہتے اور تسلسل کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ مفتی صاحب ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا کرتے تھے۔ زندہ مثالوں کے ساتھ روایات کی وضاحت کرتے تھے۔ سائنسی ایجادات اور جدید معلومات واکتشافات کا تذکرہ بھی دورانِ درس کیا کرتے تھے۔ مفتی صاحبؒ چونکہ رقیق القلب تھے اس لیے حدیث پڑھاتے وقت ان پر جذباتی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا اس لیے رواۃِ حدیث کے تراجم زیادہ تر آپ کو ازبر تھے۔

Marfat.com

مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے اقوال اور مواقف بھی آپ کو یاد رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ فقہاء اور محدثین سب کے سب قابلِ احترام ہیں اور ہمیں ان سب کو ایک جیسا احترام دینا چاہئے۔ آج جو شخص پہلی، دوسری، اور تیسری صدی ہجری کے فقہاء اور محدثین کے مراتب پر بحث کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ ان سب حضرات کا تعلق خیر القرون سے ہے۔ سب ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ مفتی صاحب کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ نے وفاق المدارس کو باقاعدہ منظم کیا اور حکومتِ وقت سے اس کی ڈگری کو ایم اے (علوم اسلامیہ) کے برابر قرار دلوایا۔ مفتی صاحبؒ کے دروس غیر مطبوعہ شکل میں ان کے شاگردوں کے پاس محفوظ ہیں لیکن مطبوعہ شکل میں اب تک یہ کام سامنے نہیں آیا۔

جامعہ اشرفیہ

لاہور میں جس مرکز کی وجہ سے علمِ حدیث کی ترویج واشاعت ہوئی وہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن امرتسریؒ ہیں۔ اس جامعہ کو دو اساتذہ کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور دوسرے مولانا رسول خان ہزارویؒ کی وجہ سے۔ یہ دنوں حضرات جامعہ اشرفیہ میں آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں مدرّس رہ چکے تھے اور علمی حلقوں میں مقبولیت اور شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مولانا رسول خانؒ علوم وفنون میں مہارت کی وجہ سے "شیخ الکل فی الکل" کہلاتے تھے۔ پاکستان میں جتنے بڑے بڑے علماء آئے ان میں سے بیشتر آپ کے شاگرد تھے۔ آپ سے حدیث پڑھنا اور سند حاصل کرنا باعثِ سعادت سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رسول خانؒ کے ہوتے ہوئے حدیث کے طلبہ کسی اور ادارہ کا بہت کم رخ کرتے تھے۔ مولانا رسول خان اپنے دور کے ممتاز محدّث تھے۔ آپ کا حافظہ غضب کا تھا۔ آپ کے بارے میں مشہور تھا کہ آپ اس صدی کے نہیں بلکہ پہلی یا دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اسناد اور متون دونوں آپ کو ازبر تھیں۔ بلکہ بیشتر مصادر حدیث کے حواشی اور شروح بھی آپ کو یاد تھیں۔ آپ نے اپنے جن شیوخ سے استفادہ کیا ان شیوخ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات پوری ترتیب کے ساتھ آپ کو یاد تھے۔ آپ اس دور میں "آیۃ من آیات اللہ" تھے۔ آپ کے اوپر طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ ہر وقت تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ ٹائم ٹیبل کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ طلبہ کے ہجوم کی وجہ سے آپ کو خلوت اور تنہائی کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تصنیف وتالیف کا کام بالکل نہیں کر سکے۔ آپ کے طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کی ترویج و اشاعت میں آپ کا بہت اہم اور بنیادی کردار ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے کبار شیوخ سے استفادہ کیا۔ مفتی عزیزالرحمن، مولانا شبیرؒ احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد مدنی، اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ آپ کے شیوخ ہیں۔ مولانا کاندھلویؒ اپنے دور کے بہت بڑے محدّث تھے۔ آپ کا تعلق تفسیر، حدیث، سیرت اور کلام سے رہا۔ لیکن آپ کو شہرت اور مقبولیت حدیث کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ مولانا کاندھلویؒ جہاں ماہر اور تجربہ کار مدرّس تھے وہاں بہت اعلیٰ درجہ کے ادیب اور مصنف بھی تھے۔ آپ نے زندگی بھر تدریس اور تصنیف وتالیف کا کام ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ تفسیر میں آپ نے "معارف القرآن" کے نام سے بہت اہم تفسیر مرتب کی۔ سیرت میں "سیرۃ المصطفیٰ" کے نام سے کتاب لکھی۔ حدیث میں آپ نے "تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری"، "التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح"، "مقدمۃ الحدیث"، "منحۃ المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث" اور "حجیتِ حدیث" پانچ اہم تالیفات کیں۔

Marfat.com

"تحفۃ القاری" کے مقدمہ میں مولانا کاندھلوی ؒ اس کتاب کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فیہ حل أبوابه وتراجمه، وشرح مشكلاته، وايضاح مغلقاته، لا شرح الكتاب بتمامه، ولا حل جميع الفاظه وعباراته))

"اس کتاب میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب کا حل ہے۔اس کے مشکل مقامات کی شرح ہے اور وضاحت طلب مقامات کی وضاحت ہے اس کتاب میں پوری صحیح بخاری کی شرح نہیں اور نہ پوری کتاب کے الفاظ ونصوص کا تجزیہ ہے۔"

مولانا کاندھلوی ؒ کا طرز اس کتاب میں یہ ہے کہ سب سے پہلے "صحیح بخاری" کے باب کے عنوان کی عبارت کو نقل کرتے ہیں۔اس کی وضاحت کرتے ہیں۔اس کے بعد اگر ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے کوئی آیت یا حدیث نقل کر لی ہو تو اس آیت اور حدیث کی تشریح بیان کرنے کے بعد اس آیت کو یا حدیث کو ترجمۃ الباب کا حصہ بنانے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

"التعليق الصبيح على مشكوة المصابيح" سات جلدوں پر مشتمل ہے۔یہ مشکوۃ المصابیح کی عربی شرح ہے۔مولانا کاندھلوی ؒ نے اس کتاب کی ترتیب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس کی زبان سلیس، عام فہم اور تراکیب آسان ہوں۔تاکہ اساتذہ اور طلبہ دونوں اس سے مستفید ہو سکیں۔

مولانا کاندھلوی ؒ نے اصولِ حدیث میں "مقدمۃ الحدیث" کے نام سے ایک تالیف کی۔یہ تالیف آپ کی حیات میں نہیں چھپ سکی۔یہ مخطوطہ محفوظ رہا تا آنکہ حال ہی میں ڈاکٹر تاج الدین الازہری ؒ نے اس پر تعلیق و تحقیق کی اور پنجاب یونیورسٹی سے اس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی۔

جامعہ اشرفیہ میں جب تک یہ دونوں حضرات حدیث پڑھاتے رہے حدیث کے طلبہ اطراف واکناف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی ؒ بھی جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث رہے۔مولانا مالک کاندھلوی ؒ اپنے والد کی طرح جاذبِ نظر اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔علم وفضل کے آثار آپ کے چہرہ پر نظر آتے تھے۔آپ کی زبان اتنی شستہ، رواں اور خوب صورت تھی کہ سامعین گھنٹوں تک آپ کو سننا چاہتے تھے۔حافظہ بہت قوی تھا۔آیات اور روایات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کو از بر تھا۔آپ نے زندگی بھر تدریس اور تصنیف وتالیف کا کام کیا۔آپ نے اپنے والد کی تفسیر "معارف القرآن" کا تکملہ دو جلدوں میں لکھا۔اس کے علاوہ اصولِ تفسیر پر ایک کتاب لکھی۔"ہدایہ" کا اردو میں ترجمہ کیا۔زندگی کا طویل عرصہ حدیث کی تدریس میں گزارا۔آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو کہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی ؒ کے علاوہ جامعہ اشرفیہ میں مولانا موسیٰ خان صاحب ؒ کی شخصیت بھی حدیث کی اشاعت کے حوالہ سے قابلِ ذکر ہے۔مولانا موسیٰ خان ؒ علوم وفنون کے جامع تھے۔آپ معقولات اور منقولات دونوں کے شیخ تھے۔تصوف سے بھی بہت گہرا تعلق تھا۔آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔"صحیح بخاری" اور "جامع ترمذی"

Marfat.com

آپ نے بہت سارا مواد جمع کیا۔ آپ کا میلان چوں کہ عربی کی طرف تھا اس لیے جو کچھ لکھا عربی میں لکھا۔ مولانا موسیٰ خانؒ حدیث کے طلبہ کے حلقوں میں بہت مقبول تھے۔ آپ اپنے طلبہ کے ساتھ بہت شفقت اور پیار سے پیش آتے تھے۔ تدریس کے سلسلہ میں ٹائم ٹیبل کے پابند نہ تھے۔ مغرب سے لے کر رات کو جب تک چاہتے پڑھاتے رہتے تھے۔ دن کی تدریس اس کے علاوہ تھی۔

نصرۃ العلوم

حدیث اور علوم الحدیث کی اشاعت وترویج کے ضمن میں ایک اہم نام مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا بھی ہے۔ مولانا سرفراز خان صاحبؒ اس دور میں گزرے ہوئے قافلے کے بچھڑے ہوئے مسافر ہیں۔ مولانا کی شخصیت میں ایسی جاذبیت ہے کہ ان سے ملنے والا شخص بہت دیر تک ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ مولانا کا حافظہ اس عمر میں بھی اتنا قویٰ ہے کہ متون اور اسناد کی بہت بڑی تعداد انہیں ازبر ہے۔ اس وقت مولانا ہی کی شخصیت ہے جنہیں علم رجال کے مجال میں بہت مہارت حاصل ہے۔ مولانا سرفراز خانؒ صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی پوری زندگی تدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری۔ آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب کے علماء آپ کی تحقیق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ تصنیف وتالیف میں آپ کا انداز بالکل تحقیقی اور علمی ہے۔ آپ مکمل حوالہ جات دیتے ہیں۔ حواشی اور تعلیقات کے ذریعہ اپنے قاری کو مزید معلومات بھی دیتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ "الکلام الحاوی علی الطحاوی"، "شوقِ حدیث" اور "انکارِ حدیث کے نتائج" آپ کی اہم تالیفات ہیں۔

جامعہ امدادیہ

حدیث اور علومِ حدیث کی ترویج واشاعت کے ضمن میں مولانا محمد نذیر صاحبؒ کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا نے فیصل آباد میں جامعہ امدادیہ کے نام سے جو مرکز قائم کیا تو ابتدا دورۂ حدیث سے کی۔ آپ نے یہ مرکز جدید خطوط پر استوار کیا۔ آپ کے پڑھانے کا انداز چونکہ بہت دلچسپ اور عمدہ ہے اس لیے حدیث کے طلبہ نے اس جامعہ کی طرف رُخ کیا۔ مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا۔ مشکوٰۃ المصابیح پر آپ کی شرح بہت مفید اور معلوماتی ہے۔

دارالعلوم حقّانیہ

خیبر پختونخواہ میں جس ادارہ کی وجہ سے حدیث کی اشاعت اور ترویج باقاعدہ طور پر ہوئی وہ "دارالعلوم حقانیہ" اکوڑہ خٹک ہے۔ شروع میں خیبر پختونخواہ میں علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ درسوں کی شکل میں تھا۔ یہ مراکز عام طور پر مساجد میں قائم ہوتے تھے اور مختلف فنون، مختلف مراکز میں پڑھائے جاتے تھے۔ حدیث کے حوالہ سے جس مرکز کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ کا درس تھا۔ مولانا نصیر الدینؒ حدیث اور علوم الحدیث کے بہت جیدّ عالم تھے۔ آپ نے "مشکاۃ المصابیح" کے حواشی مرتب کئے۔ اور زندگی بھر حدیث کے مصادر کی تدریس کی۔ مولانا عبدالحقؒ نے جب اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ قائم کیا تو اس مدرسہ میں درسِ نظامی کے نصاب کے مطابق جملہ علوم وفنون کی تعلیم کا انتظام کیا اور ہر فن کی تدریس کے لیے مختلف علاقوں میں جو اساتذہ پھیلے ہوئے تھے ان کو یہاں جمع کر دیا۔ مولانا عبدالحقؒ خود حدیث کے بہت ماہر اور تجربہ کار استاد

Marfat.com

تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز محدثین سے براہِ راست استفادہ کیا تھا۔ جب آپ نے خود حدیث پڑھانا شروع کیا تو خیبر پختونخواہ، افغانستان اور بلوچستان کے طلبہ نے جوق درجوق دارالعلوم حقانیہ کا رخ کیا۔ مولانا عبدالحق ؒ جب حیات تھے تو دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں تِل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ دارالعلوم میں چونکہ تدریس پشتو میں ہوتی ہے اس لیے یہاں وہی طلبہ آتے ہیں جو پشتو بولتے ہیں۔ مولانا کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ دارالعلوم میں ایک بہت عمدہ لائبریری بھی ہے۔ یہاں سے ایک علمی مجلہ "الحق" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ دارالافتاء بھی قائم ہے اور مختلف علوم وفنون میں تخصص بھی ہوتا ہے۔ مولانا عبدالحق ؒ کے انتقال کے بعد اس مرکز کا اہتمام مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق کے پاس ہے۔ یہ دونوں مولانا کے صاحب زادے ہیں۔ دارالعلوم اب روز بروز جدید اسلوب اور انداز کی طرف بڑھ رہا ہے۔ شعبۂ تصنیف وتالیف بھی ترقی کر رہا ہے اور دوسرے شعبے بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

دارالعلوم تعلیم لقرآن

راولپنڈی ڈویژن میں جس مرکز نے حدیث اور علوم الحدیث کی ترویج واشاعت کے لیے بنیادی خدمات انجام دیں وہ "دارالعلوم تعلیم القرآن" کے نام سے مشہور ہے۔ اس مرکز کے بانی مولانا غلام اللہ خان ؒ تھے۔ مولانا غلام اللہ خان ؒ نے شہر کے وسط میں اپنا مرکز قائم کیا۔ مولانا کا موقف یہ تھا کہ عوام کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے تاکہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے غلط رسوم ورواج اور توہمات کا خاتمہ ہو سکے۔ اپنے اس موقف اور تجزیہ کی بنیاد پر آپ نے درسِ قرآن اور درسِ حدیث پر خاص توجہ دی۔ آپ نے ملک کے مختلف اطراف سے ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کو جمع کیا۔ خود حدیث کے بنیادی مصادر کی تدریس کرتے تھے۔ دارالعوم تعلیم القرآن بنیادی طور پر ایک روایتی مدرسہ رہا۔ یہاں نہ تو کوئی معقول قسم کی لائبریری قائم ہوئی نہ تصنیف وتالیف اور تحقیق کا شعبہ سامنے آیا۔ یہاں طلبہ نصابی کتب تک محدود رہتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیوں کا سلسلہ یہاں نہیں ہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد قاضی احسان الحق ؒ مدرسہ کے مہتمم رہے اور ان کے بعد مولانا اشرف علی صاحب مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ مولانا غلام اللہ خان ؒ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اس مرکز نے پوٹھوہار کے علاقہ میں کتاب وسنت کی تعلیمات کی اشاعت میں بہت اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم

راولپنڈی میں ایک اور مرکز جامعہ رضویہ ضیاء العلوم کے نام سے قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مہتمم مولانا محیّ الدین شاہ صاحب ؒ تھے۔ مولانا نے اس مدرسہ کو بہت خلوص اور توجہ کے ساتھ قائم کیا۔ ادارہ بہت منظم ہے۔ یہاں ایک معقول لائبریری ہے جس سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ ہم نصابی مطالعہ اور سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں۔ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ بیرون ملک بھی مختلف مراکز میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں درس نظامی کے نصاب کے مطابق کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور دورہ حدیث کے طلبہ معقول تعداد میں ہوتے ہیں۔

جامعہ سلفیہ

جمعیت اہل حدیث کے زیرِ اہتمام اسلام آباد میں 'الجامعۃ السلفیۃ' قائم ہے۔ اس ادارہ کی تاسیس وتعمیر میں مولانا حبیب

Marfat.com

الرحمن بخاریؒ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جامعہ سلفیہ میں وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب کے مطابق علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں معقول لائبریری بھی ہے اور حدیث کے تجربہ کار اساتذہ بھی۔

جامعہ فریدیہ

اسلام آباد ہی میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ کے نام سے بھی ایک مدرسہ قائم ہے۔ اس مدرسہ کے بانی اور مؤسس حاجی اختر حسن صاحبؒ بہت دور اندیش اور مخلص انسان تھے۔ حاجی صاحب نے اس ادارہ کو بالکل نئے خطوط اور جدید نصاب ومنہاج کے مطابق قائم کیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ملک کے متمول اور بااثر طبقہ کے بچوں کو ایسا ماحول اور ایسی فضا فراہم کی جائے جس میں وہ علومِ دینیہ کے حصول کے لیے آئیں۔ آپ کی اس سوچ اور فکر کو بعض متمول اور مخیر حضرات نے بہت سراہا اور انہوں نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ جامعہ فریدیہ ابتداء میں ایک روایتی مدرسہ تھا لیکن بعد میں اس کے لیے اسلام آباد کے خوبصورت ترین علاقہ ای سیون میں شایانِ شان عمارت تعمیر کی گئی۔ جامعہ فریدیہ کے لیے نیا نصاب مرتب کیا گیا۔ عربی زبان کی تدریس کے لیے عرب اساتذہ رکھے گئے۔ باقی علوم وفنون کے لیے بھی بہت ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کا تقرر کیا گیا لیکن ۱۹۸۵ء میں جب حاجی صاحبؒ کا اسلام آباد سے کراچی تبادلہ ہو گیا تو مدرسہ کے انتظامی معاملات متاثر ہو گئے۔ اور بالآخر مولانا عبداللہ صاحبؒ نے مدرسہ کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مولانا صاحب نے مدرسہ کا انتظام وانصرام روایتی طرز پر استوار کر دیا اور وہ نصاب ومنہاج جو حاجی اختر حسن صاحبؒ نے تیار کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا۔ اگر حاجی صاحب کے وضع کردہ نظام کے مطابق یہ مرکز کامیاب ہو جاتا تو یہ علوم وفنون کا ایک امتیازی ادارہ ہوتا جہاں طلبہ حدیث اور علوم الحدیث کے مصادر چار سال میں پڑھتے اور اس طرح ایسے طلبہ تیار ہوتے جو تفسیر، حدیث اور فقہ میں متخصص ہوتے۔ بہرحال جامعہ فریدیہ میں درسِ نظامی کا نصاب رائج ہوا۔ یہاں دورہ حدیث ہوتا ہے۔ ہم نصابی مطالعہ کا کوئی خاص انتظام نہیں۔ نہ ہی لائبریری سے استفادہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ شعبہ تحقیق وتالیف اور اس سے منسلک جس لائبریری کا منصوبہ اس جامعہ کے آغاز میں ڈیزائن کیا گیا تھا وہ بعد میں آنے والے احوال وظروف کی نذر ہو گیا۔

جامعہ محمدیہ

اسلام آباد میں ایک اور ادارہ جامعہ محمدیہ کے نام سے بھی کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ کے بانی ومہتمم مولانا ظہور احمد علوی صاحب ہیں۔ مولانا علوی چونکہ حاجی اختر حسن صاحبؒ کے دور میں جامعہ فریدیہ کے ناظم رہے اس لیے انہوں نے حاجی صاحبؒ سے بہت کچھ سیکھا۔ جامعہ محمدیہ بنیادی طور پر روایتی مدرسہ ہے جہاں درسِ نظامی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔ دورہ حدیث بھی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو جدید اسلوب اور انداز میں تربیت بھی دی جاتی ہے۔ انگلش اور عربی زبان پر دوسرے مدارس کے مقابلہ میں یہاں زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ عام طور پر یہاں درجۂ اولیٰ میں وہ طلبہ آتے ہیں جو میٹرک کر چکے ہوتے ہیں۔ اساتذہ بھی معیاری رکھے گئے ہیں۔ لائبریری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہاں طلبہ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہم نصابی مطالعہ کریں۔

جامعہ اسلامیہ

راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے بھی ایک مدرسہ کام کر رہا ہے۔ اس مدرسہ کے بانی قاری سعید الرحمن صاحب

Marfat.com

ہیں۔ قاری صاحب اپنے ہم عصر علماء میں ایک ممتاز علمی مقام رکھتے ہیں۔اس مدرسہ میں دورہ حدیث ہوتا ہے۔ قاری صاحب خود حدیث پڑھاتے ہیں۔ دورۂ حدیث کے طلبہ کی معقول تعداد ہوتی ہے۔

جامعۃ العلوم الشرعیہ

راولپنڈی میں جامعۃ العلوم الشرعیۃ حدیث کے حوالہ سے ایک بہت معروف ومشہور مرکز رہا ہے اس مدرسہ میں جب تک مولانا انور شاہ صاحب" شیخ الحدیث رہے حدیث کے طلبہ بڑی تعداد میں یہاں آتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب" نے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز محدثین سے براہِ راست استفادہ کیا تھا اور زندگی بھر حدیث کی تدریس کی۔ آپ راولپنڈی آنے سے پہلے قاسم العلوم فقیر والی (بہاولنگر) میں شیخ الحدیث تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ حدیث کے متون اور حدیث سے متعلقہ فنون میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ حدیث کا مطالعہ آپ کا مشغلہ تھا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا بیشتر حصہ آپ کو ازبر تھا۔

جامعہ اسلامیہ عالمیہ (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی)

اسلام آباد میں ۱۹۸۰ء میں جب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی تو اس میں ایک فیکلٹی "اصول الدین" کے نام سے رکھی گئی۔ اس فیکلٹی میں تفسیر وحدیث کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ تفسیر وحدیث کے اس شعبہ کے تحت بہت سارے طلبہ نے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہاں بہت عمدہ لائبریری ہے۔ طلبہ اس لائبریری سے خوب استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ادارہ میں چونکہ غیر ملکی طلبہ بھی ہوتے ہیں اور وہ بہت انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو دیکھا دیکھی یہاں کے مقامی طلبہ بھی مطالعہ کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے قیام سے پہلے "ادارہ تحقیقاتِ اسلامی" میں بھی شعبہ تفسیر وحدیث کام کر رہا تھا۔ اس شعبہ سے متعلق سکالرز نے بہت وقیع اور مفید علمی کام کیا۔ ادارہ سے نکلنے والے علمی مجلات "فکر ونظر"، "الدراسات الاسلامیۃ" اور "Islamic Studies" میں حدیث وسیرت کے حوالے سے اردو، عربی اور انگریزی میں کئی علمی مقالات چھپے۔ یہ تینوں مجلات اب تک باقاعدگی سے چھپتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری پاکستان کی لائبریریوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اس لائبریری میں جہاں دیگر علوم وفنون کی کتابیں جمع کی گئی ہیں وہاں حدیث اور علومِ حدیث کے تقریباً جملہ مصادر موجود ہیں۔ محققین، اساتذہ اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد اس لائبریری سے استفادہ کرتی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں جب "دعوۃ اکیڈمی" کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس یونٹ کے تحت دعوتی نکتہ نگاہ سے تفسیر اور حدیث کے مراسلاتی کورسز شروع کیے گئے۔ کاتبِ حروف نے چوبیس یونٹوں پر مشتمل حدیث کا ایک کورس مرتب کیا۔ اس کورس کو الحمد للہ بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور ہر سال تین ساڑھے تین ہزار افراد اس میں رجسٹرڈ ہوتے رہے۔ اس کورس کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرہ کے عام افراد کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات سے روشناس کروایا جائے۔

Marfat.com

اس وقت پاکستان کے تمام جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے پروگرام چل رہے ہیں۔ان پروگراموں کے تحت کئی طلبہ حدیث کے موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ حدیث کے طلبہ کو حدیث کے بنیادی مصادر اور علوم الحدیث کے اساسی مآخذ کا مطالعہ کرایا جائے۔ہمارے ہاں عام طور پر طلبہ اپنے موضوع تک محدود رہتے ہیں۔انہیں اس موضوع کے بارے میں تو معلومات ہوتی ہیں جس پر انہوں نے مقالہ لکھا ہوتا ہے لیکن موضوع کے علاوہ انہیں حدیث اور علوم الحدیث کے بارے میں بنیادی معلومات بھی نہیں ہوتیں۔حدیث کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ انہیں عربی آتی ہو تاکہ وہ براہِ راست مصادرِ حدیث کا مطالعہ کر سکیں۔

شعبۂ حدیث وسیرت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کلیۂ علومِ اسلامیہ کے تحت حدیث وسیرت کا جو شعبہ قائم ہے۔اس شعبہ کی کوشش یہ ہے کہ حدیث کے طلبہ کو عام فہم اور سلیس زبان واسلوب میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں اور ان موضوعات پر مواد جمع کر کے طلبہ کو دیا جائے جن کا مطالعہ حدیث کے طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے۔اس شعبہ کے تحت اب تک الحمد للہ "تخصص فی الحدیث" کے چار کورسز تیار ہو چکے ہیں۔جنہیں طلبہ اور اساتذہ نے سراہا ہے۔مستقبل میں ایم فل کی سطح پر بھی کورسز تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔یہاں ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کئی طلبہ حدیث وسیرت کے مختلف موضوعات پر مقالے لکھ رہے ہیں۔

پاکستان میں کئی علماء کرام اور سکالرز انفرادی طور پر علم حدیث کی اشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں۔یہ حضرات زیادہ تر تصنیف وتالیف سے وابستہ ہیں۔ان میں سے اکثریت ان علماء کی ہے جو اس یونٹ میں مذکورہ دینی مدارس اور جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں یا انجام دیتے رہے ہیں۔بہر حال پاکستان میں حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کا سہرا دینی مدارس اور جامعات کے سر پر ہے۔ان اداروں سے ایسے علماء اور سکالرز پیدا ہو رہے ہیں جو اس سلسلہ کو آگے بڑھانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔اس باب میں جن مدارس اور جامعات کا اجمالی تعارف دیا گیا ہے یہ محض نمونہ کے طور پر دیا گیا ہے۔اس وقت الحمد للہ پورے ملک میں دینی مدارس اور جدید خطوط پر قائم کئے گئے علمی مراکز کا ایک وسیع نیٹ ورک کام کر رہا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔حدیث کی ترویج واشاعت جہاں تعلیم وتدریس کے ذریعہ ہو رہی ہے وہاں تصنیف وتالیف اور تحقیق کے میدان میں بھی وقیع تالیفات اور مقالات منظر عام پر آ رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ اس سلسلہ کو تاقیامت جاری وساری رکھے۔ آمین!

Marfat.com